پارہ ۱۲
يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ
مفتاح کنوز اسرار ربانی منشور لامع النور فیوض سبحانی مجموعہ معارف حقائق ذخیرہ اسرار و دقائق جسمین تفسیر شیخ امام عماد الدین ابو الفدا اسمٰعیل بن عمر
بن کثیر القرشی الدمشقی اور تفسیر امام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری وغیرہ اکابر ائمہ کے افادات کیساتھ مین بہت سے مفید التزامات کی رعایت کیگئی ہے عماد دین و ایمان،
الموسوم بہ
تفسیر مواھب الرحمن
المشتہر بہ
جامع البیان
مصنفہ
جبر العلوم العقلیۃ والنقلیۃ بحر الفنون الفرعیۃ والاصلیۃ قاطع شبہات الملحدین دافع مکائد الغابرین حاوی الفضائل والفواضل عمدۃ الاجلۃ والاماثل
المتفرد بالعلم الخفی والجلی مولانا مولوی سید امیر علی صاحب فتاوی الہندیہ ترجمہ عالمگیریہ و عین الہدایہ طالب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ مزید اہتمام اور حسن انتظام سے
باہتمام کیسری داس سیٹھ سپرنٹنڈنٹ
مطبع منشی نولکشور واقع لکھنؤ میں بحسن خوبی چھپی
سنہ ۱۹۳۲ء
اعلان جو تالیف و تصنیف اس کتاب کی ہے انتساب کا حق نولکشور پریس لکھنؤ محفوظ و محدود ہے۔

اطلاع ۔ اس مطبع مین ہر علم و فن کی کتب کا ذخیرہ فروخت کے لئے موجود ہے جس کی فہرست ہر ایک شائق کو چھاپہ خانہ سے مل سکتی ہے جسکے معائنہ و ملاحظہ سے شائقین اصلی حالات کتب معلوم فرما سکتے ہیں قیمت بہت مناسب ہے بعض کتاب کے ٹیٹل پیج کے تین صفحہ جو سادے تھے اِن مین بعض کتب اُردو و فارسی و عربی کے درج کرتے ہیں تاکہ بعض کتب موجودہ کارخانہ سے قدردانون کو آگاہی کا ذریعہ حاصل ہو۔

تفاسیر قرآنی اُردو

تفسیر قادری۔ ترجمۂ اُردو تفسیر حسینی مترجمہ مولوی فخر الدین صاحب کامل دو جلدمیں ۔۔/

تفسیر سورۂ فاتحہ۔ مسمٰی بہ تحفۃ الاسلام از مولوی اکرام الدین ۔ ۲ /

تفسیر سورۂ یوسف ۔ چہ مصرعہ از مولوی اشرف علی ۔ ۵ /

پنجسورہ مترجم ۔ با ترجمۂ اُردو ۔ ۲ /

ایضاً فارسی

تفسیر حسینی از ملا حسین واعظ متعارف متداول پوری تفسیر خوشخط مجلد ۔ /

تفسیر اسرار الفاتحہ مصنفۂ ملا معین ہروی در تصوف ۔ /

ایضاً عربی

تفسیر بے نقط فیضی مسمٰی بہ سواطع الالہام علم کے سر کا تاج یعنی جو کتاب خزانہ اکبری شہنشاہ اکبر مین گوہر نایاب مخفی تھی اپنے خزانہ کی منزلت کیجئے عجیب صنعت ہے بالکل بے نقط سیر عجیب بلاغت و سلاست پھر مبتدا و خبر اور شرط و جزا کی اصطلاح بے نقط فرعون و قارون کا نام بے نقط رُوداد کا ترجمہ بے نقط شہنشاہ ہند کا عزت کرنا واقعی بجا تھا اور فیضی مصنف کا فخر زیبا و بیجا ہی پایا جیسا سنا تھا مطبع کی تمام کوشش سے نہایت نفیس نسخہ ملا جسکو جواہر رقم خوشنویس نے لکھا بہت عمدہ چھپا ۔ ۔/ بلا جلد ۔ مجلد ۔/

احادیث اُردو

مظاہر حق۔ ترجمۂ مشکوٰۃ المصابیح مترجمہ جناب مولانا محمد قطب الدین دہلوی مرحوم و مغفور کامل چار جلدمین ہی حامل المتن یعنے اول عبارت عربی حدیث کی بعدہٗ اسکا ترجمہ اُردو میں اس مرتبہ اسمین ترجمہ اسماء الرجال کا بھی اضافہ کیا گیا ہے ۔ /

تحفۃ الاخیار۔ ترجمۂ اُردو مشارق الانوار مترجمہ مولوی خرم علی ۔ /

ترجمہ جامع ترمذی حامل المتن جلد اوّل مترجمہ مولوی فضل احمد انصاری دلاوری لاہوری۔ یہ ترجمہ نفیس بصرف زر کثیر مطبع نے کرایا ہے اور حقوق ترجمہ بحق مطبع محفوظ و محدود ہیں ۔ ۔/

ایضاً جلد دوم حسب مراتب بالا ۔/

حدیث فارسی

اشعۃ اللمعات حامل المتن شرح مشکوٰۃ از مولانا عبد الحق محدث دہلوی چار مجلدات مین جدید الطبع ۔/

ایضاً عربی

تیسیر الوصول الی احادیث جامع الاصول از شیخ عبد الرحمن بن علی یمنی معروف ۔ ۔/

دلائل الخیرات ۔ با ترجمۂ فارسی و اسماء متبرکہ در خواص اسماء حسنٰے معروف ۔ ۱ /

زاد السبیل الی الجنۃ و السلسبیل ذخیرہ احادیث مؤلفۂ مولانا غلام یحیٰی ۔ ۵ /

فقہ اُردو

غایۃ الاوطار۔ ترجمۂ اُردو در مختار مترجمہ مولوی خرم علی و مولوی محمد احسن کامل چار جلدمیں ۔ /

راہ نجات۔ ضروری مسائل نماز و روزہ وغیرہ ۔/

مفتاح الجنۃ۔ از مولوی کرامت علی جونپوری ۵ /

حقیقۃ الصلوٰۃ مع رسالۂ بے نمازان ۔ ۱ /

ترجمہ فتاوی عالمگیری۔ اس مستند کتاب کا ترجمہ مولانا احتشام الدین اور جناب مولانا امیر علی صاحب نے فرمایا ہے اس دفعہ ضخامت کی وجہ سے دس جلدون مین شائع کیا ہے قیمت کامل ۔/

کشف الحاجۃ۔ ترجمۂ اُردو ما لابد منہ از مولوی محمد نور الدین ۔ ۴ /

ہزار مسئلہ۔ بشامل ہفت رسالہ (۱) ہزار مسئلہ (۲) مسائل ثمانیہ (۳) صد و سی مسئلہ (۴) مناجات بدرگاہ باری تعالیٰ (۵) حلیۂ شریف (۶) نور نامہ (۷) چہل مسائل مؤلفۂ مولوی عبد اللہ بن عبد السلام ۔ ۲ /

شرع محمدی منظوم مسائل فقہیہ از محمد خان قندھاری ۔ /

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ

اور کوئی نہیں پاؤں چلنے والا زمین پر

اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝

مگر اللہ پر ہے اُس کی روزی اور جانتا ہے جہاں ٹھہرتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے سب موجود ہے کھُلی کتاب میں

دآبۃ بتشدید بار موحدہ ما دبّ علی الارض ۔ جو چیز زمین پر رینگے یا حرکت و سیر کرے پس چیونٹی وغیرہ حشرات الارض کو بھی شامل ہے اور یہی یہان مراد ہے اور عرف مین چارپایہ پر اور عرف خاص مین گھوڑے پر بولتے ہین ۔ وہ مراد نہین ہے ۔ ما نافیہ ۔ اور مِن دابۃ مین مِن زائدہ بغرض استغراق نفی ہے علی اللہ مین کہا گیا کہ علی وجوب کیلئے اور کہا گیا کہ نہین وسیاق الکلام فیہ ۔ بیضاوی رح نے کہا کہ گویا اس آیت سے یہ بیان مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام معلومات سب کا عالم ہے جیسے مابعد مین تمام ممکنات پر قدرت والا ہونے کا بیان ہے تاکہ توحید خوب محقق ہو جاوے ۔ فرمایا ۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ اور نہین کوئی دابہ مین ہین اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا مگر آنکہ اللہ تعالیٰ پر ہے اُسکا رزق یعنی اُسکی غذا و معاش جو کچھ ہو وہ اللہ تعالیٰ پر ہے کیونکہ اُسنے تفضل و رحمت سے اُسکا تکفل فرما لیا ہے پس کوئی یہ وہم نہ کرے کہ او تعالیٰ پر بھی یہ امر واجب ہے ۔ بیضاوی رحمہ اللہ نے کہا کہ علی اللہ بحرف وجوب فقط اسواسطے فرمایا کہ جب اُسنے تفضل و رحمت سے تکفل فرمایا تو ضرور ہر دابہ کو اسکا رزق پہونچے گا اور اسلیئے کہ مخلوق اس بارہ مین اسپر توکل کرین ۔ اور کمالین مین کہا کہ یہ اگرچہ محض تفضل ہے لیکن جب اُسنے یہ ضمانت کر لی کہ مخلوق پر تفضل فرماویگا تو اس تفضل کا مرجع واجب ہوا جیسے بندون کی نذر کر لینے کا حال ہے ۔ امام رازی رح نے کہا کہ رزق تو اللہ تعالیٰ پر بسبب وعدہ و فضل و احسان کے واجب ہے تو یہ بندون کی نذرون کے معنی مین ہوگا بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ پر کچھ واجب نہین ہے جیسا کہ ظاہر کلام بیضاوی رح ہے اور حاصل یہ ہے کہ وجوب یہان وجوب اختیاری ہے نہ وجوب التزامی پس رزق اسکی مشیت پر موکول ہے چاہے دے اور چاہے نہ دے ۔ اور بعض نے کہا کہ علی اللہ بمعنی من اللہ ہے ۔ مجاہد رح نے کہا کہ دابہ کو جو رزق پہونچا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور کبھی رزق نہین دیتا کہ وہ بھوک سے مر جاتا ہے مترجم کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر وجوب تعبدی کے معنی متصور ہی نہین ہین ولیکن اس سے یہ لازم نہین کہ وہ اپنی مخلوق کے ارزاق کا متکفل نہ ہو کیونکہ اسکے سوائے کوئی رازق و رزاق نہین ہے اور احادیث مین تصریح ہے کہ ہر ایک مخلوق کا رزق و اجل وغیرہ قبل پیدائش کے اللہ تعالیٰ مقدر فرماتا ہے ہان جیسے ابتدائے آیت مین گذرا کہ باعتبار نیک و بد اعمال کے تمتع پاکیزہ و تمتع ناپاک سے فرق ہوتا ہے لہذا ابن کثیر رح نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مین خبر دی کہ تمام دواب روئے زمین صغیر و کبیر کا خواہ برّی ہو یا بحری ہو ہر ایک کے ارزاق کا اللہ تعالیٰ متکفل ہے ۔ وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۔ اور وہ جانتا ہے ہر دابہ کے مستقر و مستودع کو یعنی کہان اُسکا مستقر ہے کہ وہان تک زمین مین سیر کرے اور کہان مستودع ہے کہ پھر وہان بسیرا لیوے ۔ علی بن ابی طلحہ وغیرہ نے ابن عباس سے روایت کی کہ مستقرہا یعنی زندگی مین کہان ٹھکانا لیتا ہے اور مستودعہا یعنی جہان مر کر مدفون ہوگا ۔ مجاہد رح سے روایت ہے کہ مستقر سے رحم کا محل قرار مراد ہے اور مستودع سے صلب کا نطفہ مراد ہے اور یہی ضحاک و ابن عباس و ایک جماعت سے مروی ہے پس یہ سورہ انعام کی آیت سے متوافق تفسیر ہوئی ۔ الحاصل اللہ تعالیٰ ہر دابہ کو رزق دیتا ہے جہان کہین ہو بعد اسکے وہ دابہ محتاج غذا ہو گیا ہو ۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلعم سے روایت کی کہ جب تم مین سے کسی کی موت کسی زمین مین مقدر ہوگی تو وہان جانے پر اُس کو کوئی ضرورت مجبور کریگی یہان تک کہ جب وہ انتہائے مقام پر پہونچ جائے گا

تو وہان اسکی روح قبض کی جاویگی پس قیامت کے روز زمین عرض کریگی کہ یہ وہ ہے جو تو نے مجھے ودیعت سونپا تھا ۔ رواہ الحاکم وصححہ ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آیت کو ختم فرمایا بقولہ کُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۔ ہر ایک ان دواب مین سے وراس کا پورا حال مذکور و مثبت ہے لوح محفوظ مین ۔ بالجملہ علم الٰہی اسطرح مخلوقات کو محیط اور سب اسطرح اسکے علم مین منحصر و معلوم ہین جیسے فرمایا ۔ وما من دابۃ فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم ما فرطنا فی الکتاب من شیئ ثم الی ربہم یحشرون ۔ اور دوسری آیت مین فرمایا ۔ وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ہو ویعلم ما فی البر والبحر وما تسقط من ورقۃ الا یعلمہا ولا حبۃ فی ظلمات الارض ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین ۔ پس وہی اللہ تعالیٰ وحدہٗ خالق رازق ہے جس کے علم مین اسطرح مخلوق کے ارزاق و مستقر و مستودع کا انضباط ہے جس سے تجاوز نہین ہوسکتا اور کفار مشرکین اپنی جہالت سے رزق وغیرہ کو شرکا کی طرف سے سمجھتے اور خالق عزوجل سے کفر کرتے ہین ف فی العرائس قولہ وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا جمہور کو زبان توحید سے بلایا کہ متفرد ہوکر مقام رضا مین داخل ہون اور مسند صفا پر بیٹھین اور آئینہ قدر مین دیکھین کہ سابقہ ازل مین جو رزق ہر ایک کے مقدر ہوا انھین اسباب ظاہری سے اسی قدر اس کو ضرور پہونچے گا پس ان کے اسرار مطمئن ہوجاوین اور معلوم کرلین کہ ہر دابہ کا رزق بقدر اس کے حوصلہ کے مقدر ہوا چنانچہ اشباح کے لیئے رزق ظاہری ہے اور ارواح کیلیئے رزق مشاہدہ ہے اور اسرار کیلیئے رزق وصل ہے اور نفس کیلیئے رزق ہیبت اور عقل کیلیئے رزق رغبت اور قلوب کیلیئے رزق قربت ہے اور ملائکہ کیلیئے رزق خوف و ذکر ہے اور جنون کیلیئے رزق زجر و وعید ہے رزق حیوان روح عنصر ہے ۔ رزق حشرات خطرات تسبیح ہے ۔ درندون کا رزق یہ کہ افعال درندگی کی تاریکی مین کو دپڑین ۔ طیور کا رزق یہ کہ فرح اور تہلیل کرین ۔ انسان کا رزق جس سے وہ زندہ رہتا ہے قبض فعل و روح فعل و نور صفت ہو اور اسرار پر ظہور نور ذات ہو اور اللہ تعالیٰ اپنے لطف سے مصادف اجمیع کو افعال وصفات سے جانتا ہے اور فرمایا ۔ ویعلم مستقرہا ومستودعہا مستقر الارواح انوار ذات ہین اور مستقر القلوب نور صفات ہین و مستقر العقول انوار افعال ہین اور مستودع العقول عبادات ہین اور مستودع القلوب مشاہدات ہین و مستودع الارواح مکاشفات ہین و مستقر الاشباح اکناف آیات ہین اور مستودع انکا قبور مجاہدات ہین مستقر العقول اذکار اور مستودع انکا افکار ہین مستقر القلوب محبت اور مستودع انکا معرفت ہے مستقر الارواح توحید اور مستودع انکا فنا فی الموحد ہے مستقران سب کا اصلاب عدم اور مستودع انکا انوار قدم ہے ۔ روایت ہو کہ شیخ یوسف بن حسین نے اس آیت کو پڑھا پھر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے تمام بندون کو اسی پر توکل و اعتماد بتلایا ولیکن گویا سبھون نے اس سے انکار کیا اور چند عاریتی چیزون پر جن کے وے درحقیقت مالک نہین ہین اعتماد کیا سوائے فقرائے مہاجرین رضی اللہ عنہم کے کہ بالکل گھربار چھوڑ کر اسی پر متوکل ہوئے پھر یہ حرکت پیچھے فقراء صوفیہ مین جو ان کے قدم بقدم چلے جاری رہے پس مخلوق نے تو اسباب ہی پر اعتماد کیا اور اللہ تعالیٰ پر توکل سے منکر ہوے اور اس فرقہ نے کسی سبب پر اعتماد سے انکار کیا بلکہ فقط مسبب عزوجل پر اعتماد کیا اور یہی کشادہ راستہ چلنا لوگون پر سخت ہے بعض نے کہا کہ مستقرہا یعنی ظاہر اسلام اور مستودعہا یعنی باطن ایمان بعض نے کہا کہ مستقرہا یعنی مخلوق مین سے اور مستودعہا یعنی از حق تعالیٰ بعض نے کہا کہ مستقر طاعات ہین اور مستودع احوال ہین کہا جاتا ہے کہ عابدون کا مستقر مساجد ہین اور عارفون کے مستقر مشاہد ہین ۔ کہا جاتا ہے کہ نفوس مستودع التوفیق از حق تعالیٰ ہین اور قلوب مستودع التحقیق از جانب حق تعالیٰ ہین بعض نے کہا کہ قلوب مستودع معرفت ہین اور معرفت اسمین ودیعت ہو اور ارواح مستودع محبت ہین پس محبت اُن مین ودیعت ہے اسرار مستودع مشاہدات ہین پس مشاہدات اللہ تعالیٰ کی ودیعتین ہین ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی خالقیت و وحدانیت و کمال قدرت و عجیب حکمت کو بیان فرمایا بقولہ

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ

اور وہی ہے جنے بنائے آسمان اور زمین چھ دن میں اور تھا تخت اُس کا پانی پر

لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۗ وَلَئِنْ قُلْتَ إِنَّكُمْ مَبْعُوثُونَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ

کہ تمکو آزماوے کون تم میں اچھا کرتا ہے کام اور اگر تو کہے کہ تم اُٹھوگے مرنے کے بعد

لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ۝ وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ

تو البتہ کافر کہنے لگیں یہ کچھ نہیں مگر جادو ہے صریح اور اگر ہم دیر لگاویں اُن سے عذاب کو

إِلَىٰ أُمَّةٍ مَعْدُودَةٍ لَيَقُولُنَّ مَا يَحْبِسُهُ ۗ أَلَا يَوْمَ يَأْتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوفًا عَنْهُمْ

ایک مدت گنے تک تو کہنے لگیں کیا روک رہا ہے اسکو سنتا ہے جس دن آویگا ان پر نہ پھیرا جاویگا اُن سے

وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝

اور اُلٹ پڑیگا اُن پر جس پر ٹھٹھے کرتے تھے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر اپنی قدرت کا حال بیان فرمایا کہ وہ ہر چیز پر ابتدائی پیدائش میں قادر تھا تو انتہائی بعث میں بدرجہ اولیٰ قادر ہے اور تعلیم خلق کے لئے مخلوقات سماوی وارضی کو چھ روز میں پیدا کیا جن میں سے اول سنیچر اور آخر جمعہ ہے اور قبل اس کے اسکا عرش پانی پر تھا چنانچہ عمران بن حصین رضہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ اقبلوا البشری یا بنی تمیم الحدیث یعنی بنو تمیم اور اہل یمن آئے تھے پہلے آپنے بنو تمیم سے کہا کہ اے بنو تمیم بشری قبول کرو۔ وے بولے کہ آپنے بشارت دی تو کچھ دیجئے۔ آپ نے اہل یمن سے فرمایا کہ اے اہل یمن تم بشری قبول کرو۔ وے بولے کہ ہم نے قبول کیا اب آپ ہم کو اول الامر سے آگاہ فرمایئے کہ کیونکر تھا آپنے فرمایا کہ ہر چیز سے پہلے اللہ تعالیٰ تھا اور اُس کا عرش پانی پر تھا اور لوح محفوظ میں اُس نے ہر چیز کا ذکر لکھا۔ عمران کہتے ہیں کہ اتنے میں ایک نے آکر مجھ سے کہا کہ تیرا ناقہ اپنے عقال سے کھل گیا ہے۔ میں اسکی تلاش میں پیچھے گیا پھر مجھے نہیں معلوم کہ میرے پیچھے کیا ہوا رواہ احمد اور یہ حدیث صحیحین میں الفاظ کثیرہ سے مروی ہے بعض روایت میں ہے کہ اہل الیمن نے کہا کہ ہم آپکے پاس اول الامر کو پوچھنے آئے ہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تھا اور اس سے پہلے کوئی چیز نہ تھی اور ایک روایت میں ہے کہ اسکے سوائے کچھ نہ تھا اور ایک روایت میں اُسکے ساتھ کوئی چیز نہ تھی اور اسکا عرش پانی پر تھا اور اُس نے ذکر میں یعنی کتاب لوح محفوظ میں ہر چیز لکھی پھر آسمانوں و زمین کو پیدا کیا۔ صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ ان اللہ قدر مقادیر الخلائق الحدیث یعنی آسمانوں و زمین پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے اللہ تعالیٰ نے مقادیر خلائق کو مقدر کیا اور اسکا عرش پانی پر تھا۔ بخاری رحمہ نے اس آیت کی تفسیر میں حدیث ابو ہریرہ رضہ کو روایت کیا کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ انفق علیک الحدیث یعنی تو خرچ کر تجکو نفقہ دیا جائیگا اور کہا کہ ید اللہ بھرا ہوا ہے اسکو نفقہ سحار اللیل والنہار کچھ کم نہیں کرتا اور کہا بھلا تم کو معلوم ہو تو مجھے بتلاؤ جب سے آسمانوں و زمین کو پیدا کیا جو کچھ نفقہ دیا بیشک اس کے یمین سے کچھ کم نہیں ہوا اور اسکا عرش پانی پر تھا اسکے ہاتھ میزان ہے کہ پست و بلند فرماتا ہے عرش کا پانی پر ہونا قول مجاہد و وہب بن منبہ و ضمرہ و قتادہ و بہت سے علماء کا ہے اور ربیع بن انس نے کہا کہ جب آسمانوں و زمین کو پیدا کیا تو اس پانی کے دو حصے فرمائے ایک نیچے عرش ہے اور ابن عباس نے فرمایا کہ عرش کا نام عرش اسکی اونچائی کے سبب سے ہوا۔ محمد بن اسحاق نے اس آیت میں کہا کہ ایسا ہی تھا جیسے اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمایا کیونکہ سوائے

نی کے نہ تھا اور اسپر عرش تھا اور عرش پر ذوالجلال والاکرام وعزت وسلطان وملک قدرت وحلم وعلم ورحمت ونعمت تھی وہی جو چاہتا ہے
رتا ہے ابن عباس رضی سے سوال کیا گیا کہ عرش پانی پر تھا اور پانی کس چیز پر تھا تو کہا کہ ہوا کی پشت پر تھا مترجم کہتا ہے کہ یہ سب شیخ ابن کثیرؒ
نے ذکر کیا اور جب اسقدر معلوم ہو گیا تو اب تفسیر کی طرف رجوع کیا جاتا ہے فرمایا۔ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ
ہی پاک خالق ہے کہ جسنے پیدا کیا آسمانون وزمین کو چھ روز مین مفسرؒ نے کہا کہ اول اسکا روز سنیچر تھا اور آخر اسکا روز جمعہ تھا۔ مدارک مین
ماکہ وہ چاہے ایک آن مین پیدا کرے پھر چھ روز مین پیدا کرنا مخلوق کو تعلیم ہے کہ آہستگی کے ساتھ معرفت مین کمال حاصل کرنے کو نفس سے
صابرہ رکھین۔ واضح ہو کہ دوسری آیات مین خلق السموات دو روز مین وعلی ہذا زمین وغیرہ کا ذکر ہے پس یہان کلام اجمالی ہے اور تفصیل
لی بنا پر دوسری آیات کے یہ کہ آسمانون کو دو روز مین مع اسکے عجائبات کے اور زمین کو دو روز مین اور زمین کی مخلوقات مثل حیوانات ونباتات
قوات وجمادات کو دو روز مین پیدا کیا اور ایام سے یہان اوقات مراد ہین لذا ذکرہ بعضہم مترجم کہتا ہے کہ حدیث صحیح مین سنیچر واتوار ودوشنبہ
(اناج وغیرہ)
یرہ کے ایام مین جمعہ تک ہر روز کی تفصیل پیدائش پہاڑ ودرخت ودواب ونور وظلمت کا ذکر ہے پس ساعات مراد لینے سے یہ جواب ہو سکتا
ے کہ زمین کے اوپر جو مخلوق ہے وہ منجملہ چھ اوقات مین سے دو وقت مین پیدا ہوئی اور دو وقت کی تفصیل یہ ایام ہین فلیتامل فیہ پھر واضح
رکہ اصل اشکال اس مقام پر بعضون کو یہ پیش آیا کہ دن نام ہے طلوع آفتاب سے غروب تک اور ہفتہ کے ایام مین سنیچر سے جمعہ تک نام مقرر
ے پھر جب آسمانون وزمین کی پیدائش نہ تھی تو ایام کا وجود کیونکر ہوگا اور جب یوم نہ ہوا تو تخصیص سنیچر وغیرہ کی بدرجہ اولی نہ ہوگی اسی واسطے
احب فتح البیان نے لکھا کہ بعض نے کہا کہ مراد ایام ستہ آیت مین ایام معروفہ ہین کہ اول روز سنیچر تھا اور آخر اسکا جمعہ تھا۔ پھر لکھا کہ
ٹھیک نہین ہے اسواسطے کہ اسوقت زمین وآسمان وسورج نہ تھا مترجم کہتا ہے کہ یہ اس مؤلف کی سخت بیباکی ہے اُس نے کیونکر ایسی بات
یر مستقیم کہا جو حدیث صحیح سے ثابت ہے اور یہ اشکال دراصل حاشیہ جمل سے اسنے لیا چنانچہ جملؒ نے کہا ہے کہ اسمین سخت اشکال یہ ہے
نیچر وغیرہ کوئی متعین نہین ہو سکتا مگر جبھی کہ بالفعل موجود ہو اور اس حال مین بالکل زمانہ نہین تھا پھر تفصیل ایام کے کیونکر ہوگی پھر ہر ایک
کا مخصوص نام کیونکر ہوگا اور رہا یہ جواب کہ مراد ایام سے مقدار چھ روز کا وقت ہے اس سے یہ اشکال دفع نہین ہوتا ہان اس بات کا جواب
سکتا ہے کہ زمانہ نہ تھا پس اس سے مندفع ہوا کہ اتنے زمانہ کی مقدار مراد ہے مترجم کہتا ہے کہ منشا اس اشکال کا فلسفی خیال کا دماغ
ن سوخ ہے چنانچہ مین اسکی تفصیل کر کے اشکال دفع کرتا ہون بحول اللہ تعالی وتوفیقہ۔ واضح ہو کہ زمانہ فلاسفہ خیال پر حرکت فلک اول کا
ہے اور شرع اسکی مثبت نہین پس یہ محض اختراع عقلی ہے ہان علم الٰہی غیر متغیر وغیر حادث ہے تو علم اسکا وجود زمانہ وایام وہر ایک کے
ین نام بنام مین قدیم سے یکسان ہے اور وجود بالفعل ان مخلوقات کیواسطے ضرور ہے جنمین حدوث وحس ہے لہذا علم الٰہی مین وجود ان کا و
ین بدون قیاس حادث وغیرہ کے یکسان موجود تھا اور کوئی اشکال نہین ہے پس جو آیات مین آیا صحیح ہے کہ آسمانون وزمین
چھ روز مین پیدا کیا۔ حدیث مین آیا کہ اول سنیچر وآخر جمعہ ہے۔ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ۔ اور تھا عرش اسکا پانی پر سابق مین ذکر ہوا کہ
س کی حقیقت معلوم نہین ولیکن جو صورت خیال وعقل مین ایسی آوے کہ مخلوق سے خالق کی مشابہت لازم آوے وہ قطعاً خیال باطل ہے
لیس کمثلہ شیٔ۔ لہذا یہ تو صریح باطل ہے کہ عرش اللہ تعالی کا اُٹھانے والا ہے ہان بلاکیفیت وبدون تشبیہ کے ایمان لانا فرض اور
اہل السنۃ کا قول ہے۔ پھر واضح ہو کہ اللہ تعالی نے آیت مین اول مخلوق کا ذکر نہین کیا پس بعض احادیث جو اول مخلوق کے بارہ مین ثابت
ی ہین وہ حقیقۃً یا اضافۃً صحیح ہین ہان آیت مین اسقدر بیان ہے کہ آسمان وزمین کی پیدائش سے پہلے پانی تھا اور یہ ظاہر ہے اور

قوله جعلنا من الماء كل شیٔ حی - کے معنی یہان سے خوب مرتبط ہین بعض سلف سے منقول ہے کہ وضع عرش مین اب بھی تغیر نہین جیسا پہلے تھا ویسا ہی اب ہے - ابورزین العقیلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مین نے پوچھا کہ یا رسول اللہ مخلوق پیدا کرنے سے پہلے ہمارا رب کہان تھا فرمایا - کان فی عماء ما فوقہ ہواء وما تحتہ ہواء وخلق عرشہ علی الماء یعنی عماء مین تھا جسکے اوپر ہوا اور نیچے ہوا تھی اور اپنا عرش پانی پر پیدا کیا رواه الترمذی وحسنہ اور امام احمد نے کہا کہ عماء سے مراد یہ کہ اسکے ساتھ مین کچھ نہ تھا بیہقی نے کہا کہ معنی اسکے یہ کہ کوئی چیز ثابت نہ تھی کیونکہ وہ خلق سے عمی تھا - ازہری رح وغیرہ نے کہا کہ ہم لوگ بلا کیفیت وصفت خیال کرنے کے اسپر ایمان لاتے ہین - مترجم کہتا ہے کہ جملہ احادیث صعود ونزول واستواء وغیرہ مین اہل السنۃ سلف صالحین و ائمہ فقہا وعلماء ربانیین کا یہی قول ہے کیونکہ شان الٰہی عزوجل بقول معروف ؎ اے برتر از خیال و قیاس وگمان ووہم ؛ وز ہرچہ گفتہ اند وشنیدیم وخواندہ ایم ؛ ہر فرد مخلوق کے قیاس وگمان وعقل وغیرہ سے اعلیٰ ہے لہذا ایمان بلا کیفیت وصفت فرض ہے اور اس سے کوئی تشبیہ یا جسمیت وغیرہ کا شبہہ وارد نہین ہوتا اور متاخرین نے جو اسمین تاویلین کین یہ طریقہ بہت ضعیف وخلاف سلف بلکہ کمال خلجان پیدا کرنیوالا ہے - پھر اللہ تعالیٰ نے یہ سب کمال حکمت بالغہ سے پیدا فرمایا چنانچہ کہا - وما خلقنا السماء والارض وما بینہما باطلاً ذلک ظن الذین کفروا الآیۃ - فرمایا - افحسبتم انما خلقناکم عبثاً - اور مدح فرمائی - ربنا ما خلقت ہذا باطلا سبحانک فقنا عذاب النار - بلکہ منجملہ حکمتون کے ایک ہم کو صریح بتلائی کہ یہ مخلوق واسطے نفع ان بندون کے ہے جن کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا کہ توحید کرین وشرک نہ کرین کما قال تعالیٰ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون اور یہان فرمایا - لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا - اسے خلق لیبلوکم یعنی یہ سب اسواسطے پیدا کیا کہ تم کو امتحان مین ڈالے کہ کون تم سے احسن ہے ازراہ عمل کے - بیضاوی رح نے کہا کہ پیدا کیا مانند ایسے پیدا کرنے کے کہ امتحانی معاملہ کرنا چاہے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو کیونکہ یہ سب اسباب مواد تمہارے وجود ومعاش وضروریات اعمال ہین اور دلائل وآیات ہین جن سے اپنے خالق پر استدلال ودنیا کے فنا ہونیکا اعتبار وجزا وسزا وبعث وحشر کا اعتقاد حاصل کرو خصوص جبکہ وحی الٰہی سے ہدایت کی گئی کیونکہ حادث کیسے ہی کامل ہو حدوث کے نقص سے جو فی نفسہ بڑا نقص ہے قدیم عزوجل تک خود عقلی رسائی مین عاجز ہے اسیواسطے بحکم قولہ وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا - بدلن ارسال رسول وکتاب کے مواخذہ مرتفع فرمایا - اور یہ درحقیقت فضل وکرم ہے اگر کہا جاوے کہ استفہام کا تعلق علم سے یا جو اسکے معنی مین ہو - ٹھیک ہوتا ہے تو بیضاوی رح نے جواب دیا کہ فعل بتلا دبلوی کی تعلیق اس سبب سے جائز ہے کہ اسمین علم کے معنی ہین اس راہ سے کہ مانند نظر کرنے واستماع کے وہ طریقہ بجانب علم ہے اور احسن عمل مین صیغہ اسم تفضیل واختیار شامل جملہ فرق مکلفین کو باعتبار حسن وقبح کے اس فائدے کیلئے ذکر فرمایا کہ سب عمدہ اعمال پر آمادہ ہون اور اختیار کرین اور ہمیشہ مراتب علم وعمل مین ترقی کرین اور عمل سے عام عمل مراد ہے جو فعل قلب وجوارح سب کو شامل ہو اسیسی ہی حدیث مین آیا کہ ایکم احسن عقلا واورع عن محارم اللہ واسرع فی طاعۃ اللہ - اور آیت مین قصہ موسیٰ علیہ السلام مین فرمایا - وامر قومک یاخذوا باحسنہا الآیۃ - اور معنی یہ کہ کون تم مین سے ازراہ علم وعمل کے اکمل ہے - پھر کفار پر تشنیع کی کہ ان کو اس خلق ونظام محکم سے کوئی پند ونصیحت حاصل نہ ہوئی بلکہ کمال جہالت سے تنبیہ وتصریح پر بھی منکر ہوئے چنانچہ فرمایا - وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ - لام اسمین موطئۃ القسم ہے اور کلام مین شرط وقسم کا اجتماع ہوا اور قاعدہ یہ ہے کہ پچھلے کا جواب حذف اور اگلے کا جواب ذکر کیا جائے پس قولہ لیقولن جواب قسم ہے اور شرط کا جواب محذوف ہے اور ایسا ہی قولہ ولئن اخرنا - اور - لئن اذقنا الانسان اور لئن اذقناہ - چارون مواضع مین ہے - پھر واضح ہو کہ ابتلاء وامتحان متضمن

جزا و سزا اٹھا جو بعث و حشر کو مقتضی ہے اور وہ مثل ابتدائی تخلیق کے بدرجہ اولیٰ قدرت الٰہی میں شامل اور خود دنیا میں فنا و اعادہ ہوتا
ہے تو کفار کی جہالت بیان فرمائی یعنی اور اگر اے محمد تو کافروں سے کہے کہ تم بیشک مبعوث ہو بعد موت کے۔ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا
إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ۔ تو کہتے ہیں وے لوگ جو کافر ہوئے ہیں کہ بیشک یہ کھلا جادو ہے یعنی جیسے جادو امر باطل ہے اگرچہ بتاثیر الٰہی
مؤثر ہو ویسے ہی یہ قول باطل ہو۔ اور احتمال ہے کہ کفار نے اس قول کو کلام معجز نظام قرآن سے سُنا اور متحیر ہوئے کہ یہ کلام تو امکان بشر
سے خارج ہے ولیکن بعث بعد الموت ان کے اعتقاد میں کسی طرح ٹھیک نہ تھا پس متحیر میں کلام مجید کے جواب میں یہ خدعہ کیا کہ یہ تو جادو ہے
لہٰذا اسمیں جو بات مذکور ہے اسی قبیل سے ہو کہ لفظ مسحور ہوں اور ایک قراۃ میں ساحر ہے تو آنحضرت صلعم کو بلحاظ قرآن کے ساحر کہتے تھے
پھر یہ امال جہل تھا کہ عذاب موعود دائمی کو یقین کرنے کیلئے مانگتے تھے حالانکہ بعد حلول کے ایمان سے کوئی معنی نہیں ہیں سوائے عذاب کے
لہٰذا فرمایا۔ وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اور اگر ہم نے تاخیر کر دیا اُن سے عذاب یعنی جسکو جلدی مانگتے تھے کہ سچے ہو تو لاوے یا وہ عذاب
جو قوله اخاف علیکم عذاب یوم کبیر میں مذکور ہے اور بعض نے کہا کہ عذاب دنیاوی مانند روز بدر وغیرہ کے۔ إِلَىٰ أُمَّةٍ مَعْدُودَةٍ ۔
الی طائفة من الایام معدودة قلیلة۔ ایک ٹکڑے ایام قلیل تک یعنی اگر چند روز تک ہم نے اُن پر سے عذاب میں تاخیر کی۔ لَيَقُولُنَّ
مَا يَحْبِسُهُ ۔ تو کہتے ہیں کہ عذاب کو کون چیز روکے ہے یعنی سچے ہو تو کیوں نہیں وہ عذاب نازل ہوتا ہے۔ أَلَا يَوْمَ يَأْتِيهِمْ
لَيْسَ مَصْرُوفًا عَنْهُمْ ۔ خبردار ہو کہ دن جو آویگا اُنپر مانند عذاب یوم بدر کے دنیا میں و مانند روز موت کے کہ متصل بمتوالی عذاب
آخرت ہو وہ نہیں ہے پھیرا ہوا اُن سے یعنی خبردار ہوں کہ اس تاخیر سے یہ نہو گا کہ عذاب موعود کا روز اُن سے دفع ہو جاوے بلکہ وَحَاقَ
بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۔ اور گھیر لیگا اُن کو وہ جسکے ساتھ ٹھٹھا کرتے تھے یعنی جسکو جلدی مانگتے تھے پس بجائے یستعجلون کے
یستہزؤن۔ اسلئے فرمایا کہ انکا استعجال بطور استہزا تھا اور دے شک پر مجبول ہوئے تھے۔ حاق بصیغہ ماضی بھی اسی دلالت کیلئے ہے
کہ ہوشیار رہو کہ گویا اُسنے تم کو گھیر لیا کیونکہ علم الٰہی پر خبر قطعی ہو پس یہ تہدید شدید ہے ف۔ قوله الی امة معدودة۔ اے الی اجل
محدود و امد محصور۔ ایک مدت محدود اور انتہا محصور تک۔ پس اُمت کا استعمال یہاں مدت یا انتہا معلوم پر ہوا۔ شیخ ابن کثیرؒ نے افادہ
فرمایا کہ اُمت کا لفظ قرآن وحدیث میں معانی متعددہ کے لئے مستعمل ہوتا ہے چنانچہ ایک معنی انتہائے مدت معلوم جیسے اس آیت میں اور
قوله وقال الذی نجا منهما وادکر بعد امة الآیۃ میں یعنی بعد مدت کے اُسنے یاد کیا۔ دوم معنی امام پیشوا مانند قوله ان ابراہیم کان امة قانتا لله
حنیفا سوم بمعنی ملت و دین کقوله قالوا انا وجدنا آباءنا علی امة اے علی ملة و دین۔ چہارم معنی جماعت کقوله ولما ورد ماء مدین وجد علیه
امة من الناس یسقون۔ و قوله ولقد بعثنا فی کل امة رسولا۔ و قوله ولکل امة رسول الآیة۔ یہاں اُمت سے ہر وہ جماعت مراد ہے جنمیں
رسول مبعوث ہوا خواہ وے مومن ہوے یا کافر رہے ہوں۔ کما فی صحیح مسلم والذی نفسی بیده لا یسمع بی احد من ہذه الامة یہودی ولا نصرانی
ثم لا یؤمن بی الا دخل النار یعنی آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ قسم اس ذات پاک کی جسکے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ نہیں سنیگا میرے
مبعوث ہونے کو اس اُمت میں سے کوئی خواہ یہودی ہو یا نصرانی ہو پھر مجھ پر ایمان نہ لاویگا تو ضرور آگ میں ڈالا جائیگا۔ پنجم اُمت
وہ خاص لوگ جو رسول پر ایمان لائے اور اتباع کی کقوله تعالیٰ کنتم خیر امة اخرجت للناس الآیة۔ وفی الصحیح فاقول امتی امتی۔ اور حدیث صحیح
ابن حبان وغیرہ میں آنحضرت صلعم کا اپنی اُمت کیلئے غمگین ہونا اور جبرئیل ؑ کا بحکم الٰہی عزوجل آکر پوچھنا اور آپ کا عرض کرنا یا رب امتی امتی
پھر بشارت الٰہی کہ اے محمد ہم تمکو تمہاری اُمت کی طرف سے غمگین نکرینگے اور اُمت کا لفظ اسمیں سے ایک فرقہ پر بھی بولا جاتا ہے کقوله تعالیٰ

ومن قوم موسى امة يهدون بالحق وبه يعدلون وكقوله من اهل الكتاب امة قائمة الآية ۔ بذا افادہ الحافظ رح فائدہ ثانیہ آنکہ قولہ الا یوم یاتیھم لیس
مصروفا عنھم میں یوم کو نصب بسبب خبر لیس کے ہے در حالیکہ خبر اسپر مقدم ہے اور یہ دلیل بصریوں کی ہے کہ تقدیم خبر کا اسپر جائز ہے
کیونکہ معمول تابع عامل ہے پس وہیں واقع ہوگا جہاں اُسکا متبوع واقع ہو ورنہ اصل پر فرع کی تقدیم لازم آویگی ۔ اسکا جواب یا گیا کہ یہاں
معمول ظرف ہے اسمیں وہ بات جائز ہوتی ہے جو اور میں نہیں جائز ہوتی ہے کیونکہ ظرف میں توسع و تسامح ہے اور یوں بھی جواب یا گیا کہ کبھی
معمول مقدم ہوتا ہے جہاں تقدم عامل کو مجال نہیں مانند قولہ تعالی فاما الیتیم فلا تقہر واما السائل فلا تنہر ۔ باوجودیکہ یتیم و سائل ہر دو منصوب
بفعلین مجزومین ہیں کہ دونوں لا ناہیہ پر مقدم ہوئے باوجودیکہ تقدم فعلین کا اسپر ممتنع ہے ۔ ابو حیان نحوی نے کہا کہ میں نے دواوین
عرب کو تتبع کیا مگر مجھے لیس کی خبر اسپر مقدم نہ ملی اور نہ میں نے اسکے معمول کو اسپر مقدم پایا مگر ان اس بیت سے ظاہر ہے یہ بات ملی اور ایک
شاعر کے قول میں بھی جیسے کہا ہے فیابی فما یزداد الا لجاجة ۔ وکنت ابیا فی الخنا لست اقدم ۔ مترجم کہتا ہے کہ زبان عرب کیلیے کلام مجید
اصل ہے لہذا بیضاوی رح وکشاف رح نے کہا کہ یوم منصوب بخبر لیس اسپر مقدم ہے اور یہ دلیل ہے کہ خبر لیس کا اسپر مقدم ہونا جائز
ہے کیونکہ جب معمول خبر لیس کا اسپر مقدم ہونا جائز ہوا تو یہ دلیل اسکے خبر مقدم ہونے پر ہوئی اسواسطے کہ معمول تابع عامل ہے پس
وہیں واقع ہوگا جہاں عامل واقع ہو انتہی کلام الکشاف ۔ ولیکن یہیں وہی اعتراض ہوسکتا ہے کہ ظرف کے باب میں توسع و مسامحہ
کیا جاتا ہے پس معمول ظرف کی تقدیم سے یہ استدلال تمام نہیں ہے ۔ فافہم ۔ پھر اللہ عزوجل نے انسان کا تابع ملتون ہونا و بے ثبات
ہونا فرمایا ۔

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ج اِنَّهٗ لَيَـُٔوْسٌ كَفُوْرٌ ۝ وَلَئِنْ

اور اگر ہم چکھا دیں آدمی کو اپنی طرف سے مہر پھر وہ چھین لیں اس سے تو وہ ناامید ناشکر ہو اور اگر ہم

اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ط اِنَّهٗ لَفَرِحٌ

چکھا دیں اسکو انعام بعد تکلیف کے جو پہونچی اسکو تو کہنے لگے گئیں برائیاں مجھ سے تو وہ خوشیاں کرے

فَخُوْرٌ ۝ لا اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ

بڑائیاں کرتا مگر جو لوگ ثابت ہیں اور کرتے ہیں نیکیاں اُن کو بخشش ہے

وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝

اور ثواب بڑا

ابن کثیر رح نے کہا کہ آیت میں اللہ تعالی نے انسان کی صفات ذمیمہ کی خبر دی سوائے ایسے بندوں کے جن پر اللہ تعالی نے رحم فرمایا اور
وے مومنین ہیں چنانچہ فرمایا ۔ ولئن اذقنا الانسان منا رحمة ۔ انسان سے مراد جنس انسان ہے جو کافر و مومن سب کو شامل
ہے بدلیل استثناء قولہ الا الذین صبروا یعنی مومنین کو استثنا کیا ولیکن مفسر نے الا بمعنی لکن لیا ہے پس موافق اس قول کے ہے کہ انسان سے
جنس کفار مراد ہیں بتائید آنکہ یاس و کفران و اترانا و فخر کرنا اوصاف اہل کفر ہیں اسواسطے حدیث صحیح میں فرمایا کہ میری امت سے فخر و طعن نسب
یہ دونوں کفر کی باتیں لگی رہینگی اور جنس کفار مراد لینا منافی اسکی نہیں جو مروی ہے کہ مراد انسان سے ولید بن المغیرة یا عبد اللہ بن امیہ مخزومی
ہے کیونکہ سبب نزول میں وہ بدرجہ اولی داخل ہے ۔ المعنی اور جب چکھائی ہم نے انسان کو اپنی طرف سے رحمت یعنی نعمت و وسعت رزق

وصحت وسلامتی از محنت وغیرہ۔ ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۔ پھر ہم نے اس رحمت کو اس سے کھینچ لیا اور الگ کر دیا۔ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ ۔ بیشک وہ نہایت نا امید از رحمت۔ كَفُوْرٌ ۔ نہایت کفران والا ہے اور سخت منکر ہے۔ واضح ہو کہ نزعنا منہ میں نزع سے اشارہ ہے کہ وہ اس مال و دولت پر نہایت چپٹا ہوا حریص تھا کہ اس سے نزع کیا گیا اور یؤس وکفور۔ ہر دو صیغہ مبالغہ میں دلالت ہے کہ انسان سے بعض نعمت سلب ہونے پر وہ بہت ہی مایوس ونعمت کفران والا ہو جاتا ہے پھر اسکو عود کی امید نہیں رہتی اور گذشتہ کا شکر نہیں کرتا۔ وفی الحدیث نعوذ باللہ من الحور بعد الکور۔ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ اور جب ہم نے اسکو چکھائی نعمت بعد مضرت کے مثلاً فقیری کے بعد تونگری اور بیماری کے بعد صحت وغیرہ۔ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۔ تو کہتا ہے کہ مجھ سے سیآت جاتی رہیں یعنی جو مجھے ناگواری واسارت دیتی تھیں وہ جاتی رہیں یعنی شکر آلہی واسکے مقدرات پر نظر نہیں کرتا بلکہ اترا کر مطمئن ہو جاتا ہے اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۔ بیشک آدمی اترانے والا فخر کرنیوالا ہے۔ نعما روہ انعام جسکا اثر انعام والے پر ظاہر ہوا اور ضرا ء ظہور اضرار اس کے مبتلا میں ہے۔ واضح ہو کہ نعمار کو اللہ تعالیٰ نے اذقناہ کے ساتھ اپنی طرف منسوب فرمایا اور ضرار مستہ میں ضرار کو بفعل لازمی فرمایا تو ائمہ مفسرین نے یہ نکتہ بیان کیا کہ نعمت کا صدور اللہ تعالیٰ سے اسکا فضل وانعام مقرری ہے چنانچہ حدیث صحیح میں یہ مضمون آیا کہ کوئی اپنے عمل سے جنت میں نہیں داخل ہوگا یعنی بلکہ بفضل آلہی داخل ہوگا اور کہا کہ میں بھی اپنے اعمال سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی مغفرت میں مجھے ڈھانپ لے اور ضرر کا صدور بندہ کی کمائی ہے کیونکہ غالباً وہ معاصی سے اسکو اپنی طرف کھینچتا ہے لقولہ تعالیٰ ما اصابک من حسنة فمن اللہ وما اصابک من سيئة فمن نفسک۔ اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا کہ قل کل من عند اللہ فما لهؤلاء القوم لا يكادون يفقهون حديثا۔ تو جواب یہ ہو کہ بیشک ایجاد وخلق اسی کی طرف سے ہے فرق اتنا کہ نیکوئی تو احسان وامتحان ہے اور مصیبت مجازات وانتقام ہے وفی الصحیح عبادی انما ہی اعمالکم احصیہا علیکم الحدیث۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نیک بندوں کو جنمیں یہ اوصاف ذمیمہ نہیں ہیں بیان فرمایا بقولہ تعالیٰ۔ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۔ فراء نے کہا کہ استثناء متصل ہے کیونکہ انسان سے جنس مراد ہے اور اخفش نے کہا کہ منقطع بمعنی لکن ہے اور یہی مفسرین نے اختیار کیا یعنی لیکن وے بندے انسان جنھوں نے صبر کیا یعنی سختی کے وقت صبر کیا اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی ہوئے اور نعمت کے وقت امتحان پر صبر و شکر کیا۔ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور ہر حال میں صالحات اعمال کئے۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ ایسے بندوں کے لئے مغفرت ہے گناہوں سے اگرچہ کیسی کثرت سے ہوں ماسوائے شرک کے۔ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ اور اجر ہے جو کبیر ہے اور وہ جنت ہے جہاں رضوان آلہی و دیدار حق سبحانہ تعالیٰ ہے باوجود سلامتی از آفات و دوام نعمت کے۔ بالجملہ اہل ایمان کی یہ صفت ہے کہ شدائد و مکارہ میں صابر رہتے ہیں اور آسانی وعافیت میں شکر واعمال صالحہ کرتے ہیں حدیث میں یہ مضمون ہے کہ قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ نہیں پہونچتا مومن کو کوئی ہم و نہ غم اور نہ وصب و حزن حتیٰ کہ کانٹا جو اسکے لگ جاوے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اسکے عوض اسکے گناہوں کا کفارہ کر دیتا ہے[رواہ الترمذی] صحیحین کی حدیث میں مضمون ہے کہ قسم اس ذات پاک کی جسکے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ مومن کے لئے کوئی حکم قضا جاری نہیں فرماتا مگر یہ کہ اس بندہ کے حق میں بہتر ہوتا ہے اگر اسکو آسانی و فراخی پہونچے پس اسنے شکر کیا اسکے لئے بہتر ہوا اور اگر اسکو مضرت پہونچی پس اسنے صبر کیا تو اسکے لئے بہتر ہوا اور یہ بات کسی اور کے لئے نہیں سوائے مومن کے۔ ف فی العرائس قولہ تعالیٰ ولئن اذقنا الانسان منا رحمة الخ ائمہ اشارات سے بعض نے قصین کے احوال پر استدلال کیا چنانچہ اس شخص کا بیان حاصل ہوا جو امتحان میں ڈالا گیا اور اسنے حال عارفین و محبین و مریدین کے طمع سے۔

مذاق پایا تھا پھر حظوظ نفس و اسکے ہوا و ہوس مین پڑ گیا تھا اور اس سے مراتب ذاکرین و صالحین سے محجوب ہو گیا اور اوقات و انفاس کی فوت ہونے پر کچھ تدارک نہین کیا بلکہ حجاب مین رہ کر احوال اصلاح پانے سے مایوس ہو کر بتابعت نفس مین زیادہ خوض کرنے لگا پس ہلاک ہو جاتا ہے اور بہتیرے گروہ اسی ورطہ مین ڈوب گئے۔ ابوسعید الخراز رح نے کہا کہ جس کسی کو یاد الٰہی کی حلاوت اور صفائی سر باطن عطا ہوئی پھر مقامات و احوال مین سے اُس سے سلب کر لیا گیا تو اپنے قلب کے لئے موت کا اور سر باطن کیلئے راہ ہدایت سے اندھے ہونیکا حکم لگا دے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ولئن اذقنا الانسان منا رحمۃ الخ اور یہی محل قربت تھا پھر اسکا نزع کر لینا حجاب نقمت ہے پھر دوسری آیت یعنی قولہ ولئن اذقناہ نعماء بعد ضراء الخ مین محنت فراق سے وزہر قہر سے نجات پا کر ایام سعادت پر پہونچنے والے کو بیان کیا پس اشارہ ہے کہ بعد فراق کے اسکو نعمت وصال دے پس اسکو وجد و سکر ہوتا ہے اور قلب کو ہیجان و فرح ہوتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ یہ اوقات اسپر باقی ہین پس خلق کے سامنے بمقتضائے بشریت مقامات و احوال کے دعوے کرتا ہے اور یہ اسکی بڑی غلطی ہے لہٰذا بعد وقت کے جیسا تھا ویسا ہی ہو جاتا ہے اسی واسطے فرمایا۔ انہ لفرح فخور۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اہل استقامت و ثبات کو جو انوار تجلی قدم مین خشوع و فنا کے ساتھ مستقیم رہتے ہین ذکر فرمایا بقولہ الا الذین صبروا و عملوا الصالحات پس باوجود اعلیٰ منزلت و ارفع قرب کے صابر رہتے ہین اور دعوے کے ساتھ مخلوق کے نزدیک ان اسرار کو افشا نہین کرتے ہین۔ اعمال صالحہ انکے یہ ہین کہ ہوا و ہوس پر قدم صدق رکھکر اپنے اوقات کی تلافی کرتے اور انفاس کی رعایت رکھتے اور اس کو خطرات سے بچاتے ہین انھین کو اللہ تعالیٰ نے زمانہ فترۃ و غفلت کے گناہون سے مغفرت کا اور اپنی طرف سے مزید فضل کا وعدہ دیا بقولہ اولئک لہم مغفرۃ و اجر کبیر مغفرت یہ کہ اللہ تعالےٰ جل جلالہ نے ان پر قبول کر لینے سے توجہ فرمائی اور اجر کبیر یہ کہ اگلے زمانہ فراق کو یاد کر کے موجودہ حالت پر شکر کرتے ہین اور اللہ تعالیٰ اسمین ترقی و ازدیاد فرماتا ہے۔ استاد رح نے قولہ ولئن اذقناہ نعماء بعد ضراء۔ مین کہا کہ جس نے تفرع و تذلل اختیار کیا اسپر آفتاب اقبال طلوع فرماتا ہے اور دنیاوی احوال کو تحقیق کے نزدیک کچھ منزلت نہین اور نہ اسکے تکدر کو مرتبہ ہے ہان بڑا خطرہ اسکا ہے کہ شاخ وصال خشک ہو جاوے تو یہی اُن کیلئے قیامت ہے اور جب درمیان مین فراق کا نام آیا تو یہی اُن کیلئے گریہ و زاری ہے۔ فافہم پھر اپنے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی فرمائی بقولہ تعالیٰ۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ

سو کہین تو　چھوڑ بیٹھے گا کوئی چیز جو وحی آئی　تیری طرف اور خفا ہو گا اُس سے تیرا جی　اُسپر کہ وے کہتے ہین کیون نہ اُترا

عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ۭ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝

اسپر خزانہ　یا آتا　اُسکے ساتھ فرشتہ　تو تو ڈرانے والا ہے　اور اللہ ہے ہر چیز پر ذمہ رکھنے والا

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ

کیا کہتے ہین باندھ لایا ہے　اُسکو تو کہہ تم لے آؤ ایک دس سورتین ایسی　باندھ کر　اور پکارو جس کو پکار سکو

دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ

اللہ کے سوائے　اگر ہو تم　سچے　پھر اگر نہ کرین　تمھارا کہنا　تو جان لو کہ یہ　اُترا ہے

بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

اللہ کی خبر سے اور کوئی حاکم نہین سوائے اُسکے پھر اب تم حکم ماننے ہو

اہل کفر اپنی جہالت و سرکشی سے آنحضرت صلعم کے حق مین رسول ہونے کا تعجب کرکے عجیب بے تکے معجزات بطریق ٹھٹھول کے مانگتے تھے اور اُن کا قول اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا بقولہ وقالوا مال ہذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق لولا انزل الیہ ملک فیکون معہ نذیرا او یلقی الیہ کنز او تکون لہ جنۃ یاکل منہا وقال الظالمون ان تتبعون الا رجلا مسحورا پس یہان اللہ تعالیٰ نے اُن کی لعنت سے اپنے رسول کو تسلی فرمائی بقولہ۔ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ ۔ اُمید کی جا سکتی ہے کہ تو چھوڑنے والا ہے بعض اُسکو جو تجھے وحی کیا گیا۔ یعنی بعض وحی کی تبلیغ اور بندون کو پہونچانا تو ترک کرے اور یہ وہی ہے جو مشرکین کی رائے سے بالکل مخالف تھا بخوف اُنکے بے کہنت وحی صریح کو بسبب مخالفت اپنے ظنون کے رد کرین اور اس سے ٹھٹھول کرین اگر کہا جاوے کہ کیا آپنے بعض وحی کی تبلیغ چھوڑدی اور اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا۔ یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک فان لم تفعل فما بلغت رسالتہ الآیۃ۔ تو جواب بیضاوی وغیرہ یہ ہے کہ ہرگز نہین اور یہان کلام مین حرف لعل ہے جو امید کیواسطے آتا ہے پس جب ایسی بات موجود تھی جو بعض وحی کی تبلیغ چھوڑنے پر داعی تھی تو اس حرف سے فرمایا ولیکن داعی موجود ہونے کے سبب توقع سے یہ لازم نہین آتا کہ وہ بات جسکی طرف داعی موجود ہے وہ واقع بھی ہو جاوے کیونکہ وہان اس سے مانع قوی موجود ہو سکتا ہے چنانچہ یہان یہ بات موجود ہے کہ رسول الٰہی تبلیغ رسالت مین تقیہ کرنے سے اور وحی مین خیانت کرنے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے معصوم ہین اور خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا واللہ یعصمک من الناس پس کوئی خوف بھی نہ تھا وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اور عارض ہونیوالا ہے تجھے اسکے سبب ضیق صدر کبھی کبھی یعنی کبھی تو دل تنگ ہو کر وحی کو ایسی منکر بیہودہ قوم کو جو حق کو باطل سمجھین و برعکس کیونکر سنایا جاوے پس ترک کی امید و ضیق صدر کی۔ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ سے مخافۃ ان یقولوا بخوف اُنکہ کہین کفار کہ کیون نہین نازل کیا گیا اسپر خزانہ جسکو وہ تابع بنانے مین بادشاہون کی طرح خرچ کرتا۔ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ۔ یا کیون نہین آیا اسکے ساتھ مین فرشتہ جو اسکی تصدیق ظاہر کرتا۔ بعض نے کہا کہ ضائق بہ کے ضمیر کو جملہ ان یقولوا تفسیر کرتا ہے بالجملہ تسلی فرمائی کہ تو اسکا خیال مت کر اور دل تنگ مت ہو۔ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ۔ تو فقط انذار و ڈر سنانیوالا ہے اس سے جو تجھ پر وحی کی جاوے پس اگر وے رد کرین یا تعنت سے اقتراح و ہٹ کرین تو تجھ پر کچھ ڈر نہین پھر تیرا سینہ کیون تنگ ہو۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر وکیل ہے پس وکالت کفار تجھ پر نہین بلکہ یہ مخصوص بحق عزوجل ہے پس تو بھی اسی پر توکل کر کہ وہی تیری تبلیغ رسالت کا اور منکرون کے تفصیلی احوال و افعال و اقوال کا عالم ہے پس وہی اُن کے اقوال و افعال کی اُن کو جزا دیگا۔ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۔ ام منقطعہ بمعنی بل ہے اور یہ اضراب از بیان سابق ہے کہ کفار مشرکین اپنے خالق سے منکر لوگ فقط رسول و وحی سے تہاون ہی نہین کرتے اور معجزات کا مذ ظاہرہ سے اعراض ہی نہین کرتے بلکہ اس سے بڑھکر قبیح فعل کے مرتکب ہین کہ رسول کو مفتری بتاتے اور وحی کو افترا و سحر کہتے ہین قولہ افتراہ مین ہاء کا مرجع وحی ہے والمعنی بلکہ کفار کہتے ہین کہ افترا کر لیا اسکو محمد صلعم نے یعنی اپنی طرف سے بنا لیا ہے پس بدلیل مسکت اسکو رد کیا جسمین انکا و اُن کے شرکا کا عجز بھی کھل گیا بقولہ۔ قُلْ فَأْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ ۔ اسکے مثل کی سورۃ مفتریات مختلقات۔ تو کہدے اے محمد صلعم کہ بس تم بھی لے آؤ دس سورتین کہ ہر ایک اسکے مثل ہو ایسی مفتریات یعنی گڑھی و بنائی ہوئی۔ حاصل آنکہ اگر ایسے حسن نظم و

بیان احکام پاک و توحید و اخبار غیب وغیرہ مین مجھے بنانے کی قدرت ہے اور مین نے اپنی طرف سے تمھارے زعم مین بنا یا تو مین اکیلا ہون
اور آدمی ہون تم بھی فصحاء عرب ایک جماعت ہو اور تم کو قصص و اشعار و بلاغات فنظم مین بڑا توغل رہا پس تم بھی ایسی ہی دس سورتین جمع
ہو کر بنا لاؤ بلکہ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ اور بلاؤ مدد کیلیے جسکی تمھین استطاعت ہو سوا ئے اللہ تعالی کے یعنی اپنے
معبودون و شرکا کو بھی اپنی مدد پر پکار لو اور سب مل کر بناؤ۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ اگر تم سچے ہو اس بات مین کہ یہ قرآن آدمی
کا بنایا ہوا ہے۔ سراج مین لایا کہ ابن عباسؓ نے کہا کہ یہ سورتین جن سے یہ تحدی واقع ہوئی معین ہین اور وہ سورۂ بقرہ و آل عمران
و نساء و مائدہ و انعام و اعراف و انفال و توبہ و یونس و ہود ہین اور بعض نے کہا کہ تحدی مطلق سورتون سے واقع ہوئی ہے اور
یہی اظہر ہے۔ پھر واضح ہو کہ یہان دس سورتون سے تحدی فرمائی پس سورۂ بقرہ وغیرہ مین جو ایک سورہ سے تحدی فرمائی کہ ایک سورہ
کے مثل لاؤ تو دس سورہ کی تحدی جیسے یہان ہے یہ مقدم ہے پس سورۂ بقرہ پر اس سورہ کا تقدم ظاہر ہے کیونکہ یہ سورہ مکیہ ہے اور بقرہ
مدنیہ ہے اور سورۂ یونس اور یہ سورہ دونون مکیہ ہین اور یہ سورہ ہود کا نزول سورۂ یونس پر مقدم ہوگا جیسا کہ امام رازی کا قول ہے
ولیکن مبرد رحہ نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ نہین بلکہ سورۂ یونس مقدم ہے اور کہا کہ معنی یہ ہین کہ سورۂ یونس مین ایک سورہ کے مثل
تحدی فرمائی تھی کہ اخبار غیب و احکام صادقہ و وعدہ و وعید مین ایک سورہ کے مثل لاؤ پھر جب عاجز ہوئے تو ہود مین یہان
تحدی کی کہ خالی فصاحت و بلاغت مین دس سورتون کے مثل لاؤ۔ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ۔ خط مصحف مین یہان مخصوص فالم
بدون نون کے فالم لکھا جاتا ہے۔ المعنی پھر اگر نہ استجابت کرین تمھاری یعنی جو تم اُن سے مانگتے ہو اگر اسکو لا کر تمھارا کہنا پورا نکرین
اور جواب نہ دے سکین۔ فَاعْلَمُوْا اَنَّمَا اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ تو یقین کر لو کہ یہ تو اللہ تعالی کے علم ہی کے ساتھ اُتارا گیا۔ وَاَنْ لَّا
اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ اور یقین کر لو کہ کوئی الٰہ نہین مگر وہی کیونکہ اسمین یہی توحید کی تعلیم ہے۔ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ اب تو تم مسلم
ہو یعنی اسلام پر ثابت و راسخ ہو اور پورے مخلص ہو جبکہ تمھارے نزدیک اسکا اعجاز ہر طرح متحقق ہو گیا۔ واضح ہو کہ اس تفسیر پر
فاعلموا کا خطاب اہل اسلام کو ہوا اور فالم یستجیبوا لکم۔ مین خطاب جمع یا تو رسول اللہ صلعم کی تعظیم ہے یا مومنون کو شامل ہے کیونکہ
وے بھی کافرون کو تحدی کرتے تھے اور امر الرسول صلعم مومنون کو اس راہ سے شامل تھا کہ مومنون پر آپ کی اتباع ہر امر مین
واجب تھی سوائے بعض امور کے جو بدلیل خاص مستثنی ہو کر آنحضرت صلعم سے مخصوص ثابت ہوئے اور نیز اسمین تنبیہ ہے کہ تحدی
سے اہل اسلام کے ایمان کا رسوخ اور انکے یقین کو قوت ہے پس اس سے غافل نہ ہون اسی واسطے اس کلام پر فاعلموا الخ
کو بالفاء مرتب فرمایا۔ نزول بعلم اللہ سے یہ مراد کہ اسمین ایسے اخبار و علوم و اعجاز ہین کہ ان کو سوائے اللہ تعالی کے نہ کوئی
جانتا اور نہ اسپر قدرت رکھتا ہے۔ بیضاوی رحہ وغیرہ نے لکھا کہ جائز ہے کہ یہ سب خطاب مشرکون کو ہو اور تبیان مین کہا کہ بنظر
سیاق یہی اظہر ہے پس اس صورت مین تفسیر اسطرح ہے کہ قولہ فالم یستجیبوا لکم۔ پھر اگر قبولیت کا جواب تم کو نہ دین یعنی اے اہل کفر اگر تمھارے
الہہ جن کو شرکاء ٹھیراتے ہو وہ معارضہ مین تمھاری مدد نہ کر سکین بسبب اپنے عجز کے اور تم اپنے آپ کو تو معارضہ سے عاجز جان چکے ہو۔
فاعلموا انما انزل بعلم اللہ۔ تو جان لو کہ یہ تو اللہ تعالی ہی کے علم سے ملتبس نازل ہوا اور ایسا کلام ہے کہ سوائے اللہ تعالی کے کوئی
اسپر قادر نہین اور وہ اسی کی طرف سے منزل ہے۔ وانہ لا الٰہ الا ھو۔ اور جان لو کہ اللہ تعالی واحد ہے کوئی اسکا شریک نہین پس اس
کلام وحی مین جس توحید کی طرف تم کو بلایا گیا وہ حق ہے فھل انتم مسلمون۔ اب بھلا تم ایسی قطعی حجت قائم ہونے کے بعد اسلام مین

داخل ہونیوالے ہو۔ ایسے استفہام مین ایک اسجاب بلیغ ہے کیونکہ اسمین طلب کے معنی ہین اور تنبیہ ہی کہ موجب موجود اور عذر زائل ہے
واضح ہوکہ مجاہدؒ سے روایت ہی کہ یہ خطاب اصحاب محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو ہے پس یہ مرجح وجہ اول ہے اور مؤید اُس کا دوسری آیت
ہے جسمین فرمایا فان لم یستجیبوا لک فاعلم الآیۃ۔ کیونکہ یہ خطاب آنحضرت صلعم کو متعین ہے۔ پھر اللہ تعالی نے راس الخطیۃ حب دنیا پر
ہمت مقصور کرنے والون کو وعید فرمائی بقولہ تعالی۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ۝

جو کوئی ہو چاہتا دنیا کا جینا اور اسکی رونق بھردین ہم اُن کو اُن کے عمل اُسی مین اور اُنکو اسمین نقصان نہین

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا

وہی ہین جنکو کچھ نہین پچھلے گھر مین سوائے آگ کے اور مٹ گیا جو کیا تھا اُس جگہ

وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝

اورخراب ہوا جو کماتے تھے

علما تفسیر نے اس آیت مین اختلاف کیا اور فی الحقیقت کچھ خلاف نہین ہے ابن کثیرؒ نے ذکر کیا کہ عوفی نے ابن عباسؓ سے اس آیت
مین روایت کی ریاکار لوگ دنیا ہی مین اپنی نیکیون کا بدلا پا جاوینگے اور یہ اس سبب سے کہ ان پر بقدر نقیر بھی ظلم نہ ہوگا پس قولہ
تعالی مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا۔ جو شخص چاہتا ہے زندگانی دنیا کو۔ وَزِيْنَتَهَا اور اسکی زینت کو نُوَفِّ اِلَيْهِمْ
اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا۔ بھرپور دیدینگے ہم ان کو انکے اعمال اسی دنیا مین۔ وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ۔ اور وے دنیا مین کمی
نہین کئے جاوینگے۔ ابن عباسؓ نے کہا یعنی جس نے دنیا کی التماس سے کوئی نیک کام کیا مثلاً روزہ یا نماز یا تہجد اس کی
کوئی غرض اس سے نہین سوائے دنیا کی طلب کے تو اللہ تعالی اسکو دنیا مین اسکا ثواب دیتا ہے پھر جو کام اُسنے بطلب
دنیا کیا تھا وہ مٹ گیا اور آخرت مین وہ بالکل خسارہ والون مین سے ہوگیا۔ ایسا ہی مجاہد وضحاک و بہتون سے روایت ہے۔ انس
بن مالکؓ وحسنؒ نے کہا کہ اسکا نزول یہود ونصاری کے حق مین ہے۔ مجاہد وغیرہ نے کہا کہ یہ آیت نازل ہوئی ریاکارون کے حق مین
قتادہ رح نے کہا کہ جس شخص کی تمام ہمت ونیت وخواہش یہی دنیا ہوا اللہ تعالی اسکی نیکیون کا عوض دنیا ہی مین اسکو دیدیگا۔ پھر
آخرت مین ایسے حال سے پہونچے گا کہ اسکے پاس کوئی نیکی نہین جسکا ثواب پاوے اور مومن کو اسکی نیکیون کا عوض دنیا مین
بھی ملتا ہے اور اللہ تعالی آخرت مین بھی اسکو ثواب عطا فرماتا ہے۔ قال الحافظ۔ اور ایک حدیث مرفوع مین آنحضرت صلعم
سے بھی اسی کے مانند وردی ہے مترجم کہتا ہے کہ حدیث صحیح سے یہ مضمون ثابت ہے کہ ریا شرک اصغر ہے اور آپنے اُمت پر ریا
سے بہت خوف کیا اور سراج مین کہا کہ ریا یہ ہے کہ آدمی نیک اعمال ظاہر کرے تاکہ لوگ اسکی تعریف کرین اور اسمین صلاح ہونیکا
اعتقاد کرین مترجم کہتا ہے کہ اس صورت مین اسکی خواہش یہی شہرت وتعریف ہوئی چنانچہ حدیث صحیح مین ہے کہ پہلے آگ تین گروہ
سے بھڑکائی جاویگی از انجملہ ایسے عالم وحافظ کو شمار کیا جس نے نام وشہرت کے واسطے علم سیکھا تو اُسکو کہا جائیگا کہ تو جھوٹا ہے تو نے
اللہ تعالی کے لیے نہین کیا بلکہ نام وشہرت کیلئے کیا تھا وہ تجھے دیدیا گیا۔ اور یہان مناسب ریا کے معنی یہ ہین کہ اللہ تعالی کے واسطے
خالص نہو بلکہ مقصود فقط دنیا ہو جیسے حدیث ہجرت کی نیت مین ہے فمن کانت ہجرتہ الی دنیا یصیبہا او الی امرأۃ ینکحہا فہجرتہ الی ما ہاجر الیہ۔

یعنی جسکی نیت میری طرف ہجرت کرکے آنے مین یہ ہو کہ کوئی متاع دنیا ہے جسکو پاوے یا کوئی عورت ہے جس سے نکاح کرے تو اسکی ہجرت اسی چیز کی طرف ہوگی جسکی طرف اسنے ہجرت کی نیت کی ہے۔ علی ہذا یہان اعمال صالحہ سے قصد فقط دنیا ہو خواہ اس سبب سے کہ آخرت کا اعتقاد نہین جیسے اس زمانہ مین نصاریٰ مین دیکھا جاتا ہے۔ سراج مین کہا کہ اکثر مفسرین کا قول ہے کہ آیت کا نزول اہل الکفر کے حق مین ہے بخلاف مومن کے کہ وہ دنیا مین عافیت سے بسر ہونا چاہتا اور آخرت اسپر غالب ہوتی ہے پس بفضل الٰہی دونون جگہ ثواب پاتا ہے بعض نے کہا کہ آیت کا نزول منافقون کے حق مین ہے۔ حق یہ ہے کہ نیک اعمال جس کا نفع غیر کو پہونچے یا مانند اس کے جو کوئی دنیا ہی کیواسطے کرے خواہ عمداً قصد کرکے یا بسبب عدم اعتقاد آخرت کے اسکو اس کا نفع دنیا ہی مین جسقدر ہو مل جاویگا اسی واسطے بعض نے کہا کہ جب یہ نیات پر ہے تو جو فرقہ مختلفہ مفسرین نے بیان کیے وے اسمین شامل ہین اور آیت عام وارد ہے اسمین سب آدمی شامل ہین کوئی کیون نہ ہو پس عموم پر محمول کرنا اولیٰ ہے کہ ہر ایک اپنی نیت پر بدلا پاویگا پھر واضح ہو کہ آیت مین خالی ارادہ مذکور ہے اور یہی مراد نہین بلکہ مقصود یہ ہے کہ نیک اعمال کے کرنے سے ارادہ اسکا حظ دنیا ہو اور اسکی زینت اور مراد زینت سے ہر وہ چیز جس سے زندگی دنیاوی مزین ہوتی ہے مانند صحت و تندرستی و امن و کشایش رزق و کثرت اولاد اور ریاست و مانند اسکے۔ پھر قولہ من کان یرید۔ مین حرف کان داخل کرنے سے افادہ فرمایا کہ اُن کو اس ارادہ پر استمرار ہے کہ آخرت کو چاہتے ہی نہین ہین اور بعض نے فرمایا کہ آخرت مین خالی ہاتھ ہی نہین بلکہ عذاب پاوینگے کیونکہ اُنھون نے آخرت کیلیے کچھ نہین کیا بلکہ بالکل ہمت دنیا ہی پر مقصور کرکے منصوص الٰہی کے خلاف کیا مترجم کہتا ہے کہ قولہ اولئک لیس لھم فی الآخرۃ الا النار صریح ہے کہ آخرت مین انکے لیے نقد او دوزخ ہے و ہذا کقولہ تعالیٰ من کان یرید حرث الدنیا نؤتہ منہا وما لہ فی الآخرۃ من نصیب اور ظاہر آیت مقتضی ہے کہ طالب دنیا اپنے اعمال کا بدلا خواہ مخواہ یہان پاتا ہے اسیواسطے قاضی وغیرہ نے لکھا کہ معنی اس آیت کے یہ ہین کہ جو کوئی اپنے عمل نیک سے زندگی دنیا و اسکی زینت چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دنیا مین بدون کمی و نقصان کے ان کے اعمال بھر پور دیدیتا ہے اور یہ مانند صحت و کفاف و دیگر لذات و طیبات و منافع کے ہے پس بدلا ایسمہی مذکورہ چیزون سے مخصوص ہوا اور یہ جزا ہر شخص کو جو دنیا کے لیے عمل کرے حاصل ہے اگرچہ قلیل ہو اور بعض نے کہا کہ ہر متمنی دنیا اپنی خواہش نہین پاتا لہذا یہ بھی اللہ تعالیٰ کے ارادہ و مشیت پر مقید ہے۔ قرطبی نے کہا کہ اکثر علما اسطرف گئے ہین کہ یہ آیت مطلقہ ہے اور ایسے ہی قولہ و من کان یرید حرث الدنیا نؤتہ منہا الآیۃ۔ جو سورۂ شوریٰ مین واقع ہے اور ایسے ہی قولہ من یرد ثواب الدنیا نؤتہ منہا الآیۃ۔ سے پھر اُن کی تقیید و تفسیر اس آیت سے ظاہر ہوئی جو سورۂ سبحان الذی مین ہے۔ قولہ من کان یرید العاجلۃ عجلنا لہ فیہا ما نشاء لمن نرید الآیۃ۔ الحاصل جو اعمال خیر سے دنیا ہی فقط طلب کرتا ہے اسکو دنیا ہی ملیگی وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے اور اُن کے اعمال اگرچہ فی الواقع ریا وغیرہ ہین لیکن کمال کرم سے صورت اعمال پر اُن کو بدلا دیدیا پھر وہ مٹ گئے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ ۔ ایسے ہی لوگ ہین کہ نہین ہے اُن کیلیے آخرت مین کچھ سواے آگ کے مراد اولئک سے وہی لوگ ہین جنھون نے استمراراً سواے دنیا کے کسی عمل سے آخرت کا قصد نہین کیا یا یہ آیت مخصوص بحق کفار و مشرکین ہے۔ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا ۔ اور مٹ گیا جو کچھ اُنھون نے دنیا مین کیا تھا کیونکہ وہ کوئی عمل ثابت و صالح نہ تھا بلکہ صورت مین غیر کو نفع پہونچانے وغیرہ سے خیر قرار دیکر اسکا بدلا اُن کو دنیا مین متاع حقیر جو اُنکی مراد تھی دیدیا گیا لہذا فرمایا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۔ اور جو وے کرتے تھے باطل ہے یعنی اُن کے اعمال فی نفسہ باطل تھے

کسی شمار مین نہ تھے کیونکہ اُن کا عمل کسی ایسے صحیح طریقہ پر نہ تھا جو موجب جزا ہو۔ واضح ہو کہ جس نے آیت مین تعمیم کی کہ مومن و کافر سب کو شامل ہے اسپر اشکال ہی کیونکہ آخر آیت مومن کے حال سے لائق نہین ہے اور مرجع اُسکا آخر یہی ہے کہ آیت اہل کفر کے حق مین متعین ہے اسلئے کہ جس مومن نے اپنے اعمال سے استمرارًا فقط دنیا کا قصد کیا وہ درحقیقت کچھ مومن نہین ہی بلکہ مرتد ہے یا درحقیقت ایمان ہی نہین لایا تھا اور کبھی جواب دیا جاتا ہے کہ جب یہ اعمال باطلہ سوائے اللہ تعالی کے غیر کے واسطے ہوئے تو ان کا کرنیوالا مستحق وعید شدید ہوا کہ اولئک لیس لہم الخ اور اسی کا مؤید ہے جو ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا من تعلم علما لغیر اللہ الخ یعنی جس نے اللہ تعالی کے سوائے غیر کے لیے علم سیکھا یا اس سے غیر اللہ کا ارادہ کیا تو وہ اپنا ٹھکانا دوزخ مین بنا دے۔ اخرجہ الترمذی۔ ابوہریرہؓ نے کہا کہ مین نے آنحضرت صلعم کو سنا کہ فرماتے تھے قال اللہ تعالی انا اغنی الشرکاء عن الشرک الخ یعنی اللہ تعالے فرماتا ہے کہ مین مشرکون کے اعمال شرک سے بالکل مستغنی ہون جسنے کوئی ایسا کام کیا جسمین میرے ساتھ میرے غیر کو شریک کیا تو مین اسکو واسکے شرک کو چھوڑتا ہون۔ اخرجہ مسلم اور اسمین ایسی ہی بہت احادیث ہین اور یہ ریا شرک اصغر ہے وظاہر نظم القرآن الکریم یہ ہی کہ اس مین مطلقًا کفار داخل ہین اور جو ان مین سے قرآن عظیم مین قدح کرتے وخالی دنیا ہی چاہتے اور عذاب مین استعجال کرتے وے بدرجہ اولے داخل ہین اور اُن کو تفہیم ہے کہ بسبقت رحمت وکمال کرم سے حق تعالی نے خالی دنیا چاہنے والون کو موافق اپنی مشیت کے ایک وقت تک دنیا دیدی ہے ف۔ فی العرائس قولہ تعالی من کان یرید الخ۔ اسمین اللہ تعالی نے کھلانے ستانے کو کام کرنیوالون کی خبر دی جو اپنے اعمال سے فقط ترفع وجاہ وزینت ومال چاہتے ہین اور آخرت سے اُن کی آنکھون پر پردہ پڑا ہے اور اگر اُنھون نے دیدار آخرت کا مزہ چکھا ہوتا اور معرفت پائی ہوتی تو کیونکر حظوظ نفس کی طرف التفات کرتے اور یہان تو اللہ تعالی نے اُن کو ایسی چیزین دیدین جو ان کو دنیا مین آخرت سے محجوب کمین۔ واضح ہو کہ اگر عارف متمکن نے دنیا واُسکی زینت سے کام لیا تو اسے برا در اسکو بھی تو انھین لوگون مین سے مت شمار کیجیو وہ اللہ تعالی ہی کو چاہتا ہے اور دنیا کو اپنے کفاف وعفاف کے لیے چاہتا ہے اللہ تعالی اسکو دنیا مین پاکیزہ زندگانی سے رکھتا ہے اسطرح کہ دنیا کو اسکا خادم کر دیتا ہے پس مخلوق کی آنکھ مین اسکی تبجیل اور لوگون کے دلون مین اسکی ہیبت ہوتی ہے کما قال تعالی فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ الآیۃ۔ اور مروی ہے کہ جو بندہ مرتبہ احسان پر پہونچا تو عاجل دنیا اور آجل الآخرۃ مین اس کا اجر اللہ تعالی پر واقع ہوا۔ اور یہ عارف ان ریاکارون کی طرح نہین ہی جو شرف آخرت سے محروم ہین چنانچہ ریاکارون کو فرمایا۔ اولئک لیس لہم فی الآخرۃ الخ ابوبکر الوراق رح نے کہا کہ حیات دنیا وی نام ہے ارتکاب تمنا واتباع شہوات کا اور امیدون کے جنگل مین غافل ہونا اور موت سے بے فکر کہ کبھی یاد نہ آوے اور حرام وحلال سے جس طرح ملے مال جمع کرنا اور زینت دنیاوی مین پڑنا کہ جسمین غافل کرنے والے علائق ہین جن کو اللہ تعالی نے قولہ زین للناس حب الشہوات من النساء الآیۃ مین بیان فرمایا ہے۔ بعد ذکر اہل کفر وشرک وریا کے اہل ایمان وان کے درمیان بڑا فرق ہونا بیان فرمایا بقولہ تعالی۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً

بھلا ایک شخص جو ہے نظر آتی راہ پر اپنے رب کی اور پہونچتی ہے اُسکو گواہی اُس سے اور پہلے اُس سے کتاب موسیٰ کی راہ ڈالتی اور مہربانی

اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ

یہی لوگ مانتے ہین اُس کو اور جو کوئی منکر ہو اُس سے سب فرقون مین سو آگ ہے وعدہ اُسکا سو تو مت رہ شبہہ مین

مِّنْهُ ۚ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

اُس سے یہ تحقیق ہے تیرے رب کی طرف سے لیکن بہت لوگ یقین نہین رکھتے ہین

اللہ تعالیٰ مومنون کے حال سے آگاہ فرماتا ہے جو اس فطرت پر ہین جسپر اللہ تعالیٰ بندون کو پیدا کرتا ہے یعنی اپنے خالق کے معترف کہ لا اله الا اللہ۔ چنانچہ فرمایا فاقم وجھک للدین حنیفا فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا۔ اور صحیحین مین ابوہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ کل مولود یولد علی الفطرۃ آلخ یعنی ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اسکے والدین اسکو یہودی یا نصرانی یا مجوسی کر ڈالتے ہین جیسے چوپایہ پورے اعضاء کا بچہ جنتا ہے بھلا تم اسمین کوئی کان وغیرہ کٹا ہوا پاتے ہو پھر آلخ صحیح مسلم مین عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ یقول اللہ تعالیٰ انی خلقت عبادی حنفاء آلخ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مین نے اپنے بندون کو حنیف پیدا کیا پھر اُن کے پاس شیاطین آئے اور اُنکو اُن کے دین سے بہکا دیا الحدیث اور سنن و مسانید مین مروی ہے کہ ہر مولود اسی ملت پر پیدا ہوتا ہے یہان تک کہ اسکی زبان پھوٹے اور وہ اپنا عقیدہ بیان کرے۔ **قال ابن کثیرؒ** بالجملہ مومن تو اسی فطرت پر ہوتا ہے اور کفار اس سے برگشتہ ہوا فرمایا۔ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۔ بینہ برہان یعنی روشن دلیل جو اسکو راہ حق دکھلا دے والمعنی کیا بھلا وہ شخص جو روشن دلیل پر ہے اپنے پروردگار کی طرف سے۔ ہمزہ اسمین انکار کا ہے یعنی ایسا نہین کہ جو ایسی روشن دلیل پر ہے وہ بمنزلہ ان لوگون کے ہو جن کی ہمتین محض دنیا پر مقصور ہین۔ **قال البیضاویؒ** اسی نے ذکر خبر سے مستغنی کر دیا اور تقدیر کلام یون ہے کہ بھلا جو شخص اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر ہو کیا وہ ایسے شخص کے مانند ہے جسکی ہمت فقط دنیا پر مقصور ہے یعنی ہرگز نہین بلکہ دونون مین بڑا فرق ہے اور یہ حکم ہر مومن مخلص کو شامل ہے اور بعض نے کہا کہ مراد اس سے آنحضرت صلعم ہین اور بعض نے کہا کہ اہل کتاب مین سے ایمان لانیوالے قول اول پر معنی یہ ہین کہ آنحضرت صلعم کی اتباع مین اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والا مومن مخلص کیا ویسا ہے جو حیوٰۃ دنیا و اُسکی زینت چاہتا ہے۔ قول دوم پر یہ معنی ہین کہ کیا آنحضرت صلعم جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان و معجزات پر ہین نظر کفار مین حیات دنیا و اسکی زینت چاہنے والون کے مثل ہین ہرگز نہین۔ اور حکم عام اولیٰ ہے کہ بھلا جو شخص بینہ پر ہو اپنے پروردگار کی طرف سے۔ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ **قال ابن کثیرؒ** یعنی اور آیا اسکے پاس شاہد اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور وہ وحی آلٰہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی طرف بھیجی جسمین شرائع مطہرہ مکملہ کا بیان ہے اور اسکو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کیا اسی واسطے ابن عباسؓ و مجاہد و عکرمہ و ابو العالیہ و ضحاک و ابراہیم نخعی و سدی وغیرہم نے کہا کہ قولہ یتلوہ شاہد منہ یعنی جبرئیل علیہ السلام اور حضرت علیؓ و حسن بصریؒ و قتادہ سے روایت ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہین اور ہر دو قول قریب المعنی ہین کیونکہ دونون مین سے ہر ایک نے رسالت آلٰہی کو پہونچایا چنانچہ جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلعم کو اور آنحضرت صلعم نے اُمت کو پوری تبلیغ کی بعض نے ذکر کیا کہ علی بن ابی طالبؓ نے فرمایا کہ قریش مین سے کوئی نہ ہو جسکے حق مین کچھ قرآن نازل ہوا تو ایک شخص نے پوچھا کہ آپکے حق مین کیا نازل ہوا فرمایا کہ کیا تو سورۂ ہود نہین پڑھتا قولہ افمن کان علی بینۃ من ربہ و یتلوہ شاہد منہ۔ پس آنحضرت صلعم بینہ من ربہ ہین اور مین شاہد ہون۔ اخرجہ ابونعیم و ابن ابی حاتم۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ یتلوہ شاہد منہ علی ظاہر ہے۔ اخرجہ ابن عساکر۔ حافظ ابن کثیرؒ نے کہا کہ بعض کے قول مین یتلوہ شاہد کی تفسیر مین علیؓ ہین مگر یہ قول ضعیف ہے اسکا کہنے والا کوئی ثابت نہین ہوتا اور حق وہ قول اول و ثانی ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ مومن کے پاس فطرت خود شاہد شریعت ہے مگر بالاجمال پھر شریعت سے اسکی تفاصیل لیجاتی ہین اور فطرت اسکی تصدیق کرتی اور اُسپر ایمان لاتی ہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ افمن کان

علی بینة من ربہ ویتلوہ شاہد منہ یعنی قرآن جسکو جبرئیل نے آنحضرت صلعم کو اور آنحضرت صلعم نے اُمت کو پہونچایا ۔ پھر فرمایا ۔ وَمِنْ قَبْلِهٖ ۔ اور پہلے قرآن سے كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۔ موسیٰ کی کتاب یعنی توریت ہو درحالیکہ وہ اس اُمت کے لئے امام پیشوا اور رحمت آلٰہی تھی کہ دسے اسکی اقتدا میں رحمت آلٰہی پاتے لہذا جو اسپر ایمان لایا اسکا ایمان خواہ مخواہ مخبر ہوا کہ قرآن پر ایمان لاکر سعادت دارین حاصل کرے ۔ الحاصل یتلوہ شاہد منہ ویتلوہ شاہد آخر دہو کتاب موسیٰ ۔ یعنی ایک تو اسکا شاہد از جانب حق ہے اور دوسرا شاہد کتاب موسیٰ ہے کیونکہ اُسنے محمد صلعم کی رسالت عامہ وختم رسالت کی شہادت دی ہے زجاج رح نے کہا کہ المعنی ویتلوہ من قبلہ کتاب موسیٰ کیونکہ آنحضرت صلعم کا وصف بلیغ توریت میں اور انجیل میں مذکور ہے مترجم کہتا ہے کہ یہ قول بنا بر نیکہ یتلوہ تلاوت کرتا ہے اسکو یعنی بینة وحی کو شاہد منہ شاہد از حق یعنی محمد صلعم اور من قبلہ کتاب موسیٰ ۔ مربوط باینکہ آنحضرت صلعم کا وصف اسمین مذکور تھا ۔ اظہر قول یہ ہو کہ افمن کان عام ہے آنحضرت صلعم اصل و اول ہیں اور مومنین مخلصین آپکے مقتدی ہین چنانچہ فرمایا ۔ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۔ ایسے لوگ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بینہ پر ہین وہی ایمان لاتے ہین اسپر یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یا قرآن کی تصدیق کرتے ہین وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ ۔ اور جس نے کفر کیا اسکے ساتھ یعنی نبی صلعم یا قرآن کے ساتھ احزاب مین سے ۔ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۔ تو دوزخ اسکا وعدہ گاہ ہے ۔ دوزخ کو موعد قرار دینا تہویل ہو کہ اسمین طرح طرح کے عذاب الیم ہین ۔ احزاب جمع حزب ایک جھنڈا اور وے تمام روے زمین کے لوگ تا قیامت ہین ۔ مقاتل رح نے کہا کہ تمام بنی آدم جن کو قرآن پہونچا بقولہ تعالیٰ لانذرکم بہ ومن بلغ ۔ وبقولہ قل یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا پھر وہ حدیث ذکر فرمائی قال والذی نفسی بیدہ لایسمع بی احد من ہذہ الامة الخ یعنی صحیح مسلم میں ابو موسیٰ اشعری رض سے روایت ہو کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ مین میری جان ہے کہ نہین سنیگا مجھے کوئی اس اُمت میں سے خواہ یہودی ہو یا نصرانی ہو پھر مجھ پر ایمان نہ لاویگا تو بیشک دوزخ مین داخل ہوگا ۔ سعید بن جبیر سے روایت ہو کہ مین جب کوئی حدیث سنتا تو اسکا مصداق یا تصدیق قرآن مجید سے پاتا پھر جب مجھے یہ حدیث والذی نفسی بیدہ لایسمع بی الخ پہونچی تو مین نے ڈھونڈھا کہ اسکا مصداق کلام آلٰہی مین کہان ہین یہانتک کہ مجھے یہ آیت ملی کہ من یکفر بہ من الاحزاب فالنار موعدہ کہا کہ احزاب تمام ملتون والے کوئی ہون ۔ فَلَا تَكُ دراصل تکن تھا نون خلاف قیاس حذف ہوتا ہے فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ مریہ بالکسر لغت اہل حجاز وہی جمہور کی قرأة ہے اور بالضم لغت اسد وتمیم وغیرہ اور سلمی وغیرہ کی یہی قرأة ہے ۔ والمعنی پس نہ ہو تو کسی طرح کے شک مین قرآن سے ۔ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ۔ بیشک وہ حق ہے تیرے پروردگار کی طرف سے ۔ آنحضرت صلعم تو قرآن مین و اُسکے وعدہ ووعید مین شک کرنے سے معصوم تھے پس قولہ فلا تک اگرچہ ظاہر خطاب آپکو ہے مگر یہ تعریض ہے اور لوگون کو جو شک کرتے و کفر کرتے ہین لہذا فرمایا ۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۔ ولیکن بہتیرے لوگ ایمان نہین لاتے ہین خواہ اسوجہ سے کہ مانند علماء یہود کے حق جان کر عناد کرتے یا کفر پر مطبوع ہوئے کہ ان کے دلون مین اسکا حق ہونا باوجود کھلے دلائل کے نہین سماتا ہے ۔ اسمین تنبیہ ہے کہ قرآن وراہ ہدایت کے منکر بہت ہونگے اور مومنین تھوڑے ہے چنانچہ آیندہ وگذشتہ آیت ولقد صدق علیہم ابلیس ظنہ الآیة ۔ مین اسکی تصریح ہے فافہم ف ۔ فی العرائس قولہ تعالیٰ افمن کان علی بینة الخ آیت کی تقریر بطریق استفہام کے اس معنی مین ہو کہ جو کوئی اپنے پروردگار کی طرف سے بینہ و برہان پر ہو کیا ویسا ہے جو اختیار دنیا وضلالت وجہالت مین پڑا ہے جس شخص کو اپنے رب کے معرفت وولایت وکرامت حاصل ہو وہ محض بندہ دنیا کے مثل نہین ہے اور ہر عارف جب حق سبحانہ تعالیٰ کو اپنے قلب و روح و عقل و سر باطن سے مشاہدہ کر لیتا ہے اور انوار جمال و قرب پا جاتا ہے تو یہ اسکی صورت تک مین اثر کرتا ہے یہانتک کہ اسکے چہرہ سے نور آلٰہی ظہور کرتا ہے جسکو ہر نظر والا دیکھتا ہے

قولہ تعالیٰ ویتلوہ شاہد منہ - بینہ تو بصیرت معرفت ہے اور شاہد اسکے ساتھ ظہور نور مشاہدہ ہے اور نیز بینہ کلام معرفت ہے اور شاہد
اسکے لئے قرآن و حدیث ہیں پس جو شخص اس مرتبہ پر ہو وہ چشم حق سے مکنون غیب اسرار قلب دیکھتا ہے اور اسکا مشاہدہ اسکے یقین پر
اور اسکا یقین اسکی بصیرت پر اور بصیرت عقل پر اور عقل اسکے نفس پر غالب ہوتے ہیں حتی کہ اسکا نفس اپنی ہوا و ہوس سے اس کا
مزاحم نہیں ہوسکتا بلکہ واردات حق از کشف و عیان و بیان کے تحت میں اسکا نفس فانی ہوتا ہے تصدیق اسکی قولہ تعالےٰ
فلا تک فی مریۃ منہ انہ الحق من ربک جو کچھ حق سے وارد ہو وہ حق ہے جبکہ معارضہ نفس زائل ہوگیا پھر اگر اول نزول انوار میں کوئی
خطرہ آیا تو یہ امتحان حق ہے پھر اسپر وارد اسقدر حقیقیہ ایسے آتے ہیں کہ اس خطرہ کو بالکل زائل کردیتے ہیں شیخ ابو عثمان رح نے کہا کہ جو کوئی
بینہ پر ہوگیا پھر اسپر کوئی بھید چھپا نہیں رہتا ہے - رویم رح نے کہا کہ بینہ یہ ہے کہ بندہ کو اپنے قلب پر اطلاع نصیب ہو اور عیوب پر
حکم ہو جنید رح نے کہا کہ بینہ حقیقت ہے اور موید اسکا ظاہر علم ہے - ابو بکر بن طاہر رح نے کہا کہ جو کوئی بینہ پر ہو اس کے اعضاء
ظاہری اپنے پروردگار کی درگاہ پر طاعت میں حاضر رہتے ہیں اور اسی کے حکم سے موافقت کرتے ہیں اور زبان اسکی یاد میں تر رہتی ہے
اور وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں دنیا میں پھیلاتا ہے اکثر زبان سے اور اسکا قلب منور با نوار توفیق ہوتا ہے اور راہین تحقیق کی روشنی
بھری ہوتی ہے اور اسکے سر و روح کو تمام اوقات میں حق کا مشاہدہ ہوتا ہے اور مکنون عیوب و مستور سے جو ظاہر ہوسکتا ہے
اسکو وہ جانتا ہے اور اشیاء کو یقین کی نظر سے دیکھ لیتا اور اسکا حکم اسکی مخلوق پر مانند حکم حق کے ہے کہ نہیں نطق اسکا مگر بحق اور
نہیں دیکھتا مگر بحق کیونکہ وہ مستغرق فی الحق ہے پس اسکا مرجع نہیں مگر الی الحق - پھر اہل الحق کے بیان کے بعد زبان اشارت میں ظالمین
مدعین کے جو بہتان و فریب کرتے ہیں مذمت فرمائی قلت یعنی آگے کی آیت میں فافہم - پھر اللہ تعالےٰ نے افترا کرنیوالوں کا خسران بیان کیا

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أُولَٰئِكَ يُعْرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمْ وَيَقُولُ
اور کون ظالم ہے اس سے جو باندھے اللہ پر جھوٹ وہ لوگ روبرو آوینگے اپنے رب کے اور کہیں گے
الْأَشْهَادُ هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ۝
گواہی والے یہی ہیں جنہوں نے جھوٹ بولا اپنے رب پر سن لو پھٹکار ہے اللہ کی بے انصاف لوگوں پر
الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُم
جو روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور ڈھونڈتے ہیں اس میں کجی اور وہی ہیں
بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ۝ أُولَٰئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُم
آخرت سے منکر وہ لوگ نہیں تھکا لے والے زمین میں بھاگ کر اور نہیں ہے ان کو
مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ يُضَاعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ
اللہ کے سوائے حمایتی دونا ہے ان کو عذاب نہ سکتے تھے
السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا
سننا اور نہ تھے دیکھتے وہی ہیں جو ہار بیٹھے اپنی جان اور گم ہوگیا ان سے جو

يَفْتَرُوْنَ ۝ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝

جھوٹھ باندھتے تھے آپ ہوا کہ یہ لوگ آخرت مین ہی ہین سب سے خراب

اللہ تعالی نے منکرین کفار کے چودہ ذمائم بیان فرمائے۔ ذم اول یہ کہ وہ مفتری ہین بقولہ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ اور کون بڑھکر ظالم ہے یعنی کوئی بڑھکر ظالم نہین اس شخص سے جسنے افترا کیا اللہ تعالی پر کَذِبًا۔ دروغ۔ یہ زیادہ فضیحت ومبالغہ ہے کیونکہ افترا خود کذب ہے، تو یہ لوگ افترا و کذب کے جامع ہین پھر انکا افترا ظاہر ہے کہ بتون کو اپنا شفیع بتلاتے اور ملائکہ کو دختریں بناتے اور قرآن کو کلام مخلوق کہتے اور قولہم واللہ امرنا بہا۔ ایسے افعال کی نسبت کرتے جو فحش تھے غرضکہ خالق عزوجل کی جناب مین خلاف واقع لگاکر افترا کرتے اور ایسے ہی عزیر کو بیٹا اور مسیح کو بیٹا کہتے۔ واضح ہو کہ ظاہر لفظ سے نکلتا ہے کہ ان سے اظلم کوئی نہین ولیکن مقام مقتضی ہے کہ اُن کے برابر ظالم بھی نہین ہے۔ دوم آنکہ یہ لوگ مقام ذلت وخواری مین پیش ہون گے بقولہ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ یہی لوگ پیش کیے جاوین گے اپنے پروردگار کے سامنے یعنی قیامت کے روز جسمین کچھ شک نہین ہے۔ اگر کہا جاوے کہ اس پیش ہونے مین یہی لوگ مختص نہین بلکہ عرض عام ہے سب بندے پیش ہون گے۔ بقولہ وعرضوا علی ربک صفا۔ جواب دیا گیا کہ فضیحت کے لئے پیش ہونا انہین سے مخصوص ہے کیونکہ اُن کے مخالف فقط ایک فریق مومنین کا ہے پس وے فضیحت نہین کیے جاوینگے بلکہ یہی سب احزاب فضیحت ہونگے بقولہ تعالی۔ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ۔ اور اشہاد کہین گے کہ یہی ہین وے لوگ جنہون نے جھوٹ باندھا اپنے پروردگار پر۔ اس سے انکو نہایت ذلت وخواری حاصل ہوگی مع اُن کی بدصورتون کی شناخت وتشہیر کے اور یہ تیسری صفت مذمت ہے۔ اشہاد جمع شہید اسی کو فارسی رحمہ نے ترجیح دی کیونکہ قرآن مین کثرت سے اسکا ورود ہے بمانند قولہ ویکون الرسول علیکم شہیدا۔ قولہ من کل امۃ بشہید وجئنا بک علی ہؤلاء شہیدا۔ بعض نے کہا کہ وہ جمع شاہد ہے مانند اصحاب صاحب کے پھر ان اشہاد مین اختلاف ہے کہ کون لوگ ہون گے۔ مجاہد رح نے کہا کہ وہ ملائکہ ہون گے جو دنیا مین اُن کے اعمال کے حافظ تھے۔ مقاتل نے کہا کہ الناس جیسے کہتے ہین کہ علی رؤس الاشہاد یعنی علی رؤس الناس اور ایک قوم نے کہا کہ انبیاء ہون گے بقولہ تعالی فلنسئلن الذین ارسل الیہم ولنسئلن المرسلین۔ یہ قول ابن عباس رض کا ہے اور بعض نے کہا کہ ملائکہ ومرسلین وعلماء جنہون نے دنیا مین اُن کو دین الٰہی پہونچایا تھا اور قتادہ رح نے کہا کہ جمیع خلائق۔ مترجم کہتا ہے کہ سوائے فرقہ مومنین کے جملہ خلائق یہی کذاب ہین ماسوائے ملائکہ کے۔ فافہم۔ اسکے تعیین کی حاجت نہین بلکہ اسی قدر کافی ہے کہ جو اشہاد ہون گے وہ اُن کو فضیحت وخوار کرین گے کہ انھین نے دنیا مین اپنے پروردگار پر دروغ باندھا تھا اگر کہا جاوے کہ اللہ کے سامنے پیش ہونا مقتضی ہے کہ اللہ تعالی کسی مقام پر ہے حالانکہ وہ تعالی اس سے پاک ومنزہ ہے جواب دیا گیا کہ یہ لوگ ان مقامات مین پیش ہون گے جو حساب کے لیے مقرر ہین۔ حق جواب یہ ہے کہ اسکی تاویل وکیفیت عقل بشری سے باہر ہے اور قدرت الٰہی اس سے اعلی واجل ہے پس اسمین کوئی مشکل نہین کہ ہم ایمان لاتے ہین کہ وے پیش ہون گے مگر اللہ تعالی ہر نقص سے پاک ہے ہم کوئی کیفیت اسکے خیال مین نہین لاتے ہین بالجملہ دار آخرت مین مفتریون کی فضیحت ہوگی ابن کثیر رح نے کہا کہ ملائکہ ورسولون و باقی آدمیون وجنون کے روبرو اور اشہاد کہین گے کہ انھین نے دنیا مین اپنے رب پر جھوٹ باندھا تھا۔ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ خبردار ہو کہ ظالمون پر اللہ تعالی کی لعنت ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ منجملہ کلام اشہاد سے ہے اور بعض نے کہا کہ محتمل ہے کہ بعد اشہاد کے اللہ تعالی نے اُن کے حق مین رحمت سے دوری ولعنت فرمائی۔ سراج مین کہا کہ یہ اُن کی چوتھی مذمت ہے اور عقاب قیامت سے آگاہ کرنیکے بعد

فی الحال وے جس طرح ہین وہ بیان کیا یعنی فی الحال ظالمین ملعون ہین ۔ پھران کی پانچوین مذمت فرمائی بقولہ تعالیٰ ۔ اَلَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔ یہ ایسے لوگ ہین جو روکتے ہین راہ آلٰہی یعنی اُسکے دین سے لوگون کو اس راہ راست پر چلنے نہین دیتے چھٹی مذمت یہ کہ
وَيَبْغُوْنَهَا اور چاہتے ہین اس راہ کو عِوَجًا ۔ کج معوجۃ ۔ یعنی چاہتے ہین کہ راہ ایسی ہو جیسے اُن کے نفوس چاہتے ہین جو سراسر ظلم و برائی
سے محض کج ہے راہ مستقیم نہین ہے ۔ پھر ساتوین مذمت فرمائی بقولہ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۔ لفظ ہم کی تکرار اُنکی تاکید کفر و توغل
کیواسطے ہو والمعنی حالانکہ وے آخرت سے کافر ہین جملہ حالیہ ہی آٹھوین مذمت یہ کہ اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۔ ایسے لوگ
نہ تھے معجز زمین مین ۔ یعنی اگر دنیا مین اللہ تعالیٰ اُن کو عذاب کرنا چاہتا تو یہ اسکو عاجز کرنیوالے نہ تھے کہ کہین بھاگ جاتے کیونکہ عذاب آلٰہی
اُسکی مشیت ہو تو ہر جگہ وہر طرح بندہ کو پہونچے ۔ بعض نے کہا کہ معجزین اے سابقین یعنی دنیا مین کچھ سبقت نہین کر گئے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے
اُن کو ایک وقت تک عذاب سے مہلت دی تھی ۔ بعض نے کہا معجزین اے فائتین وبعض نے کہا مفلتین ۔ یعنی دنیا مین اگر عذاب چاہتا تو یہ اسکو
فوت نہین کر سکتے یا اس سے اُچک کر بھاگ نہ سکتے تھے سب کے معنی قریب قریب ہین کیونکہ عذاب آلٰہی سے چھٹکارا بندے کو اپنی طاقت سے
محال ہی ۔ نوین مذمت وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ۔ اور نہین اُن کیلئے سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی اولیا ۔ یعنی اللہ تعالیٰ اُنکا
ولی نہین تو اسکے سوائے کوئی غیر انکا ولی نہین ہو سکتا جو اُن کو عذاب آلٰہی سے بچا لیوے ۔ دسوین مذمت دونا عذاب ہونا ۔ يُضٰعَفُ
لَهُمُ الْعَذَابُ ۔ دونا کیا جائے گا اُن کیلئے عذاب ۔ کہا گیا کہ خود گمراہ ہوے اور دوسرون کو گمراہ کیا ۔ کہا گیا کہ اُنھون نے اللہ تعالیٰ
سے کفر کیا اور اُسپر افترا باندھا ۔ ابن کثیرؒ نے لکھا کہ قولہ اولٰئک لم یکونوا الخ دنیا مین اُنسے انتقام پر قادر ہے مگر ان کو ایک ایسے دن تک
مہلت دی جسمین آنکھین پتھرا وینگی اور صحیحین مین ہو کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے یہان تک کہ جب پکڑ لیتا ہے تو پھر اس کو
چھٹکارا نہین ہوتا اور قولہ یضاعف لہم الخ یہ اسوجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کان آنکھین دل دیا تھا کہ بچانین مگر وے صم بکم عمی رہے
لہذا قیامت مین اقرار کرین گے ۔ لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر ۔ دوسری آیت مین فرمایا زدناہم عذابا فوق العذاب الآیۃ ۔
اسیواسطے ہر امر آلٰہی جسکو ترک اور ہر نہی جسکا ارتکاب کیا ہے سب پر عذاب کئے جاوینگے اسی واسطے اقوال مین سے اصح قول یہ ہو کہ کافر لوگ
بلحاظ دار آخرت کے فروع اعمال سے بھی مکلف ہین مترجم کہتا ہے کہ ائمہ حنفیہ کے نزدیک کافر نماز روزہ زکوۃ وغیرہ کا قبل ایمان کے
مکلف نہین بلکہ اول ایمان لاوے پس ان اعمال کا مکلف ہوگا کیونکہ یہ اعمال بدون ایمان کے باطل ہین اور مشہور مذہب شافعی رح
یہ ہو کہ کفار فروع اعمال سے مکلف ہین پھر جو قول شیخ ابن کثیرؒ نے لکھا وہ ظاہر حدیث صحیح مسلم اخذ بالاول والآخر یعنی عدم ایمان
کی صورت مین اگلے وپچھلے گناہون مین ماخوذ ہوگا ۔ موافق ہے پس ظاہر اس قول پر احکام دنیاوی ان پر جاری نہ ہون گے بلکہ آخرت
مین ضعف عذاب کیواسطے ہے اور فائدہ اسکا یہ ہو کہ مثلاً رمضان مین کسی کافر تندرست مقیم نے جو بہت پیاسا ہے کسی مسلم سے پانی
مانگا تو اسکو پلا دے یا نہین پس بنا بر قول مذکور کے ہر دو مذہب کے موافق پلا دینے مین مضائقہ نہین ہے ۔ فافہم ۔ گیارہوین مذمت ۔ مَا كَانُوْا
يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ نہ تھے کہ استطاعت رکھتے سمع کی یعنی سننے کی ۔ قتادہ رح نے کہا کہ سماع حق سے بہرے تھے پس بھلائی کو سنکر اُس سے
انتفاع نہین لیتے تھے ۔ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ۔ اور نہین تھے کہ دیکھین یعنی بھلائی کے دیکھنے سے اندھے تھے دیکھتے نہ تھے ۔ ابن عباسؓ سے
مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل الشرک اپنی طاعت مین بیچ مین روک کر دی پس دنیا مین اسطرح کہ ما کانوا یستطیعون السمع الخ اور آخرت
مین اسطرح کہ فلا یستطیعون خاشعۃ ابصارہم الآیۃ ۔ پھر بارھوین مذمت قولہ ۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ۔ یہی لوگ ہین جنھون نے

خسارہ مین ڈالا اپنی جانون کو۔ کیونکہ انھون نے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے بدل کر آلہہ کی عبادت کی پس ہمیشگی کی آگ مین پڑے اور یہ بڑے خسارہ کی وجہ ہی تیرھوین مذمت قولہ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۔ اور گم ہوگیا اُن سے وہ کچھ جو افترا کرتے تھے یعنی اللہ تعالیٰ کیساتھ شریک کا دعوی کرتے اور کہتے کہ یہ بت وغیرہ آلہہ انکے سفارشی ہین اور مسیحؑ اُن کے گناہون کا کفارہ ہوگئے ہین یہ سب باطل دعوی گم ہوجاوینگے چودھوین مذمت لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُونَ ۔ لامحالہ وہی عاقبت مین نہایت خسارہ والے ہین خلیل وسیبویہ نے کہا کہ لاجرم بمعنی حق ہے پس ان کے نزدیک یہ گویا کلمۂ واحدہ ہے و فرار رحہ نے کہا کہ بمنزلہ لابد ولامحالہ کے ہے پھر کثرت استعمال سے بمعنی حق ہوگیا ۔ زجاج رحہ نے کہا کہ جرم بمعنی کسب اور فاعل مضمر ہے اے کسب ذلک الفعل لھم الخسران ۔ اور ان کو نصب بوجہ جرم کے ہے والمعنی اس فعل نے ان کو خسران کما دیا ۔ ازہری رحہ نے کہا کہ یہ اس لغت مین احسن توجیہ معقول ہے ۔ بالجملہ اس آیت سے من کان علی بینۃ من ربہ مین اور من کان یرید الحیوۃ الدنیا مین فرق وتفاوت ظاہر ہوا خصوص جبکہ اگلی آیات مین مومنون کے درجات بیان ہون گے تو ان مین کمال تفاوت ظاہر ہوجاویگا ف فِي العرائس قولہ تعالیٰ ومن اظلم ممن افتری الخ اسمین اشارت ہے ثابت ہو کہ ریاکار ومکار بھی عذاب مین ماخوذ ہون گے یعنی کون بڑھکر ظالم ہے اس شخص سے جو ولایت کا دعوی کرے اور سابق الحکم مین وہ کذاب ٹھہرا ہے گویا وہ چاہتا ہے کہ وہ حکم ازلی جو اسکے کفر وبہتان کا جاری ہوا اسکو توڑے اور اولیا و صدیقین جن کے حق مین سابق عنایت ہو اُن کو اہل شقاوت سے مقابلہ وہماثلہ کرے پس ظلم اس کا اس ارادہ سے کہ اپنے آپ کو ولایت کے دعوی پر لاکر اللہ تعالیٰ پر دروغ باندھتا ہے حالانکہ وہ کاذب ہو اور ان مفسدون کی غرض اس فعل سے یہ ہوتی ہے کہ ریا وسمعہ وجاہ کیلئے مخلوق کے منہ اپنی طرف پھیر لاوین پس اللہ تعالیٰ ان کو قیامت مین تمام خلائق کے روبرو فضیحت فرما دیگا پس جو کوئی اپنے پروردگار سے سچا معاملہ رکھتا تھا وہ اُن کے کذب پر گواہی دیگا پھر قرب ووصال سے دور کرکے نکال ووبال مین ڈالے جاوین گے بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ پر افترا کرنیوالا وہ شخص بھی ہے جو اپنے واسطے ان احوال کا دعوی کرے جو بزرگان دین وصلحا رکو حاصل تھے اور اپنے نفس سے ایسے مقام کا مشاہدہ ظاہر کرے جہان اسکو شہود نہین ہوا ہے پس ایسے لوگون کو اللہ تعالیٰ دنیا مین بھی فضیحت کر دیتا ہے کہ ان کے کذب پر وے لوگ مطلع ہوجاتے ہین جو حقائق اشیا کو بنور حق دیکھتے ہین پس وے ظاہر کر دیتے ہین کہ ہٰؤلاء الذین کذبوا علی ربھم کیونکہ اُنھون نے اپنے لئے ایسے احوال ظاہر کئے جو درحقیقت ان مین نہین ہین ۔ اور اپنے آپ کو لباس صلحا ر سے آراستہ کر لیا لہذا یہ فضیحت تو ان کو مجالس اہل الحق مین ہے یہان تک کہ جب قیامت مین مشاہد الحق مین جاوین گے تو عام فضیحت اٹھا وینگے ۔ قولہ تعالیٰ ماکانوا یستطیعون السمع الآیۃ ۔ یہ لوگ خطاب حق کو دل کے کانون نہین سنتے تھے اور مشاہدۂ حق کو روح کی آنکھون نہین دیکھتے تھے کیونکر سنتے و دیکھتے کہ ازل مین اُن کے حق مین عنایت نہین جاری ہوئی بعض نے کہا کہ سماعت کی استطاعت ایسے شخص کو کیا ہو جس کے کان امر حق کی سماعت کے لئے نہین کھلے ہین اور کیونکر دیکھے جس کی آنکھ مین توفیق کا سرمہ نہین ہے کیونکہ بغیر سُنائے اور بغیر دکھلائے کچھ دیکھتا وسنتا نہین ہے ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اہل الخسران کے نکال ووبال کے بیان کے بعد اہل درجات از اہل ایمان کے فضائل وکرامات کو بیان فرمایا بقولہ ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْۤا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ

البتہ جو یقین لائے اور کین نیکیان اور عاجزی کی اپنے رب کی طرف وہ ہین جنت کے لوگ

هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ۝ مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمٰى وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ

وہ اُس میں رہا کرینگے مثال دونون فریقون کی جیسے ایک اندھا اور بہرا اور ایک دیکھتا اور سنتا کیا برابر ہے

مَثَلًا ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝

دونون کا حال پھر کیا تم دھیان نہین کرتے

اب اہل ایمان وطاعت کا حال اور ہردو فریق کی مثال بیان فرمائی بقولہ ۔ اِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ۔ بیشک وہ بندے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے یعنی رسول الٰہی وکلام الٰہی سے معرفت صحیحہ حاصل کرکے سب جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اسپر یقین کیا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور کام کئے نیک یعنی جو طاعات نماز روزہ وغیرہ اللہ تعالیٰ نے اعمال صالحہ بتلائے ہین اور رسول صلعم نے سکھلائے ہین سب بجالائے مگر خالی اعضا وجوارح ظاہرہ سے نہین بلکہ اُسکے ساتھ وَاَخْبَتُوا اِلٰى رَبِّهِمْ ۔ اور خشوع وخضوع کیا اپنے رب کی طرف ۔ اصل اخبات کے معنی مستوی ہونا جنت یعنی زمین ہموار مین پس خشوع واطمینان کے معنی سے مناسب ہے اسی واسطے کہا گیا کہ واخبتوا سے انابوا مطلب ہے کہ اپنے رب کی طرف ۔ فراء نے کہا کہ الی ربہم اور لربہم واحد ہین اور سراج وغیرہ نے کہا کہ اخبت الیہ کے معنی اطمئن ہوا اسکی جانب اور اخبت لہ کے معنی اسکے لیے خاشع وخاضع ہوا بعض نے کہا ۔ انابوا یعنی پروردگار کی طرف دل سے جھکے ۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ خافوا ۔ یعنی اپنے پروردگار سے خوف وتقوی کیا ۔ بالجملہ اشارہ ہے کہ آخرت مین اعتبار اعمال جوارح کے ساتھ اعمال قلب کا ہے یعنی نماز وغیرہ خشوع وخضوع سے ہو اور خود بندہ دیگر اوقات مین خاشع رہے ۔ اُولٰٓئِكَ یہ بندے جن کا وصف ایمان وطاعت وخشوع وخضوع مذکور ہوا ۔ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ جنت والے ہین ۔ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ۔ وے اُسمین ہمیشہ رہین گے ۔ ابن کثیر رح نے کہا کہ اہل سعادت جنھون نے جوارح سے قولی وفعلی اعمال صالحہ کئے ومنکرات کو ترک کیا اور دل سے خشوع وخضوع کیا وہی جنت کے وارث ہونگے جسمین غرف عالیہ وسرر مصفوفہ وقطوف دانیہ وفرش مرتفعہ وخیرات حسان وغیرہ نعیم باقیہ دائمہ ہین اُسمین انکو خلود ہوگا نہ کبھی مرینگے نہ بوڑھے ہون گے نہ بیمار ہون گے نہ نیند مین اونگھین گے نہ پیشاب نہ پاخانہ ہوگا نہ وہان تھوک بلغم ہو وہان تو عرق مشک کی خوشبو ہو ۔ واضح ہو کہ جنت واسکی نعمتون کا بیان بہت دراز ہے وہان ایک رضوان الٰہی وہ دیدار جیسے نعمت ہے کہ جنمین ممکن نہین ہے پھر دونون فریق کی مثال فرمائی بقولہ تعالیٰ مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمٰى وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ ۔ فریق کفار کی تشبیہ اعمی یعنی اندھے واصم یعنی بہرے سے فرمائی ۔ خواہ علیٰحدہ علیٰحدہ یا یہ دونون ہون اور مومن کی تشبیہ بھی اسی طرح سمیع یعنی سننے والے وبصیر یعنی آنکھون سے دیکھنے والے سے فرمائی پس اگر مثال مجموع ہو تو ہر ایک صفت بصفت ہو ۔ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا یعنی حالًا وصفۃً بھلا دونون فریق برابر ہین اندرا حال وصفت کے یعنی ہرگز نہین اَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۔ کیا تم ۔ سوچ نہین کرتے ہو کہ ان مین بڑا تفاوت ہے پس تم بھی مومن ہو جاؤ ۔ دوسری آیت مین فرمایا لا یستوی اصحاب النار واصحاب الجنۃ الآیۃ ۔ اور فرمایا ما یستوی الاعمی والبصیر ولا الظلمات ولا النور ولا الظل ولا الحرور وما یستوی الاحیاء ولا الاموات الآیۃ ۔ بالجملہ دونون مین صاف فرق کر دیا اور حجت تمام ہوگئی ف ۔ فی البحر المرقوم ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات الآیۃ ۔ اشارت ہے کہ آمنوا یعنی جو اعتقاد غیبی کو بصفت دیدار یقین کیا اور وعملوا الصالحات یعنی اپنی جانین قرب حاصل ہونے مین فدا کر دین اور بعد از ذکر سے اپنے سرائر پاک کئے اور فکر کر آیات الٰہی مین جولان کیا واخبتوا الی ربہم یعنی اسرار کی بصیرت سے سلطان کبریائی کے انوار دیکھ کر اسکے تحت مین فنا ہو گئے یعنی

اپنے آپ کو صفات قدم میں فنا کر کے اصحاب مشاہدہ صفات بقا رہیں اور بدون حضر فنا کے باقی ہیں کیونکہ اب بعد محو کے ہمیشہ اصحاب الصحو ہیں گے۔ شاہ کرمانی رح نے کہا کہ اخبات تین طرح ہے عُمر ایاس مع توبہ کے کیونکہ گناہوں کی طرف کثرت سے عود ہوتا ہے اور خوف استدراج کا پردہ میں یعنی شاید باوجود ان گناہوں کے انعام فقط استدراج ہوں کہ ناگہانی عذاب میں پکڑا جاوے اور سوم توقع عقوبت کی ہر وقت بخوف کیونکہ وہاں عدل ہے اور عدل میں یہاں گناہ بہت ہیں استاذ رح نے کہا کہ اخبات یہ ہے کہ ہمیشہ انکسار کے ساتھ دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف خشوع ہو اور مخبتین کے علامات میں سے یہ ہے کہ ہمیشہ پوشیدہ استعانت کے ساتھ احکام تقدیر کے تحت میں گھلتے رہتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ازلی مقبول بندوں اور ازلی مطرودین فرق بیان فرمایا کہ فریق اول کو نعمت ولایت ہے اور دوم کو حجاب بقولہ مثل الفریقین کالاعمی آہ بیان اشارت سے ثابت ہے کہ باطنی حالت کے اعتبار سے جو حقیقت میں مشاہدہ و وصال میں پہونچا وہ محقق مانند سمیع و بصیر کے ہے اور جو حقیقت میں کچھ نہیں مگر ظاہر میں مکار ہے وہ اندھا و بہرا ہے۔ پھر سمیع کی یہ کیفیت ہے کہ حق تعالیٰ سے اُس کے کلمات کو اسی کی قوت سے سنتا ہے اور انہیں کلمات سے اُسکو خواطر ملکوتی اور ہواجس شیطانی و نفسانی میں فرق معلوم ہوتا ہے اسی طرح جمال حق تعالیٰ کو قوت حق سے دیکھتا ہے اور یہ کوئی کرامت اپنی قوت سے نہیں ملتی ہے وہی پاک پروردگار سبحانہ اپنے کرم سے عارفوں کے دل اور محبوں کی آنکھیں روشن کر دیتا ہے جس سے اُن کو آدمیوں کے دلی خطرات اور غیب کے حقائق ظاہر ہو جاتے ہیں اور جو شخص مکار جاہل ہے وہ الہامی ہواتف کو نہیں سنتا کیونکہ اسکو خاص سننا جو بقوت حق ہے حاصل نہیں ہوا اور اسپر بشری شہوات و عوارض غالب ہونے کی وجہ سے اسکو معرفت کے انوار نظر نہیں آتے۔ یہ صریح مثال دونوں کی فرما کر اہل عقل سے دونوں کے مساوات پوچھی بقولہ ہل یستویٰن یعنی ہرگز دونوں یکساں نہیں ہیں۔ بعض نے کہا کہ بصیر وہ شخص ہے کہ تقدیر الٰہی میں جو کچھ اس سے مراد ہے اور جو اس کے نفع و ضرر کے لئے جاری ہو تمام اوقات میں اسکو دیکھے اور سمیع وہ شخص ہے جو خطاب کے تمام اقسام کو خواہ تادیب ہوں یا تقریع ہوں یا حث و مذب ہوں تمام اوقات میں سنے پھر بعض مشائخ نے کہا کہ اندھا وہ شخص بھی ہے جو عبرت کی باتیں نہ دیکھے اور بہرا وہ شخص بھی جو لطائف خطاب سے محروم ہو اور بصیر وہ شخص جو نظر حق سے اشیاء کو دیکھے تو کسی کا انکار نہ کرے اور کسی چیز سے تعجب نہ کرے۔ جنید رح نے کہا کہ اندھا وہی ہے جو حقائق اشیاء کو نہیں دیکھتا۔ اُستاد رح نے کہا کہ اندھا وہ ہے جسکو ہدایت کی بینائی نہ ہو ایسے ہی بہرا وہ جسکے دل کے کان بہرے ہوں پس نہ وہ افعال میں تقدیر کا بھید دیکھتا ہے اور نہ نور فراست سے مکاشفات غیب پاتا ہے اور فرمایا کہ بصیر وہ ہے جو افعال کو علم الیقین سے دیکھے اور صفات کو عین الیقین سے اور ذات کو حق الیقین سے پس جو چیزیں غائب ہیں اُن کو ایک قسم کا حضور ہے اور جو مستور ہیں ان میں کشف ہے۔ پھر جو شخص کہ صفت حق سے سنتا ہے اسکو ہواجس نفسانی و وساوس شیطانی نہیں سنائی دیتے ہیں پس دواعی علم سے شرعاً سنتا ہے اور خواطر تعریف سے براہ تقدیر سنتا ہے اور خطاب حق سے براہ اسرار سنتا ہے پس یہ جاہل و عارف کسی طرح مساوی نہیں ہو سکتے ہیں۔ پھر انواع دلائل کے بعد بعض قصص و وقائع اُمم سابقہ و اُن کے بد انجام کو شاہد یقینی بیان فرمایا بقولہ۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّيْٓ

اور ہم نے بھیجا نوح کو اُسکی قوم کی طرف کہ میں تم کو ڈرستا تا ہوں کھولکر کہ نہ پوجو سوائے اللہ کے میں

أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ أَلِيمٍ فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ

ڈرتا ہون تم پر عذاب سے ایک دُکھ والے دن کے پھر بولے سردار جو منکر تھے اُسکی قوم کے ہم دیکھتے نہین تجکو

إِلَّا بَشَرًا مِثْلَنَا وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّأْيِ ج وَمَا نَرَىٰ لَكُمْ

مگر آدمی جیسے ہم اور دیکھتے نہین کوئی تابع ہوا تیرا مگر جو ہم مین نیچ قوم ہین اوپری عقل سے اور دیکھتے نہین تم کو

عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِينَ ۝

اپنے اوپر کچھ بڑائی بلکہ ہم کو خیال ہے کہ تم جھوٹے ہو

وَلَقَدْ واو ابتدائیہ ولام موطیۂ القسم ہے۔ اَرْسَلْنَا نُوْحًا نوح علیہ السلام اول رسول ہین جو کافر بت پرستون کی طرف بھیجے گئے بعد آدم علیہ السلام کے لوگون کے گمراہ ہونے کے وقت۔ اِلیٰ قَوْمِهٖ ۔ یہ قوم بت پرست تھی اور بعد آدم کے دس قرن تک لوگ توحید پر رہے پھر اُن مین کفر پھیلا۔ اِنِّیْ لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۔ بعض نے کہا کہ تقدیر کلام بانی لکم ہے پس ان مفتوحہ کی قراۃ ابو عمرو و ابن کثیر وکسائی پر صحیح ہو اور باقی قرا نے بالکسر پڑھا تو قول مضمر ہے یعنی قال انی۔ یا قائلا انی۔ والمعنی اور قسم ہے کہ بیشک ہم نے بھیجا نوح کو اُس کی قوم پاس کہتا ہوا کہ مین بیشبہہ تمھارے لیے کھلا ڈر سنانے والا ہون۔ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۔ ان مصدریہ یا مفسرہ متعلق بارسلنا یا نذیر یا مبین ہے اور لا ناہیہ ہے۔ سراج مین کہا کہ انی لکم الخ سے یہ جملہ بدل ہے یعنی مین تمھین ڈراتا ہون کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے کسی کی عبادت مت کرو۔ یا مبین کا مفعول ہے یعنی صاف بیان کرنے والا ہون اس امر کو کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو مت پوجو۔ علی ہذا مبین بمعنی بیّن نہین بلکہ افعال متعدی معنی مین ہے۔ خالی انذار پر اکتفا کیا اسلیے کہ نوح کی دعوت محض انذار تھی بشارت نہین۔ یہ قول ضعیف ہے۔ بعض نے کہا کہ بشارت ان مین کارگر نہین ہوئی۔ مترجم کہتا ہے کہ قوم بد افعال مین مبتلا تھی اس سے باز رہنے کا حکم دیا اور نہ ماننے کی صورت مین ڈر سُنایا۔ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ۔ بیشبہہ مجھے تم پر عذاب روز الیم کا خوف ہے۔ روز کو الیم کہنا باعتبار اسکے عذاب کے ہے اور مراد روز طوفان ہے یا روز قیامت اور ظاہر یہ ہے کہ قیامت مراد ہو یا مخالفت پر عذاب کا یقین کرکے فرمایا کہ ایک نہ ایک روز تم پر عذاب آویگا اسلیے کہ غرق کی وحی پیچھے ہوئی ہے ہان محتمل ہے کہ پہلے سے قوم کا انجام معلوم ہو واللہ اعلم فی السراج۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حضرت نوحؑ چالیس برس کی عمر ہونے پر رسول ہوئے اور ساڑھے نوسو برس قوم کو راہ راست کی طرف بلایا۔ مقاتلؒ نے کہا کہ سو برس کی عمر مین اور بعض نے کہا کہ پچاس برس اور بعض نے کہا کہ دوسو پچاس برس کی عمر ہونے پر رسول ہوئے اور ساڑھے نوسو برس دعوت کی اور بعد طوفان کے ڈھائی سو برس زندہ رہے تو اُن کی عمر ایک ہزار چارسو پچاس برس کی ہوئی اور نوح اسم عجمی ہے لہذا جس نے کہا کہ کثرت گریہ کی وجہ سے نوح بالفتح سے ماخوذ ہے اُسنے سہو کیا کیونکہ عربی اشتقاق نہین ہوسکتا۔ اس سورہ مین سات قصے ترتیب وار جس طرح زمانہ مین واقع فرمائے ہین ذکر کیے از انجملہ پہلے یہی قصہ نوحؑ ہے۔ الحاصل حضرت نوحؑ نے قوم بت پرست سے کہا کہ اگر تم نے سوائے اللہ تعالیٰ کے غیر کو پوجا تو مجھے تم پر عذاب الیم واقع ہونے کا خوف ہے لہذا تم باز رہو۔ مترجم کہتا ہے کہ جو کوئی مشرک مرے اسپر عذاب آخرت یقینی ہے پس ظاہر کلام اسکو مشعر ہے کہ آنحضرتؑ نے قوم کو دنیاوی عذاب کا خوف دلایا۔ قوم نے اُن کے جواب مین صاف انکار کیا اور تین شبہہ پیش کیے چنانچہ اُن کو بیان فرمایا۔ بقولہ تعالیٰ فَقَالَ الْمَلَاُ ملا جماعت اشراف جنکو دنیا کی ریاست و منزلت حاصل ہے۔ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا جملہ صفت ملا۔ مِنْ قَوْمِهٖ ۔ بیان ملا یعنی اسکی قوم کے اشراف نے جو کافر تھے ۔ کہا ۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض اشراف قوم کافر نہ تھے ولیکن اظہر یہ ہے کہ جملہ الذین کفروا محض مذمت کیلئے ہے یعنی ان ملاؤں کی یہ صفت تھی کہ خبیث
کافر تھے اسلئے کہ کلام مابعد سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایمان لانیوالے دنیا کی راہ سے حقیر لوگ تھے۔ بالجملہ رئیس کفار قوم نوح نے کہا کہ۔ مَا
نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا۔ پہلا اعتراض و شبہہ یہ کہ ہم نہیں دیکھتے تجھکو مگر ایک آدمی مانند اپنے یعنی اللہ تعالیٰ کا رسول کوئی فرشتہ ہوتا آدمی
کیا ہوگا اور تو ہمارے مثل آدمی تجھے یہ فوقیت ہم رؤسا سے بڑھکر نہیں ہو سکتی جیسے کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے تھے۔ وَمَا
نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا۔ جمع ارذل بضم ذال معجمہ و ارذل جمع رذل بسکون ذال جیسے کلب و اکلب و اکالب پس اراذل
جمع الجمع ہے اور بعض نے اسم تفضیل رذل بروزن اشرف کے جمع قرار دی ہے جیسے اساود جمع اسود پھر اراذل مانند جولاہہ و موزہ دوز وغیرہ کے
آدمیوں میں سے او گھٹیا ہر حقیر میں سے۔ بَادِيَ الرَّاْيِ۔ ظاہر الرائے یعنی بدون غور و تحقیق کے۔ او نصب اسکو بنا بر ظرف کے یعنی وقت ظہور
اول رائے کے۔ یہ دوسرا شبہہ جتایا اور معنی یہ کہ اور ہم نہیں دیکھتے کہ تیری پیروی کی ہو کسی نے سوائے ایسے لوگوں کے جو ہم میں سے اراذل
ہیں انھوں نے بھی بدون غور و تحقیق کے سرسری نظر سے اتباع کر لی۔ ابن کثیرؒ نے لکھا کہ کافروں کا یہ اعتراض ان کی جہالت و بے عقلی پر
دلیل ہے اسلئے کہ جو امر حق ہے وہ ہمیشہ حق ہی رہتا ہے اراذل اسکی پیروی کریں چاہے اشراف۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ جو لوگ امر حق و حکم الٰہی
کی پیروی کرتے ہیں وہی اشراف ہیں اگرچہ فقیر ہوں اور جو اس سے منہ موڑتے ہیں وہی اراذل ہیں چاہے تونگر ہوں پھر اکثر ایسا واقع
ہوتا ہے کہ امر حق و انبیاء و اولیاء کی پیروی کرنیوالے فقیر و ضعیف لوگ ہوتے ہیں ان میں کچھ غرور نہیں ہوتا اور وے حق کے تابع
ہو جاتے ہیں اور رؤسا اکثر مخالف ہوتے ہیں اسلیئے ہرقل بادشاہ روم نے جب آنحضرت صلعم کا حال پوچھا اور آپ کی اتباع دریافت کیئے
اور ابو سفیان نے کہا کہ ضعیف لوگوں نے انکی پیروی کی اور کسی شریف نے پیروی نہیں کی تو بادشاہ نے کہا کہ تم جانتے ہو بلکہ رسولوں کی پیروی کرنیوالے
ضعیف ہی ہوتے چلے آئے ہیں۔ زجاج رحمۃ اللہ نے کہا کہ کافروں نے اتباع نوحؑ کو جولاہہ وغیرہ اراذل کہا اور بیوقوفی سے یہ نہیں جانا کہ دین کی بزرگی اور رسول
کی پیروی میں شرافت ہے مال و مناصب کو کچھ دخل نہیں اور کوئی پیشہ جائز ہو اس سے دین میں کچھ نقصان نہیں آتا بلکہ بیشتر یہ ہیں انکی سیرت بہتر ہے تو
ہمیشہ سے دین میں افضل ہیں۔ ابن کثیرؒ نے لکھا کہ بادی الرائے کا اعتراض بھی محض جہالت ہے کچھ عیب نہیں اسلئے کہ حق جب کھل گیا تو اس میں غور و فکر کو کوئی مجال نہیں
رہتی بلکہ اس حال میں امر حق کی اتباع فرض ہے ایسی حالت میں سوائے کسی گمراہ جاہل کے کوئی بدی و برائی لگانے میں نہیں پڑیگا اور
اللہ تعالیٰ کے رسول ہمیشہ امر واضح لائے ہیں اور صحیح حدیث میں آیا کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میں نے جس کسی کو اسلام کی طرف بلایا
اسنے کچھ نہ کچھ گردن موڑائی سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کہ اسنے کچھ بھی توقف نہ کیا یعنی فوراً ایمان لا سکے پھر کافروں نے تیسرا شبہہ
حضرت نوحؑ و ان کی اتباع سب پر پیش کیا یعنی قولہ۔ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ۔ اور ہم تو تمہارے لیئے اپنے اوپر کچھ فضیلت
نہیں دیکھتے یعنی دنیاوی مال و دولت میں تم ہم سے اچھے نہیں ہو۔ ابن کثیرؒ نے کہا کہ یہ لوگ اندھے تھے بہرے تھے گونگے تھے ان کو
ہدایت و اسکی بزرگی کیونکر نظر آتی پھر حضرات پیغمبر کی فضیلت کمالات سے دیکھتے لہذا دنیاوی عزت کے سوائے آخرت میں بھی اراذل خوار
ہو رہے سمجھے جو دنیا میں اندھے ہو کر امر حق میں متردد اور جہالت کے اندھیرے میں پاتے تھے آخرت میں دوزخ کے اندھیرے میں جلینگے
پھر ان کافروں نے حضرت نوحؑ کے مقابلہ میں خود ہی تردد بھی چھوڑا اور اپنی اصل کی طرف جو تمام کافروں میں ہمیشہ موجود رہا ہے رجوع کیا اور
وہ خیالی گمان ہے چنانچہ کہا۔ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ۔ بلکہ ہم تو تم کو جھوٹا گمان کرتے ہیں۔ اسی گمان پر جم گئے اور اسی طرح آنحضرتؐ کی
نصیحت نہ سنی۔ حالانکہ گمان سے حق نہیں ملتا ہے آخر غرق کے عذاب میں پڑے یہی حال کفار مکہ کا تھا کہ رسولوں کو اللہ تعالیٰ کے

یہان اپنا سفارشی سمجھتے اور گمان کرتے کہ وہان ہم کو نفع دینگے حالانکہ یہان نہ منہ سے بولین اور نہ ہاتھ ہلاوین اور نہ اشارے سے راہ بتاوین اور نہ اپنے اوپر سے ایک مکھی ہانک سکین ایسے ہی نصاریٰ نے حضرت مسیح ؑ کو اپنے تمام گناہون کا چاہے کیسی ہی بدکرداری کرین کفارہ سمجھ لیا اور یہ خلاف عقل وتمام انبیاء سے مخالف ہے اور جب ان لوگون کو امر حق دیا جاتا ہے تاکہ دنیاے فانی سے منہ موڑ کر عاقبت درست کرین تو دل سے عاقبت پر یقین نہین کرتے اور اسپر بھی حق بات مین مانند قوم نوح کے بالکل واہی شبہہ پیدا کرتے ہین ف۔ فی العرائس قولہ ما نراک اتبعک الخ کمینہ جاہلون بیوقوفون کی یہی عادت ہے جو اپنی فاسد رائے پر انبیاء کے حالات کو قیاس کرتے ہین اور اگر کاش ایک ذرہ اُن کے حالات سے مشاہدہ کیا ہوتا تو اسکے شوق وحسرت مین مرجاتے ولیکن شقاوت ازلی نے ان کو ان بزرگون کے انوار سے محجوب ومحروم کیا اور اپنے گمان وقیاس مین پڑے ٹھوکرین کھایا کیے پس ان کو شکل وصورت نظر پڑی اور اوراء دیکھنے سے اندھے رہے اور بسبب جہالت کے اولیاء الٰہی پر تجبر کرتے رہے۔ ابن الطرحی رح نے کہا کہ جس نے انبیاء سے مخالفت کی اسکو فقط البشری صورت نظر پڑی اور جو اختصاص وفضائل اُن کو عطا ہوئے ہین مخالف کو نظر نہ آئے کیونکہ حقائق باطن ہین اور اُن کی ظاہری صورت کا باقی رہنا خلق پر رحمت ہے کہ فیض پاوین اسی ظاہری شکل کو اپنی طرح کھاتا پیتا دیکھکر ان کو اپنے مثل سمجھنے لگے اور یہ سمجھا کہ وہ مشاہدہ کیا میں حضرت حق عزوجل کے قرب مین ہین اگر اُن کے قرب منزلت کو دیکھ پاتے تو ایسے جواب گونگے رہجاتے اور اُن کے عیش کی تمنا مین حسرت کیساتھ جان دیدیتے ولیکن تقدیر العزیز العلیم ہے کہ ٹُسے اسی عذاب مین خوش ہین پھر مجمل جواب نوح ؑ ذکر فرمایا۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ

بولا اے قوم دیکھو تو اگر مین ہون سوجھ کی راہ پر اپنے رب کی اور اُسنے دی مجکو مہر اپنے پاس سے پھر وہ

عَلَيْكُمْ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ۝

تمہاری آنکھ سے چھپا رکھی کیا ہم لگا دیوین وہ تم کو اور تم اُس سے بیزار ہو

حضرت نوح ؑ نے خصائل نبوت کے موافق نہایت حلم وتلطف سے بیوقوف قوم کو جواب دیا۔ قَالَ يٰقَوْمِ۔ کہا کہ اے قوم اَرَءَيْتُمْ مجھے آگاہ کرو۔ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ۔ کہ اگر مین کھلی دلیل ومعجزہ پر ہون اپنے پروردگار کی طرف سے۔ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ اور دی اُسنے مجکو رحمت یعنی نبوت اپنے پاس سے یعنی اپنے فضل سے تو بھی کیا مجھے جھوٹا کہوگے یعنی مین جھوٹا نہین ہون مجھے حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے بدون دعوی واستحقاق کے اپنی طرف سے معجزہ وبرہان دی اور اپنے پاس سے رحمت ونبوت دی۔ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ۔ پس ہر ایک بینہ ورحمت تم پر اندھی ہوگئی کہ تم اُس کو نہین دیکھتے وانکار کرتے ہو حفص وحمزہ وکسائی نے عمیت بضم اول وتشدید ثانی پڑھا یعنی یہ رحمت تم پر اندھی کردی گئی اور مراد یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اس کے فضائل وکرامات دیکھنے سے اندھا کردیا۔ دلیل ہے کہ ہدایت وضلالت کو اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے۔ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا کیا مین تم پر لازم کرونگا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ۔ حالانکہ تم اس سے کراہت کرتے ہو یعنی زبردستی مین تمہارے اوپر لازم نہین کرسکتا ہون۔ قتادہ رح نے کہا کہ واللہ اگر اللہ تعالیٰ کے نبی کو استطاعت ہوتی تو لازم فرماتا ولیکن اس کے امکان مین نہ تھا ف۔ حلم رکھنا جاہلون کے جواب مین اخلاق انبیاء ؑ مین سے ہے اور قولہ فعمیت بنابر قراءۃ حفص ؒ وحمزہ کے دلیل ہے کہ ہدایت وضلال از جانب حق تعالیٰ ہے۔ قولہ تعالیٰ

وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ

اور اے قوم نہین مانگتا مین تم سے اسپر کچھ مال میری مزدوری نہین مگر اللہ پر اور مین نہین ہانکنے والا ایمان والون کو

اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ

اُن کو ملنا ہے اپنے رب سے لیکن مین دیکھتا ہون تم لوگ جاہل ہو اور اے قوم کون چھڑاوے مجکو اللہ سے

اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝

اگر اُن کو ہانک دون کیا تم دھیان نہین کرتے ہو

وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ ضمیر علیہ راجع اس نصح کی طرف ہو جو پہلے ان کو فرمائی تھی ۔ مَالًا ۔ اور اے قوم مین نہین مانگتا اس نصح پر تم سے کچھ مال یعنی خالص اللہ تعالی کے حکم سے اسکے واسطے تم کو اسکی سیدھی راہ پر بلاتا ہون اور تم سے کچھ چاہتا نہین کہ تم تہمت کرو کہ اسی مال کیلئے ایسا کیا ۔ بلکہ تم سے بغرض نصیحت ہو ۔ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۔ نہین میری مزدوری مگر اللہ تعالی پر ۔ یعنے اللہ عزوجل نے اپنے فضل سے مجھے اس کام پر ثواب جزیل دینے کا وعدہ فرمایا ہے تو میرا ثواب تو وہی ہے پھر کافرون کے تکبر و غرور کی درخواست کا جواب دیا بقولہ ۔ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ اور مین کبھی نہین ہانک دینے دور کرنے والا ہون ان لوگون کو جو ایمان لائے ۔ روایت ہو کہ کافرون نے صریح درخواست کی تھی کہ ان رذیل لوگون کو دور کرو تو ہم تمہارے پاس بیٹھین اور بعض نے کہا کہ انکی گفتگوئے سابق سے یہ بات نکلتی تھی بہرحال جواب دیدیا کہ مین کبھی ایسا نہین کرونگا ۔ یہ ویسا ہی ہے جیسے کفار مکہ نے آنحضرت صلعم سے ضعفاء مومنین کو ہٹانے اور خاص اپنے لئے مجلس بنانے کی درخواست کی تھی اور اللہ تعالی نے قولہ لاتطرد الذین یدعون ربھم الآیۃ ۔ سے صریح ممانعت فرمائی پھر حضرت نوح نے جن کو کافر رذیل کہتے تھے انکا مرتبہ مع اپنے فعل کی دلیل کے بیان کیا بقولہ ۔ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ ۔ یہ لوگ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہین ۔ انکا مرتبہ یہ ہو کہ پروردگار عزوجل ان سے ملاقات فرماویگا اور اُن کو اُن کے ایمان و نیکیون کا اچھا ثواب عطا کریگا کیونکہ ایمان و اعمال نیک کسی کے ضائع نہین ہوتے اور وہی حق تعالی کے نزدیک مقبول ہین ۔ دنیائے فانی و دولت بالکل ہیچ و باطل ہے ۔ اسی واسطے فرمایا ۔ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۔ لیکن مین تم کو ایسی قوم دیکھتا ہون کہ تم جہالت کرتے ہو یعنی صاف بات صحیح جسکو ہر عقل والا جان لیتا ہے اس سے تم جاہل ہو پھر زیادہ انکا مرتبہ بڑھایا اور طرد کا جائز نہ ہونا بتلایا بقولہ ۔ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ۔ اور اے قوم کون مدد کرکے مجھے بچاویگا اللہ تعالی سے اگر مین ان لوگون کو مطرود کرون یعنی اُن کا مطرود کرنا خلاف مرضی الٰہی ہے اگر مین بالفرض طرد کرون تو اللہ تعالی مجھ پر عذاب فرماویگا پھر اُسکے عذاب سے بچانے والا کوئی نظر آتا ہے ہرگز کوئی ممکن نہین ہو پھر اُن کو اُن کی جہالت پر تنبیہ کی بقولہ ۔ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۔ کیا بھلا تم غور نہین کرتے ہو بعض نے کہا کہ افلا بمعنی ہلا یعنی حرف تحضیض ہو یعنی کیون نہین غور کرکے سمجھ حاصل کرتے ہو کہ ایمان و طاعت سے کوئی ہو اللہ تعالی کے نزدیک مقبول ہو جاتا ہے کسی کو اُسکے رد کرنے کی مجال نہین ہو اور دنیاوی دولت سے قرب الٰہی و شرف نہین حاصل ہوتا ۔ ف ۔ فی العرائس قولہ وما انا بطارد الذین آمنوا الخ حضرت نوح علیہ السلام نے بیان کردیا کہ مین ایسے لوگون کو مطرود نہین کرسکتا جنھون نے دنیا کو جو محل امتحان تھا چھوڑا اور خالص اللہ تعالی کی طرف رجوع لائے اور دار آخرت پسند کیا اور حق تعالی نے ازل سے اُن کو اپنے دیدار و مجلس اُنس

وسماع کلام ومعرفت صفات وذات کیلئے برگزیدہ کر دیا تھا پھر دلیل فرمائی بقولہ انہم ملاقوا ربہم یعنی انکا مقبول کرنا یا مطرود کرنا میرے حوالہ نہیں ہے بلکہ جس پاک خالق جل سلطانہ نے مجھے پیدا کر کے رسول بنانے کو چھانٹا اسی نے اپنے ان بندون کو ولایت کیلئے مخصوص کیا اور اسکو اختیار ہے کہ اپنی رحمت سے جسکو چاہے سرفراز کرے اور تم لوگ اندھے جاہل ہو تم کو چاہیے کہ انکی شکستگی کو مت دیکھو اور دنیا سے اعراض کرنیسے اُنکے پھٹے کپڑون و زرد رنگ کو لحاظ مت کرو کیونکہ ملکوت وجبروت مین بسر کرنیوالے یہی لوگ ہین شیخ ابو عثمان رح نے اس آیت مین کہا کہ مین تمہین منہ موڑ دونگا ایسے لوگون سے جنہون نے اللہ تعالیٰ کی طرف منہ کیا کیونکہ جو کوئی خلاص سے اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ لائے اللہ تعالیٰ اسپر توجہ فرماتا ہے پس جو کوئی ایسے شخص سے منہ موڑے اُس نے اللہ تعالیٰ سے منہ موڑ لیا پس مین ایسا نہین کرونگا

پھر حضرت نوح علیہ السلام نے کافرون کے بعض اقوال کا جواب فرمایا کما قال تعالیٰ۔

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ

اور مین نہین کہتا تم کو کہ میرے پاس ہین خزانے اللہ کے اور نہ مین خبر رکھون غیب کی اور نہ مین کہون کہ فرشتہ ہون اور نہ کہون گا

لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ

کہ جو تمہاری آنکھ مین حقیر ہین نہ دیگا اُن کو اللہ بھلائی اللہ بہتر جانے جو اُن کے جی مین ہے

اِنِّيْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

یہ کہون تو مین بے انصاف ہون۔

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ۔ اور مین تم سے یہ نہین کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہین یعنی رزق کے خزانے یا اموال کے خزانے۔ یہ جواب کفار ہے کہ رسول ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے خزانے رکھتا ہوتا۔ یعنی رسول کیلئے یہ شرط نہین ہے اور بعض نے کہا کہ یہ معنی ہین کہ جیسے مین تم سے مال نہین مانگتا ویسے ہی یہ بھی نہین کہتا کہ اللہ تعالیٰ کے خزانون کا مالک ہون بلکہ مجھے مال سے دینے یا لینے کی کچھ غرض متعلق نہین ہے کیونکہ یہ اموال دنیاوی سب فانی ہین ان کے حاصل ہونے سے کچھ آبرو نہین اور نہ ہونے سے کچھ ذلت نہین ہے اور اُن کی جستجو مین عمر برباد کرنا عذاب کی گرفتاری ہے۔ ہان دار الآخرۃ کی نعمتین البتہ باقی و دائم ہین وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ اور یہ بھی نہین کہتا کہ مین غیب جانتا ہون۔ بلکہ مین نے وحی الٰہی پہونچنے پر تم سے یہی کہا تھا کہ انی نذیر مبین۔ مین کھلا ڈرسنانے والا ہون۔ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ۔ اور یہ بھی مین نہین کہتا کہ مین فرشتہ ہون تاکہ تم کہو ہم تو تم کو اپنے مثل آدمی دیکھتے ہین بیشک آدمی ہون اور آدمیت ونبوت دونون جمع ہوتے مین کوئی شک نہین بلکہ تمہارے لئے جو اللہ تعالیٰ کا رسول ہو وہ آدمی ہونا چاہیئے۔ اس کلام سے بعض نے استدلال کیا کہ آدمی سے فرشتہ افضل ہوتا ہے کیونکہ اپنے سے افضل کی اسطرح نفی کیا کرتے ہین اور جواب دیا گیا کہ یہ استدلال نہین صحیح ہے کیونکہ حضرت نوح نے کافرون کے جواب مین یہ کہا جو کہتے تھے کہ تم تو ہمارے سے آدمی ہو پس جواب دیا کہ مین اپنے کو فرشتہ کب کہتا تھا جو تم مجھ پر طعن کرتے ہو اور حق اس بحث مین یہ ہے کہ سرے سے ہم بحث ہی نہ کرین کیونکہ ہم کو طاعات الٰہی وعافیت کی راہ چلنے سے کام ہے اس بحث سے کیا کام کہ کون افضل ہے۔ وَلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا۔ اور جن لوگون کو تمہاری آنکھین حقارت سے دیکھتی ہین اُن کے حق مین مین یہ نہین کہتا کہ اللہ تعالیٰ کبھی اُنکو بھلائی وبہتری نہ دیگا کیونکہ ثواب ودرجات کا مدار دل کے ایمان وسلامتی پر ہے مجھے ان کے دل کا حال

کیا معلوم ۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ ۔ اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ ان کے دلون مین کیا ہے پس اگر ایمان وتصدیق ومعرفت ہے تو اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ان کے لئے آخرت مین مہیا کیا وہ نہایت افضل ہی تمھارے دنیاوی اموال بلکہ تمام روئے زمین کی سلطنت زمین کے خزائن ودریا کے جواہرات سب بمقابلہ ایک ہاتھ جنت کی جگہ کے کچھ چیز نہیں ہین ۔ جب یہ بات ہے تو پھر مین کیونکر ان کو دور کرون اور کیونکر ان کے حق مین ایسی بات کہون ۔ اِنِّیْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۔ اے انی اذا فعلت ذلک صرت من الظالمین یعنی اگر مین ایسا کرون تو مین بھی ظالمون مین سے ہو جاؤن اور یہ بڑا گناہ ہے اگر کہا جائے کہ جب ایسا گناہ ہے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کیونکر مطرود کیا تھا جسپر قولہ ولا تطرد الذین یدعون ربہم الآیۃ ۔ اتری ہے جواب یہ آیا کہ ایک تو حضرت نوح سے کفار کہتے تھے کہ غریبون کو بالکل اپنے پاس سے دور کر دو اور آنحضرت صلعم نے اپنے ضعفا صحابہ کو بالکل دور نہین کیا اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ جواب اس تقدیر پر تھا کہ آنحضرت صلعم نے دور کیا اور اصح قول یہ ہے کہ خالی قصد کیا تھا جبکہ بعضے اکابر صحابہ نے مشورہ دیا کہ غیر کافرون کی یہ ہٹ بھی دیکھئے جسپر جب آیت اتری تو آپنے یہ قصد دور کر دیا کیونکہ حق تعالیٰ نے کافرون کے تکبر اور مومنون کی دلشکنی کو پسند نہ فرمایا اور اپنے رسول صلعم کو اس قصد سے قبل اسکے کہ واقع ہووے منع فرمادیا پھر کافرون نے ٹھیک جواب نہ پاکر جدال شروع کیا بقولہ تعالیٰ

قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَکْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ○

بولے اے نوح تو ہم سے جھگڑا پھر بہت جھگڑ چکا اب لے آ جو وعدہ دیتا ہے ہم کو اگر تو سچا ہے

قَالَ اِنَّمَا یَاْتِیْکُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ○ وَلَا یَنْفَعُکُمْ نُصْحِیْٓ اِنْ اَرَدْتُّ

کہا کہ لادیگا تو اسکو اللہ ہی اگر چاہیگا اور نہ تم تھکا سکو گے بھاگ کر اور نہ کام کریگی تم کو میری نصیحت جو مین چاہون

اَنْ اَنْصَحَ لَکُمْ اِنْ کَانَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یُّغْوِیَکُمْ هُوَ رَبُّکُمْ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ○

تمکو نصیحت کرون اگر اللہ چاہتا ہوگا کہ تم کو بیراہ چلاوے وہی ہے رب تمہارا اور اسی کی طرف پھر جاؤگے

قَالُوْا کفار قوم نے کہا کہ یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا ۔ اے نوح تو نے ہم سے جدال کیا یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید ونبوت ومعاد ثابت کرنے مین غلبہ کا کلام لایا ۔ فَاَکْثَرْتَ جِدَالَنَا ۔ پس ہم سے جدال مین اکثار کیا یعنی طول کلام سے تو نے سب باتون پر دلائل پیش کئے ولیکن کافرون کے گمان سے یہ سب باہر تھا لہذا کہا ۔ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا ۔ سو لے آ جو کچھ تو ہم کو وعدہ دیتا ہے یعنی عذاب کے وعید دیتا ہے وہ عذاب لے آ ۔ بما مین با تعدیہ ہے ۔ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۔ اگر تو سچون مین سے ہے ۔ جزا اس شرط کے محذوف ہے جسپر جملہ ماقبل دلالت کرتاہے یعنی ان کنت صادقا فاتنا بما تعدنا ۔ یہ اس مذہب نحویین کے طور پر جو جزا کو شرط پر مقدم ہونا جائز نہین کہتے ورنہ دوسرے مذہب پر جزا ۔ مقدم ہے ۔ حاصل آنکہ تیرا مناظرہ ہم مین کچھ موثر نہین اب اگر تو سچا ہے تو وہ عذاب جس سے ڈراتا ہے لا ۔ قال فی السراج اس آیت مین دلیل ہے کہ دلائل کو صاف بیان کرنا اور کافرون کے شبہات دور کرنا یہ انبیاء علیہم السلام کا پیشہ ہے اور تقلید وجہالت کرنا کافرون کا پیشہ ہے حضرت نوح نے اُن کے جواب مین کہا ۔ اِنَّمَا یَاْتِیْکُمْ بِهِ اللّٰهُ اسکو تو اللہ تعالیٰ ہی تمپر لاویگا ۔ اِنْ شَآءَ اگر وہ چاہیگا یعنی تم جو عذاب مجھ سے جلدی مانگتے ہو تو مجھے کچھ اختیار نہین ہے بلکہ اللہ تعالیٰ قادر مختار ہے اگر چاہیگا تو تمہاری موت سے پہلے ہی تم پر عذاب لاویگا اور چاہیگا تاخیر فرمادیگا ۔ وہ مختار ہے ۔ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ۔ اور تم لوگ اس عذاب سے بچنے والے نہین ہو یا تم عذاب مین اللہ تعالیٰ کو عاجز نہین کر سکتے کہ تم پر عذاب نہ کر سکے پھر حضرت نوح نے کلام کو قطعی طور پر ختم کر دیا

بقولہ وَلَا يَنۡفَعُكُمۡ نُصۡحِيۡٓ اِنۡ اَرَدۡتُّ اَنۡ اَنۡصَحَ لَكُمۡ ـ اور نہین نفع دیگی تم کو میری نصیحت اگر مین چاہون کہ تم کو نصیحت دون ـ اِنۡ كَانَ اللّٰهُ يُرِيۡدُ اَنۡ يُّغۡوِيَكُمۡ ـ اگر اللہ تعالی نے چاہا ہوگا کہ تم کو گمراہ کرے ـ تقدیر کلام یون ہے ان کان اللہ یرید ان یغویکم فان اردت ان انصح لکم فلا ینفعکم نصحی ـ پس بمذہب عدم جواز تقدیم الجزاء ان اردت الخ کی جزا مثل جملہ اول محذوف ہے اور بمذہب جواز تقدیم جملہ شرط و جزاء اول جزاء شرط ثانی ہے اور ایسے شرائط مین حکم ثابت ہونے کیلیے یہ شرط ہے کہ ثانی قبل اول کے واقع ہو اور مفاد خلاف ایسی صورت مین ظاہر ہوتا ہے کہ ایک مرد نے جورو سے کہا کہ تو طالقہ ہے اگر تو گھر مین داخل ہوئی اگر تو نے زید سے بات کی پس اگر وہ داخل ہو کر بات کرے تو طلاق نہ پڑیگی اور اگر بات کرکے داخل ہو تو طالقہ ہو جائے گی ـ ہذا ما ذکرہ فی السراج اور تمام یہ بحث مترجم کے ترجمہ عالمگیریہ سے تلاش کرو ـ وفی السراج اس آیت مین دلیل ہے کہ اللہ تعالی کبھی بندہ سے کفر کو ارادہ کرتا ہے پس جب اس نے ارادہ کیا تو بندہ سے ایمان کا صادر ہونا ممکن نہین ہے ـ مترجم کہتا ہے کہ ازلی اختیار یہی ہے چنانچہ ازل مین اگر اسکو کافر مقدر کیا تو وہ کبھی مومن نہین مریگا اگرچہ مثل بلعم باعور کے درمیان مین مانند ابلیس کے بظاہر کسی کرامت کو پہونچے ـ بالجملہ ارادہ آلہی مقدم ہے اور وہ خالق پاک قادر مختار ہے جو چاہے کرے اسپر کسی کا کچھ حق نہین ہے اسیواسطے حضرت نوح نے ان کافرون کو ان کے خالق عز و جل کے حوالہ کیا بقولہ تعالی ـ هُوَ رَبُّكُمۡ وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ وہی تمھارا رب ہے اور اسی کیطرف تم لوٹائے جاؤگے ف فی التفسیر القرطبی قولہ ولا ینفعکم نصحی ان اردت الخ یعنی کیونکہ میری نصیحت تم کو فائدہ دیگی حالانکہ اللہ تعالی نے قبول نصیحت کی استعداد پیدا نہین کیا اور یہ شقاوت ازلی تمھارے حق مین ہے اور نصیحت تو اسی کو کارگر ہوتی ہے جسکے دل مین اسکے رب کی طرف سے کوئی ایسی استعداد ہو جو اسکو معصیات سے جھڑکے و روکے اور نصیحت سننے پر آمادہ کرے شیخ حمدون القصار رحنے کہا کہ نصیحت ایسے شخص کو مفید نہین جو اپنے آپ کو نصیحت نہ کرے ـ پھر اس ذکر قصہ کے درمیان مین بطریق جملہ معترضہ اللہ تعالی نے اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتان کفار دفع فرمایا بقولہ تعالی ـ

اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ؕ قُلۡ اِنِ افۡتَرَيۡتُهٗ فَعَلَيَّ اِجۡرَامِيۡ وَاَنَا بَرِيۡٓءٌ مِّمَّا تُجۡرِمُوۡنَ ۠ ع

کیا کہتے ہین کہ بنا لایا قرآن کو ـ تو کہہ اگر بنا لایا ہون تو مجھ پر ہے میرا گناہ ـ اور میرا ذمہ نہین جو تم گناہ کرتے ہو ـ

مقاتل رح نے کہا کہ یہ کفار مکہ کا کلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بطریق جملہ معترضہ درمیان قصہ نوح مین ذکر فرمایا اسی قول کو شیخ ابن کثیر رح نے اختیار کیا اور رازی رح نے کہا کہ یہ بہت بعید ہے بلکہ یہ کلام منجملہ کلام نوح علیہ السلام کے ہے یعنی انکی قوم انکو اس دعوی مین مفتری بتلاتی تھی تو کہا کہ اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ـ بلکہ کہتے ہین کہ اسنے افترا کر لیا یعنی اپنی طرف سے گڑھ لیا ہے ـ ضمیر افترا راجع بجانب وحی ہے جو قوم کو پہونچائی تھی ـ قُلۡ اِنِ افۡتَرَيۡتُهٗ فَعَلَيَّ اِجۡرَامِيۡ تو کہدے کہ اگر مین نے اسکو گڑھ لیا تو مجھ پر اسکا اجرام ہے ـ اجرام کسی ممنوع بات مین پڑجانا پس مضاف محذوف ہے یعنی گناہ اس اجرام کا وَاَنَا بَرِيۡٓءٌ مِّمَّا تُجۡرِمُوۡنَ ـ اور مین بری ہون اس چیز سے جسکا تم اجرام کرتے ہو یعنی تمھارے اجرام کے عقاب سے مین بری ہون کہ ناحق تم مجھ پر افترا کرتے ہو ـ بعض نے لکھا کہ ان افتریتہ فعلی اجرامی ـ ایک محذوف جملہ پر دلالت کرتا ہے اسی سے وہ حذف کیا گیا یعنی وان کنت صادقا وکذبتمونی فعلیکم عقاب فی لک یعنی اور اگر مین سچا ہون اور تمھین نے مجھے جھوٹا بتلایا تو اس کا عذاب تم پر ہے ـ مترجم کہتا ہے کہ قولہ و انا بری الخ اسی معنی پر دلالت کرتا ہے اور یہ حسن بیان ملیح ہے ـ پھر انجام قوم نوح علیہ السلام بیان فرمایا ـ بقولہ تعالی ـ

وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝

اور حکم ہوا طرف نوح کے کہ اب ایمان نہ لاویگا تیری قوم مین مگر جو ایمان لاچکا سو غمگین نرہ اُن کامون پر جو کر رہے ہین

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝ وَيَصْنَعُ

اور بنا کشتی روبرو ہمارے اور ہمارے حکم سے اور نہ بول مجھ سے ظالمون کے واسطے یہ البتہ غرق ہونگے اور وہ

الْفُلْكَ ۣ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ۭ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا

کشتی بناتا ہے اور جب گذرتے ہین اُس پر سردار اُس کی قوم کے ہنسی کرتے اُس سے بولا اگر تم ہنستے ہو ہم سے تو ہم ہنستے ہین تم سے جیسے

تَسْخَرُوْنَ ۝ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝

تم ہنستے ہو اب آگے جان لوگے کس پر آتا ہے عذاب کہ رسوا کرے اسکو اور اُترتا ہے اُس پر عذاب ہمیشہ کا

پہلے بعض ترکیب و معانی معلوم کر لو۔ قولہ انہ لن محل رفع مین نائب فاعل ہے۔ قولہ لن یومن بعض نے کہا کہ وقت موت کفار تک اُن کے ایمان سے مایوسی دلانے کو حرف لن آیا۔ قولہ الا من قد آمن اے الا من قد سبق ایمانہ۔ یا مراد یہ کہ الا من استعد للایمان۔ ظاہر مراد نہین ہو ورنہ معنی یہ ہون گے الا من آمن فانہ یومن۔ اور اسکا فساد ظاہر ہے۔ قال المترجم اللھم الا ان یقال ان المعنی انہ لا متصف بالایمان من قومک الا من قد آمن فانہ متصف بہ دائما۔ اور بعض نے کہا کہ استثنا منقطع ہو بمانند قولہ الا ما قد سلف چنانچہ پارہ پنجم وغیرہ مین گذرا قولہ فلا تبتئس بوس یعنی حزن اور ابتیاس حزن آگین ہونا۔ بائس مسکین۔ قولہ باعیننا اے بمرآی منا یعنی ہماری نظر روبرو کہ وہان ہم دیکھتے ہین کیونکہ اللہ تعالیٰ سب دیکھتا ہے اور یہ مجاز ہے مراد اس سے حفظ الٰہی ہے اور عین سے تعبیر کیا حفظ کو کیونکہ وہ دیکھنے کا آلہ ہے جس سے حفاظت ہوتی ہے بعض نے کہا کہ باعیننا یعنی بعلمنا۔ ہمارے دیے علم سے اور اعین کی جمع بغرض مبالغہ و تعظیم ہے ورنہ کثرت سے مقصود نہین ہے اور بعض نے کہا کہ مضاف الیہ محذوف ہو اور تقدیر یہ کہ باعین ملائکتنا یعنی ہمارے ملائکہ کی نگاہ روبرو بعض نے کہا کہ مراد اس سے حکم الٰہی ہے اور ایک جماعت نے کہا کہ عین صفت الٰہی ہے اسکو بدون تاویل و تمثیل و تشبیہ و تعطیل و تقدیر کے رکھنا اور اسپر ایمان لانا مذہب سلف صالحین ہو اگر کہا جاوے کہ پھر اعین جمع کیون آئی تو جواب یہ کہ جیسے ضمیر جمع متکلم واسطے وحدہ لاشریک کے ہے اسی رعایت سے جمع ہو چنانچہ نفتا غیر مستحسن اور انفسنا صحیح ہو۔ قال تعالیٰ۔ وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ۔ اور وحی کیگئی نوح کو اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ۔ کہ ہرگز نہین ایمان لاویگا تیری قوم مین سے کوئی سوائے اُن کے جو ایمان لا چکے آمین پیغمبر کو قوم کے ایمان سے تا دم موت مایوس کر دیا اور معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ برابر کفر پر اڑے رہین گے حالانکہ اس سے پہلے آنحضرت اپنی قوم کے ایمان نہ لانے پر غمگین ہوتے۔ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ۔ سو تو ان پر غمگین سست مت ہو بسبب اُن کے فعل کے یعنی کفر و بت پرستی و انکار توحید و رسالت جو ان سے صادر ہوتا ہے اس سے غمگین مت ہو۔ قتادہؒ نے کہا کہ اسی وقت نوحؑ نے دعا کی کہ رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا الآیۃ۔ اور حسنؒ سے روایت ہو کہ نوحؑ نے اپنی قوم پہ بد دعا نہین فرمائی یہان تک کہ جب یہ وحی ہوئی تو اُن سے امید منقطع ہوئی تب بد دعا فرمائی۔ محمد بن اسحاق نے عبید بن عمیر اللیثی سے روایت کی کہ عبیدؒ کو خبر پہونچی کہ نوحؑ کے قوم والے آنحضرت کو پکڑ کر گلا گھونٹ دیتے یہان تک کہ ان پر غشی طاری ہوتی پھر جب ہوش آتا تو کہتے کہ پروردگار میری قوم نادان ہو اسکو معاف کر دے یہان تک کہ قوم نے معصیات مین بہت دور

باندھا اور نوح پر زیادہ سختیاں شروع کیں اور آنحضرت پشت پشت و قبیلہ و قبیلہ دیکھتے کہ شاید کوئی مومن ہوجاوین مگر جو صدی آتی وہ اگلون سے بھی زیادہ ناپاک نکلتی آخر آنحضرت نے جناب باری تعالیٰ مین شکایت کی کما قال تعالیٰ - ربّ انی دعوت قومی لیلاً ونہاراً الآیات - اور دعا مانگی بقولہ رب انی مغلوب فانتصر پس قوم پر عذاب کا حکم ہوا اور آنحضرت کو وحی ہوئی کہ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا - اور کشتی بنا ہماری نظر روبرو - وَوَحْيِنَا اور ہمارے حکم سے یعنی جس طرح بنانے کا ہم حکم فرماوین وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا - اور مت خطاب کیجیو مجھ سے ان لوگون کے حق مین جنھون نے اپنے اوپر ظلم کیا یعنی کافرون مین سے کسی سے عذاب دور ہونے مین مجھ سے کچھ التجا مت کیجیو - إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ - بیشک وے ڈوبنے والے ہین بعض نے کہا کہ الذین ظلموا سے مقصود انکا بیٹا کنعان اور اُنکی جورو راعلہ ہے یعنی یہ دونون بھی قوم کے ساتھ ہلاک ہونیوالے ہین - روایت ہے کہ حضرت جبرئیل نے آکر حکم الٰہی پہونچایا کہ کشتی بناؤ - آنحضرت نے کہا کہ مین کیونکر بناؤن مین بڑھئی نہین ہون کہا کہ پروردگار فرماتا ہے کہ تو بنانا شروع کر ہماری نظر روبرو - پس بسولا لیکر تراشنا شروع کیا تو برابر ٹھیک بنتی چلی جاتی تھی اور اُن کا فعل برائے نام تھا پھر روغن سے مالش کر کے سب تیار کر لی - اس حال مین ان کی قوم ان پر استہزا کرتی کما قال تعالیٰ - وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ اور بناتا ہے کشتی علیٰ ہذا یہ صیغۂ حال کا اسوقت کی حکایت ہے یعنی اُسوقت آنحضرت ایسا کر رہے تھے بعض نے کہا کہ تقدیر کلام یہ کہ فاقبل یصنع الفلک یعنی بعد اس حکم کے متوجہ ہو کر کشتی بنانے لگا - وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّن قَوْمِهِ اور ہر بار جب گذرتی اسکے پاس سے کوئی جماعت اسکی قوم سے سَخِرُوا مِنْهُ - تو یہ جماعت والے اس سے مسخرہ پن کرتے - کہتے تھے کہ اے نوح تم تو پیغمبر بنے تھے اب بڑھئی ہو گئے اور دریا سے دور خشکی مین اتنی بڑی کشتی کیونکر چلے گی تم مجنون ہو گئے ہو - روایت ہے کہ کافرون کی عورتین اس جرم مین بانجھ ہو گئین - ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ دو سال مین کشتی بنائی اُسکا طول تین سو گز اور ساٹھ کی تھی اسمین تین درجہ تھے نیچے درجہ مین جانور وحشی و کیڑے وغیرہ تھے اور بیچ مین چارپایہ اوپر درجہ مین خود مع مومنین مع طعام - صادی نے ذکر کیا کہ دو سو برس مین بنائی - سراج مین لکھا کہ زید بن اسلم نے کہا کہ ایک درخت جمایا سو برس بعد اسکو کاٹ کر سو برس مین پوری کشتی تیار کی - اور ابو السعودؒ نے چار سو برس ذکر کیے بعض قول مین تیس برس ہین اور ظاہر یہ کہ ان اقوال کی کوئی ضرورت نہین ہے اور اہل کتاب یہود سے یہ مختلف روایتین لی گئی ہین اسی طرح اس کے طول و عرض مین بھی چنانچہ کہا گیا کہ تین سو گز لنبی اور پچاس گز چوڑی اور تیس گز اونچی تھی - امام بغوی نے اسی کو مشہور قول لکھا ہے اور بعض قول مین طول بارہ سو اور عرض چھ سو مذکور ہے اور ما سوا اسکے دیگر اقوال ہین اور لکڑی اُسکی ساکھو کی اور بعض نے کہا کہ توریت مین صنوبر کی آئی ہے اُسکی اونچائی مین روایات متفق ہین کہ تیس گز اونچی تھی اور اُسکے اوپر چھت تھی - ابن کثیرؒ نے لکھا کہ شیخ ابن جریرؒ نے ابن عباس رضؓ سے یہان ایک اثر روایت کیا کہ حواریون نے حضرت عیسیٰؑ سے کہا کہ اچھا ہوتا اگر آپ کسی ایسے مردہ کو بحکم الٰہی زندہ فرماتے جنے اس کشتی کو آنکھون دیکھا اور اسمین حاضر ہوا ہو تاکہ وہ ہم سے حال بیان کرتا پس آپ ان کو لیکر چلے یہان تک کہ ایک تودۂ خاک کے پاس ٹھہرے اور ایک مٹھی خاک اُٹھا کر فرمایا کہ تم جانتے ہو یہ کون ہے اُنھون نے کہا کہ اللہ تعالیٰ و اُسکے رسول کو معلوم ہے فرمایا کہ یہ حام بن نوح کا ٹخنا ہے پھر اس تودہ مین اپنا عصا مار کر کہا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اٹھو اسی وقت حام بن نوح اپنے سر سے خاک جھاڑتے اُٹھ بیٹھے کہ اُنکا سر سپید ہو گیا تھا - حضرت عیسیٰؑ نے کہا کہ کیا آپ اسی عمر مین سپید بال ہو گئے تھے کہا کہ نہین بلکہ مین جوان مرا تھا لیکن مجھے اب گمان ہوا کہ قیامت قائم ہو گئی آئی

خوف سے میرے بال سپید ہوگئے کہا کہ ہم سے کشتی نوح کا حال بیان کیجئے۔ کہا کہ بارہ سو گز لمبی اور چھ سو گز چوڑی تھی اسمین تین درجے تھے
ایک مین چوپایہ و وحشی جانور تھے اور دوسرے مین انسان اور تیسرے مین پرندے۔ پھر جب جانورون کی لید بہت ہوئی تو اللہ تعالیٰ
نے وحی فرمائی کہ ہاتھی کی دم کو دباؤ پھر حضرت نوح نے دبائی تو جوڑا سور کا پیدا ہوکر لید کی طرف دوڑا اور سب صاف کر دی
پھر جب کشتی مین چوہے رسیان وغیرہ کاٹنے لگے تو وحی کی گئی کہ شیر کی دونون آنکھون کے درمیان عصا مارے پس جوڑا بلی کا
پیدا ہوکر چوہے پر دوڑے پھر حضرت عیسیٰ نے پوچھا کہ حضرت نوح کو کیسے معلوم ہوا کہ روے زمین غرق ہوگئی کہا کہ کوے کو خبر کیلئے
بھیجا تھا وہ راہ مین مردار دیکھکر اسپر گر پڑا تو اسپر بددعا فرمائی کہ خوفناک رہے اسی واسطے گھرون مین نہین رہتا پھر کبوتر کو بھیجا وہ
زیتون کا پتہ چونچ مین اور کیچڑ پنجون مین لایا تو معلوم کر لیا کہ شہر و بلاد غرق ہوگئے پس سبزی اسکی گردن مین ڈالی اور اسکے
لیے انس و امان کی دعا فرمائی بھی سے گھرون سے الفت رکھتا ہے پھر حواریون نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ ان کو ہمارے گھرون مین
نہین لے چلتے کہ بیٹھکر باتین سناوین آپنے فرمایا کہ کیونکر ایسا شخص تمہارے ساتھ رہیگا جس کا یہان رزق نہین ہے پھر کہا کہ یا حام عود
کرو بحکم الٰہی پھر وہ مٹی ہوگئے۔ قال ابن کثیر رح۔ یہ اثر ضعیف ہے کیونکہ اسکے بعض راوی ثقہ نہین ہین۔ امام رازی رح نے لکھا کہ ایسے مباحث
وامور جو انبیا کے قصص مین بغیر صحیح روایات کے نقل کئے جاتے ہین مجھے کچھ پسند نہین اسلئے کہ ایسی باتون کے جاننے کی ہم کو کچھ
حاجت نہین اور نہ اسکا کوئی فائدہ ہے پس ایسے مباحث مین خوض کرنا محض فضول ہے خصوصاً جبکہ یہان کوئی ایسی بات نہین
نکلتی جس سے معلوم ہو کہ ان اقوال و روایات مین سے کون صحیح ہے ہان اسقدر ہم جانتے ہین کہ وہ کشتی اتنی چوڑی لنبی تھی کہ
اسمین نوح علیہ السلام کی قوم سے ایمان والے مع ہر جاندار کے جوڑے و ضروریات کے بخوبی سماگئے اور بحکم الٰہی ہر آفت سے محفوظ
تھے اور قرآن مین اسی قدر مذکور ہے اور ان کے ساتھ ایمان والے بہت تھوڑے تھے پھر انکی مقدار کہ چالیس تھی یا اسی تھی
وغیر ذلک تو یہ ہمکو معلوم نہین ہے مسترجم کہتا ہے کہ ایسے مقامات مین یہی قول صواب ہے۔ بالجملہ جب قوم نے مسخرہ پن کیا تو حضرت نوح
نے انکا جواب دیا بقولہ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ۔ حضرت نوح نے کہا کہ اگر مشغول کرو تم ہم سے تو
ہم بھی تم سے تمسخر کرینگے جیسے تم تمسخر کرتے ہو۔ اگر کہا جاوے کہ تمسخر کرنا منصب نبوت کے لائق نہین ہے جواب دیا گیا کہ یہ بطریق
مشاکلت ہے جیسے قولہ فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی۔ و قولہ جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا۔ اور مراد یہ کہ اگر تم ہم سے مسخرہ پن کرتے ہو تو اسکا
انجام دیکھو گے کہ تم غرق ہو جاؤگے اور ہم نجات پاوینگے چنانچہ مصرح کر دیا بقولہ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ
عنقریب جانوگے کہ کس پر آتا ہے ایسا عذاب کہ خوار کر دے اسکو دنیا مین یعنی غرق۔ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ اور نازل ہوگا اسپر آخرت
مین عَذَابٌ مُّقِيْمٌ۔ عذاب مقیم کہ کبھی دور نہ ہوگا ہمیشہ طاری رہیگا اور وہ آتش دوزخ ہے۔ ف۔ فی العرائس قولہ واصنع
الفلک باعیننا۔ اس کلمہ مین صریح الجمع کا اشارہ ہے اور یہ استعارہ ہے ربوبیت از عیون ازلیہ ہے تاکہ نوح کو اس سے حقائق صنعت
جو علم الٰہی مین ہین نظر آوین پس کشتی کو اسی نقش پر جو علم الٰہی مین ہے بناوین یعنی کشتی کو ہمارے دیدہ سے بنا جیسے ہم نے ازل مین
کشتی کا وجود چاہا ہے اور اعین بلفظ جمع مین اشارہ عیون صفات ہے کہ ذات حق اُن کے انوار کا معدن ہے والحاصل فی قولہ
باعیننا یعنی تاکہ متصف ہو تیری آنکھ اس کشتی کے بنانے مین عیون صفاتیہ سے جس سے تو وہ ہیأت و ترکیب دیکھے جو ہمنے
ازل مین ارادہ فرمائی ہے۔ یہ اشارہ حدیث حبیب الٰہی صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ مین موجود ہے حیث قال

فی حدیث قدسی فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بی وبصرہ الذی یبصر بی الحدیث ۔ نیز اسمین تقاضا جریان عبودیت اور مشاہدہ ربوبیت
ہے مانند قولہ علیہ السلام الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ الحدیث ۔ نیز یہ معنی ہین کہ کن فی عیون رعایتنا وحفظنا یعنی ہماری نظر رعایت
وحفاظت مین ہو جا اور اپنے فعل کو مت دیکھیو اور نہ اسپر اعتماد کیجیو کیونکہ غیر کی طرف نظر کرنے والا مجھ سے محجوب ہو جاتا ہے ۔ بعض نے
کہا یعنی تدبیر کو اپنے نفس سے ساقط کر دے اور جو کچھ کرنے والا اسکو ہمارے مشاہدہ مین پورا کر اور کسی مخلوق کو یا اپنے نفس کو مت
دیکھیو ۔ بعض نے کہا یعنی کشتی تیار کر و لیکن اسپر اعتماد مت کیجیو بلکہ تو ہماری حفاظت ونگہداشت مین محفوظ ہی اور اگر کشتی پر اعتماد کرے
تو ہماری حفاظت سے ساقط ہو جائیگا قولہ ولا تخاطبنی فی الذین ظلموا ۔ اللہ تعالیٰ نے اسمین اپنے پیغمبر نوح علیہ السلام کو ادب سکھلایا اور اپنے
علم قدیم سے آگاہ فرمایا کہ قوم سب غرق ہوگی اسکے حق مین سفارش کا آمد نہ ہوگی اور بتلا دیا کہ تمھین اول ان پر بد دعا کر چکے ہو وہ
قبول ہوئی اور اب سفارشی دعا قبول نہ ہوگی کیونکہ دعاے اول تو موافق تقدیر واقع ہوئی اور بندہ عارف کی دعائین مقبول
ہونے مین یہی ہوتا ہے کہ وہ موافق تقدیر دعا کرتا ہے اور جو خلاف تقدیر ہے اسکی زبان سے نہین نکلتی اور اگر نکلی تو قبول نہین ہوتی ہے
ذوالنون رحمہ اللہ کا قصہ تم نے سنا ہوگا کہ اپنے اوپر سختی کر نیوالون کیلئے دعا کی جب شاہ بزرگی کو پہونچے تو پھر توبہ کی کہ پروردگار اب
تیرے کسی بندے پر بد دعا نہ کرونگا ۔ آیت مین حضرت نوح کے قلب کی رقت ظاہر ہے کہ قوم سے اتنی ایذا وتکلیف اٹھانیکے بعد انکے
حق مین بھلائی کے خواہان تھے اور سچے بندون کی یہی شان ہوتی ہے شیخ ذوالنون رحمہ نے فرمایا کہ اگر مجھے ازل مین کچھ عنایت
مل چکی ہو تو مین نے نجات پائی ورنہ خالی مستجاب الدعوۃ ہونے سے کچھ کام نہین چلتا ہے قال اعلم ۔

حَتّٰىٓ اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ

یہان تک کہ جب آ پہونچا حکم ہمارا اور جوش مارا تنور نے کہا ہم نے لادلے اسمین ہر قسم سے جوڑا دو ہرا اور اپنے گھر کے لوگ

اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ۭ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝

مگر جسپر پہلے پڑ چکی بات اور جو ایمان لایا ہو اور ایمان نہ لائے تھے اسکے ساتھ مگر تھوڑے

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اور کہا سوار ہو اسمین اللہ کے نام سے اسکا بہنا اور ٹھہرنا تحقیق میرا رب ہے بخشنے والا مہربان

حتّٰی ۔ ابتدائیہ ہی جو جملہ شرطیہ پر داخل ہوا یا غائیہ ہے پس لیصنع الفلک کی انتہا بیان کرتا ہے اور درمیان مین جو کلام ہی وہ
انکی ضمیر سے حال ہی کذا فی السراج وقیل درمیانی کلام معترضہ ہی ۔ اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا ۔ مراد امر سے عذاب ہی یا وقت اسکا اور یہ
امر کا واحد نہین ہے یعنی امر بمقابلہ نہی نہین ہی بلکہ امور کا واحد ہی یعنی منجملہ امور کے یہ امر آیا اور یہ بھی ہو سکتا ہی کہ مقابل نہی کا لیا جائے
یعنی حکم اس قوم کے ہلاک کرنے کا ۔ یا حکم حضرت نوح کو کشتی مین سوار ہونیکا ۔ المعنی حتی کہ جب آگیا ہمارا حکم ۔ وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۔ اور ابلا تنور ۔
واضح ہو کہ تنور کی تفسیر مین اختلاف ہی لہذا پہلے ان اقوال کو بیان کرتا ہون ۔ اول یہ کہ تنور سے مراد زمین کا اوپری فرش ہی اور اہل عرب روئے
زمین کو تنور یا اسمین سے بہتر مقام کو تنور کہتے ہین اور یہ قول ابن عباس وعکرمہ وزہری وابن عیینہ سے روایت بھی کیا گیا ۔ دوم تنور
وہ مقام ہی جہان کشتی مین پانی مجتمع ہوتا ہی یہ حسن بصری کے سے مروی ہی ۔ سوم تنور طلوع فجر ہی کہ نقال طلع الفجر وعلی یہ معنی یہ ہونگے کہ نور کا
ترکا ہوا اور یہ قول علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے مروی ہی چہارم تنور مسجد کوفہ ہی یہ بھی حضرت علی اور مجاہد سے مروی ہی اور مجاہد نے کہا

ارۡکَبۡ مَّعَنَا وَلَا تَکُنۡ مَّعَ الۡکٰفِرِیۡنَ ۝ قَالَ سَاٰوِیۡۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعۡصِمُنِیۡ مِنَ الۡمَآءِ ؕ قَالَ

سوار ہو ساتھ ہمارے اور مت رہ ساتھ منکروں کے کہا میں لگ رہوں گا کسی پہاڑ کو کہ بچا لے گا مجکو پانی سے بولا

لَا عَاصِمَ الۡیَوۡمَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَیۡنَہُمَا الۡمَوۡجُ فَکَانَ مِنَ الۡمُغۡرَقِیۡنَ ۝

کوئی بچانیوالا نہیں آج اللہ کے حکم سے مگر جس پر وہ رحم کرے اور بیچ آپڑی دونوں میں موج سو رہ گیا وہ ڈوبنے والوں میں

وَهِيَ تَجۡرِيۡ بِهِمۡ ۔ واو حالیہ ہی تو یہ جملہ حال ہی باین طور کہ کلام کی تقدیر یہ ہی۔ فرکبوا مبین السفینۃ وہی تجری بہم ای تجری وہم فیہا یعنی جاری ہوئی کشتی درحالیکہ نوح مع اہل و عیال مؤمنین و اتباع مؤمنین کے اسمین تھے اور محتمل ہی کہ جملہ مستانفہ ہو۔ فِیۡ مَوۡجٍ جمع موجہ اور موجہ اس پانی کو کہتے ہین جو ہوا کے تھپیڑے سے چڑھ کر اوپر اچھلے ۔ کَالۡجِبَالِ جمع جبل یعنی پہاڑ ۔ المعنی اور وہ کشتی ان کو لئے چلتی تھی موجون بیچ جو پہاڑون کے مانند تھین ۔ ہر موج کو پانی سے اونچے ہونے مین پہاڑ سے تشبیہ دی جیسے وہ زمین سے اونچے ہوتے ہین پس یہ بیان طوفان کے ہولناک ہونیکا ہے کہ اسکی موجین بلند مانند پہاڑون کے اٹھتی تھین اور یہ کشتی ان موجات مین بدون ہالے ڈولے کے مومنون کو لئے چلتی تھی - اہل تواریخ نے لکھا کہ پانی پہاڑون سے چالیس گز اونچا یا پندرہ گز اونچا ہوا حتی کہ کل چیز غرق ہوئی اور جہان کے سارے بندے ہر ملک کے ڈوب گئے ۔ اور یہ مشہور ہے کہ آسمان و زمین کے بیچ مین سب پانی بھر گیا اور کشتی اسکے اندر مانند مچھلی کے پیرتی چلتی تھی تو اریخ وغیرہ مین لکھا ہے کہ یہ ثابت نہین ہی وَنَادٰی نُوۡحُ ۣ ابۡنَہٗ ۔ اور پکارا نوح نے اپنے پسر کو ۔ وَکَانَ فِیۡ مَعۡزِلٍ ۔ اور وہ تھا معزل مین معزل اسم ظرف عزل ہی ایسی جگہ کو کہتے ہین جہان آدمی اپنی قوم و قرابتیون کو چھوڑ کر یا کسی اور چیز سے جدا ہو کر تنہا ہو جاوے پس یہان مراد یہ کہ دین الٰہی سے الگ تھا یا کشتی سے علیحدہ تھا اور بعض نے کہا کہ جسوقت نوح نے لوگون کو حکم کیا کہ بسم اللہ پڑھکر سوار ہو اسوقت ایسی جگہ الگ تھا کہ اسکو یہ خبر نہین پہونچی اسواسطے بعض نے کہا کہ نوح علیہ السلام کا یہ پکارنا کشتی چلنے سے پہلے خالی تنور ابلنے کے وقت تھا جسوقت لوگون کو غرق کا یقین نہین ہوا تھا مترجم کہتا ہے کہ یہ قول مستبعد ہی کیونکہ اسنے پہاڑ سے بچاؤ حاصل ہونیکا جواب دیا اور درمیان مین موج حائل ہوگئی پھر ظاہر یہی کہ وہ کشتی والے نے قرابت دار مومنین سے علیحدہ ہو رہا تھا جسکو نوح علیہ السلام نے پکار کر کہا کہ یٰبُنَیَّ ارۡکَبۡ مَّعَنَا ۔ اے میرے چھوٹے پسر تو ہمارے ساتھ سوار ہو لے ۔ وَلَا تَکُنۡ مَّعَ الۡکٰفِرِیۡنَ ۔ اور کافرون کے ساتھ مت رہ ۔ یا بنی سے یہ غرض نہین کہ اُن کی اولاد مین سے سب سے چھوٹا تھا بلکہ پیار سے اپنے فرزند کو بصیغہ تصغیر یاد کیا کرتے ہین اور قولہ ہمارے ساتھ سوار ہو لے ۔ اس سے یہ مراد ہی کہ تو مسلمان ہو کر ہمارے ساتھ ہو جا چنانچہ توضیح کی کہ کافرون کے ساتھ مت ہو کیونکہ اسوقت تک غرق نہین ہوا اور نہ غرق کا یقین رکھتا تھا پس اسوقت مسلمان ہو جانا حالت اختیاری مین قرار دیا جاتا ۔ ملا علی جیلانی نے کہا کہ ظاہر معنی یہ ہین کہ تو مسلمان ہو جا تاکہ ہمارے ساتھ سوار ہونے کا مستحق ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نوح کو کسی کافر کے سوار کرنیکا حکم نہین دیا تھا پھر واضح ہو کہ اس پسر کا نام ایک قول مین کنعان تھا اور دوسرے قول مین یام تھا پھر کہا گیا کہ یہ لڑکا مع اپنی مان کے کافر تھا اسپر اعتراض کیا گیا کہ خود حضرت نوح نے دعا فرمائی کہ ربِّ لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا ۔ باوجود اسکے مستبعد ہی کہ کافر کو آواز دیتے ۔ یہ جواب دیا گیا کہ مراد کافر سے منافق ہی اسکے نفاق سے آنحضرت نے اسکو مومن گمان کیا ۔ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس صورت مین قولہ تعالیٰ واہلک الا من سبق کے وقت اسکو کیون نہین سوار کیا جواب دیا گیا کہ اسی وقت اسکا نفاق ظاہر ہوا و نیہ ما فیہ پھر اسمین بھی اختلاف کیا گیا کہ کیسا بیٹا تھا بعض نے کہا کہ نوح کی بی بی سے حرام زنا سے پیدا ہوا تھا در حقیقت اسکا بیٹا نہ تھا یہ قول مردود اور مخالف نص ہی بقولہ ونادٰی نوح ابنہ ۔ وبقولہ ان ابنی من اہلی ۔ اور کہا گیا کہ وہ

خبیثہ فاحشہ ایسے پاک پیغمبر اولوالعزم کے ساتھ رہ سکتی تھی اور دلی کفر امر دیگر ہے۔ اگر کہا جاوے کہ اس کافرہ سے نکاح کیونکر صحیح ہوا۔
جواب دیا گیا کہ شاید اسوقت مباح ہو اور صحیح جواب یہ ہے کہ یہ عورت واسکا بیٹا دونون منافق تھے جو کافرون کیساتھ
ہو گئے اور کشتی پر سوار نہ ہوئے بدین زعم کہ طوفان پہاڑون تک نہین پہونچے گا بعض نے کہا کہ اسی عورت کا بیٹا پہلے خاوند
سے تھا اور قرأۃ علی کرم اللہ وجہہ اسکی مؤید ہے کہ انھون نے قولہ ونادی نوح ابنہا پڑھا ولیکن صریح نص مذکور سے مخالف
ہے لہذا صحیح نہین معلوم ہوا۔ اور ابن عباس رض وغیرہ مجتہدین نے فرمایا کہ درحقیقت وہ حضرت نوح کا چوتھا بیٹا تھا ولیکن اُسنے کفر قبول
کیا اور حضرت نوح کا اسکو پکارنا بوجہ شفقت پدری کے تھا پس اس حالت مین جبکہ کشتی روان تھی اور پانی چڑھتا آتا تھا اس سے کہا کہ اب
بھی نفاق چھوڑ کر اسلام لاکر ہمارے ساتھ ہو جا اور آخر اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ میرے اہل کو بچانے کا حکم ہے تو یہ لڑکا میرا بیٹا
ہے اسکو بھی ایمان دیکر نجات دیجائے لیکن کمال شفقت سے تقدیر ازلی سے نظر چوک گئی کہ وہ بھی استثناء قولہ الا من سبق علیہ القول
مین داخل ہوا اور وعدہ آلٰہی حق ہے اسمین خلاف نہین ہو سکتا اسیواسطے اللہ تعالیٰ نے جاہل ہونے سے منع فرمایا یعنی جبکہ وہ ازلی حکم
مین کافر مطبوع ہوا تو اب اسکے ایمان کی درخواست منصب نبوت کے لائق نہین ہے اور یہی حکم ازلی پورا ہوا چنانچہ جب نوح
نے اسکو پکارا کہ مومن ہو کر کشتی پر ہمارے ساتھ ہو جا تو اسنے باوجود اس تلاطم طوفان کے قبول نہ کیا اور جواب دیا قَالَ سَاٰوِیۡۤ بولا کہ عنقریب مین
ٹھکانا لونگا اِلٰی جَبَلٍ کسی پہاڑ پر یَّعۡصِمُنِیۡ مِنَ الۡمَآءِ جو مجھے پانی کے صدمہ سے بچالیگا اسنے اندھی آنکھون سے یہ طوفان بھی مثل
پانی کی بہیا کے گمان کیا۔ لہذا آنحضرت نے اُسکو اس خیال محال سے پھیرا بقولہ قَالَ نوح علیہ السلام فرمایا لَا عَاصِمَ کوئی بچانیوالا نہین
الۡیَوۡمَ ۔ آج کے روز مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ حکم آلٰہی سے یعنی حکم آلٰہی کو آج کوئی پھیرنیوالا نہین یا امر سے عذاب مراد ہے یعنی عذاب سے آج
کوئی نہین بچا سکتا کیونکہ حق تعالیٰ نے آج کے روز عذاب کو کافرون پر مسلط کیا کہ سب ہلاک ہو جاوین اور قلم تقدیر محکم جاری ہو چکا
اب نہین مٹ سکتا پس تونے پہاڑ پر بچانے کا گمان دوڑایا حالانکہ پہاڑ وغیرہ کوئی چیز بھی نہین بچا سکتی۔ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ ۔ اسے
لکن من رحمہ اللہ فہو معصوم منہ لیکن جسپر اللہ تعالیٰ ہی نے رحم کیا تو وہ البتہ بچیگا اور رحم اسپر ہے جو ایمان لایا لہذا تو مومن ہو کر اس کشتی
مین داخل ہو۔ استثناء اس صورت مین منقطع بمعنی لکن ہے اسی کو زجاج نے بیان کیا اور صفاقسی رح نے اسی کی تائید کی ہے اور استثناء
متصل بھی ہو سکتا ہے جبکہ عاصم بمعنی معصوم ہو مانند ماء دافق وعیشۃ راضیہ کے یعنی لا معصوم الیوم من عذاب اللہ الا من رحمہ اللہ
یعنی آج عذاب آلٰہی سے کوئی بچا ہوا نہین ہو سکتا سوائے اسکے جسپر اللہ تعالیٰ نے رحم کیا اسی کو ابن جریر و زمخشری و قاضی بیضاوی
نے اختیار کیا و حاصل کلام وہ ہے جو عکرمہ رح نے فرمایا ہے لا ناج الا اہل السفینۃ کوئی نجات پانیوالا نہین سوائے کشتی والون کے۔
وَحَالَ بَیۡنَہُمَا الۡمَوۡجُ ۔ اور حائل ہو گئی موج دونون کے بیچ مین۔ یعنی امر آلٰہی سابق وازلی غالب کا ظہور ہوا کہ ابھی درمیان مین
ان دونون کے بیچ مین موج کا پہاڑ آگیا اور کچھ فائدہ مترتب نہوا فَکَانَ مِنَ الۡمُغۡرَقِیۡنَ ۔ پس وہ غرق ہونے والون مین سے تھا۔ یعنی
علم آلٰہی مین۔ یا کافرون مین ہو گیا اور ڈوبا جیساکہ تقدیر مین تھا ف فی العرائس بیان اشارات قولہ تعالیٰ بسم اللہ مجرہا ومرسہا
بحر حسین کشتی روان ہے بحر القدم والابد ہے سفینہ قلب العارف ہے جو موافق ہوائے عنایت کیساتھ بقوت روح ناطقہ جو قدرت ربانیہ
کا مظہر ہے بکلمہ بسم اللہ مجرہا ۔ دریائے قلزم صفات مین جاری اور بکلمہ مرسہا ۔ قاموس الذات مین راسی ہے۔ یہ کمال کرم ہے کہ اس سفینہ کو
باوجود حدوث کے صفات مین جاری ہونے نہین دیکا اور ذات مین فنا نہین کیا وہذا قولہ ان ربی لغفور رحیم کشتی کو بحر صفات مین روان ہونے کیلئے

حق تعالیٰ انوار جمال مشاہدہ سے منبسط فرماتا ہے اور سطوات عظمت کے سکون سے ذات میں منقبض فرماتا ہے قال المترجم یعنی قلب عارف جو کشتی ہے اسکی روانی یہ ہے کہ صفات کے مشاہدہ میں انوار جمال سے اسکو انبساط ہوتا ہے پس یہی انبساط اسکی روانی ہے اور ذات میں بوجہ ظہور عظمت کے انقباض ہوتا یہی ٹھہراؤ ہے۔ قولہ لا عاصم الیوم الخ یعنی بحر تھریات کے تلاطم میں کوئی حافظ نہیں سوائے انوار لطف کے لہذا جسنے الطاف کی طرف التجا کی وہ تھریات سے بچ گیا۔ انطاکی رح نے کہا کہ کسی مخلوق کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی اعتصام نہیں ہے بعض نے کہا کہ جسکو توفیق دے کہ اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لے اسی کو اس موج خیز طوفان سے نجات دیتا ہے۔ القصہ سب کافر ہلاک ہوگئے اور پانی کا جوش اترا اور کشتی ٹھہری چنانچہ بیان فرمایا بقولہ۔

وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ

اور حکم آیا اے زمین نگل جا اپنا پانی اور اے آسمان تھم جا اور سکھا دیا پانی اور ہو چکا کام اور کشتی ٹھہری

عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ○

جودی پہاڑ پر اور حکم ہوا کہ دور ہوں قوم بے انصاف

وَقِيلَ - یہ حکم طوفان پورا ہونے اور قوم کافر کے ہلاک ہونے پر ہے اور کہا گیا کہ قیل یہاں دونوں مقام پر قدرت تنجیزی کا تعلق ہے یعنی پانی کا جاتا رہنا اور قوم کا ہلاک ہو جانا جیسے قولہ تعالیٰ ان یقول لہ کن فیکون میں خاصۃ قول مراد نہیں بلکہ تعلق قدرت و وقوع ارادت ہے۔ وعلیٰ ہذا اس آیت میں استعارہ مکنیہ و تخییلیہ یا تمثیلیہ ہے جیسا کہ خفاجی رح نے عنایہ میں بسط سے مع انواع بلاغت ذکر کیا اور حق یہ ہے کہ ہر مقام پر ایسے قول میں حقیقی معنی مراد ہیں اور ضرورت تاویل کچھ نہیں ہے ہاں کیفیت صفات الٰہی عز سلطانہ وجل برہانہ بالکل طوق بشری سے باہر ہے پس نہیں معلوم کہ کیونکر کہا گیا لیکن ہم ایمان لاتے ہیں کہ کہا گیا۔ یَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ - کہ اے زمین نگل لے اپنے پانی کو۔ بلع پی لینا اور پانی وغیرہ میں دھنس جانا اور اسی سے بالوعہ وہ چہ بچہ جس میں پانی جمع کرتے ہیں کہ وہیں خشک ہو جائے۔ ویقال بلعہ ما فی فمہ من الطعام یعنی طعام میں سے جو کچھ اس کے منہ میں تھا وہ نگل گیا۔ پھر آیت میں زمین کیلئے بلع استعارہ ہے کیونکہ یہ لفظ حیوان کیلئے ہے اسکو زمین کے چوس لینے میں استعارہ فرمایا بدین معنی کہ سمجھ لیا جاوے کہ زمین کا یہ چوسنا ویسا نہ تھا جیسا از راہ عادت دیکھا جاتا ہے کہ آہستہ آہستہ ہوتا ہے بلکہ کہاں یہ طوفان پانی کا اور کہاں حکم ہوتے ہی زمین نے خشک کر لیا گویا منہ کا نوالہ نگل گئی خفاجی وغیرہ نے کہا کہ بلع نشف ہے جیسے کپڑا پسینے کو چوس لیتا ہے اور علامہ مدقق نے کہا کہ سکاکی رح نے جو بلع کو پانی زمین کے اندر ہو جانے کا استعارہ قرار دیا تاکہ دلالت کرے کہ زمین کا یہ پانی چوس لینا مانند حیوان کے نگل لینے کے واقع ہوا تو اسکی بہ نسبت نشف الثوب استعارہ بہتر ہے کیونکہ نشف فعل زمین ہے اور غائب ہو جانا پانی کا کام ہے پس ظاہر ہوا کہ علامہ کو حقائق معانی پر خوب اطلاع تھی۔ پھر ابن عباس و عکرمہ وغیرہ سے روایت کیا جاتا ہے کہ بلع لغت ہندی یا حبشی ہے لیکن اسکے ثبوت میں کلام ہے علاوہ بریں لفظ بلع لغت عرب میں مع مشتقات کے فصیح معروف ہے کہاں کی ہندی اور کہاں کی حبشی ظاہر ایسی روایات ضعیف راویوں کا وہم ہے اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ زمین کو حکم ہوا کہ اپنا پانی چوس لے یعنی دریا و نہر وغیرہ کے سوائے جو پانی بطریق عذاب طوفان نکلا و چڑھا ہوتا کہ کفار غرق ہو کر جہنم واصل ہوں اور ہوگئے اب اسکو چوس لے۔ وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي - اور اے آسمان رک لے۔ اقلاع امساک یقال اقلع المطر اذا انقطع یعنی آسمان کو حکم ہوا کہ پانی برسانے سے رک کے اور مہائمی رحمہ اللہ نے لکھا کہ اے آسمان جو تو اتارتا ہے اسکو اوپر کی طرف جذب کر لے بعض نے کہا

کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانی و زمینی پانیون مین فرق کردیا کہ جو کچھ زمین کا ہو اسکو زمین چوس لے اور جو آسمانی تھا وہ دریا و نہرین ہوگیا مترجم
کہتا ہو کہ اگر یہ مراد ہو کہ اسیوقت سے دریا و نہرون کا وجود ہوا تو مسلم نہین کیونکہ حدیث تخلیق مین ابتدا سے انکا پیدا کرنا مذکور ہے اور اگر یہ مراد
ہے کہ آسمانی پانی دریاؤن سے بہا تو غیر منصوص ہو علاوہ برین مقام مقتضی قدرت عجیبہ ہو کہ باوجود اس کثرت کے کفار کے مرتے ہی تمام
روئے زمین پھر پاکیزہ ہوگئی کہ زمین نے تمام اپنے اوپر کا چوس لیا اور آسمان سے برسنا منقطع ہوگیا۔ وَغِيضَ الْمَاءُ - اور گھٹ گیا پانی -
غاض لما یغیض - لازمی و غاضہ یغیضہ - متعدی - و قولہ تعالیٰ - ما تغیض الارحام - اسے تنقص یعنی لازمی ہے اور یہان کہا گیا کہ متعدی ہو
کیونکہ لازمی کا مجہول بلا واسطہ حرف الجر نہین آتا ہے - مراد یہ کہ زمین و آسمان نے مثلاً حکم کو مانا اور پانی گھٹ گیا - خضادی ج نے کہا کہ
ناقص ہونا اسلیئے فرمایا کہ آسمانی پانی باقی ہے بالکل نہین گیا اور یہ قول ظاہر اس بنا پر ہو کہ غیض لما مخصوص بطوفان آسمانی ہو
وَقُضِيَ الْأَمْرُ - اور پورا ہوگیا امر یعنی حکم ہلاک قوم نوح پورا ہوگیا - وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ - اور ٹھہری وہ کشتی اس پہاڑ پر جسکو
جودی کہتے ہین - روایت ہو کہ آنحضرت علیہ السلام دسوین رجب کو کشتی پر سوار ہوے اور دسوین محرم کو چھ مہینہ روئے زمین پر سیر کرکے
جودی پر اترے اور اُس روز شکر کا روزہ رکھا اور جودی قریب موصل کے ایک پہاڑ ہے اور بعض نے کہا کہ شام مین ہو یا بجانب آمدین
اقوال ہین اور حدیث مین آیا کہ اس کشتی مین سے کچھ باقی رہ گیا تھا کہ اس اُمت کے اگلون نے اسکو پایا ہو - وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ
اور کہا گیا کہ دوری واسطے ظالم قوم کے یعنی ہلاکت ہوجیو اور رحمت سے تا ابد دوری ہوجیو - یہ لفظ بددعا کیلیے مخصوص ہو اور ظالم
سے کافرون کو تعبیر کیا تاکہ ظاہر ہو کہ یہی سبب ہلاک ہو اور قیل کا فاعل بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ عز و جل ہو اور بعض نے کہا
کہ یہان نوح علیہ السلام مع اصحاب ہین بخلاف ابتدائے آیت کے ولیکن مناسب قول اول ہو - واضح ہو کہ عبد الرحمن بن خلدون نے
تاریخ مین لکھا کہ لوگون نے اتفاق کیا ہو کہ یہ طوفان زمانہ نوحؑ مین آنکی بددعا سے آیا اس سے روئے زمین کی تمام آبادی جاتی رہی جو لوگ
کشتی مین سوار تھے وہ بھی اپنے وقت موت پر بغیر اولاد چھوڑے مرے پھر تمام روئے زمین پر اہلے حضرت نوحؑ کی نسل سے ہوے اسی سے آنحضرت
کو آدم ثانی کہتے ہین - انتہی کلامہ اور ابن الاثیر نے کامل مین فرمایا کہ مجوسی لوگ اس طوفان سے آگاہی نہین بیان کرتے ہین مگر بعضے انمین
سے اقرار کرتے ہین وہ بھی اسطرح کہ طوفان مذکور اقلیم بابل مین آیا تھا اور کیومرث کی اولاد مشرق مین رہا کرتی تھی ان تک طوفان
پہونچا اور اسی طرح اہل ہند و فارس چینی والے اس طوفان کا اقرار نہین کرتے ہین لیکن بعضے فارسی مقر ہین اور یون کہتے ہین کہ طوفان عام
نہ تھا اور عقبہ حلوان سے آگے نہین بڑھا اور صحیح یہ ہو کہ طوفان عام تھا تمام روئے زمین کے حیوانات آدمی وغیرہ مرگئے پھر اولاد
نوح علیہ السلام سے بڑھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وجعلنا ذریتہ ہم الباقین یعنی تمام آدمی اولاد سام و حام و یافث سے ہین انتہی کلامہ اور
مقریزی نے خطط مین لکھا کہ انبیاء کے متبعین خواہ یہود ہون یا نصاریٰ یا مومنین مسلمین ہون سب متفق ہین کہ تمام اولاد آدم فقط نوح
علیہ السلام کی اولاد سے باقی ہین لیکن قبطی و مجوس و ہنود و چینیون نے طوفان سے انکار کیا اور بعض ان مین سے کہتے ہین کہ طوفان
فقط اقلیم بابل اور اسکے آس پاس کے مغربی ملکون مین آیا ہو اور فارسیون کے نزدیک کیومرث آدم اول ہو جو مشرقی ملکون مین رہتا
تھا وہ طوفان سے غرق نہین ہوا انتہی کلامہ ملخصا - و فی الفتح علماء بلاغت نے اتفاق کیا ہو کہ اس آیت مین اس مرتبہ بلاغت و فصاحت
ظاہر ہو کہ جہان کے فصیح و بلیغ اسکے بیان وصف سے عاجز ہین بھلا اسکا مقابلہ کرنے کا کیا ذکر ہے حالانکہ بہت سے لوگ ہین جو میدان
فنون بلاغت مین راسخ القدم و خطباء عرب و اشعار الشعراء مین علوم بیان سے مزاولت و عربیت کے اسرار سے خوب واقفیت کر تمام عمر [illegible]

گذاری ہے۔ صاوی رحمہ اللہ وجمل رحمہ اللہ نے لکھا کہ ایسے بلغاء وفصحاء کا قول ہو کہ قرآن مجید کی اس آیت مین خالی انیس الفاظ ہین اور اسپر اکیس اقسام علم بدیع موجود ہین پھر معاصر موصوف نے لکھا کہ ایک جماعت ائمہ فن رحمہم اللہ نے جہان تک امکان مشبر ہے اس آیت کے علوم بیان کرنے مین خوب خوب لکھا۔ انھین کے ناموں مین سے شیخ امام ابو حیان محمد بن یوسف اندلسی رحمہ نے کتاب نہر المادمین اور سید امیر محمد بن اسمعیل بن صلاح نے رسالہ نہر المورود فی تفسیر آیہ ہود مین پر اکیس انواع یہ لکھے ہین۔ المناسبۃ والمطابقۃ۔ المجاز۔ الاستعارہ۔ الاشارہ۔ التمثیل والارداف۔ التعلیل۔ صحۃ التقسیم۔ الاحتراس۔ الایضاح۔ المساوات حسن النسق۔ الایجاز۔ التسہیم۔ التہذیب۔ حسن البیان۔ التمکین۔ التجنیس۔ المقابلہ۔ الذم۔ الوصف۔ پھر امام سید امیر محمد رحمہ نے ہر نوع کو بسط سے بیان کیا اور پھر لکھا کہ یہ سب اصناف بلیغ معجز جو مذکور ہوئے اس آیت کریمہ کی مثالی بلاغت پر نظر کرنے سے ظاہر ہوئے ہین اور اگر فصاحت معنویہ پر نظر کرو تو کیا پوچھنا کہ معانی کیلئے نظم لطیف سدید ملخص سینہ ہو نہ اسمین تعقید کہ فکر کے پاؤن پھسلین اور نہ التوا کہ مقصد نکلے بلکہ معانی پر الفاظ سبقت کرتے ہین اور معانی الفاظ پر۔ پھر اگر فصاحت لفظیہ پر نگاہ کرو تو سبحان اللہ تعالی پاکیزہ مستعمل الفاظ پانی کے مانند روان و موتی کے مانند آبدار و شہد سے شیرین و نسیم سے خوشگوار رہتے ہین۔ قال المعاصر رح۔ بالجملہ اسمین چار طور سے نظر ہے اول از راہ علم البیان دوم از جہت علم المعانی سوم وچہارم از جہت فصاحت لفظی و معنوی۔ علامہ نسفی رحمہ نے مدارک مین بعد ذکر بعض انواع از ہر جہات کے فرمایا کہ یہین سے اہل العناد از یہود و نصاری و مجوس وغیرہ جو زبان عرب مین مہارت رکھتے و علوم بدیع و بیان سے واقف ہین ناچار متفق ہوگئے کہ بیشک کسی بشر کی طاقت نہین کہ اسقدر کلم الفاظ مین ایسی بلاغت و فصاحت لاسکے اور عجیب قدرت الہی اس کلام مجید مین ظاہر ہے کہ جہانتک عالم اسمین فکر و تامل کرتا جاتا ہے عجیب عجیب لطائف نکلتے چلے آتے ہین کہ عالم باوجود تبحر و ہمہ دانی کے اسکے سامنے اپنے کو طفل مکتب سے زیادہ نادان دیکھتا ہو اور خبردار رہو کہ کبھی تم یہ گمان مت کرنا کہ آیت کریمہ مین اسی قدر ہو جتنا بیان کیا گیا بلکہ جو ادراک بشر سے باہر ہو غالباً وہ مذکور شدہ سے زائد ہو۔ قاضی بیضاوی رحمہ نے کہا کہ یہ آیت کریمہ بلاغت کی انتہا سے بڑھ گئی اسکے الفاظ عجیب تفخیم مین و نظم نہایت خوب نکتۃ الحال پر دلیل باوجود اعجاز کے جو خلل سے خالی ہو۔ خفاجی رحمہ نے لکھا کہ یہ آیت کریمہ عجیب بلاغت کو گھیرے ہوئے ہو کہ غایت تعجب سے دل اسکے لئے خوشی مین رقص کرنے لگتے ہین اور کچھ اسکے نکات شرح مفتاح مین بیان ہین۔ ابو السعود رحمہ نے لکھا کہ سبحان اللہ تعالی شانہ یہ آیت کریمہ اعجاز کے مراتب مین سے انتہا کو پہونچ گئی اور کمالات فن کی پیشانی کے بال اسکے قبضۂ قدرت مین ہین اور اسکی تفصیل مین ماہرین کاملین نے کوشش کی اور مین قسم کھاتا ہون کہ اسکے اوصاف کسی وصف کرنیوالے کے حیطۂ قدرت مین نہین ہین جہان تک بشر کا امکان ہو بیان کرے ورنہ فی الحقیقت اسکا وصف کرنا طاقت بشری سے باہر اور بالاتر ہو۔ مترجم ضعیف کہتا ہے کہ مین نے ان کاملین علماء متقنین متبحرین کے نکات کو یہان درج نہین کیا اسلئے کہ یہ تفسیر جس سے حضرت رب العزۃ جلشانہ وعز برہانہ اپنے فضل عمیم سے اہل عالم کو فیضیاب فرماوے بطفیل سید الانبیا محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین زبان اردو مین عام کیلئے ہو جن کو ان نکات کے ادراک مین کمال دقت بلکہ امکان نہین ہو لہذا یہ شہادات مذکورہ ان کے حق مین بیان کیلئے سچی گواہیان عین الیقین کے مرتبہ پر ان کو علم اجمالی عطا فرماتی ہین اور واضح ہو کہ اس زمانہ مین بعضے احمق جاہل کندہ ناتراش جنکو بلاغت عربیت سے ادنی مس نہین ہو زبان درازی کے ساتھ سوال کرتے ہین کہ اسمین کوئی بلاغت بیان کرو اور ضرور اسکے مثل ہم لاسکتے ہین پس قسم ہو اس پاک وحدہٗ لاشریک تعالی شانہٗ کی کہ جسکو زبان عربیت کے بلاغات سے ذرہ برابر بھی مس ہو وہ ان احمقون پر بیساختہ ہنستا ہو کہ یہ جاہل جنکو گندہ حوا نی...

مثال دینا چاہیے گدھون سے بھی زیادہ بیوقوف ہین مرد عاقل ایسے احمقون کی طرف لحاظ بھی نہین کرسکتا ہے لیکن افسوس ہے کہ اہل اسلام بھی تن
دنیاوی کاروبار و زبانون کے سیکھنے مین ایسے سرگرم ہین کہ گویا انکو عاقبت کا بالکل یقین نہین ہے اور یہ درحقیقت کفر ہے اسیوجہ سے انکو ان علوم سے
کچھ نصیب نہین بلکہ ان احمقون کی بات پر لحاظ کرتے ہین اور کہتے ہین کہ معترض صاحب تو عربی خوب جانتے ہین لاحول ولاقوۃ الا باللہ العزیز الحکیم
اے لوگو عاقبت کو دیکھو آخر انجام موت و فنا ہے دنیا کی تھوڑی تکلیف پر صبر کرو اور دنیا کے حاصل کرنے مین دل مت لگاؤ بلکہ آخرت کیلیے
اگر تم کو ضروری کھانے پینے وغیرہ کی احتیاج ہو تو اس نیت سے دنیا کی اتنی چیزین حاصل ہوجانے کا ذریعہ سمجھکر شرعی جائز زبانون و کانون و
نوکریون کیلیے کوشش کرنا امید ہے کہ مباح ہو لہذا عاقبت کیلیے علوم دین و عربیت مین کمال حاصل کرو واللہ تعالی ہو الموفق وہو الذی بفضل
ابشارہ یحکم ما یرید ـــ فی العرائس قولہ تعالی وقیل یا ارض ابلعی ماءک الآیۃ جب سفینۂ قلوب بحر علوم غیوب مین تیری اور عظمت کے گرداب
مین پہونچے تو عزت القدم سے ڈوبنے کے قریب ہوئی پس سابقۂ عنایت ازلیہ جسنے آپ تک سطوات ربوبیت مین فنا ہو جانے سے محفوظ فرمایا
ہے ارادت قدیمہ سے بچادیا اور زبان وصال نے آسمان کمال الذات و زمین صفات کو آواز دی کہ یا ارض ابلعی الی آخرہ پس آفات صفات
ادراک عبودیت سے باہر ہوئے اور لطف سے اسکو مشاہدہ افعال و آیات کی طرف راجع فرمایا اور مسالک ازل و ابد اس روح ناطقہ پر بند کیا
ہوئی چنانچہ آخر آیت کریمہ سے یہ اشارہ لیا گیا ہے پس احکام معارف ذات و صفات اسپر جاری ہوئے اور سوا ذات و صفات کے کچھ
اس روح کاملہ پر بہتا وہ ذات و صفات مین غرق ہوگیا یعنی نفس و اسکے ہواجس و شیطان و اسکے وساوس اور عقول و اس کے مراتب
حتی کہ ہر دو جہان و جملہ عوالم سب اس سے مستغرق ہوئے اور وہ تمکین کیساتھ جودی طریقت و حقیقت پر متمکن ہوگئی چنانچہ اضطراب کے بعد اسکو
مواجید مین سکون ہوا اور قولہ تعالی فکان قاب قوسین او ادنی مین یہ اشارہ خوب نکلتا ہے پس وہ نوالدنو سے بحر ازل و فنا مین غرق ہو
ہے جسکا خوف میدان ابد کے قہری طوفان سے تھا جو قلزم کبریا و عظمت سے اٹھا تھا بچ گیا کیونکہ حسن عنایت ازلی نے بصفت رضا
اسکو قبول فرمایا لہذا آنحضرت علیہ السلام دعا فرماتے کہ اللہم انی اعوذ برضاک من سخطک و اعوذ بمعافاتک من عقوبتک و اعوذ بک
منک الحدیث۔ آنحضرت علیہ السلام مدارک صفات و مرآئے انوار ذات مین حقائق ازلیت مین شناور تھے پس کثرت کے قہر سے
خائف ہوکر کبھی صفت سے صفت کی طرف اور کبھی فعل سے فعل کی طرف اور کبھی ذات سے ذات کی طرف گریز فرمایا پس معنی یہ کہ
مین پناہ ڈھونڈھتا ہون تیرے رضوان عنایت کیساتھ تیرے خشم غیرت سے اپنے اوپر اس بات مین کہ تیرے سوا کسی کو اور کچھ
پہچان لے اور نیز مین پناہ ڈھونڈھتا ہون تیرے رضوان جمال کے ساتھ تیرے سطوات جلال سے تاکہ تیرے ساتھ تجھ مین فنا ہو جاؤن
اور مین پناہ ڈھونڈھتا ہون تیرے رضوان بقا کے ساتھ صولت تجلیات قدم سے پھر جب صفت مین دوران سے زوال کا خوف کیا
تو وہان سے افعال کی طرف فرار فرمایا کہ دل کو راحت پہونچا دین جو عظمت الوہیت کا بار اٹھا چکا ہے لہذا فرمایا اعوذ بمعافاتک
من عقوبتک یعنی اولی عنایت دعوت کے معافات مین تیرے ابدی ہجر کی عقوبت سے پناہ لیتا ہون پھر جب راحت حاصل
ہوگئی تو بکر مشاہدہ ذات کی طرف رجوع لائے بقولہ اعوذ بک منک یعنی تیرے فردانیت کی پناہ مین آتا ہون حلاوت جمال مشاہدہ
سے جہان عاشق تیری وحدانیت مین لحد جاتا ہے تاکہ تیری ہی بقا و وحدت کی پاکی بیان کرنے مین دعوی انانیت سے بچا رہے۔ اور
مین پناہ لیتا ہون اس مقام کی پرودگی و مکر سے حتی کہ مین ہون اور تو ہی ہو اور مین نابود ہون جیسے تو نہین اور تو ہی ہو جیسے تھا پھر جب لباس
عبودیت سے فانی اور مشاہدہ ربوبیت از افعال و صفات مین باقی ہوکر استقامت کیساتھ انوار الوہیت سے توحید و افراد القدم عن الحدث کے

ہوا ادی ہوکر حضرت حق عزوجل سے زبان ازلی پائی تو تعریف بیان فرمائی بقولہ لا احصی ثناءً علیک ۔ اپنے حدوث وعبودیت کا اقرار باقی رکھا پھر قولہ انت کما اثنیت علی نفسک ۔ یہان نفس و شمار و عبودیت و تکالیف وجود اور قرب بعد اور تصاریف علل سب کو درگاہ حضرت رب العزت سے بدر کیا اور اسی پاک حق سبحانہ تعالیٰ کی بارگاہ مین تمام کمالات کو رجوع کیا ۔ فافہم ۔ اب ہم ظاہری آیت کی طرف رجوع کرتے ہین کہ حضرت نوح علیہ السلام اذیت قوم سے ضیق انقباض مین تھے پس وصل بلا فرقت اور بسط بلا قبض اور انس بلا وحشت کی خواہش کی لہذا حضرت پروردگار سبحانہ سے دعا کی کہ اس سے نجات فرما دے پس اوتعالیٰ نے قوم کو غرق کیا ولیکن بشریت سے اپنے پسر کے حق مین مناجات کی تو موج آئی اور اسکو غرق کیا تاکہ پیغمبر کے دل مین سوائے حق کے کچھ باقی نہ رہے ۔ استاد رح نے کہا کہ پسر کنعان کے غرق ہوتے ہی موج ٹھہری پانی جذب و منقطع ہوا گویا اسی کا غرق مقصود تھا ۔ پھر حق تعالیٰ نے انبساط نوح علیہ السلام سے آگاہ فرمایا ۔ بقولہ تعالیٰ

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ

اور پکارا نوح نے اپنے رب کو بولا اے رب میرا بیٹا ہے میرے گھر والون مین اور تیرا وعدہ سچ ہے

وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ۝ قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ

اور تیرا حکم سب سے بہتر ہے فرمایا اے نوح وہ نہین تیرے گھر والون مین اسکے کام ہین

صَالِحٍ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ۝ قَالَ

ناکارہ سو مت پوچھ مجھ سے جو تجھکو معلوم نہین مین نصیحت کرتا ہون تجھکو کہ ہو جاوے تو جاہلون مین بولا

رَبِّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝

اے رب مین پناہ لیتا ہون تیری اس سے کہ پوچھون تجھ سے جو معلوم نہو مجکو اور اگر تو نہ بخشے مجکو اور رحم نہ کرے تو مین ہون خرابی والون مین

وَنَادٰی ۔ اور پکارا یعنی دعا کی نُوْحٌ رَّبَّهٗ نوح نے اپنے رب سے ۔ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ پس کہا کہ اے رب میرے میرا بیٹا میرے اہل مین سے ہے وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ ۔ اور بیشک تیرا وعدہ حق یعنی صدق ہے ۔ گویا قولہ احمل فیہا من کل زوجین اثنین واہلک ۔ کی طرف اشارہ کی یعنی تو نے میرے اہل کو نجات کا حکم دیا ہے وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ۔ اور تو احکم الحاکمین ہے یعنی سب حاکمون سے افضل ہے یا عدل و علم مین سب سے بڑھکر ہے اور اولی قول یہ کہ تو بڑے اتقان والا ہے کہ تیرے حکم مین کوئی نقص و خلل نہین ہو سکتا کیونکہ تجھے اسکا خوب علم ہے اگر کہا جاوے کہ اللہ تعالیٰ نے قولہ اہلک الا من سبق علیہ القول ۔ مین اہل سے ازلی کافرون کو استثنا کر دیا تھا پھر نوح نے کیونکر اسکے لئے دعا کی تو جواب یہ کہ نوح کو اسوقت تک یقین نہ تھا کہ وہ ازلی کافر ہے پھر کہا گیا کہ دعائے مذکور کشتی روان ہونے سے پہلے تھی کیونکہ اسوقت تک نجات کا امکان تھا اور بعض نے کہا کہ پسر مذکور کو فہمائش کرنے و اسکے انکار کرنے کے بعد یون دعا فرمائی ولیکن اس قول پر ضرور ہے کہ قولہ حال بینہما الموج ۔ کے یہ معنی ہین کہ موج حائل ہو گئی اور پردہ ہو گیا اور یہ نہین کہ وہ اسی وقت غرق ہو گیا ۔ اللہ تعالیٰ نے نوح کو جواب فرمایا کہ اہل مین تیرا بیٹا داخل نہین ہے بقولہ قَالَ یٰنُوْحُ فرمایا کہ اے نوح اِنَّهٗ یہ تیرا بیٹا جسکی تو نجات مانگتا ہے لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۔ نہین ہے تیرے اہل مین سے یعنی ایسے مومنون مین سے جنہون نے ایمان لاکر تیری پیروی کی ہے اگرچہ قرابت کی راہ سے تیرا بیٹا ہے اور بعض نے کہا کہ معنی یہ ہین کہ وہ نہین ان لوگون مین سے جنکی نجات کا مین نے تیرے ساتھ مین وعدہ فرمایا ہے یہین سے بعض نے کہا کہ قولہ لیس من اہلک تنصیص ہے کہ یہ لڑکا حضرت نوح کے نطفہ سے نہین تھا اور استبعاد کیا کہ نبی کا لڑکا کافر ہوے اور جواب یہ ہے کہ اہل سے مراد اُن کی اتباع

مومنین مین پس ایسے اہل سے نہ تھا اگرچہ قرابتی پسر تھا بدلیل قولہ ۔ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۔ انہ ذو عمل غیر صالح ۔ یہ لڑکا بے نیکوئی کے عمل والا ہی پس عمل مصدر کو بمبالغہ محمول کیا گویا وہ نرا بدکار ہی ہو اور حق یہ ہو کہ کافر آدمی مین واقعی کوئی نیکی نہین رکھتا اگر باعتبار صورت کے بعض اسکے افعال اس قابل ہوتے ہین کہ دنیا دی دولت اسکا عوض ہو اور نکوئی درحقیقت وہ ہی جسکا بدلا نعمت کاملہ آخرت ہو سکے بالجملہ بدکاری وکفر کی وجہ سے اسکو اہل نہین قرار دیا ورنہ صریح قولہ نادی نوح ابنہ ۔ اور قولہ یابنی ۔ دلیل ہو کہ وہ بیٹا تھا اور عکرمہ وسعید بن جبیر وضحاک واکثر مفسرین نے کہا کہ وہ نوح کا بیٹا انکے نطفہ سے تھا اور یہی صحیح ہو اور ابن عباس رضہ سے روایت ہو کہ کسی نبی کی جورو نے زنا نہین کیا بالجملہ کلام کو حقیقی معنی سے مجاز کی طرف پھیرنا بلا ضرورت نہین جائز ہو اور اسمین شک نہین کہ اللہ تعالیٰ مومن سے کافر اور کافر سے مومن پیدا فرماتا ہو چنانچہ آدم علیہ السلام سے قابیل کو اور آزر سے ابراہیم علیہ السلام کو پیدا فرمایا ۔ ایسے ہی کنعان کو پشت نوح سے پیدا کیا وہ قادر مختار ہے جو چاہے جسطرح چاہے کرے ۔ واضح ہو کہ قولہ انہ عمل ۔ مین جمہور کی قرأت عمل مصدر ہو اور انہ ضمیر مین دو قول ہین ایک یہ کہ راجع بجانب پسر ہو پس عمل اسکی خبر بطریق زید عدل ہو اور یہی راجح ہو اور صاوی رح نے کہا کہ شیخ سیوطی رح نے اشارہ کیا کہ یہان مضاف محذوف او ضمیر راجع بجانب نوح ہو یعنی ان سوالک عمل غیر صالح اے غیر مقبول یعنی تیرا یہ سوال کرنا ایسا کام ہو جو مقبول نہین ہو اور ابن عباس رض سے جو تفسیر مروی ہو اسکی تائید کرتی ہو کہ کہا کہ معنی یہ ہین کہ اے نوح تیرا مجھ سے یہ سوال کرنا عمل غیر صالح ہو مین اسپند نہین کرتا ہون پھر اس سوال سے منع فرمایا بقولہ ۔ فَلَا تَسْــَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۔ پس تو مجھ سے مت مانگ وہ چیز کہ جسکا تجھکو علم نہین ہو یعنی جب تجھے نہین معلوم کہ اسکا مانگنا ٹھیک ہو تو مانگنا چاہیئے یا نہین ٹھیک ہو کہ ترک کرنا چاہیئے اور یہ حکم عام ہو ہر شخص جو اپنی درخواست کو مطابق شرع نہ جانے وہ سوال نہ کرے بعض نے کہا کہ یہ معنی ہین کہ اے نوح تجھکو نہین معلوم کہ وہ ازلی کافر ہے اور قولہ الا من سبق علیہ القول مین داخل ہو اور بعض نے کہا کہ تجھکو نہین معلوم کہ وہ منافق ہو مومن نہین ہو ولیکن اول ارجح واوفق ہو ۔ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۔ اے انہاک من ان تکون من الذین یجہلون فیسئلون مالا علم لہم بہ ۔ مین تجھکو نصیحت کرتا یعنی منع کرتا ہون اس امر سے کہ تو جاہلون مین سے ہو جائے یعنی انکے مانند ہو جو جہالت کرتے پس مانگتے ہین وہ چیز جسکا انکو علم نہین ہو ۔ یہان سے بھی کہا گیا کہ حضرت نوح کو اسکے قطعی کافر ہونے کا علم نہ تھا بلکہ ظاہری اقرار منافقانہ سے مشتبہ تھے ورنہ معلوم ہے کہ مشرک کافر کے واسطے مغفرت نہین ہو یا جو ازلی مطرود ہو وہ حسب تقدیر کبھی مومن نہ ہوگا ۔ کرخی رح نے کہا کہ نوح کے سوال کو جہل اسلیئے فرمایا کہ فرزند کی محبت مین انکو استثنا قولہ الا من سبق علیہ القول ۔ یاد نہ رہا ۔ ابن العربی رح نے کہا کہ یہ نصیحت وموعظت از جانب الٰہی تھا ایک فضل ہو جس سے نوح کو مقام جاہلین سے خارج اور بلند مرتبہ کر کے مقام علما عاملین پر پہونچایا جب نوح کو اپنا سوال غیر مطابق تقدیر ورضائے الٰہی وغیر موافق منصب نبوت عظمیٰ معلوم ہوا تو فوراً مغفرت ورحمت کی درخواست کی بقولہ ۔ قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِكَ ۔ نوح نے کہا کہ اے رب میرے مین تیری پناہ مین آیا اور التجا وعذر لایا من ان اَسْــَٔلَكَ اس امر سے کہ مین تجھ سے مانگون مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۔ ایسی چیز جسکا مجکو علم نہین ہو خوفناک ہوئے کہ یہ سوال اس صورت مین تقدیر وعلم الٰہی سے معارضہ ہو اگرچہ دعا مین کوئی گناہ نہین ہو لہذا زیادہ خوفناک ہو کر التجا کی وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وان لا تغفر لی ذنب ما دعوت کذلک ۔ وَتَرْحَمْنِيْٓ ۔ بقبول توبتی بالرحمۃ الواسعۃ اور اگر تو نہ بخشے مجکو میرا یہ گناہ جو مین نے اسطرح سوال کرنے سے کیا اور اگر تو نہ رحم فرمائے مجھ پر اپنی وسیع رحمت سے اسطرح کہ میری توبہ قبول کرلے ۔ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۔ تو مین خسارہ والون مین سے ہو جاؤن ۔ واضح ہو کہ یہ شان نبوت تھی کہ خالی ایسی دعا سے اسقدر خوفناک ہو کر گڑگڑانے لگے

ورنہ آیت کریمہ مین کوئی امر ایسا مذکور نہین کہ جو نوحؑ سے گناہ و معصیت صادر ہونے پر دلالت کرے سوائے اس بات کے کہ ایک ایسے
امر کی دعا مانگی جو علم الٰہی مین تقدیر سے موافق نہ تھا اور یہ کچھ معصیت نہین ہے صرف یہ ہے کہ نوحؑ سے اجتہاد مین چوک ہوئی جیسے
آدم علیہ السلام سے درخت کا پھل کھانے مین چوک ہوئی وقال الشیخ علیہ الرحمۃ وفیہ نظر لان ما وقع من آدم علیہ السلام کان سہواً لنصریح
قولہ تعالیٰ فنسی ولم نجد لہ عزما۔ واما نوح علیہ السلام فلم ینس لکان من اولی العزم غیر انہ سأل مالا علم لہ بہ من شقاوۃ ابنہ ابتداءً واما استغفارہ
فشان الانبیاء کما قال تعالیٰ بل عباد مکرمون لا یسبقونہ بالقول وہم بامرہ یعملون وقولہ تعالیٰ وہم من خشیتہ ربہم مشفقون۔ اولا تری الی
ما اجاب اللہ تعالیٰ بہ حیث وعظہ وذکرہ ولم یواخذہ بشیء واما ما وقع لآدم علیہ السلام بعد اکل الشجرۃ من ہبوطہ من الجنۃ الی الارض فلیست بعقوبۃ ایضاً
بل من قبیل ما وعدہ اللہ تعالیٰ من خواص الاشیاء کان اکل شیئاً قدر اللہ تعالیٰ من اثرہ ما وقع فلیتامل۔ وفی العرائس قولہ
ونادیٰ نوح ربہ الخ یہ ستر کہ سر بشریت بمقام امتحان الٰہی ہے کہ نوحؑ کی شان سے تھا کہ اسرار کو اغیار کی طرف نظر سے پاک کر کر موجود
و جوہ کو فنا کرین لہذا انہین خلیلؑ کے امتحان مین غرق رہا کہ آگ مین ڈالے جانے کے وقت ملائکہ مقربین وغیرہ کسی سے مدد نہ چاہی اور
اپنے آپ کو سلم کر دیا اور صحیح ہوا قولہ اذ قال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العالمین پس معارضہ تقلب حول و قوت و نفس و تمام عالم سے بیزار
ہو کر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف بھاگے اور نوح علیہ السلام نے غرق فرزند کی طرف التفات کر کے سوال کیا حالانکہ مقام توحید مین اور تسلیم و رضا
و شرط معرفت مین فرزند کا کیا ذکر ہے اور انبساط کیساتھ مناجات مین حکم کیا کہ میرا پسر میرے اہل مین سے ہے حالانکہ وہ اہل مین سے نہ تھا
اسیواسطے یہ جواب پایا کہ انہ لیس من اہلک اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نوحؑ فرزند کی طرف نظر کرنے سے تقدیر سابق سے غافل ہوئے اور یہ
انبساط تھا جو کمال رحمت سے حضرت نوحؑ کے اسرار پر وارد ہوا اور جو انبساط کہ مقام امتحان مین حکم سابق کے دیدار پر ہو وہ مراد
ملنے سے دور رہتا ہے جنید رحمہ اللہ نے کہا کہ انبساط قدرت الٰہی قہر و جبروت کی وجہ سے مقام انبساط نہین ہے ورنہ رد کر دیا جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے
نوح علیہ السلام کو سمجھوا دیا کہ جیسی اہلیت ظاہری ان کے اور بیٹے کے درمیان مرتفع ہو ویسی ہی ان کی روح و پسر کی روح مین اہلیت
مرتفع ہے کیونکہ ازل مین انکے بیٹے کو معرفت و محبت و تقوی کی اہلیت عطا نہین ہوئی بقولہ انہ عمل غیر صالح۔ جو تجکو معرفت دی گئی
اسکی اہلیت تیرے پسر مین نہین ہے وہ کسی طرح حصول نہین ہو سکتا فلا تسئلن مالیس لک بہ علم۔ ادب سکھلایا کہ وہی دعا مانگو جو موافق تقدیر
ہو ورنہ جو مشیت الٰہی سے نا موافق ہو وہی مراد نہین ملتی ہے اور یہ جو فرمایا انہ عمل غیر صالح۔ اسکے معنی یہ ہین کہ اسکے اعمال موافق سنت
نبیؑ نہین ہین پھر وعظ فرمایا بقولہ انی اعظک ان تکون من الجاہلین۔ جاہل اسکو کہتے ہین جو تقدیر الٰہی کو بھولا اور اسکی لیاقت والون کو
نجانا مراد یہ ہے کہ مین تجھے نصیحت کرتا ہون کہ تو سوال کرنے مین خلاف ادب اور چلے بلکہ ارادہ الٰہی کے موافق ہونا واجب ہے اسمین خواص
عارفین کو تہدید ہے کہ بارگاہ حق مین غیر کی طرف التفات کرنے سے اپنے اسرار کو صاف رکھین تاکہ مقام احتشام مین مراد الٰہی کے لیے
تسلیم جھکائے ہوئے ہون قاسم رحمہ اللہ نے کہا کہ اہلیت دو طرح کی ہوتی ہے اہل قرابت اور اہل ملت پس پسر نوحؑ کو اہل ملت ہونے سے
منفی کر دیا اور قرابتی ہونے سے نفی نہین فرمائی ہے قولہ۔ انی اعظک بعض نے کہا کہ مقصود یہ ہے کہ کیا تو نے نہ جانا کہ مین نے نیک بختون و
بدبختون کو ازل مین مقدر کر دیا ہے پھر سر الحکم قضا رد نہین ہو سکتا اب مین تجھے نصیحت کرتا ہون کہ تو ان احکام کو کھولنے والا مت ہو جیو۔ بعض
نے کہا کہ نوحؑ نے مخصوص کر کے اپنے بیٹے کیلئے دعا فرمائی تو گویا عتاب کیا کہ میرے تمام بندون کے درمیان سے خالی اپنے پسر کے لیے دعا فرمائی
پھر نوحؑ نے تضرع و عاجزی کے ساتھ بارگاہ کبریائی مین رجوع کیا بقولہ قال رب انی اعوذ بک ان اسئلک آہ۔ اسمین بیان ہے کہ جو مانگے اسکے جانے بغیر

اسکا سوال کر بیٹھنا خوب نہین ہوا اور جب آنحضرتؐ کو جو کہا معلوم ہوا تو خضوع و خشوع سے ملتجی ہوئے کہ اے رب اگر یہ ترک ادب تو نہ بخشے اور مجھ پر رحم نہ فرماوے کہ عبودیت مین ربوبیت آسان کرے تو مین ایسے لوگون مین سے ہو جاؤنگا جنھون نے عبودیت مین حقائق معرفت کو گم کیا ابو سعید الخراز نے کہا کہ نوح علیہ السلام نے جو انبیاء اولو العزم مین سے تھے ساڑھے نو سو برس اللہ تعالیٰ کی بندگی مین نہایت کوشش و نصیحت کی اور طرح طرح کی ایذائین اٹھائین پھر اس کہنے پر کہ رب ان ابنی من اہلی جب عتاب کئے گئے تو خوف کبریائی سے ساری باتین بھول گئے اور سال بھر اس ترک ادب سے رویا کئے یہان تک کہ کہا والا تغفرلی وترحمنی الخ پھر اس بات کہنے سے مدت تک نادم رہے پھر جب نوح علیہ السلام نے کبریا آلہی کیلئے خشوع و خضوع کیا تو حق عزوجل نے اُن کو لباس انوار امن و عافیت پہنایا و فرمایا ۔

قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ

حکم ہوا اے نوح اُتر سلامتی کے ساتھ ہماری طرف سے اور برکتون کیساتھ تجھ پر اور کتنے فرقون پر تیرے ساتھ والون مین اور کتنے فرقون کو فایدہ دین گے پھر

يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ

پہونچے گی اُنکو ہماری طرف سے دکھ کی مار یہ بعضی خبرین ہین غیب کی کہ ہم بھیجتے ہین تیری طرف اُن کو جانتا نہ تھا تو

وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛؕ فَاصْبِرْ ۛؕ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

اور نہ تیری قوم اس سے پہلے سو تو ٹھہرا رہ البتہ آخر بھلا ہے ڈر والون کا

قِيْلَ يٰنُوْحُ ۔ کہا گیا اے نوح یعنی حق تعالیٰ نے وحی فرمائی ۔ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا ۔ اُتر کشتی سے یا جودی پہاڑ سے ہماری طرف سے سلامتی وامن کے ساتھ ۔ کما قال تعالیٰ سلام علیٰ نوح فی العالمین بعض تفاسیر مین مذکور ہے کہ غرق چونکہ تمام روئے زمین مین عام تھا تو کشتی سے اُترنے مین گویا حضرت نوحؑ کو خوف ہوگا کہ کھانے پینے کی کوئی چیز نہین ملیگی لہذا حق تعالیٰ نے سلامتی و عافیت کی بشارت دی اور فرمایا ۔ وَبَرَكٰتٍ اور برکتون کے ساتھ یعنی امن و عافیت جسمانی اور برکات انواع رزق وغیرہ سے عَلَيْكَ تجھ پر ۔ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۔ اور امتون پر تیرے ساتھ والون سے ۔ اگر کہا جائے کہ ممن معک مین من تبعیضیہ ہے پس ساتھ والون مین سے بعض اس امن و برکت مین داخل ہے جواب دیا گیا تین طرح سے ۔ اول آنکہ کشتی مین وحوش و طیور و بنی آدم سب تھے انمین سے وحوش و طیور وغیرہ اُمم کو چھوڑ کر سلام کیساتھ بنی آدم کو مکرم فرمایا ۔ اور اطلاق امت کا اقسام وحوش و طیور وغیرہ پر قرآن و حدیث مین شائع ہے پھر بنی آدم کو بلفظ اُمم تعبیر کرنا اسوجہ سے کہ وے جماعات متفرقہ تھے دوم آنکہ ممن معک سے انکی پشت کی اولاد سمیت مراد ہے اور مشہور ہے کہ جو لوگ کشتی مین ان کے ساتھ تھے انکے اولاد نہین ہے اور نوع انسانی اولاد نوحؑ مین منحصر ہوئی اسی سے اُن کو آدم دوم و آدم صغیر کہتے ہین اور وہ آدم سے ہزار برس بعد آٹھوین پشت بعد ہوئے ہین پس مراد اس سے اولاد نوحؑ کی تقسیم بجانب مومن و کافر ہے ورنہ اُن کے ساتھ والے سب مومن تھے سوم ابو السعود رح نے کہا کہ من بیانیہ ہو سکتا ہے یعنی اُن اُمم پر جو تیرے ساتھ ہین اور جماعات متفرقہ ہونے سے اُن کو بلفظ اُمم تعبیر فرمایا ۔ واضح ہو کہ مشہور یہ ہے کہ دعوت نوح عام تھی تمام روئے زمین کے لوگون کو ایمان لانے کا حکم تھا اسی واسطے کفر و اصرار سے عام طوفان آیا ولیکن مترجم نے سابق مین بعض مقام پر اشارہ کیا ہے کہ عموم دعوت کا کوئی ثبوت نہین اور بعض محققین نے اسی کو مصرح بیان کر کے صحیح قرار دیا ہے اور کلام آلہی مانند قولہ ولقد ارسلنا نوحا الیٰ قومہ ۔ شاہد ہے کہ دعوت مخصوص بقوم نوحؑ تھی لیکن قوم مذکور کو اسقدر ترقی ہوئی کہ روئے زمین کے پہاڑون و ملکون مین پھیل گئی لہذا طوفان محیط ہو گیا ۔ وعلیٰ ہذا ممکن ہے کہ بعض اقوام جن کی طرف اُنکی بعثت نہین تھی عام عذاب طوفان سے بچے ہون

معانقه ۲ عشر الم

ہنداچین و ہندوستان و فارس والے جنکو طوفان سے انکار ہے یعنی قائل ہیں کہ عموماً ہم لوگ غرق نہیں ہوئے ہاں ارض بابل وغیرہ ممالک مغرب
غرق طوفان ہوئے ہیں تو شاید ایسا ہو اور معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ قوم نوح ہیں سے نہ تھے اور قولہ تعالیٰ وجعلنا ذریتہ ہم الباقین یعنی فی تلک البلاد
التی غرقت ۔ یا آنکہ من ذلک القوم پس اس صورت میں اقوام فارس و ہندوستان و چین وغیرہ شاید اولاد نوحؑ سے نہ ہوں لیکن جمہور اہل ادیان
اسپر متفق ہیں کہ طوفان عام تھا اور قوم نوح تمام روئے زمین پر پھیلی ہوئی تھی لہذا اُنکے مقابلہ میں ان چند اقوام کا اعتبار نہیں ہو سکتا خصوص
اس صورت میں کہ یہ اقوام ان ملکوں میں بعد طوفان کے اولاد نوحؑ سے موجود ہو کر یہاں آباد ہیں پس انکو مشتبہ ہوا کہ یہاں کبھی طوفان نہیں آیا
حالانکہ ان کے بسنے سے پہلے جب طوفان آچکا تو ان کے اگلوں کی کتابوں میں کہاں سے مذکور ہوتا فتدبر واللہ تعالیٰ اعلم ۔ بالجملہ اللہ تعالیٰ
نے حضرت نوحؑ کو سلام و برکات دیں اور ان لوگوں کو جو اُن کے ساتھ میں تھے بنا بر آنکہ من بیانیہ ہو پس ساتھ والے یا تو یہی مراد ہیں جو کشتی میں
سوار تھے اور اس صورت میں کہا جائیگا کہ مشہور یہ ہے کہ اُن کے اولاد باقی نہیں رہی اور یا حضرت نوح کی پشت میں انکی اولاد سے قیامت تک کے
امم مراد ہیں اور اس صورت میں من تبعیضیہ اولیٰ ہے یعنی ان اُمتوں میں سے قلیل بعض اُمم پر برکت و سلامت فرمائی اور یہ اُمم مسلمہ ہیں پھر باقی
اُمم کافرہ کو بیان فرمایا بقولہ وَأُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ۔ اے ومنہم امم آہ او البواقی امم ۔ اور امم ہیں کہ ہم ان کو متاع دینگے جس سے وے
دنیاوی حیات پوری کریں ۔ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۔ پھر پہونچیگا ان کو ہماری طرف سے عذاب دکھ دینے والا یعنی آخرت میں بعد
موت کے ۔ اور احتمال ہے کہ یہ معنی ہوں کہ ان میں سے بعض امم ہیں کہ ہم اُن کو دنیاوی عیش و آرام دینگے پھر بسبب کفر و شرک و معاصی کے
اُن کو دنیا و آخرت میں عذاب پہونچیگا اور مصداق اسکے اقوام حضرت صالحؑ و ہودؑ وغیرہ ہیں واللہ اعلم ۔ اور یہاں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ
اگر طوفان عام نہ ہو تو حضرت نوحؑ کے ساتھ والوں پر سلامت و برکت کا حکم دیا اور انکو آگاہ فرمایا کہ بقایا دیگر امم ہیں جنکو چند روزہ معاش
دنیاوی کے بعد عذاب پہونچیگا اسلیئے کہ وے کافر اقوام ہیں مانند اہل چین و فارس وغیرہ کے ولیکن مبنیٰ اسکا ضعیف ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا
حضرت ضحاکؒ سے روایت ہے کہ قولہ علیٰ امم ممن معک آہ یعنی ممن لم یولد یعنی مراد وہ لوگ ہیں جو ہنوز پیدا نہیں ہوئے تھے پس اللہ تعالیٰ نے
انکے لیے برکات واجب فرمائیں کیونکہ علم الٰہی میں انکا جنتی ہونا مقرر تھا اور قولہ امم سنمتعہم یعنی متاع حیات دنیا کے بعد ان کو عذاب ملیگا
کیونکہ علم الٰہی میں یہ لوگ بدبخت شقی تھے ۔ محمد بن کعبؒ نے کہا کہ اس سلام و برکات میں قیامت تک کے ایمان والے مرد و عورتیں داخل ہیں جیسے
عذاب الیم میں قیامت تک کے کافر مرد و عورتیں شامل ہیں ۔ ابن زیدؒ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رضامندی کے ساتھ انکو نزول کا حکم
دیا اور انسے نسل پیدا فرمائی جنمیں سے بعض پر رحمت فرمائی اور بعض پر عذاب کیا بعض نے کہا کہ امم سنمتعہم سے اقوام ہود و صالح و لوط وغیرہ مراد
ہیں جو چند روزہ متاع کے بعد عذاب میں گرفتار ہوئے ۔ یہاں تک قصہ نوحؑ تمام ہوا پھر فرمایا ۔ تِلْكَ ۔ اے قصہ نوح ہیں مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ
ابنائے جمع نبا بمعنی خبر اے من اخبار الغیب ۔ یہ قصہ از اخبار غیب ہے ۔ نُوحِيهَا إِلَيْكَ ۔ جس کو ہم تیری جانب وحی فرماتے ہیں ۔ مَا كُنْتَ
تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ ۔ جسکو نجانتا تھا تو اور تیری قوم یعنی اہل عرب ۔ مِنْ قَبْلِ هَذَا ۔ پہلے اس وحی سے یا قرآن سے یا اسوقت
سے ۔ اسمیں تنبیہ ہے کہ یہ بڑی قوم جب اس سے غافل تھی تو اکیلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو وحی سے جانا اور کسی سے نہیں سنا ہے لہذا کفار
جو آنحضرت صلعم پر بہتان باندھتے کہ لوگوں سے یا جنوں سے قصے سنکر نظم کرتے ہیں اول تحدی و معارضہ رد فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو اسکے مثل
ایک ہی سورہ بنا لاؤ اور فرمایا کہ اخبار غیب بکثرت مذکور ہیں کوئی لاؤ پھر جب عاجز ہو کر شرارت و عناد پر آمادہ ہوئے تو انجام کار کی غیبی
خبر کے ساتھ حکم دیا بقولہ ۔ فَاصْبِرْ ۔ صبر کر اے محمد صلعم کافروں کی ایذا پر جیسے نوحؑ نے صبر کیا تھا ۔ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ ۔ بیشک نیک

انجام دنیا و آخرت مین انھین لوگون کیلئے ہی جو اللہ تعالیٰ پر تقویٰ کرتے ہین چنانچہ انجام کار حضرت نوح و مومنین کو سلامتی و برکات حاصل
ہوئین و کفار عذاب دنیا و آخرت مین دائمی گرفتار ہوئے اسمین آنحضرت صلعم کو تسلی اور خوشخبری ہی کہ انجام کو فتح و ظفر آنحضرت صلعم
کے واسطے ہو۔ ف ۔ فی العرائس قولہ تعالیٰ قیل یا نوح اہبط بسلام الخ ۔ اشارہ ہی کہ اہبط بسلام یعنی ہبوط ہو وصف سلام ہو یعنی ہماری
صفات و خلق سے متصف ہو کر کشتی حقیقت سے بسلامت نازل ہو کہ پھر اسکے بعد تیرے واسطے سوائے سلامتی کے یہ نہ ہوگا کہ سطوات عظمت
مین فنا ہو جاوے کیونکہ ہمارے وصل کی برکت سے تجھے اور تیری برکت سے تیری ساتھی قوم کو عذاب فراق سے نجات ہی پھر آنحضرت صلعم کو
کشف انبار الغیب سے تشریف فرمائی بقولہ تلک من انبار الغیب الخ کشف و انبار کے دو مرتبہ ہین ۔ اول ارواح کیلئے اشباح سے پہلے دیوان
غیب مین کشف ہی کہ نور غیب سے اسرار مکتوم کو یہ ارواح دیکھتے ہین دوم اشباح مین ارواح کے ہو جانے بعد انکشاف ہی پس اسکو دیکھنا و سننا
اس چیز کا حاصل ہوتا ہی جو اشباح مین آنے سے پہلے ارواح نے غیب مین دیکھا تھا پس مکاشفہ تجدید عہد ہی اور مشاہدہ تذکیر عہد ہی اور یہ
جو فرمایا ما کنت تعلمہا یعنی وجود روح سے پہلے نہ جانتا تھا اور رہا بعد وجود روح کے جو ہوا اور ہونے والا تھا سب تعلیم الٰہی جان لیا اور اسمین
آنحضرت صلعم کو تسلی ہی کہ اولو العزم انبیاء کی اقتدا مین اہل شقاوت سے ایذا پر برداشت کرین کما قال تعالیٰ فاصبر ان العاقبۃ الخ
یعنی تقویٰ کے میدان مین جو لطائف بلا و حقائق وجود عظمت و کبریا کا ظہور ہو اسکی برداشت مین صابر رہو اور ہمت بلند رکھو اور
کسی غیر کی طرف نظر و التفات مت کرو کیونکہ جنھون نے میرے سوائے سب سے انقطاع کیا انجام کار انکو میرا وصال و دیدار جمال ہی ۔ شیخ
جنید رحمہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی و رسول کیواسطے ایک طرف غیب کو کشف فرمایا اور ہمارے پیغمبر حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم
کیلئے انبار الغیب کو کشف فرمایا اور یہ انتہا کشف ہی چنانچہ آنحضرت صلعم پر غیب سے وہ امور مکشوف تھے کہ مخلوق مین سے کسی پر کشف
ہونا روا نہین ہی اور یہ اسوجہ سے کہ آپ کو امانت عظمیٰ بدرجہ کمال حاصل تھی کیونکہ اسرار کا انکشاف انھین لوگون کو ہوتا ہی جو امین
ہین پس جتنا زیادہ امین ہو اتنا زیادہ کشف پاویگا نصرآبادی رحمہ نے کہا کہ عاقبت کی نجات اسکو ملیگی جو ازل مین زیور تقویٰ سے آراستہ
ہوا ہی پھر حق تعالیٰ عز وجل نے اپنے رسول ہود علیہ السلام کا اور انکی قوم کی ضلالت و عذاب کا حال بیان فرمایا ۔ بقولہ تعالیٰ

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ

اور عاد کی طرف ہم نے بھیجا انکا بھائی ہود بولا اے قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی تمہارا حاکم نہین سوائے اسکے تم سب

اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ○ یٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیْ فَطَرَنِیْ ؕ

جھوٹ کہتے ہو اے قوم مین تم سے نہین مانگتا اسپر مزدوری میری مزدوری اسی پر ہے جسنے مجھکو پیدا کیا

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ وَیٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا

پھر کیا تم نہین بوجھتے اور اے قوم گناہ بخشواؤ اپنے رب سے پھر رجوع لاؤ اسکی طرف چھوڑدے تم پر آسمان کی دھار یتا

وَّیَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰی قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِیْنَ ○

اور زیادہ دے تمکو زور پر زور اور نہ پھرے جاؤ گناہگار ہو کر

یہ قصہ شرارت قوم عاد و اسکی ہلاکت کا ہی اور عاد نام ایک شخص کا ہی اسکے نام سے اس قبیلہ کا نام ہو گیا جیسے تمیم و بکر وغیرہ قبائل
عرب کا نام ہی اور کہتے ہین کہ عاد کا نام دو قوم کا ہی اول یہی عاد جو اولاد سام بن نوح سے بت پرست تھے جنکی طرف ہود علیہ السلام مبعوث

ہوئے اور نہایت قوی ہیبت ڈیل ڈول کے مغرور تھے اور دوم عاد جنہیں شداد مطرود اور لقمان مقبول وغیرہ تھے جنہیں صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے پھر نوح علیہ السلام اور ہود علیہ السلام کے درمیان آٹھ سو برس کا فرق تھا اور ہود چار سو چونسٹھ برس زندہ رہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔ وَاِلٰی عَادٍ - وارسلنا الی قوم عاد - اَخَاهُمْ ای فی النسب لا فی الدین هُوْدًا ۔ اور بھیجا ہم نے قوم عاد کی طرف اُنکے بھائی کو یعنی اُنکے نسبی بھائی کو نہ دینی بھائی کو اور وہ ہود علیہ السلام ہیں۔ قَالَ یٰقَوْمِ ہود نے کہا کہ اے میری قوم۔ اعْبُدُوا اللّٰهَ - بندگی کرو اللہ تعالیٰ کی یعنی اللہ تعالیٰ کو وحدہ لا شریک مانکر اسی کی عبادت کرو اور بت وغیرہ سے شرک مت کرو۔ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۔ نہیں تمہارا کوئی معبود سوائے اسکے یعنی درحقیقت سوائے اللہ تعالیٰ کے تمہارا کوئی معبود نہیں ہے مگر تم نے اپنے گمان پر بتوں وغیرہ کو شرکا و معبودات بنا لیے ہیں۔ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۔ نہیں ہو تم مگر افترا کرنیوالے یعنی شریک و معبودات بنانے میں اور اس کہنے میں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہمارے سفارشی و مستحق عبادت ہیں تم اللہ تعالیٰ پر افترا و بہتان دروغ باندھتے ہو۔ بالجملہ میں نے جو وحی سے تم کو نصیحت کی وہی حق و تمہارے واسطے بہتر ہے۔ یٰقَوْمِ لَاۤ اَسْئَلُكُمْ اے قوم میں تم سے نہیں مانگتا عَلَیْهِ اس تبلیغ و نصح خالص پر اَجْرًا ۔ کچھ اجرت۔ بلکہ محض خلوص سے اللہ تعالیٰ کیواسطے تم کو سمجھاتا اور راہ راست بتلاتا ہوں تو ایسی بے غرض نصیحت ضرور سچ و صحیح و ضرور ماننے کیلئے لائق ہے۔ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیْ فَطَرَنِیْ ۔ نہیں میری مزدوری و اجرت مگر اسی رب پر جس نے مجھے پیدا کیا یعنی جس نے فضل سے مجھے پیدا کیا اُسی سے مجھے ثواب کی اُمید ہے اور تم لوگوں سے میں کچھ نہیں چاہتا ہوں اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۔ بھلا تم کو سمجھ نہیں ہے اگر سمجھو تو صاف نصیحت نیک ہے کیونکہ اچھی بات جو کوئی سمجھاتا ہے اور کسی طرح کی طمع نہیں رکھتا وہ کیوں جھوٹ بات کہیگا تو عقل والے کو صاف ظاہر ہو گیا کہ یہ شخص بیشک رسول صادق ہے نہ مکار کاذب۔ پھر قوم کے دلوں پر جو تاریکی چھائی تھی جسنے انکی عقل ہٹائی اسکو دور کرنے کیواسطے توبہ و استغفار کی طرف ارشاد کیا بقولہ تعالیٰ وَیٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ ۔ اے قوم تم مانگو مغفرت اپنے پروردگار سے پھر اُسکی طرف رجوع لاؤ یعنی اگلے گناہوں اور اُنکی سیاہی دور ہونے کی درخواست کرو اسطرح کہ تم کو طاعات الٰہی کی توفیق دیدی جاوے پھر اسکی طرف صفائی دل سے رجوع لاؤ۔ چونکہ اُنکو متاع دنیا کی طرف رغبت زیادہ تھی اور طاعات سے یہاں بھی بھلائی ملتی ہے تو ترغیب دلائی کہ تمہاری اس اطاعت و طاعات کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا ۔ یہ جواب امر ہے یعنی یہ کہ تم اپنے رب سے استغفار و توبہ کرو تو وہ ارسال فرمائیگا تم پر سما یعنی سحاب کو مدرار یعنی کثرت سے درر والا یعنی پے درپے کثرت سے برسنے والا پانی تم پر برسا دیگا۔ واضح ہو کہ قوم ہود کھیتی و باغوں کی کثرت تھی اور یمن و شام کے درمیان بستی تھی ضحاک نے کہا کہ تین برس مینہ نہیں برسا جس سے قحط ہو گیا پس ہود نے انکو استغفار و توبہ کی نصیحت کی یعنی ایمان و طاعت کی مگر وے اور زیادہ سرکش ہوئے اگر کہا جاوے کہ سما مؤنث ہے تو مدرارة بتانیث چاہیے جواب یہ کہ مدرار صیغہ مبالغہ ہے جسمیں تذکیر و تانیث یکساں ہے بدون تا کے یا سما سے مراد سحاب و مطر ہے جو مذکر ہے۔ وَّیَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰی قُوَّتِكُمْ ۔ اور بڑھا دیگا تمہاری قوت پر قوت۔ یہ لوگ بڑے قوی تھے تو زیادہ قوت کا وعدہ دیا۔ یا مراد یہ کہ فراخی پر فراخی یا عزت پر عزت بڑھائے گا عکرمہ سے روایت ہے کہ مراد اولاد پر اولاد ہے کہ تیس برس سے اُنکی عورتیں بانجھ ہو گئی تھیں اُنکے اولاد نہیں ہوتی تھی۔ بالجملہ اُنکو اپنے پروردگار کی بندگی و طاعت پر دین و دنیا کی بہتری کا وعدہ فرمایا اور گنہگاری سے منع فرمایا بقولہ تعالیٰ ۔ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِیْنَ ۔ اور منہ مت موڑو اس حال میں کہ تم مجرم ہو یعنی کفر پر اڑے ہوئے رہکر میری نصیحت سے منہ موڑ و ایسا مت کرو۔ فی العرائس فی اشارات قولہ ویقوم استغفروا ربکم الآیۃ یعنی استغفار کرو اپنے پروردگار کو چھوڑ کر غیر کی طرف نظر رکھنے سے اور رجوع ہو اسکی طرف اپنے نفوس کو چھوڑ کر اور اپنی

طاعت پر نظر کرنے سے تو باران قدم سے انوار تجلیات تمہارے دلوں پر برسینگی اور تمہاری ارواح کو بستان قدس و ریاض انس میں طیران کی قوت حاصل ہوگی اور یہ قوت اسطرح ہوتی ہے کہ روح کو بحر سرمدیت و ازلیت سے اور مشاہدہ ذات و صفات پاک سے زلال دوام بقا حاصل ہو کر لیاقت و قوت مشاہدہ حاصل ہو جاتی ہے حاصل آنکہ نفس جبتک فانی ہو کر باقی بقاء حق عزوجل نہو جاوے تب تک بے قوت و مردہ ہے۔ قوم نے نہایت غباوت و جہالت سے جواب دیا کما قال تعالیٰ۔

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝

بولے اے ہود تو ہم پاس کچھ سند سے نہیں آیا اور ہم نہیں چھوڑنیوالے اپنے ٹھاکروں کو تیرے کہے سے اور ہم نہیں تجکو ماننے والے

إِنْ نَّقُوْلُ إِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ إِنِّيْٓ أُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا

ہم تو یہی کہتے ہیں کہ تجکو جھپٹ لیا ہے کسی ہمارے ٹھاکروں نے بُری طرح بولا میں گواہ کرتا ہوں اللہ کو اور تم گواہ رہو

أَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝ إِنِّيْ تَوَكَّلْتُ

کہ میں بیزار ہوں اُنسے جنکو شریک کرتے ہو اسکے سوائے سو بدی کرو میرے حق میں سب مل کر پھر مجکو فرصت نہ دو میں نے بھروسہ کیا

عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ إِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ إِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

اللہ پر جو رب ہے میرا اور تمہارا کوئی نہیں پاؤں دھرنیوالا مگر اُسکے ہاتھ میں ہے چوٹی اُس کی بیشک میرا رب ہے سیدھی راہ پر

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَّآ أُرْسِلْتُ بِهٖٓ إِلَيْكُمْ ؕ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ

پھر اگر تم پھر جاؤگے تو میں پہونچا چکا جو میرے ہاتھ بھیجا تھا تم کو اور قائم مقام تمہارے کریگا میرا رب کوئی اور لوگ

وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْئًا ؕ إِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ۝

اور نہ بگاڑ سکوگے اُسکا کچھ تحقیق میرا رب ہی ہر چیز پر نگہبان

قَالُوْا - کافروں نے عناد و بدبختی سے کہا کہ یٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ - اے ہود تو نہیں آیا ہمارے پاس کوئی روشن دلیل اپنے ساتھ لئے ہوئے یا تو نہیں لایا کوئی کھلی حجت ہمارے پاس یعنی اس امر کی واضح دلیل نہیں لایا کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک ہے اُسی کی عبادت فرض اور بتوں وغیرہ کا ترک فرض ہے۔ تمام معجزات سے منہ موڑ لیا اور خالی حضرت ہودؑ کا زبانی دعوی قرار دیا۔ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا اور ہم نہیں ہیں ترک کرنیوالے اپنے آلہہ معبودوں بتوں کو عَنْ قَوْلِكَ تیری بات کے سبب سے یا تیری بات سے وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ - اور ہم نہیں ہیں ایمان لانیوالے تجھ پر یعنی تیری تصدیق کبھی نہیں کرینگے اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ یقال عراہ الامر واعتراہ اذا الم بہ اصابہ - ہم کچھ اور نہیں کہتے مگر یہی کہ پہونچایا تجکو بَعْضُ اٰلِهَتِنَا - ہمارے بعض معبودوں نے - بِسُوْٓءٍ بُرائی یعنی جنون کو یعنی ہم کو یہی یقین ہے کہ تو نے جو ہمارے آلہہ کو بُرا کہا تو ان میں سے کسی نے تجکو مجنون کر دیا ہے جس سے تو خلاف عقل باتیں کرتا ہے جو ہمارے نزدیک بغیر حجت ہیں فی الحقیقت ہو کہ اللہ عزوجل جب کسی کو مطرود فرماتا ہے تو وہ اپنی رائے و گمان کو جو ایک دائرہ میں محیط ہے ایسا دندھا دیتا ہے کہ تمام حکمت آلہیہ کو محیط ہو جاوے اور یہی مکر قدم ہے حالانکہ قوم ہود کے احمق تو بالکل عقل کے دشمن تھے جو بتوں کو مجنون کرنیوالا اور نفع و ضرر دینے والا خیال کرتے تھے لہذا حضرت ہودؑ نے جواب ایسا دیا کہ مجکو سوائے حق تعالیٰ کے کسی پر بھروسہ نہیں کیونکہ وہی نفع و ضرر دینے والا ہے لہذا تم لقین کے طور پر میرے ضرر کی فکر کرو چنانچہ کما بقولہ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ فرمایا کہ میں اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کو گواہ کرتا ہوں وَاشْهَدُوْٓا اور تم بھی گواہ رہو کہ اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۔ بیشک میں بری ہوں اُس چیز سے جو تم

شرک کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے ساتھ سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ اگر مما مین ما مصدر یہ ہے تو یہ معنی کہ تمہارے شرک کرنے سے اللہ تعالیٰ کیساتھ غیرکو۔ فَكِيدُونِي جَمِيعًا سو تم مکر و فریب کر و میرے ساتھ میرے قتل کرنے و برائی پہونچانے پر تم و تمہارے آلہ سبکے سب۔ ثُمَّ لَا تُنظِرُونِ۔ پھر تم مجھے کچھ مہلت مت دو بلکہ فوراً کرگذرو جو تمہارے خیال مین آئے یہ صاف معجزہ ہے کہ تم کو یا تمہارے آلہ کو کچھ قدرت نہین ہے۔ إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ۔ مین نے بھروسہ کیا اللہ تعالیٰ قادر قاہر ذوالجلال پر جو میرا رب و تمہارا رب ہے۔ اسی کے بھروسے پر مین نے یہ دعویٰ کیا ہے ورنہ مجھ مین بھی کوئی قدرت نہین ہے کیونکہ اسنے فرمایا ہے کہ من یتوکل علی اللہ فهو حسبہ۔ اسلئے کہ ہر چیز اسی کے قبضۂ قدرت مین ہے لہذا فرمایا مَا مِنْ دَآبَّةٍ من زائدہ بغرض استغراق نفی۔ نہین کوئی دابہ۔ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا مگر وہی رب قاہر پکڑے ہے انکی پیشانی کو یعنی ہر دابہ کی پیشانی اسکے قبضۂ قدرت مین ذلیل ہے کسی کو طاقت نہین کہ اسکے حکم سے سرتابی کرسکے پھر تمہارے یا تمہارے معبودون یا تمام عالم کی کیا طاقت ہے کہ اسکے بندۂ مطیع کو بدون اسکی مشیت کے ستاوین۔ إِنَّ رَبِّي عَلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ۔ بیشک میرا رب صراط مستقیم پر ہے یعنی حق عادل ہے جو چیز جسطرح پیدا فرمائی ہے بعدل و انصاف ہے اور اس چیز سے جو صادر ہوگا جسکے لئے اسکو پیدا کیا اسیواسطے تم ایمان سے انکار کرتے ہو اور صاف کہتے ہو کہ ہم کبھی ایمان نہین لاوینگے۔ فَإِن تَوَلَّوْا۔ پس اگر تم اعراض کرو یعنی ایمان سے منھ موڑے پڑے رہو اور کبھی نہ مانوگے تو مجھے تمہارے ایسے رہنے پر اپنے حق مین کچھ ڈر نہین۔ فَقَدْ أَبْلَغْتُكُم مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ۔ کیونکہ بیشک مین نے تم کو پہونچا دیا وہ پیغام آلٰہی جسکے ساتھ مین تمہارے پاس بھیجا گیا تھا اور یہی مجھ پر واجب تھا اب تم نے جو اصرار کیا ہے تو حجت آلٰہیہ تمام ہونیکے بعد گویا لہذا عذاب سے مٹائے جاؤگے۔ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ۔ اور میرا رب لاویگا بجائے تمہارے کسی دوسری قوم کو جو تمہارے دیار و اموال کے مالک ہونگے اور خبردار رہو کہ تم کچھ نہین کرسکتے ہو۔ وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا۔ اور تم اسکا کچھ نہین بگاڑوگے بلکہ اپنی دنیا و آخرت خراب کرکے دائمی عذاب اٹھاؤگے اور اگر عذاب آیا تو بیشک تم اسی لائق ہو۔ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ۔ میرا رب ہر چیز پر حفیظ ہے۔ وہی رقیب و مہیمن ہے ہر چیز اسکے حفظ و علم مین ہے جو جس لائق ہے اسکو وہی پہونچاتا ہے۔ ف۔ فی العرائس قولہ قال انی اشہد اللہ واشہدوا الخ مین جلال ازل مین ڈوبا ہوا ہون وہی میرا مشہود و معبود ہے پس مین اسکے سوائے ہر ایسی چیز سے بری ہون جو اسکے سوائے بتلاتے ہو اور اپنی قوت و طاقت سے بھی اور تمہاری طرف نظر کرنے سے بھی بری ہون تم اسکی بادشاہت مین ایک ذرہ قدرت نہین رکھتے ہو اور اگر تم کو کچھ دعوی ہے تو ہر حیلہ سے مجھ پر اپنا مکر پھیلاؤ دیکھو کہ کچھ بھی کرسکتے ہو اور مجھے تو اپنی نبوت و رسالت مین اپنے رب پر وثوق ہے کہ مین اسکی طرف سے معجزات پر ہون اور وہ پاک تعالیٰ ہر بندۂ صادق کیلئے اپنا فضل فرماتا ہے اسیواسطے کہا۔ انی توکلت علی اللہ ربی و ربکم۔ میری پرورش انوار مشاہدہ و لطائف وصل سے فرماتا ہے اور تمہاری پرورش تمہارے ایجاد کرنے و ظاہری غذاؤن سے فرماتا ہے۔ پھر وصف کیا کہ میرا رب ذوالجلال قادر ہر ذرہ پر محیط ہے بقولہ مامن دابۃ الا ہو آخذ بناصیتہا۔ ید القدم سے ہر مخلوق کا ناصیہ پکڑ کر اسکو جبروت کیساتھ عدم سے وجود مین لایا اور پھر قدرت قہاری سے ہر چیز کو وجود سے عدم مین لیجاتا ہے اور ہر چیز کو اسکی لیاقت کے موافق غذا از ظاہری سے یا تجلی افعال و آیات و صفات و ذات سے غذا دیتا ہے پس ارواح کو غذا تجلی ذات اور قلوب کو مشاہدہ صفات اور عقول کو مشاہدۂ انوار افعال و آیات ہے اور نفوس کو عنصریات غلیظ سے غذا ہے۔ ان ربی علی صراط مستقیم یعنی راہ ربوبیت پر ہے جسکی مبادی صحارای ازل و ابد ہین اور مجھے آسان طریقہ پر جو کہ طریقۂ علم ذات و صفات ہے اور وہی طریق مستقیم ہے روان کرتا ہے کیونکہ مجھ احوال مین قلوب دلیا پر تجلی فرماتا ہے اور وے اسی راہ سے چلتے ہین۔ علی صراط مستقیم وہی بادی الی المستقیم

ہے کیونکہ حوادث وکائنات کی کجی وتغیر سے پاک ہے۔ واسطی رح نے قولہ فکیدونی جمیعا مین کہا کہ ہود علیہ السلام پر اسوقت مین صولت قربت غالب تھی اور بہت خوب مقام ہے کیونکہ وہ محل حضور ومجلس قرب ہے۔ اسیواسطے بالکل بس مشاہدۂ وحدت مین کسی غیر کی پروا نہ فرمائی اور قصہ لوط علیہ السلام مین ہے لو ان لی بکم قوۃ او آوی الی رکن شدید۔ یہ نطق لوط علیہ السلام نطق طبعی تھا انھون نے اسوقت مین اپنا حال ووقت وان سے اشتغال کیا قال المترجم حدیث مین آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے رحم اللہ لوطا الحدیث فلیتامل بعض مشائخ نے کہا کہ جو بندہ قبضۂ حق وسرادق عزت وہیبت مین ہوا اسکو کسکی طاقت ہے کہ ایذا پہونچا سکے بلکہ ایذا اسی کو پہونچتا ہے جو مخالفت کے راستہ پر چلتا ہے بعض مشائخ نے کہا کہ قولہ ما من دابۃ بھلا تجکو کیا قوت وقدرت ہوسکتی ہے جبکہ تیری ہستی وبقا ر قبضۂ قدرت حضرت ذوالجلال مین ہے بعض کا قول ہے کہ جسنے انا کہا یعنی مین ہون تو اُسنے قبضۂ قدرت حق سے منازعت کی۔ بالجملہ جب ہود علیہ السلام سے کافرون نے اصرار سے انکار کیا تو انھون نے جان لیا کہ یہ سب ہلاک ہون گے چنانچہ ان کے جواب مین اشارہ کیا اور وہی واقع ہوا بقولہ تعالیٰ۔

وَلَمَّا جَاۤءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ

اور جب پہونچا ہمارا حکم بچا دیا ہم نے ہود کو اور جو یقین لائے تھے اُسکے ساتھ اپنی مہر سے اور بچا دیا اُن کو

عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۞ وَتِلْكَ عَادٌ ۟ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ

ایک گاڑھی مار سے اور یہ تھے عاد منکر ہوے اپنے رب کی باتون سے اور نہ مانے اُس کے رسول

وَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۞ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ

اور مانا حکم اُسکا جو سرکش تھے مخالف اور پیچھے پائی اُس دنیا مین پھٹکار اور

الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ۞

قیامت کے دن سُن لو عاد منکر ہوئے اپنے رب سے سُن لو پھٹکار ہے عاد کو جو قوم تھی ہود کی

وَلَمَّا جَاۤءَ اور جب آیا اَمْرُنَا حکم ہمارا قوم ہود کے ہلاک ہونے کا یا ہمارا امر یعنی دنیاوی عذاب جو متصل بعذاب آخرت ہے اور وہ ہوا سے تندسے قوم ہود کا ہلاک ہوکر دار البوار مین پڑنا نَجَّيْنَا هُوْدًا نجات دی ہم نے ہود علیہ السلام کو وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ اور ان لوگون کو جو اُسکے ساتھ مین ایمان لائے اور وے چار ہزار تھے بِرَحْمَةٍ مِّنَّا۔ اے برحمۃ عظیمۃ کائنۃ منا۔ اپنی طرف سے بڑی رحمت کیساتھ کیونکہ عذاب نازل ہونے پر وہی بچتا ہے جسپر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو بعض نے کہا کہ وہ ایمان تھا جو ان لوگون کو توفیق سے عطا ہوا تھا اور اشارہ ہے کہ نجات محض رحمت اٰلہی پر دی ہے کسی کو اپنے افعال پر کیسے ہی نیک ہون کچھ بھی گھمنڈ نہین کرنا چاہئے وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ۔ اور نجات دی ہم نے انکو عذاب سخت شدید سے اور وہ عذاب آخرت ہے یہان مختصر قصہ ہود تمام ہوا اور پہلے تفصیل سے گذر چکا ہے پھر قوم عاد سے عبرت کو بیان فرمایا بقولہ وَتِلْكَ عَادٌ۔ اسم اشارہ مؤنث اس اعتبار سے کہ عاد قبیلہ ہے چنانچہ کسائی نے کہا کہ بعضے عرب لفظ عاد کو قبیلہ کا نام کر کے غیر منصرف رکھتے ہین مراد اس سے قوم عاد کے آثار وقبور وشہر ہین جہان قریش وعرب کا گذر ہوتا تھا تو عبرت حاصل کر لینے کو فرمایا کہ یہی عاد ہین جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ جنھون نے انکار کیا اپنے رب کی نشانیون وآیات سے یعنی ایسی واضح آیات کا انکار کرنا گویا جان بوجھکر انکار وجحد ہے بعض نے کہا کہ آیات معجزات ہین وَعَصَوْا رُسُلَهٗ اور نافرمانی کی اُسکے رسولون کی یعنی اکیلے ہود علیہ السلام سے انکار گویا تمام رسولون سے انکار ہے کیونکہ رسول باہم رسالت مین یکسان ہین اور

عہد ازل میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی اتباع کرنے کا عہد لیا تھا یا بجملہ رسل جمع فرمایا حالانکہ سوائے ہودؑ کے دوسرا رسول اسوقت نہ تھا تو اسکی دو تاویلیں ہیں ایک یہ کہ ہود سے انکار گویا سب رسولوں سے انکار ہے دوسرے یہ کہ ہود کیلئے ضمیر جمع بطریق تعظیم ہے بعض نے کہا کہ ہود اور اُن سے پہلے سب رسولوں سے انکار کیا اور بعض نے کہا کہ اس حالت پر تھے کہ اگر اُن کے پاس متعدد رسل بھیجے جاتے تو سب انکار کرتے لہذا رسولوں سے منکر ہوئے وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ - جبار تکبر کرنیوالا اور عنید سرکش جو حق بات نہ ماننے اور ظلم کرے قتادہؒ نے کہا کہ عنید مشرک ظاہرا مشرک بدرجۂ اولیٰ عنید میں شامل ہے یا یہاں کی مراد بیان فرمائی ہے یعنی پیروی کی عوام قوم عاد نے ہر متکبر مشرک کے حکم کی یعنی ان میں کے رذیلوں نے اپنے مالداروں و ثروت و قوت والوں کی پیروی کی - وَاُتْبِعُوْا اور پیچھے لگا دیئے گئے قوم عاد کے رذیل و مالدار سبکے سب - فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً اس دنیا میں لعنت وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ اور قیامت کے روز یعنی اس دنیا میں اور آخرت میں ان پر لعنت یعنی رحمت سے دوری لاحق ہوئی اور مراد یہ کہ دنیا و آخرت میں لعنت اُنسے کبھی جدا نہو گی - سدیؒ نے کہا کہ عاد کے بعد جو نبی مبعوث ہوا اُس نے اس قوم پر لعنت فرمائی - قتادہؒ نے کہا کہ لعنت دنیا اور لعنت آخرت سے ان پر پے در پے لعنت ہوئی - اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ - خبردار ہو کہ عاد نے ناشکری کی اپنے پروردگار کی - اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ - خبردار ہو کہ رحمت سے دوری یا ہلاکت ہے عاد کیلئے جو ہود علیہ السلام کی قوم تھی دو مرتبہ تکرار میں مبالغہ و تاکید ہے

پھر عاد دوم کا حال فرمایا - بقولہ تعالےٰ -

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ هُوَ اَنْشَاَكُمْ

اور ثمود کی طرف بھیجا اُنکا بھائی صالح بولا اے قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی حاکم نہیں تمہارا اسکے سوائے اُسی نے بنایا تم کو

مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ

زمین سے اور بسایا تم کو اُسمیں سو بخشواؤ اُس سے اور اُسکی طرف آؤ تحقیق میرا رب نزدیک ہے

مُّجِيْبٌ ۝ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ

قبول کرنیوالا بولے اے صالح تجھ پر ہم کو امید تھی اس سے پہلے تو ہمکو منع کرتا ہے کہ پوجیں جن کو پوجتے رہے

اٰبَاۗؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝

ہمارے باپ دادے اور ہم کو تو شبہ ہے اُسمیں جس طرف تو بلاتا ہے ایسا کہ دل نہیں ٹھہرتا

عاد ثانیہ یہی قوم صالح ہے جسکا نام ثمود ہے اور حجر میں جو شام و مدینہ منورہ کے درمیان ہے رہا کرتے تھے کما قال الشیخ المحلی فی سورۃ النجم اور قراء نے ثمود کی قراۃ میں اختلاف کیا پس بعض مقام پر ثمود کو قبیلہ کا نام قرار دیکر غیر منصرف اور بعض مقام پر گروہ و قوم کے معنی پر منصرف پڑھا - پھر حضرت ہود اور حضرت صالح کے درمیان سو برس کا زمانہ گذرا تھا اور صالحؑ دو سو اسی برس زندہ رہے اور اُنکی قوم بھی عذاب سے ہلاک ہوئی چنانچہ یہاں سے زیادہ تفصیل اسکی سورۂ اعراف میں گذری ہے بیان فرمایا - وَاِلٰى ثَمُوْدَ اور بھیجا ہم نے ثمود کی طرف اَخَاهُمْ اُنکے بھائی کو جو نسبتی رشتہ سے اُنکا بھائی تھا اور وہ صٰلِحًا صالح علیہ السلام تھے - قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ - کہا کہ اے قوم توحید کرو اللہ تعالیٰ کی اسکے سوائے تمہارا کوئی الٰہ نہیں ہے کیونکہ اسکے سوائے کوئی تمہارا خالق و مالک و منعم و سب کمال و قدرت والا نہیں ہے - هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ - اُسی نے تم کو پیدا کیا زمین سے کیونکہ آدم علیہ السلام کا جسم

زمین سے بنایا پھر آدم سے سب آدمی پیدا ہوئے۔ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا اے اعمرکم فی الارض اور کر دیا تم کو اس زمین کے آباد کرنے اور بسنے والے۔ ضحاک نے کہا کہ تم کو دراز عمر دی زمین میں چنانچہ تین سو برس سے ہزار تک جیتے تھے بعض نے کہا کہ استعمرکم یعنی تم کو زمین میں عمارتیں بنانے و درخت لگانے سے عمارت کا حکم دیا۔ حاصل آنکہ تم کو پیدا کرنے و نعمتیں دینے والا وہی ہے فَاسْتَغْفِرُوهُ سو تم اس سے مغفرت مانگو کیونکہ جہالت سے تم نے خالق کو چھوڑ کر بتوں وغیرہ کی عبادت کی اور یہ جائز نہ تھا لہٰذا اس سے درخواست کرو کہ اے رب ہمارے جو کچھ ہم نے جہالت کی کہ غیر کو پوجا اسکو تو اپنے کرم سے معاف کر دے تاکہ تم پاک ہو جاؤ۔ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ۔ پھر تم اسکی طرف رجوع لاؤ تاکہ تم کو کمالات انسانی و نعمت دنیا و آخرت کی پاکیزہ زندگانی ملے۔ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُجِيبٌ۔ بیشک میرا رب قریب مجیب ہے یعنی استغفار و توبہ و دعا کا قبول کرنیوالا اور جلد قبول کرنیوالا ہے یا علم اسکا قریب محیط ہے سب کی دعا سنتا ہے اور بڑا قبول کرنیوالا ہے۔ قَالُوا يَا صَالِحُ۔ قوم والے بولے کہ اے صالح قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا۔ تو تھا ہم میں اُمید لگایا گیا یعنی ہم تیری نیکی و سچائی و خوبی دیکھکر اُمید لگائے تھے کہ دنیا حاصل کرنے اور بتوں کی پجاری بنانے میں تجھ سے قوت و مدد پاویں گے یعنی دنیا حاصل ہونے میں ہم کو تجھ سے مدد کی اُمید تھی کیونکہ صالح علیہ السلام اسی قوم میں سے ضعیفوں کی خبر گیری کرنیوالے و فقیروں کی حاجتیں ادا کرنیوالے تھے لہٰذا ان لوگوں نے کہا کہ تو ہم میں اُمید کیا گیا تھا۔ قَبْلَ هَٰذَا اس سے پہلے یعنی نبوت کا دعوی کرنے اور فقط ایک اللہ تعالی وحدہ لاشریک کی عبادت کا حکم کرنے سے پہلے ہم کو تجھ سے بھلائی قوم کی اُمید تھی جب حضرت صالحؑ نے ان کے بتوں کی مذمت فرمائی تاکہ سمجھکر بت پرستی چھوڑیں تو انھوں نے نہ مانا اور ان سے اُمید توڑ لی اور تعلیم توحید و بتوں کے ترک سے انکار کیا بقولہ۔ أَتَنْهَانَا أَنْ نَعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا۔ بھلا تو ہم کو منع کرتا ہے اس بات سے کہ ہم وہی پوجیں جو ہمارے باپ دادے پوجتے تھے یعنی جو کچھ وے کرتے آئے انھیں کی تقلید کرنے میں ہمارا اطمینان ہے۔ وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ۔ اور ہم تو بڑے شک میں پڑے اس چیز سے جسکی طرف تو ہم کو بلاتا ہے مریب از ارابہ یعنی ایسا کام کرنا جو ریب کو پیدا کر دے یعنی جس سے اطمینان نہیں بلکہ اضطراب ہو۔ کفار ثمود کو حضرت صالح کا توحید سکھلانا ایسا کام معلوم ہوتا تھا جو ان کو شک میں ڈالے باوجودیکہ توحید کھلی ظاہر ہے اور شک بھی ایسا کہ جو مریب ہو یعنی اضطراب و بے اطمینانی میں ڈالنے والا ہو اور باپ دادے کی تقلید پر بت پرستی کرنے میں بڑا اطمینان تھا حالانکہ شرک بہت ظاہر بدی ہے یہی حال تمام دنیا چاہنے والوں کا ہے جنکو ہدایت نصیب نہیں ہوئی اگرچہ اپنے نزدیک وے لوگ بڑے عقیل بنیں پھر حضرت صالح کا جواب فرمایا۔

قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي وَآتَانِي مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَنْصُرُنِي مِنَ اللَّهِ

بولا اے قوم بھلا دیکھو تو اگر مجھ کو سوجھ مل گئی اپنے رب سے اور اُسنے مجھکو دی مہر اپنی طرف سے پھر کون میری مدد کرے اللہ کے سامنے

إِنْ عَصَيْتُهُ فَمَا تَزِيدُونَنِي غَيْرَ تَخْسِيرٍ

اگر اسکی بیحکمی کروں سو تم کچھ نہیں بڑھاتے میرا سوائے نقصان کے

قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ۔ ابن عطیہؒ نے فرمایا کہ رویت سے یہاں رویت قلبی مراد ہے جو متعدی بدو مفعول بمعنی ہے مانند رأیت زیداً فاضلاً یعنی میں نے زید کو فاضل دیکھا پس یہاں آگے جملہ شرط و جزا بجائے اسکے دو مفعول کے ہے۔ شیخ وغیرہ نے فرمایا کہ ارأیتم بمعنی اخبرونی ہے یعنی متضمن معنی اخبار ہے ورنہ جملہ شرطیہ قائم مقام دو مفعول نہیں ہوتا ہے۔ الغرض حضرت صالح نے کہا کہ اے قوم مجھے آگاہ کرو کہ إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي۔ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے بینہ پر ہوں یعنی روشن واضح حجت لایا ہوں۔ وَآتَانِي مِنْهُ رَحْمَةً۔

اور اُسنے دی ہو مجھے اپنی طرف سے رحمت یعنی نبوت۔ کافرون کے شک دور کرنے کا جواب دیا کہ تمھین ایسی صورت مین بھی شک ہوگا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزات و نبوت حاصل ہو اگر کہا جاوے کہ حرف ان کنت مستعمل بمقام شک ہوتا ہی تو جواب یہ ہو کہ بیشک حضرت صالح کو یہ باتین بالیقین حاصل تھین مگر بحرف شک بیان کرنا دو وجہ سے ہی یا تو کافرون کی رسی ڈھیلی کرنے کے طور پر تھا کما قال الخفاجی اور یا اسلیئے کہ قوم کی حالت پر اعتبار کیا کیونکہ اُنھون نے اپنا شک صاف بیان کر دیا تھا۔ فَمَنْ يَنْصُرُنِي مِنَ اللّٰهِ پھر کون مدد کرکے بچاویگا مجھے اللہ تعالیٰ سے یعنی عذاب الٰہی سے مجھے کوئی بچانے والا نہین۔ إِنْ عَصَيْتُهُ۔ اگر مین اسکی نافرمانی کرون یعنی اسطرح کہ مثلاً اُسکا پیغام اسکی مخلوق کو نہ پہونچاؤن اور تمھارا ساتھ دون ینصرنی مستعمل اپنے معنی کے لازم مین یعنی منع کے معنی مین مستعمل ہوا لہذا حرف من سے متعدی ہوا۔ ان عصیتہ۔ اگر مین نے اسکی نافرمانی کی یعنی اللہ تعالیٰ عز و جل کا پیغام توحید تم کو پہونچانے اور اشراک سے تمکو منع کرنے ہین۔ الحاصل اگر تم کو توحید پہونچانے اور اشراک سے منع کرنے کا کام جسکے واسطے مین بھیجا گیا ہون نہ کرون تو مجھے عذاب الٰہی سے کون بچاویگا۔ فَمَا تَزِيدُونَنِي۔ سو تم مجھے کچھ نہین بڑھاتے ہو اپنے قول سے غَيْرَ تَخْسِيرٍ۔ سوائے تخسیر کے یعنی نافرمانی سکھلاتے ہو جس سے اللہ تعالیٰ کی نعمت قبولیت جو مجھکو حاصل ہو وہ جاتی رہے اور مین سخت خسارہ اُٹھاؤن۔ فی السراج اور شیخ حسن بن الفضل نے کہا کہ حضرت صالح علیہ السلام کچھ بھی خسارہ مین نہ تھے جو یہ معنی ٹھیک ہون کہ خسارہ کے سوائے نہین بڑھاتے ہو بلکہ یہان تو فقط یہ معنی ہین کہ تم مجھے کچھ نہین بڑھاتے سوائے اسکے کہ مین تم کو کہون کہ تم سخت خسارہ مین ہو۔ المترجم توجیہ یہ کہ تخسیر باب تفعیل سے بمعنی نسبت با خذ کے مصدر معروف ہو اے انسبکم الی الخسران یعنی سوائے اس بات کے کہ مین تمھین خسران کی جانب نسبت دون اور بیضاوی وغیرہ نے دونون معنی ذکر کیے کیونکہ شیخ کا اعتراض ساقط ہو اور معنی یہ ہین کہ تم اپنی چکنی باتون سے مجھے کچھ فائدہ نہین دیتے سوائے اسکے کہ اگر مانون تو مجھے خسارت پہونچے اگرچہ ابھی تک بفضل الٰہی تعالیٰ نعمت ہو فائدہ۔ امر معروف اور نہی منکر عموماً انبیاء علیہم السلام پر جن کے لیے بھیجے گئے تھے فرض تھا خواہ مانین یا نہ مانین اور اب مومنین پر اس تفصیل کے ساتھ ہی جو فتاوی ہندیہ مین مذکور ہی اور اصح یہ ہو کہ جو مومنین وارث انبیاء یعنی علماء ہین ان پر بھی مطلقاً واجب ہی بدلیل قولہ تعالیٰ یامرون بالمعروف وینہون عن المنکر الآیۃ بمقابلہ منافقین کے جو اسکے برعکس ہین غیر ازینکہ ان مین سے جو ہاتھ و زبان سے منع نہ کر سکے اسکا دلی انکار بوجہ عدم معجزہ کے گویا وہان موجود نہونیکے مثل ہے علی ما جاء فی الاحادیث المرفوعۃ وقد مر البحث فی مواضع مما سبق فتذکر چونکہ قوم نے حضرت صالح علیہ السلام سے ایک پہاڑ سے اونٹنی معجزہ مانگی تھی جو آخر باعث ہلاک قوم ہوئی اشارہ فرمایا بقولہ تعالیٰ۔

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا

اور اے قوم میری یہ اونٹنی ہے اللہ کی تم کو نشانی سو چھوڑ دو اُسکو کھاتی پھرے اللہ کی زمین مین اور نہ چھیڑو اسکو

بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ○ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ

بُری طرح تو پکڑیگا تم کو عذاب نزدیک کا پھر اُسکے پاؤن کاٹے تب کہا برت لو اپنے گھرون مین

ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ○ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا

تین دن یہ وعدہ ہے جھوٹھا نہ ہوگا پھر جب پہونچا حکم ہمارا بچا دیا ہم نے

صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ
صالح کو اور جو یقین لائے اُسکے ساتھ اپنی مہر کرکر اور اُس دن کی رسوائی سے تحقیق
رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا
تیرا رب وہی ہے زور آور زبردست اور پکڑا اُن ظالموں کو چنگھاڑنے پھر صبح کو رہ گئے
فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا
اپنے گھروں میں اوندھے پڑے جیسے کبھی رہے نہ تھے اُسمیں سن لو ثمود منکر ہوئے
رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ۝
اپنے رب سے سن لو پھٹکار ہے ثمود کو

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً نصب آیہ بنابر حالیت و عامل معنی اشارہ اور لکم اُسکا حال اور بسبب نکرہ ہونے کے مقدم ہے۔ کذا قال البیضاوی رح والکواشی والعکبری۔ اور بعض نے اُس کے ذوالحال ہونے سے انکار کیا اور واحدی رحمہ اللہ نے کہا کہ آیہ بمعنی واٰلہ ہوکر ذوالحال ہوسکتی ہے اور بعض نے کہا کہ اولی یہ کہ لکم میں معنی اشارہ نے عمل کیا اور آیہ اسکی ضمیر مستتر سے حال ہوا پس ہر دو حال متداخل ہوئے۔ تفصیل اس ناقہ کے نکلنے اور اسکے قد و قامت و معاملہ و مسکن و مشرب وغیرہ حالات کی سورۂ اعراف میں مذکور ہوچکی ہے۔ فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ جزم تاکل بجواب ذروا صیغہ امر ہے ارض اللہ باعتبار حقیقت کے ہے کیونکہ کل مخلوقات الٰہی ہر طرح اسی کی ہے اور مخلوق کو اسکے حکم کے موافق ان اشیاء سے انتفاع کی اجازت ہے اور اصل یہ ٹھہری کہ جن اشیاء کی ممانعت نہیں فرمائی خواہ صریح یا بقاعدۂ شرعی تو وہ مباح ہیں اسی سے تمباکو پینا و کھانا مباح کہا جاتا ہے کیونکہ کراہت پر دلیل قائم نہیں ہوتی بخلاف افیون و بھنگ وغیرہ کے المعنی اور کہا کہ اے قوم یہ ناقہ اللہ ہے درحالیکہ تمہارے لئے وہ ایک نشانی ہے سو اسکو چھوڑ دو کہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں چرے اور پانی پئے۔ کہتے ہیں کہ نہایت دراز قد و جسیم سے انکے جانور اُسکی صورت دیکھکر بھاگتے اور ایک نالے سے تالاب پر جاکر سب پانی پی جاتی کہ پھر بغیر دوسرے روز نالوں سے پانی جمع ہوئے اُن لوگوں کو پانی نہ ملتا لیکن سب کو اُسکا دودھ کافی ہوتا غرضکہ ایک روز پانی اُسکا اور دوسرے روز لوگوں کا تھا اور ناغہ کے روز دودھ پاتے اسیواسطے بلفظ لکم فرمایا یعنی اگرچہ یہ ناقہ اللہ معظم و مکرم ہے کہ بطریق معجزہ اسکا ظہور ہوا مگر نفع اسکا تمہارے لئے اور نشانی بھی تمہارے لئے ہے اسکو اللہ تعالیٰ کی زمین میں چرنے پھرنے دو۔ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ۔ اور ایسا مت کرو کہ اسکو کوئی بُرائی چھو جاوے۔ ممانعت میں ان کو بہت احتیاط سکھلائی کہ اس سے ایذاء کا برتاؤ کرنا تو دور اسکو بُرائی چھونے نہ پاوے اور یہ حضرت صالح کا لطف تھا کیونکہ معجزہ مانگنے والی قوم کو اگر معجزہ دیا گیا پھر ایمان نہ لائے تو ضرور ہلاک ہوتے ہیں اسیواسطے جب کفار قریش نے آنحضرت صلعم سے وسعت مکہ اور سونا ہوجانا کوہ صفا کا مانگا اور حق عزوجل نے آگاہ فرمایا کہ پھر اگر نہ ایمان لائے تو عذاب دونگا تو آنحضرت صلعم نے شفقت کو کام فرماکر معجزہ مذکور نہ لیا ایسے ہی حضرت صالح نے جانا کہ یہ لوگ شیطانی وسواس سے باوجود اس نفع کے اسکے ساتھ بدی چاہتے ہیں جس سے ضرور عذاب آویگا لہذا انکو باحتیاط منع فرمایا اور صاف کہدیا۔ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ۔ کہ تم کو عذاب قریب گرفتار کریگا یعنی اگر تم نے برائی پہنچائی

تو نزدیک عذاب مین پڑے جاؤگے باوجود اس تصریح کے جلدی کا زمانہ نہین بتلایا اور وہ تین روز مہلت کے تھے۔ عذاب قریب
باعتبار ظاہر کے فرمایا کیونکہ عذاب آخرت کو وہ دور سمجھتے تھے حالانکہ بحکم قولہ تعالی ونراہ قریبا۔ وہ بھی نزدیک ہے خصوص بحکم
حدیث صحیح من مات فقد قامت قیامتہ۔ جو مرا اسکی قیامت آگئی پس مراد یہ کہ ہلاک ناقہ سے عذاب تک دیر نہو گی چونکہ اس قوم مخذول
نے انکو ہر بات مین جھٹلایا اور بالکل شیطانی وساوس وشہوات کو قبول کیا۔ فَعَقَرُوهَا۔ پس ناقہ کو عقر کیا۔ روایت مین ہے کہ سب سے
شقی وہ تھا جس نے ناقہ صالح کو عقر کیا کہتے ہین کہ ایک نے کمینگاہ سے تیر مارا اور ایک ہی تیر سے گر پڑی۔ دوسرے نے دوڑ کر تلوار
سے کونچین کاٹین پھر سبھون نے اسکے گوشت کے حصے لگائے اور اسکا بچہ بھی اسکے برابر تھا وہ بھاگا اور پہاڑ پر جا کر اسنے تین بار
آواز سے اپنی مان کو پکارا اور پہاڑ شق ہوا وہ اسمین سما گیا جب حضرت کو خبر پہنچی تو آئے اور ناقہ کو دیکھکر روئے اور قوم شقی
نے مضحکہ کیا کہ ہم نے تو مارا اب کہان ہے وہ عذاب۔ فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ۔ تو فرمایا کہ اب زندگی کر لو اپنے
گھر مین تین روز۔ کہتے ہین کہ چہارشنبہ وپنجشنبہ وجمعہ۔ تین روز تھے اور مراد اپنے گھر سے خواہ وہ بستی ہو جسمین رہتے تھے یا مراد دنیا کا
گھر ہو۔ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ۔ یہ وعدہ غیر مکذوب فیہ ہے یعنی اس وعدہ مین کچھ جھوٹ نہین ہے یا جیسے اور وعدون
مین بھی دروغ نہین اور مین نے عذاب قریب کہا تھا سو تین روز بعد آویگا۔ اول روز تمہارے منہ زرد دوسرے روز سرخ
تیسرے روز سیاہ اور چوتھے روز عذاب ہوگا علمانے کہا کہ تین دن کی مہلت بھی رحمت تھی کہ اب توبہ کرین مگر ان بدبختون
نے نہ مانا آخر جب چہرے اسی طرح نیلے پیلے ہوئے تو موت کا یقین کر کے رات بھر وہ لوگ کفن پہنے بیٹھے رہے۔ کہتے ہین کہ تڑکے سے
تاخیر ہوئی یہانتک کہ سورج نکل آیا اور پھر یہ لوگ خوش ہوئے اور سمجھے کہ شاید کچھ نہین ہوگا کہ ناگاہ عذاب الصیحة آگیا ولیکن
اہل ایمان بچائے گئے چنانچہ فرمایا۔ فَلَمَّا جَاءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحًا۔ پھر جب آیا ہمارا امر یعنی عذاب تو ہم نے نجات دیدی
صالح کو۔ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا مَعَهُ۔ اور ان بندون کو جو صالح کے ساتھ ہیر ایمان لائے تھے۔ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا۔ یہ نجات ہم نے
اپنی رحمت وفضل سے انکو دیدی ورنہ انکا کچھ حق ہم پر واجب لازم نہ تھا کہ ہم اسپر مجبور ہون۔ وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ۔ اور ہم نے
ان سب کو نجات دی اس دن کی خواری و ذلت سے یا قیامت کی خواری سے بھی اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ۔ بیشک تیرا پروردگار وہی
قوی عزیز ہے حتی کہ کافرونکو کچھ بھی قوت نہ تھی کہ اپنے اوپر سے عذاب ہٹا وین یا صالح کو بھی آزار پہونچا دین یا ورکرخت آواز سے مومنون کو
کچھ بھی صدمہ نہوا۔ وَاَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا۔ اور پکڑ لیا ان لوگون کو جنھون نے اپنی جانون پر خود کفر کر کے اور ناقہ قتل کر کے ظلم
کیا تھا۔ الصَّيْحَةُ۔ سخت کرخت مہیب آواز نے۔ کہتے ہین کہ سورج نکلتے جب پھر دل خوشی مین اترانے لگے ناگاہ حضرت جبرئیل
نے سخت کرخت مہیب آواز دی کہ کافرون کے دل پارہ پارہ پھٹ گئے اور سب گھٹنون کے بل مرے رہگئے چنانچہ فرمایا فَاَصْبَحُوا
فِي دِيَارِهِمْ جٰثِمِينَ۔ پس رہ گئے اپنے گھرون مین گھٹنون کے بل سینہ ٹیکے ہوئے۔ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا۔ ای کانہم لم یسکنوا
فی دیارہم من قولہم غنی بالمکان وفی المکان اذا سکن بہا۔ گویا وے ان گھرون مین کبھی نہ بستے تھے یعنی وہ خواہشین و امیدین وعمارات
واسباب سب چھوڑ کر بالکل نابود ہوگئے گویا کبھی یہان انکا وجود ہی نہ تھا۔ اَلَا اِنَّ ثَمُودَ كَفَرُوا رَبَّهُمْ۔ آگاہ ہو کہ بیشک ثمود
یعنی قوم صالح نے اپنے پروردگار سے کفر کیا یعنی جس بزرگی وعظمت کی صفات سے پیغمبر نے بتلایا اسطرح نہ مانے اور خلاف حکم اعمال کئے
آخر عذاب کفر مین پڑے۔ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُودَ۔ خبردار ہو کہ ثمود کیلئے رحمت الٰہی سے دوری ہے پھر حضرت ابراہیم کا حال ذکر فرمایا بقولہ تعالی

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ

اور آچکے ہیں ہمارے بھیجے ابراہیم پاس خوشخبری لیکر بولے سلام وہ بولا سلام ہے پھر دیر نہ کی کہ لے آیا

بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ۝ فَلَمَّا رَآ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ

ایک بچھڑا تلا ہوا پھر جب دیکھا اُن کے ہاتھ نہیں آتے کھانے پر اوپری سمجھا اور دل میں اُن سے ڈرا

قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ۝ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا

وہ بولے مت ڈر ہم بھیجے آئے ہیں طرف قوم لوط کے اور اُسکی عورت کھڑی تھی تب وہ ہنس پڑی پھر ہم نے خوشخبری دی اُسکو

بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ؕ

اسحٰق کی اور اسحٰق کے پیچھے یعقوب کی بولی اے خرابی کیا میں جنوں گی اور میں بوڑھیا ہوں اور یہ خاوند میرا ہے بوڑھا

اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ

یہ تو ایک عجیب چیز ہے وہ بولے کیا تعجب کرتی ہے اللہ کے حکم سے اللہ کی مہر ہے اور برکتیں تم پر

اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝

اے گھر والو وہ ہے سراہا بڑائیوں والا

قال المترجم حضرت ابراہیم کا قصہ اس مقام پر مستقل طور پر نہیں بلکہ حضرت لوط کی قوم پر عذاب کا ذکر بیان کرنے کا توطیہ ہوا اسواسطے مثل سابق کے بالاستقلال ابراہیم الی قومہ وغیرہ اسلوب نہیں فرمایا اور ابراہیم خلیل اللہ اولاد نوح سے دو ہزار چھ سو چالیس برس بعد بابل میں پیدا ہوئے اور بلاد فلسطین شام میں سکونت اختیار کی اور ایک سو پچھتر برس زندہ رہے اور ان کے بیٹے اسحٰق ایک سو اسی برس اور یعقوب ایک سو سینتالیس برس جیتے اور لوط علیہ السلام بھی پیغمبر مگر تابع ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے بھتیجے تھے اور قوم لوط کی بستیاں نواحی شام میں تھیں پھر جب اللہ تعالیٰ نے قوم لوط پر عذاب بھیجا تو ملائکہ حضرت ابراہیم کے پاس ہوتے ہوئے بشارت دیتے ہوئے گئے لیکن چونکہ خوبصورت لڑکوں کی صورت میں متمثل تھے حضرت ابراہیم نے انکو مہمان سمجھا عطا نے کہا کہ جبرئیل و میکائیل و اسرافیل تھے ضحاک نے کہا کہ نو تھے سدی نے کہا کہ گیارہ تھے مقاتل نے کہا بارہ تھے اور محمد بن کعب القرظی نے کہا کہ جبرئیل کے ساتھ سات تھے قال المترجم ان روایات کی تحقیق مشکل ہے اور کوئی ضرورت داعی نہیں ہاں اتنا ضرور ہے کہ تین سے کم نہ ہوں کیونکہ رسلنا جمع ہے قولہ تعالیٰ ولقد جاءت رسلنا بعضوں نے کہا کہ لقد لام تاکید کیلئے اور قد واسطے توقع کے ہے کیونکہ انبیاء کے قصص میں ایک کے بعد دوسرے کے سننے کی توقع رہتی ہے اور اصل یہ کہ قسم محذوف ہے اور رسل لفظ جمع اصل ہے اور جب ضمیر کی طرف مضاف ہو تو سکون سین بھی مانند نقل کیا جاتا ہے اور یہ لفظ جمع ہے کم سے کم تین عدد ہونا چاہیئے اسواسطے عطاء و ابن عباس نے تین عدد سے تفسیر فرمائی اور اس بات پر اجماع ہے کہ ان میں جبرئیل اصل تھے یعنی اور اسکے ساتھ بھیجے ہوئے یعنی ملائکہ۔ ابراھیم بالبشری ابراہیم ہمارے پیغمبر پاس بشارت کو یعنی جن ملائکہ کو جبرئیل کے ساتھ ہم نے قوم لوط پر عذاب کیلئے بھیجا تھا وہ پہلے حضرت ابراہیم پاس بشارت لیکر آئے جس سے اصل غرض تھی تو قالوا سلاما بولے کہ ہم تم پر سلام کرتے ہیں یا سلمنا علیکم سلاما۔ یا قالوا یعنی ذکر و اہیا جاتا ہے تو سلاما اسکا مفعول منصوب ہوگا۔ قال سلام۔ ابراہیم نے کہا وعلیکم سلام یا امرکم سلام۔ بہرحال سلام مرفوع ہے تو یہ مبتدا ہوگا اور خبر محذوف ہے یا بیان کیا ہے کہ ابراہیم نے ہمیشگی کے معنی پر تعریف کر دیا یوں کہا کہ ہم پر

ہمیشہ سلامتی ہے حالانکہ ملائکہ نے سلامًا منصوب کہا تھا جسکا جملہ فعلیہ تھا اور علماء نے کہا کہ فعلیہ میں ہمیشگی نہیں ہوتی ہے لہذا حضرت ابراہیم کا جواب
انکے سلام سے احسن ہوا اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْھَآ اَوْ رُدُّوْھَا - جب تمکو تحیہ یعنی سلام کیا جائے تو اس سے اچھا جواب دو
یا وہی جواب میں کہدو۔ مسئلہ آداب سلام میں مذکور ہے کہ چھوٹا بڑے کو اور کھڑا بیٹھے کو اور راہ چلتا اور آنیوالا بیٹھے کو اور سوار پیادہ کو سلام کرے
اور پورا سلام یہ ہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اور بعض روایت میں ومغفرتہ زیادہ ہے تو جب کسی بزرگ کو سلام کرے تو چاہیئے کہ فقط السلام علیکم کہے
تاکہ وہ جواب میں بڑھا لے اور صحیح حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ پڑھا تو آنحضرت صلعم نے آگاہ فرمایا کہ اسنے دس نیکیاں
بڑھائیں اسی طرح ہر لفظ پر دس فرمائیں اور آخر میں جسنے پورا سلام کیا اسکو فقط وعلیکم کہا اور فرمایا کہ تم نے میرے بڑھانے کو کچھ باقی نہیں چھوڑا - اب
سمجھو کہ ملائکہ نے شاید حضرت ابراہیم کے جواب کی توقع کی کہ اپنی زبان سے اچھی دعا دیں اور دوسرے مقام پر ہے قَالَ سَلٰمٌ قَوْمٌ مُّنْکَرُوْنَ - ابراہیم نے
اچھا جواب دیا حالانکہ ان لوگوں کو انجان بتایا لہذا حدیث میں عمدہ نیکی یہ بتلائی کہ سلام کرے ہر آدمی پر خواہ جان پہچان ہو یا انجان ہو - واضح ہو کہ سلام
اکثر قراء سبعہ کی قرأت ہے اور یہی ہمارے یہاں معروف ہے اور حمزہ وکسائی نے سِلْمٌ پڑھا اور یہ بھی قرأۃ متواترہ ہے فراء رح نے کہا کہ دونوں قرأۃ میں
کچھ فرق نہیں جیسے حلال کی جگہ حِل وحرام کی جگہ حِرم اور بعض نے کہا کہ سِلْم بمعنی صلح ہے مسئلہ اگر کوئی نماز میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ کی جگہ سلام علیکم کہے تو
مکروہ ہے اور شافعیہ میں سے امام نووی رح نے اسی پر جزم کیا اور وجہ یہ ہے کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ سنت متبعہ ہے اس میں تغیر نہیں ہو سکتا - فائدہ
یہاں سے ثابت ہوا کہ ملائکہ بصورت آدمی متمثل ہو سکتے ہیں اور ممکن ہے کہ نبی وولی کسی چیز کو نہ پہچانے چنانچہ ابراہیم کی عادت تھی کہ بغیر مہمان کے تنہا نہیں
کھاتے تھے جب ملائکہ خوبصورت آدمی کی شکل میں آئے تو انکو مہمان سمجھے اور خوش ہو کر ضیافت کا جلد سامان کیا چنانچہ حق تعالیٰ نے بیان فرمایا -
فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِیْذٍ - لبث یعنی لبث دیر کرنا - ان بمعنی حتی عجل گوسالہ حنیذ بھونا ہوا اور بعض نے کہا کہ گرم پتھروں پر بغیر آگ کے
آدھ کچا کرنا اور بعض نے کہا کہ حنیذ موٹا تازہ - کہا گیا کہ بھونا ہوا چکنائی ٹپکتا لائے تھے یعنی پھر کچھ دیر نہیں لگائی تھی کہ بھونا بچھڑا موٹا تازہ لے آئے
قتادہ رح نے کہا کہ اکثر انکے پاس یہی گائیں تھیں اور روایت ہے کہ پندرہ روز انتظار کے بعد ان کو یہ مہمان ملے تھے تو خوشی خوشی لائے کہ آج انکے
ساتھ اچھی طرح کھاؤنگا مگر یہ فرشتے تھے کیا کھاتے انھوں نے ہاتھ نہ ڈالا - فَلَمَّا رَآٰ اَیْدِیَھُمْ لَا تَصِلُ اِلَیْهِ نَكِرَھُمْ - سو جب ابراہیم نے
انکے ہاتھوں کو دیکھا کہ اس خوش مزہ غذا تک نہیں پہنچتے تو انسے استنکار کیا - وَاَوْجَسَ مِنْھُمْ خِیْفَةً - اور انکی طرف سے اپنے دل میں کچھ خوف
لائے یعنی خیال کیا کہ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے کیا محنت نازل فرمائی ہے - قتادہ رح نے کہا کہ یہ اسوجہ سے تھا کہ اس زمانہ کا دستور تھا کہ جب مہمان بافراغ نمک
نہ کھاتا تو یہ دلیل تھی کہ وہ بھلائی نہیں بلکہ کوئی برائی لایا ہے - یہ ڈران بندوں کی طرف سے نہ تھا کیونکہ کمال الیقین سے وہ نمرود بادشاہ سے نہیں
ڈرے تو ان چند آدمی سے کیا ڈرتے جبکہ بالیقین جانتے تھے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی میں کچھ قدرت نہیں ہے بلکہ امتحان الٰہی تعالیٰ کا خوف ہوتا
ہے جب ملائکہ نے انکو دیکھا کہ کچھ خائف ہیں یا کہدیا کہ اِنَّا مِنْکُمْ وَجِلُوْنَ ہم تم سے ڈرتے ہیں جیسا کہ سورۂ حجرات میں ہے قَالُوْا لَا تَخَفْ - بولے
کہ کچھ خوف مت کرو - روایت ہے کہ جبرئیل نے اپنے ساتھیوں کو ابراہیم کا ہر کام بیں اللہ تعالیٰ کے لیے خلوص ظاہر کرنے کو کہا کہ ہم لوگ بغیر دام لئے
نہیں کھاتے تو فرمایا کہ اسکے دام تم دیدو گے بولے کیونکر فرمایا کہ اول بسم اللہ الرحمن الرحیم کہو یعنی اللہ تعالیٰ کے نام پر کھانا شروع کرو اور فارغ ہو کر الحمد للہ
یعنی شکر کرو اور اسکی قوت سے طاعت وعبادت کرنا کوئی گناہ نہ کرنا - تو جبرئیل نے ساتھیوں سے کہا کہ دیکھو اسی سے اللہ تعالیٰ نے اسکو خلیل
بنایا ہے پھر صاف ظاہر کر دیا - اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰی قَوْمِ لُوْطٍ - کہ ہم ملائکہ ہیں قوم لوط کی طرف عذاب لیکر بھیجے گئے ہیں اسواسطے ہم نہیں کھاتے
ہیں کیونکہ ہم حقیقت میں آدمی نہیں ہیں - وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ اور ابراہیم کی جورو یعنی حضرت سارہ علیہا السلام کھڑی تھی یعنی

مہمانون کی خدمت کر رہی تھی اگر پردہ نہ ہو یا پردہ کے پیچھے باتین سنتی تھی وہ یہ سنکر ہنس پڑی۔ ہنسنے کی وجہ صاف مذکور نہین مگر شاید اسوجہ سے کہ یہ عجیب معاملہ ہوا کہ اتنے دنون بعد مہمان ملے جنکا یہ سامان ہوا پھر سے فرشتے نکلے یا اسوجہ سے کہ قوم لوط نے عورتون کو خوار کیا اور لڑکون کو بیحیاوبدکار بنایا تھا انکا عذاب سنکر خوش ہوئین۔ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۔ پس ہم نے اسکو اسحاق فرزند کی بشارت دی یعنی ملائکہ کی زبان سے اسکو خوشی سنائی کہ تجھ سے اس سن مین لڑکا پیدا ہوگا اسکا نام اسحٰق ہے پھر تو اسکا بیٹا یعنی پوتا بھی دیکھے گی وہ یعقوب ہے چنانچہ فرمایا۔ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۔ اور علاوہ اسحٰق کے یعقوب کی بھی بشارت دی اور دوسرے مقام پر ہے ویعقوب نافلۃ یعنی اسحاقؑ سے علاوہ زائد اسکا لڑکا یعقوب یا بعض علمانے کہا کہ حضرت سارہؓ نے حکم الٰہی پر خوشی کی تو اسکے بدلے یہ انعام عطا ہوا۔ واضح ہو کہ قوم لوط علاوہ کفر کے لڑکون سے اغلام کرنیکے سخت گناہ مین مبتلا تھے اسیواسطے یہ ملائکہ بصورت لڑکون حسین کے بھیجے گئے اور شاید کہ سارہؓ اسی پر ہنسی ہون کہ عذاب باتمام حجت ہے اور قدرت الٰہیہ کیسی اعلیٰ و اجل ہے کہ ملائکہ کو لڑکون کی شکل کر دی اسکی قدرت بہت بڑی ہے اور شاید کہ اپنے بانجھ ہونے بغیر فرزند ہونیکا خیال دل سے دور کر دیا ہوا اور اس شکریہ مین بشارت عطا ہوئی یا اس قدرت عجیبہ کو دیکھکر ان لڑکون کی صورت سے اپنے واسطے خواہش کی ہو اور یہ مقام لطیف ہے جہان تک آدمی اپنے دل کو خواہش سے پاک کرے لطائف صنعت الٰہی سے محظوظ ہوگا ابن عباسؓ نے کہا کہ وہ فرزند کا فرزند یعنی اسحاقؑ فرزند کا ہونا ایک بشارت اور یعقوبؑ فرزند کا فرزند دو بشارت ہین کیونکہ پوتا ہونا اور دادی کو بشارت کہ یہانتک زندہ رہیگی کہ پوتا دیکھے گی۔ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ بولی اے مین موئی اب جنونگی وَاَنَا عَجُوْزٌ ۔ اور مین اب بڑھیا ہون وَّهٰذَا بَعْلِيْ ۔ اور یہ میرا شوہر ہے شَيْخًا حالانکہ بالکل بوڑھا ہے۔ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ۔ یہ تو بیشک تعجب کی بات ہے۔ ویل کے معنی تو اصل مین ہلاک کے ہین لیکن ان معنون کا لحاظ نہین کیا جاتا بلکہ جب کوئی بڑا سانحہ ہو تو یہ لفظ بول اٹھتے ہین اور اکثر عورتون کی بول چال مین محاورہ ہے جیسے اُردو مین موئی و نگوڑی وغیرہ بولا کرتی ہین حضرت سارہ کی عمر اسوقت بقول مجاہدؒ ننانوے سال کی اور بقول ابن اسحٰق نوے سال کی تھی اور حضرت ابراہیمؑ ایکسو بیس برس کے تھے اور بعل جو دوسرے پہ بلند مرتبہ ہو اسی واسطے شوہر کو عورت بعل کہتی ہے اور ابراہیمؑ کا ایک بیٹا حضرت اسمٰعیلؑ پہلے حضرت ہاجرہ سے ہو چکا تھا جنکو دیکھکر حضرت سارہؓ متمنی ہوئی تھین لیکن فرزند عطا نہ ہوا یہانتک کہ بڑھیا مایوس ہوئین تب یہ بشارت دی گئی اور اسکو انھون نے عجیب سمجھا۔ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ملائکہ بولے کہ کیا تو تعجب کرتی ہے حکم الٰہی سے یعنی قدرت الٰہی بہت بڑی ہے وہ جو چاہے ہو جاتا ہے یہ کچھ تعجب کی بات نہین بلکہ نبی کے اہلبیت کو ایک نعمت عطا فرمائی ہے۔ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکتین ہین تمپر اے اہلبیت ابراہیم۔ اِنَّهٗ ۔ بیشک اللہ تعالیٰ حَمِيْدٌ محمود ہے ہر حال مین و ہر فعل مین جو کرتا ہے لائق حمد ہے مَّجِيْدٌ بہت احسان و بھلائی والا ہے مسئلہ علیکم خطاب جمع مذکر کا بطور تعظیم کے عرب کی زبان مین واحد مؤنث کو روا ہے مسئلہ زوجہ بھی اہلبیت مین ہوتی ہے اور یہی آیت حجت قطعی ہے اور قولہ تعالیٰ انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل البیت ویطہرکم تطہیرا مین علماء کے دو قول ہین ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلبیت فقط حضرت علیؓ و فاطمہؓ و حسنؓ حسینؓ ہین اور انکی دلیل صحیح مسلم کی روایت ہے جسکا یہ مطلب ہے کہ آنحضرت صلعم نے ایک کمل مین ان سب کو اڑھا کر فرمایا کہ اے میرے پروردگار یہ سب میرے اہلبیت ہین اور دوسرا قول یہ ہے کہ آیت مین اہلبیت آپکی ازواج مطہرات کیلئے ہے اور یہی قول صحیح ہے اسواسطے کہ وہان اوپر سے ازواج ہی کا بالکل ذکر ہے ولیکن آنحضرت صلعم نے ان سب ائمہ مذکورین کو بھی اہلبیت مین شامل کرکے حدیث مذکور سے اعلام فرما دیا اور حدیث مین کوئی تخصیص اس امر کی نہین ہے کہ اہلبیت کا انحصار انھین چار ائمہ مین ہے پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کا حلم و ترحم اور قوم لوط کا عذاب بیان فرمایا۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَجَاءَتْهُ الْبُشْرَىٰ يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ ۝ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ

پھر جب گیا ابراہیم سے ڈر اور آئی اسکو خوشخبری جھگڑنے لگا ہم سے قوم لوط کے حق میں البتہ ابراہیم

لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُّنِيبٌ ۝ يَا إِبْرَاهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا إِنَّهُ قَدْ جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ

تحمل والا نرم دل ہو رجوع رکھنے والا اے ابراہیم چھوڑ یہ خیال وہ تو آچکا حکم تیرے رب کا

وَإِنَّهُمْ آتِيهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُودٍ ۝

اور ان پر آتا ہے عذاب جو پھیرا نہیں جاتا

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ۔ روع بالفتح خوف و بالضم دل اور یہاں بالفتح ہے۔ یعنی پھر جب جاتا رہا ابراہیم سے خوف یعنی جو ملائکہ کی طرف سے پیدا ہو گیا تھا۔ وَجَاءَتْهُ الْبُشْرَىٰ۔ اور اسکو خوشخبری ملی یعنی اسحاق و یعقوب پیدا ہونے کی یا ملائکہ کی تسلی کہ تم کچھ خوف مت کرو۔ يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ۔ لگا ہم سے جھگڑنے درباره قوم لوط کے فائدہ لا جملہ یجادلنا جزا فلما ہو لیکن عربیت میں معلوم ہو چکا کہ لما کا جواب فعل ماضی ہوتا ہے اور یہ مضارع ہے تو مفسرین نے کہا کہ یہاں تقدیر عبارت قول اخذ یجادلنا ہے یعنی شروع کیا کہ جھگڑتا تھا اور یہ قول فراء کا ہے اور بعض نے کسائی سے کہا۔ ماضی کی جگہ مضارع لایا گیا جیسے مضارع کی جگہ ماضی کر دیا جاتا ہے اور بلاغت یہ ہے کہ مضارع سے اسی حالت کا تصور آ گیا ہے جو اسوقت واقع ہوئی اگر کہا جائے کہ یجادلنا فعل جدال ہے اور جدال کرنا پیغمبر کی شان نہیں ہے اسکا جواب یہ آیا کہ فصحاء عرب ایسے مقام پر جدال کے لفظ سے یہ مراد لیتے ہیں کہ بہت الحاح کی طرح سفارش کی باتیں کرنا جیسے حدیث شفاعت میں مومنوں کا اللہ تعالیٰ عز وجل سے جدال کرنا مذکور ہے کہ اسقدر جدال کریں گے کہ کوئی نہیں ہو گا یعنی اپنے پروردگار ارحم الراحمین کی درگاہ میں گنہگاروں کیلئے نہایت عاجزی و تضرع سے الحاح و مبالغہ کیساتھ سفارشی ہونگے پھر واضح ہو کہ تو یہ یجادلنا یعنی یجادل رسلنا یعنی ہمارے فرشتوں سے بہت گفتگو شروع کی۔ ایسا ہی مفسرین نے کہا ہے چنانچہ روایت ہے کہ جب ملائکہ نے کہا انا مهلکوا اهل هذه القریة ہم اس ملک کے والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں جیسا کہ دوسری آیت میں صحیح ہے تو ابراہیم نے انسے کہا کہ بھلا اگر اس میں پچاس مسلمان ہوں تو کیا تم انکو مار ڈالو گے وہ بولے کہ نہیں پھر کہا کہ اگر چالیس ہوں تو وہ بولے کہ نہیں پھر کہا تیس ہوں تو وہ بولے تو بھی نہیں یہاں تک کہ دس و پانچ کے جواب میں بولے کہ نہیں پھر کہا کہ اگر ایک ہو تو بولے کہ تو بھی نہیں تو کہا کہ پھر اس میں تو لوط علیہ السلام موجود ہیں تو قالوا نحن اعلم بمن فیها لننجینه و اهله الا امرأته الآیة یعنی بولے کہ جو وہاں ہیں ہم اسکو جانتے ہیں ہم اسکو اور اسکے لوگوں کو نجات دینگے سوائے اسکی کافر جورو کے۔ اور ابن عباس رضی سے روایت ہے کہ ملائکہ نے ابراہیم سے کہا کہ اگر امت میں پانچ مسلمان نمازی ہونگے تو سب پر سے عذاب دور کر دیا جائیگا الحاصل یہ گفتگو بمقصود اللہ تعالیٰ کی طرف التجا تھی مگر بواسطہ ملائکہ کے کہ وہ واسطے تھے بہرحال خواہ موافق جمہور کے یجادلنا یعنی یجادل رسلنا لیا جائے یا معنی یکلمنا و یسألنا لیا جائے یعنی ہم سے درخواست کرنے لگا کوئی لیا جائے جدال کے یہی معنی ہیں جو مختصر تفہیم سے اوپر ذکر کئے اور جمہور مفسرین نے یجادل رسلنا کی جو روایت تائید میں پیش کی اسکے علاوہ خود آیت میں دلیل موجود ہے یعنی قول یا ابراہیم اعرض عن هذا انه قد جاء امر ربک کیونکہ یہ آخری جواب ملائکہ کی طرف سے صاف ہے لہذا معلوم ہوا کہ قوم لوط کے بارہ میں حضرت ابراہیم کا کلام ملائکہ سے تھا لیکن یہ کہ ملائکہ بذات خود مقصود نہ تھے بلکہ اس سے غرض یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس التجا کو قبول فرمائے اور مومن کی وجہ سے کافروں سے عذاب دور فرمائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کی تعریف فرمائی اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ لَحَلِیْمٌ بیشک ابراہیم بندہ حلیم ہے یعنی کسی خطا کار پر جلدی عقوبت نہیں چاہتا اور یہ حضرت عزوجل کی صفت کا مظہر حلم کا ظہور تھا۔ اَوَّاهٌ بہت نرم دل مہربان ہو۔ مُنِیْبٌ اپنے پروردگار

کی جانب بندگی وطاعت سے رجوع لانے والا ہے۔ اَوّاہ کے معنی مین کہا گیا کہ جو آہ واوہ سے اپنے و دوسرون کے گناہون پر تاسف ہو۔ قتادہؒ نے فرمایا کہ منیب وہ نیک بندہ جو اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔ اسمین اشارہ ہی کہ ابراہیم جو اس لحاح پر آمادہ ہوئے اسکا باعث یہ صفات حمیدہ تھین کہ دل کے بہت نرم اور بندون پر ترس کھانے والے مہربان تھے لہذا چاہا کہ عذاب مین تاخیر کی جائے شاید وے لوگ ایمان لے آوین اور اس گناہ سے توبہ کرلین کیونکہ عذاب سے ہلاک ہونے مین پھر امید ان کو نہوگی اور ہمیشہ اسی سختی مین پڑے رہین گے لیکن آخرکار ملائکہ نے اُنکو حکم قضا و قدر سے آگاہ کردیا بقولہ۔ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا۔ اے ابراہیم تم اس بہت سفارش و الحاح سے درگزر کرو۔ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ج بیشک آگیا حکم تیرے پروردگار کا یعنی اللہ تعالیٰ جو سب بندون کے حال سے آگاہ ہی اُس نے جو کچھ ازل مین ان کے لئے مقدر کیا تھا وہ حکم آگیا اسی واسطے حدیث مین و بعض آیات مین صریح ہی کہ جب عذاب آجاتا ہی تو پھر مرتفع نہین ہوتا وَ اِنَّهُمْ اٰتِیْهِمْ عَذَابٌ غَیْرُ مَرْدُوْدٍ۔ اور بیشک ان لوگون پر آویگا ایسا عذاب جو کسی طرح رد نہ ہوگا یعنی یہ قوم ازلی کافر ہی کسیطرح توبہ کی طرف رجوع نہ کریگی ہم آپکو حکم لوح محفوظ بتلائے دیتے ہین کہ اُن پر ضرور عذاب آویگا چنانچہ آخر یہی واقع ہوا اور ہرچند پیغمبر نے عاجزی و الحاح سے فہمایش کی مگر ان بدبختون نے کسی طرح نہ مانا اور پیغمبر کو تنگ کیا جیسا کہ عنقریب یہ حال آگے معلوم ہوگا اب کچھ اشارات عرائس سننا چاہیئے اور غور سے سمجھنا چاہیئے ف المترجم چونکہ اشارات لطیف ہین لہذا مترجم انکی فہمایش کیلئے بقدر فہم کے توضیح کریگا۔ قال فی العرائس قولہ تعالےٰ ولقد جاءت رسلنا ابرٰہیم بالبشریٰ۔ فرشتون نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابراہیم خلیل کو دوام وصال اور کشف جمال بلا حجاب و عتاب کی بشارت دی اور یہ کہ خلت ابراہیمی کسی فعل حادث کا نتیجہ نہین بلکہ ازلی قبولیت کا ظہور ہی۔ قال المترجم حبیب کو حبیب سے بشارت یہی مقدم ہی جسکے لئے شدت محبت ہی لہذا بشارت مذکورہ بدین معنی متضمن ہی۔ فافہم اور یہ بشارت دی کہ نبوت تمہاری اولاد مین باقی رہیگی اقول اسواسطے کہ خالی فرزند ہونا امر آخرت مین سے نہین اور نہ اہل آخرت کیلئے موجب سرور ہی جبتک کہ وہ صالح نہ ہو فافہم اور یہ بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب و خلیل بندون کا مشتاق ہی اور یہ بشارت دی کہ تمام مخلوقات مین سے برگزیدہ آپکی اولاد مین سے تشریف لائیگا اور وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہین و در اولاد کی بشارت بدین معنی یہ بشارت ہی کہ شریعت ابراہیمی یعنی اصل حقیقت کا فیضان ہمیشہ باقی رہیگا چنانچہ تاقیامت یہی واقع ہوا اور فرشتون کا سلام کرنا اخبار ہی کہ یہ فرشتے لیاقت رکھتے ہین کہ خلیل کیطرف ایلچی ہون اور اظہار ہی کہ باہم کوئی نکرت یعنی انجان پن نہین ہے اور معارضہ و خطرات نے اہل ہونیکے ساتھ عہد ازل کی شناخت ہی اور فرشتون کا سلام ممزوج بسلام حبیب ہی اور خلیل کا سلام اظہار اکرام حنیف ہی اور فرشتون کا سلام خلیل کے سلام سے موافق ہونا علامت ہی کہ سر خلیل نے انکا اسرار کو پہچانا یعنی یہان مقام کرامت اور عیوب سے سلامت ہے اور دیکھو کہ حبیب کا سلام حبیب کو کیسا خوشگوار اور پیغام کیسا مزہ دار اور بشارت کیسی پاکیزہ ہی اگرچہ بواسطہ ہو ؎ سلام علی سلمیٰ و من حل وادیہا ٭ سلام علی ارض قدیم بہا العہد ٭ سلام علی جارا تہا لجوارہا ٭ سلام حزین وامق شفہ الصد ٭ سلام علیہا دائما متواترا ٭ سلام علی ارض الیہا لہا القصد ٭ اذا زلت سلمیٰ بواو ثماوہا ٭ زلال و سلسال و سحابہا ورد ٭ ؎ منزل سلمی کہ بادش ہر دم از من صد سلام ٭ پر صدائے ساربانان بینی و بانگ جرس ٭ بعضے اکابر نے کہا کہ رسل نے ابراہیم کو بشارت دی کہ نسبت خلت ایسی ثابت ہوئی ہی کہ کبھی منقطع نہ ہوگی بعض نے کہا کہ فرشتون نے اصل بشارت دی تھی کہ آپکی پشت سے حضرت حبیب اعظم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہونگے جو خاتم النبیین ہین اور لواء الحمد انھین کے ہاتھ مین ہوگا بعض نے کہا کہ جب حبیب کیطرف سے ایلچی آیا تو یہی بشارت ہی اور جب پیغام پہونچا یا تو خوشی پوری کردی اور جب سلام پہونچا تو سبحان اللہ و بحمدہ دیکھو کیسے ذکر کیا کہ قالوا سلاما یس خلیل نے کہا سلام اور مراد پوری ہوگئی۔ ابن عطارؒ نے کہا کہ قالوا سلاما۔ اشارہ ہے

کہ مرتبہ خلت تمکو سلامت ہے جسمین کبھی لغزش نہو گی قال سلام یعنی مجھے یہ سلامتی ازجانب السلام ہے یعنی ازجانب حق عزوجل۔ قولہ فما لبث ان جاء بعجل حنیذ
اسمین اخبار و اسرار ہین اخبار یہ کہ جوانمردی کیساتھ اپنے مہمانون کیلئے اکرام کیا اقول فی الحدیث الصحیح من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ یعنی جو شخص
اللہ تعالیٰ و روز آخرت پر ایمان لایا وہ ضرور ہے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔ اسرار یہ کہ قلب مذبوح تھا روح مجروح تھی اور نفس کو سلطان جبروت انوار
ملکوت و برق جمال و سر جلال کے سامنے قربان کردیا اور یہ سب نتیجہ محبت و عشق حقیقت تھا تاکہ نسیم وصال سے تسلی کی جائے اور اس طریقہ مین اظہار
معارضہ دقیقہ ہے تاکہ شان حال معلوم ہو اگرچہ خلقت سخاوت و کرم بھی بعض نے کہا کہ مہمانداری کے آداب مین سے ہے کہ پہلے اچھی طرح اتارے پھر طعام کی
دعوت کرے پھر باتین کرے چنانچہ خلیل نے پہلے طعام کا بندوبست کیا پھر باتین کرنا جسکو پسند ہو۔ قولہ فلما رای ایدیہم لا تصل الیہ نکرہم۔ یہ انکار
اس بات پر تھا کہ انھون نے خلق کو ترک کیا حالانکہ اسمین ایک عجیب اشارہ ہے یعنی یہان بچھڑا ذبح کرنا کار آمد نہین بلکہ جو ذبح کرنا چاہیے تو ہمارے لیے
اسمٰعیل کو ذبح کرو کیونکہ یہی فدیہ بمقتضائے عشق ہے ابوالحسن بوشنجی سے حکایت کی جاتی ہے کہ وہ فرماتے جو کوئی ہمارے جھونپڑے مین آیا اور خوشی
سے ہمارے ٹکڑے روٹی یا جو ما حضر ہو اسمین ہمارے ساتھ شریک ہوا تو اُسنے ہم پر سخت ظلم کیا۔ ابن جعفر بن عبداللہ نے کہا کہ جسنے فقیرون و غلامون
کے کھانے سے انکار کیا اُسنے اپنا غرور ظاہر کیا۔ اقول مروی ہے کہ چند راہ نشین مانگے ٹکڑے بچھا کر کھانے بیٹھے کہ اتنے مین حضرت امام زین العابدین
گھوڑے پر سوار اُس راہ سے گذرے درویشون نے صدائے طعام دی آپنے فرمایا کہ ہان یہ کہکر اُتر پڑے اور اُنکے ساتھ کھایا اور فرمایا کہ یارب مجھے متکبرین
مین نہ لکھنا پھر ان لوگون سے کہا کہ اب تم میری دعوت قبول کرو چنانچہ وقت مقررہ پر وہ آئے اور اُنکے ساتھ مہمانداری کا برتاؤ کیا قولہ واوجس منہم
خیفۃ۔ ان سے خوف اسوجہ سے نہ تھا کہ ابراہیم کو اُنکے حال سے آگاہی نہ تھی بلکہ اُن کے آثار سے قوم لوط کا عذاب ظاہر ہوا اور یہ خوف کا مقام ہے اقول
شیخ کی مراد یہ ہے کہ ابراہیم نے انکو اہل الخیر والصلاح ہونے سے پہچان لیا تھا اگرچہ یہ امر مخفی ہو کہ فرشتے بصورت اطفال خوبصورت متمثل ہوئے ہین مگر
اُنکے اخلاق سے انکار کیا جب اُنھون نے کھانے پر ہاتھ نہ ڈالا اور آثار غضب الٰہی نمایان ہوئے تو اُن کو خوف ہوا کیونکہ بسا اوقات ایسی
کچھ خوفناک بات لاتا ہے۔ لعلک عصیان ؤ نسست بعالم ؤ سلام علی الدارین ان کنت راضیا ؛ اور نیز یہ خوف بوجہ حضرت لوط و اُنکے اہل و عیال
کے پیدا ہوا قولہ قالوا لا تخف انا ارسلنا الی قوم لوط۔ فرشتون نے حجاب اُٹھا دیا اور صاف عذاب کا حکم ظاہر کردیا۔ قولہ رحمۃ اللہ و برکاتہ
علیکم اہل البیت۔ یہ رحمت و برکت ان نیکون پر انوار مشاہدہ آلہی تھی اور نیز نبوت و رسالت و خلافت تھی حتی کہ آخر قیامت تک باقی رہی اور تمام
اولاد مین سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مخصوص دعائے مقبول سے مانگا بعض نے کہا کہ رحمت تو محبت ہے اور برکات معرفت و توحید ہے بعض نے کہا کہ
اہل البیت کی برکتین دعائے خلیل و دعائے ملائکہ سے ہین اور آنحضرت صلعم نے تمام نمازون مین اسکا حکم دیا چنانچہ درود شریف مین ہے کما بارکت
علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم یعنی خود اہل بیت و اولاد مین سے تھے۔ انہ حمید مجید محمود تو اپنی حمد قدیم سے ہے چنانچہ خود اپنی تعریف فرمائی ہے اور
وہی مستحق حمد ہے۔ مجید عظیم الشان ہے نہ کوئی فہم ہے کہ اس تک رسائی پاوے اور نہ کوئی عقل ہے کہ ادراک کرے پھر جب برکات آلہی واصل
ہوئین اور مکاشفہ کے دروازے کھلے اور فیض بشارت حاصل ہوا تو انکا قلب غبار امتحان سے نکلکر حضرت الرحمن کے ساتھ مقام انبساط مین حاضر ہوا
کما قال تعالیٰ فلما ذہب عن ابراہیم الروع وجاءتہ البشری یجادلنا فی قوم لوط۔ دوری کا خوف گیا اور نزدیکی کی خوشخبری ملی محبت کا
مزہ آیا اور خلت کا انبساط ہوا تو اس مقام کے موافق برخلاف انقباض کے حالت طاری ہوئی اور ایسی حالت مین جو امور ان سے برداشت
ہوتے ہین وہ اہل ہیبت و جلال سے جائز نہین ہین و لیکن خلیل کا انبساط یہی ہوتا ہے کہ مخلوق پر رحمت و شفقت ہو چنانچہ فرمایا یجادلنا فی قوم لوط
پس قوم لوط کیلیے تاخیر عذاب مانگتے اور لوط و اُنکے لوگون کیلیے رحمت و نجات چاہتے تھے اور یہی سخاوت و جوانمردی و مروت و حلم ہے اسیواسطے

وصف فرمایا بقولہ ان ابراہیم لحلیم اواہ منیب حلیم تو اسوجہ سے کہ اپنی قوم پر بددعا نہیں کرتے بلکہ کہتے فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانک غفور رحیم یعنی جو میری پیروی کرے وہ مجھمین سے ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو تو غفور رحیم ہے اور زیادہ یہ تھا کہ غیر سے آنکھ پھیر کر رب تبارک تعالی کیطرف کشادہ رکھتے تھے اور یہی حال عاشقونکا ہوتا ہے اور منیب بدین معنی کہ سب سے منہ موڑکر رب تبارک وتعالی کی طرف راجع ہوئے چنانچہ آیت مین مذکور ہے انی بریٔ مما تشرکون انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض الآیۃ۔ اور ابراہیم علیہ السلام کا مجادلہ بوجہ جہالت کے نہ تھا بلکہ بسبب کمال انبساط کے تھا پس کمال شفقت سے لوگون پر کرم چاہا کیونکہ اپنے آپکو ازلی انتخاب کی وجہ سے ایسی سفارش کے لائق دیکھا اور حقتعالی کو اپنے نیک بندونکا ایسا معاملہ پسند ہے دفی الحدیث انہ لما اسری بی لایت رجلا فی الحضرۃ یتدمر فقلت لجبرئیل من ہذا قال اخوک موسی علیہ السلام یتدمر علی ربہ تعالی فقلت وہل لہ ذلک فقال یعرفہ فیتحمل عنہ۔ اور قصہ موسی علیہ السلام میں انبساط مذکور ہے بقولہ ان ہی الا فتنتک۔ واضح رہے کہ انبساط نہیں ہوا ہے مگر اسی شخص سے جو معرفت مین ایسے رتبہ پر ہو بعض مشائخ نے اس مقام کی تفسیر مین کہا کہ قولہ فلما ذہب عن ابراہیم الروع الخ یعنی فرشتون کے کھانے سے پرہیز کرنے کے سبب جو انکو تعجب پیدا ہو گئی تھی جاتی رہی اور جان گئے کہ یہ ملائکہ ہین اور اُن کو بشارت پہونچی یعنی اللہ تعالی کی طرف سے سلام پہونچا تو خلق پر بے انتہا شفقت کی طرف متوجہ ہو کر قوم لوط بدکار کی طرف سے مجادلہ کرنے لگے کیونکہ اللہ تعالی نے انکے دل مین رحمت کو پیدا کر دیا تھا لہذا چاہتے تھے کہ یہ لوگ مہلت دیئے جاوین شاید ایمان لاوین اور لوط مع اہل ایمان رہتے ہوئے کیونکر اہل کفر پر عذاب نازل ہوگا اور کیونکر انکے ساتھ اہل ایمان ہلاک کئے جاوینگے اور بیشک اللہ تعالی نے اس کلام پاک سے بندون پر ظاہر کر دیا کہ ابراہیم خلیل اللہ نے باوجود مرتبہ خلت درجہ نبوت عظمی کے بسبب صنع الہی سے ملائکہ کو پہلے پہل نہین پہچانا اور اُنکو مہمان سمجھے اور یہی اظہر ہے کیونکہ کلام الہی مصرح ہے کہ اول مین اُنکو نہین پہچانا تھا پھر اللہ تعالی نے اپنے پیغمبر حضرت لوط علیہ السلام کی دل تنگی اور خوف کا ویسا ہی حال بیان فرمایا جیسا ابتدا مین حضرت ابراہیم کا نہ پہچاننے سے ہوا تھا بقولہ تعالے

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ۝

اور جب پہونچے ہمارے بھیجے لوط پاس خفا ہوا اُنکے آنے سے اور تنگ گیا جی مین اور بولا آج دن بڑا سخت ہے

وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ

اور آئی اُس پاس قوم اُسکی دوڑتی بے اختیار اور آگے سے کر رہے تھے بُرے کام بولا اے قوم یہ

بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ۝

میری بیٹیان حاضر ہین یہ پاک ہین تمہارے واسطے سو ڈرو تم اللہ سے اور مت رسوا کرو مجھکو میرے مہمانون مین کیا تم مین ایک مرد بھی نہین نیک راہ

قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ۝

بولے تو تو جان چکا ہے ہم کو تیری بیٹیون سے دعوی نہین اور تجھکو تو معلوم ہے جو ہم چاہتے ہین

ولما جاءت رسلنا لوطا اور جب پہونچے ہمارے بھیجے ہوئے لوط پاس یعنی جو ملائکہ حضرت ابراہیم پاس مہمان تھے بشارت دیکر آگاہ کرکے نکلے اور لوط علیہ السلام کی طرف چلے اور درمیان مین چار فرسخ کا فاصلہ تھا سدی نے کہا کہ دوپہر کے وقت نہر سدوم پر پہونچے وہان لوط کی بیٹی پانی بھرتی تھی اُس سے بولے کہ اے لڑکی یہان کوئی ٹھکانا مسافرون کیلئے ہے اُسنے دیکھا کہ چند لڑکے نہایت خوبصورت خوش پوشاک خوشبو سے معطر اس گاؤن مین مہمانی چاہتے ہین تو اُسنے بولی کہ تم یہین ٹھہرے رہو مین آتی ہون یہ کہکر فوراً گھر پہونچی اور باپ سے کہا کہ کچھ لڑکے شہر کے دروازہ پر ہین مین نے اُن سے زیادہ خوبصورت نہین دیکھے آپ اُنکی خبر لیجیے ورنہ آپکی قوم اُنکو تباہ کریگی حضرت لوط روانہ ہوئے اور

پوشیدہ اُنکو لائے مگر نہایت پریشان و دل تنگ تھے اور اسوقت کوئی واقف ہوا صرف انکی جورو آگاہ ہوئی اور اُسنے قوم سے کہدیا اور قتادہ رح نے کہا کہ حضرت لوط اپنے کھیت مین تھے وہان آکران لوگون نے مہمانی چاہی تو حضرت لوط نے شرم سے انکار نہ کیا اور ساتھ لیکر خوفناک و دلتنگ چلے اور آپ انکے آگے ہوگئے جیساکہ اللہ تعالی نے کہا سِیٓءَ بِهِمْ۔ ان مہمانون کے آنیکے سبب غمناک ہوگئے ۔ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا اور دل تنگ ہوئے وَقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ۔ اور دل مین کہا کہ یہ دن سخت ہی حضرت ابن عباس رض وغیرہ نے کہا کہ یوم عصیب یعنی آئین سخت بلا گھیرے ہوئے ہی جیسے سر کے گرد عصابہ یعنی پٹی باندھے ہو پھر آگے آگے انسے کہتے چلے کہ اے لوگو تم اس قصبہ کی بدکاری سے واقف ہو انھون نے کہا کہ وہ کیا ہی فرمایا کہ اے لوگو واللہ مین نہین جانتا کہ روے زمین پر اس سے بڑھکر کوئی گانون والے خبیث ہون اور مطلب یہ تھا کہ یہ مہمان یہان سے چلے جاوین ورنہ انکی طرف سے مجھے اس قوم بدکار سے مقابلہ پیش آویگا اور یہ امران پر بہت گران تھا پھر کچھ دیر چلکر انسے یہی کلمہ کہا اسی طرح چار مرتبہ اُنسے کہا ۔ قتادہ رح نے کہا کہ ان ملائکہ کو حکم تھا کہ اس قوم کو ہلاک نکرنا جبتک کہ انکا پیغمبر چار مرتبہ انکی بدفعالی کی گواہی نہ دے پھر یہ لوگ ہین گئے یہانتک کہ حسب اتفاق انکو خفیہ گھر تک لائے مگر انکی جورو نے آخر وقت جاکر قوم سے ان لڑکون کے حسن و جمال کی حکایت بیان کی وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ۔ اور لوط کی قوم انکی طرف دوڑتی ہوئی اترائی آئی ۔ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۔ اور اس سے پہلے قوم والے بدکاری کیا کرتے تھے یعنی اس قوم کی طینت و عادت بدکاری ہوگئی تھی حتی کہ اسی حال پر عذاب مین گرفتار ہوئے قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ ۔ لوط نے فرمایا کہ اے قوم یہ سب میری بیٹیان ہی تمھارے لیے زیادہ پاکیزہ ہین یعنی لڑکون سے یہ زیادہ پاکیزہ ہین لہذا تم لوگ لڑکون سے اغلام و بدکاری جو محض پلیدی ہی چھوڑ دو اور عورتون سے جوڑا اختیار کرو ۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ۔ پس اللہ تعالی خالق و مالک سے ڈرو اور لا تخزونی اور مجھے مت رسوا کرو میرے مہمانون کے بارہ مین یعنی لڑکے میرے مہمان ہین تم اُن کی طرف بدکاری کے لیے ہاتھ مت بڑھاؤ کہ اسمین میری سخت رسوائی ہی اور دوسری آیت مین قوم کا جواب یہان مذکور ہی اولم ننهك عن العالمين یعنی کیا ہم نے تمکو عالمین سے نہین منع کر دیا تھا یعنی پہلے ہم نے تم کو منع کر دیا تھا کہ تم کبھی مردون کو اپنا مہمان نکرنا ۔ یہان ناواقف آدمی کو ایک شبہہ ہوتا ہو وہ یہ ہی کہ لوط علیہ السلام نے لڑکیون کو اطہر فرمایا اور اُسکے معنی زیادہ پاک کے ہین جو کسی دوسری چیز سے بڑھکر ہو تو شبہہ ہوتا ہے کہ لڑکون سے اغلام پاک ہی ۔ لڑکیون سے جماع کرنا زیادہ بڑھکر پاک ہی حالانکہ بالیقین احادیث و آیات سے معلوم ہوا کہ اغلام کرنا بالکل نجس ناپاک ہی اس شبہہ کو جو عربی زبان سے واقف ہی جلدی حل کر لیتا ہی اسطرح کہ یہ کلام بطریق مقابلہ کے ہی اور سمجھانے کا یہی طریقہ عمدہ ہی اور ظاہر ہی کہ وے لوگ اس فعل کو پاک سمجھتے تھے تو سمجھایا کہ اے لوگو تم اپنی جہالت سے کچھ ہی سمجھو اتنا تو یقینی ہی کہ لڑکیون مین خوب پاکیزگی ہی تو اسی کو کیون نہین لیتے اور نظیر اسکی قوله تعالی اذلك خير ام شجرة الزقوم ۔ بھلا یہ میوے خوش مزہ بہت اچھے ہین یا تھوہڑ کا درخت ۔ حالانکہ تھوہڑ کے درخت مین تو کچھ بھی اچھائی نہین ہے اور نظیر اسکی حدیث مین قصہ احد مین ہی کہ ابوسفیان نے اپنے ہبل بت کی بزرگی بیان کی اور کہا اعل ہبل یعنی او ہبل بڑا ہو تو پس حضرت نے جواب مین کہلایا کہ اللہ اعلی و اجل یعنی اللہ بہت بزرگ ہی حالانکہ اللہ تعالی کے سامنے بت کی کچھ بھی بزرگی نہین ہی اور اسکے نظائر زبان عرب مین بہت ہین فائدہ ۔ حضرت لوط نے فرمایا کہ ھؤلاء بناتی ۔ یہ میری بیٹیان ۔ تو کیا حقیقت مین اپنی بیٹیون کو فرمایا تھا یا قوم کی عورتون کو کہا تھا اور دوسری بات یہ ہے کہ بیٹیون کو ان کافرون کو کیونکر دینا چاہا تو جاننا چاہیے کہ ابتدا مین جو روایت سدی رح سے مروی ہی اس سے ظاہر ہوتا ہی کہ حضرت لوط کی بیٹیان تھین اور انھون نے اپنی ہی بیٹیون کی طرف اشارہ کیا اور یہ ارشاد تھا یعنی ان کو بدکاری سے موڑ کر نیکو کاری کیطرف

راہ بتائی اسیواسطے کہا۔ اَلَیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ۔ کیا تم مین سے کوئی ایسا نہین ہے جو نیک راہ پر ہو یعنی نیک راہ قبول کرے اور دوسرون کو نیک راہ بتلاوے اور برائی سے منع کرے بعض نے کہا کہ اس قوم مین دو شخص سردار تھے جنکا کہنا سب مانتے تھے تو چاہا کہ ان پاک بیٹیون سے انکو راہ پر لاوین تو پھر سب راہ پر آجاوین اور ظاہر قرآن بھی اسی پر دلالت کرتا ہو کہ بیٹیان خود اپنی تھین چنانچہ کافرون کا جواب مذکور ہو کہ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ۔ قوم کافر کہنے لگی کہ تجھے خوب معلوم ہو کہ ہم کو تیری بیٹیون مین کچھ حق نہین یعنی کچھ خواہش و حاجت نہین ہے۔ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ۔ اور تو خوب جانتا ہو جو ہم چاہتے ہین یعنی لڑکون و مردون سے اغلام کرنا۔ یہان دو طرح شبہہ کیا گیا ایک تو کرخی ؒ کا قول ہو کہ اپنی بیٹیون کو کسی پر پیش کرنا خلاف مروت ہو اور اسکا جواب یہ ہو کہ نہین بلکہ عذاب کفر سے نکالنا اور ہدایت پر لانا مقصود تھا اور پیغمبر اپنی قوم کا باپ ہوتا ہو لہذا یہان کچھ خلاف مروت نہین ہو اور دوسرا شبہہ یہ کہ اہل قوم کافر تھے ان کو یہ مسلم بیٹیان کیونکر دینی چاہین تو جواب یہ ہو کہ اس شرط سے دینی چاہین کہ تم مسلمان ہو جاؤ اور بعض نے کہا کہ غالباً اس شریعت مین مسلمہ کا نکاح کافر مرد سے روا ہو چنانچہ آنحضرت صلعم نے بھی قبل وحی کے اپنی دختر کا نکاح عتبہ بن ابی لہب اور ابو العاص بن الربیع سے کر دیا تھا حالانکہ یہ دونون کافر تھے مترجم کو اسمین تردد ہو اسلیئے کہ آنحضرت صلعم پر جبتک وحی نہین آئی تو زمانہ فترت تھا اور احکام وحی نازل نہین ہوئے تھے بہرحال یہ سب اس قول پر ہو کہ خود حضرت لوط کی بیٹیان موجود تھین ولیکن قوی تفسیر حضرت مجاہد ؒ سے مروی ہو کہ حضرت لوط کے کوئی بیٹی نہ تھی مگر ہر نبی اپنی امت کا باپ ہوتا ہو۔ ابن کثیر ؒ نے کہا کہ ایسا ہی قتادہ ؒ وغیرہم سے مروی ہی اور اسکے معنی یہ ہین کہ اسی قوم کی عورتون کو اپنی بیٹیان کہا اور ابن جریج نے کہا کہ لوط ؑ نے ان کو ارشاد کیا کہ تم عورتون سے نکاح کرو اور یہ مطلب نہ تھا کہ عورتون سے بغیر نکاح کے بدکاری کرو۔ اس قول کی تائید مین کہا گیا کہ قوم کے لوگ بہت تھے اور بیٹیان اسقدر کہان تھین جو سب کے نکاح مین پوری ہون لہذا قوم کی عورتون کو بیٹیان کہکر ترغیب دی اور قولہ مالنا فی بناتک من حق یعنی اپنی عورتون کی جنکو تو شفقت سے بیٹیان فرماتا ہے ہمین کچھ خواہش نہین ہو اور حاصل یہ کہ حضرت لوط ؑ نے اس قوم بدکار کو جب انھون نے مہمان لڑکون کا قصد کیا تھا بہت بلیغ و نہایت الحاح سے نصیحت کی کہ اے لوگو تم اپنی عورتون سے رغبت کرو یہ تمھارے لیے بہتر ہین باپ کی طرح شفقت کر کے تم کو راہ بتاتا ہون کہ یہ میری بیٹیان یعنی تمھاری عورتین تمھارے لیۓ بہت پاکیزہ ہین مگر ان بدبختون نے نہ مانا آخر حضرت لوط علیہ السلام مضطرب ہو کر کہنے لگے۔

قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ۝ قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ

کہنے لگا کہین سے مجکو تمھارے سامنے زور ہوتا یا جا بیٹھتا کسی محکم آسرے مین مہمان بولے اے لوط ہم بھیجے ہین تیرے رب کے

لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ

ہرگز نہ پہونچ سکین گے تجھ تک سو لے نکل اپنے گھر کو کچھ رات سے اور مڑ کر نہ دیکھے تم مین کوئی مگر تیری عورت یونہین ہے

مُصِیْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ۝

کہ اسپر پڑنا ہو جو ان پر پڑیگا ان کے وعدے کا وقت ہو صبح کیا صبح نہین نزدیک

قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً۔ لوط ؑ نے کہا کہ کاش مجھے تمھارے مقابلہ مین قوت ہوتی تو خود تم کو دور کرتا۔ اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ۔ یا جگہ لیتا رکن شدید کیطرف یعنی کنبہ ہوتا کہ انکی مدد سے تم کو دور کرتا کہ تم میرے مہمانون پر زیادتی کرکے مجھے فضیحت نہ کرنے پاتے۔ واضح ہو کہ

جب لوطؑ کی جورو نے کوٹھے پر چڑھ کر یا باہر جا کر قوم کو آگاہ کر دیا اور وے دوڑتے آئے تو لوطؑ نے دروازہ بند کر لیا اور خود دروازہ کے باہر
انکو سمجھانے اور مہمانوں تک پہونچنے سے روکتے تھے یہاں تک کہ وے لوگ نہ مانے اور ہجوم کیا یہاں تک کہ اور طرف دیواروں پر چڑھکر مکان میں
داخل ہونے لگے تو حضرت لوطؑ مضطرب ہوکر کہنے لگے کہ کاش مجھے بذات واحد یہ قوت ہوتی کہ تم کو دور کر سکتا یا میرے کنبہ کے لوگ ایک جماعت
با قوت ہوتے کہ تم کو دور کرتا اور یہ قوم انکے ناتے دار نہ تھی کیونکہ لوطؑ پہلے عراق میں حضرت ابراہیم اپنے چچا کے ساتھ تھے جب وہاں سے شام
میں آئے تو اللہ تعالی نے انکو موتفکات میں پیغمبر کیا اور یہ چند بستیاں تھیں جنمیں بڑی بستی سدوم تھی اور آبادی سب چار لاکھ کے قریب
تھی لہذا لوطؑ نے تمنا کی کہ اسوقت میرے کنبہ والے با قوت وشوکت ہوتے تو تم مجھپر یہ ظلم نہ کر سکتے۔ ابوہریرہؓ سے روایت ہو کہ لوطؑ کے بعد اللہ تعالی
نے جو نبی بھیجا وہ اپنے کنبہ کے با قوت گروہ میں سے بھیجا۔ سعدی رح نے کہا کہ قولہ الی رکن شدید یعنی زبردست لشکر کو اس سے میں تم سے قتال کرتا اور
حدیث صحیح میں ہو رحم اللہ لوطا و فی روایۃ یغفر اللہ للوط ان کان یاوی الی رکن شدید یعنی اللہ تعالی لوطؑ پر رحم کرے یا لوط کو بخشدے کہ وہ رکن شدید
کی طرف جگہ لیتے تھے۔ امام نووی رح نے کہا کہ رکن شدید سے مراد اللہ تعالی عز وجل ہے کیونکہ وہی سب رکن سے اقوی ہو ولیکن تفسیر اول اصح ہو
پھر جب قوم کا ظلم یہاں تک پہونچا اور حضرت جبرئیل نے ہلاک قوم کی اجازت جناب باری تعالی سے مانگی تو اجازت ملی اور جبرئیل نے حضرت
لوطؑ کو اس سختی میں دیکھا۔ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ تو جبرئیلؑ و دوسرے ساتھیوں نے کہا کہ اے لوطؑ ہم تو تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں یعنی فرشتے
ہیں۔ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ۔ یہ لوگ تجھے کوئی برائی نہیں پہونچا سکتے ہیں پھر جبرئیلؑ نے اُٹھکر اس قوم ظالم تبہ کار کے منھوں پر ایک طپانچہ مارا
جس سے اندھے ہو گئے جیسا کہ دوسرے مقام پر آیت میں ہو فطمسنا اعینہم۔ انکی بینائی بگاڑ دی کہ اپنے گھر کا راستہ نہیں سوجھتا تھا تو یہ کہتے ہوئے
بھاگے کہ لوطؑ کے گھر میں جادوگر ٹھہرے ہیں پھر ملائکہ نے لوطؑ کو حکم کیا۔ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ کہ تو یہاں سے کچھ رات میں اپنے لوگوں
کے ساتھ روانہ ہو۔ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اور تم میں سے کوئی مڑکر نہ دیکھے۔ اِلَّا امْرَاَتَكَ۔ سوائے تیری جورو کے۔ ابن کثیر و ابو عمرو نے برفع
تا پڑھا پس احد سے بدل ہوا و معنی یہ ہیں کہ تم میں سے کوئی مڑکر نہیں دیکھیگا سوائے تیری جورو کے کہ وہ نافرمانی کرکے دیکھیگی اور ہلاک
ہوگی چنانچہ روایت ہو کہ وہ ساتھ گئی تھی پھر جب نالہ و فریاد و آوازیں ہیبتناک سنیں تو مڑکر دیکھنے لگی اور بولی کہ ہائے میری قوم پس اسپر
بھی ایک پتھر گرا جس سے ہلاک ہو گئی اور باقیوں نے بنصب تا پڑھا اور یہ اہل سے استثنا ہو یعنی تو اپنے اہل کو سوائے جورو کے ساتھ
لیکر روانہ ہو۔ واضح ہو کہ یہ ممکن ہو کہ لوطؑ نے عورت کو ساتھ نہ لیا ہو مگر وہ خود ساتھ ہو گئی ہو۔ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ۔ بے شبہہ
اس عورت کو وہی عذاب پہونچیگا جو اس قوم کو پہونچنے والا ہو۔ یہ حال سنکر لوطؑ کا اضطراب رفع ہوا اور بولے کہ پھر انکو ابھی ہلاک کر دو
تو جبرئیلؑ نے کہا اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ۔ انکے ہلاک کا وقت اس رات کی صبح ہو۔ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ۔ کیا صبح نزدیک نہیں ہے۔
ابن کثیر رح نے لکھا کہ لوطؑ نے انسے کہا تھا کہ ان کو ابھی ہلاک کر دو تو انھوں نے یہ جملہ انکی تسلی کیلئے کہا تھا اور لکھا کہ معمر رح نے قتادہ رح سے
انھوں نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ قصہ اسطرح نقل کیا کہ ابراہیم علیہ السلام قوم لوطؑ کے پاس آتے تھے اور کہتے کہ اے لوگو میں تم کو بد افعالی سے
باز رہنے کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اپنی جانیں اللہ تعالی کے عذاب کے سامنے مت پیش کرو انھوں نے کچھ نہ مانا یہاں تک کہ تاخیر کی مدت
پوری گذری اور عذاب کا وقت پہونچا اور ملائکہ لڑکوں کی صورت میں لوطؑ کے پاس پہونچے وہ اپنے کھیت میں تھے پس ملائکہ نے کہا کہ اس
رات ہم تمھارے مہمان ہیں اور اللہ تعالی نے جبرئیلؑ کو مامور کر دیا تھا کہ اس قوم کو عذاب نہ کریں یہاں تک کہ لوطؑ انپر تین مرتبہ گواہی دے
جب انکو لیکر گھر چلے تو انکو اپنی قوم کی بد اعمالی جو مردوں کے ساتھ کیا کرتے تھے یاد آئی اور کچھ دور چلکر مہمانوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا

کہ تم کو معلوم ہے کہ اس شہر والے کیا حرکت کرتے ہیں مجھے تو روئے زمین پر ان سے زیادہ بدکار کوئی نہیں معلوم ہے بھلا میں تمکو کیونکر ایسی قوم میں
لیجاؤں جو تمام مخلوق سے بدکردار ہے یہ سنکر جبرئیلؑ نے ملائکہ کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ تم یاد رکھو یہ دو مرتبہ گواہی ہوگئی پھر جب دروازہ
تک پہونچے تو آن سے شرم کھا کر اور انپر شفقت کرکے رونے لگے اور کہا کہ اے عزیزو میری قوم تمام مخلوق سے بڑھکر بدکردار ہے تم کو
نہیں معلوم ہوا کہ یہ لوگ کیا بدفعل کرتے ہیں میں تو روئے زمین پر اس سے بدتر کوئی شہر والے نہیں جانتا ہوں پس جبرئیلؑ نے کہا کہ دیکھو
یاد رکھو یہ تیسری بار پیغمبر نے اس قوم کی بدکرداری پر گواہی دی اب تو عذاب ضرور ثابت ہوگیا پھر جب گھر میں داخل ہوئے تو ناائق
بڑھیا نے اوپر چڑھکر اپنے کپڑے سے بعضے لوگوں کو اشارہ کیا ظاہرا عادت کے موافق مہمانوں کے خرچ سے ناگواری ہوئی ہے اسکے اشارہ پر
فاسق لوگ خوش خوش دوڑتے آئے اور بڑھیا نے باہر نکلکر ان کے دریافت کرنے پر کہا کہ آج لوط مہمان لایا ہے میں نے ایسے خوبصورت
نہیں دیکھے اور نہ ایسے معطر دیکھنے میں آئے یہ سنتے ہی وہ لوگ دروازہ کی طرف دوڑے پس حضرت لوط نے نکلکر دروازہ بھیڑ دیا اور باہر کھڑے
ہوکر انکو اللہ تعالیٰ کی قسمیں دلائیں کہ مجھے مت رسوا کرو بھلا دنیا میں کسی بیچارہ کے مہمانوں سے ایسا معاملہ کوئی کرتا ہے اور دیکھو یہ میری بیٹیاں
یعنی اس قوم کی عورتیں تمہارے لیے پاکیزہ تر ہیں انھوں نے آپکی عاجزی پر کچھ خیال نہ کیا اور چاہا کہ زبردستی گھر میں گھسکر مہمانوں کو پکڑ لیجاویں اسوقت
حضرت لوطؑ نے اپنی عاجزی و بیکسی پر افسوس کیا جبرئیلؑ نے یہ حال دیکھکر درگاہ الٰہی میں عذاب کرنے کی اجازت چاہی اور کھڑے ہوکر لوطؑ سے
کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بھیجے فرشتے ہیں اور آسمانی اپنی صورت جو بہت خوشنما ہے پیغمبر کی نظروں میں ظاہر فرمائی اور ان فاسقوں کے تھپڑ مارا جس
اُنکی آنکھیں چندھیا گئیں کہ انکو گھر کی راہ نہیں سوجھتی تھی اور کہتے بھاگے کہ لوطؑ کے مہمان تو جادوگر ہیں پھر ملائکہ نے لوط سے کہا تم اپنے لوگوں
کو لیکر رات رہے نکل جاؤ اور ہم کو اور ان کو چھوڑ دو یہ تجھے کچھ برائی نہیں پہونچا سکتے ہیں ایسا ہی محمد بن کعب القرظی و قتادہ و سدی وغیرہم
سے مروی ہے اب اس آیت کے اشارات سننا چاہیے ف۔ فی العرائس قولہ ولما جاءت رسلنا لوطا سیئ بہم وضاق بہم ذرعا۔ حضرت لوطؑ
کا ملال اپنی قوم کے فتنہ سے خوف کرکے مہمانوں کے حال پر شفقت کی راہ سے تھا چنانچہ قولہ ولا تخزون فی ضیفی تصریح ہے کہ مہمانوں پر شفیق
و کریم تھے اور واضح ہو کہ ابراہیمؑ و لوطؑ دونوں نے ملائکہ کو نہ پہچانا باوجودیکہ فراست نبوت اعلیٰ ہے سو جسکے کہ دونوں مقام بسط در جار
میں تھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قوم پر عذاب کا کچھ خوف نہ تھا اسیواسطے ملائکہ کو نہ پہچانا یہانتک کہ قوم کے حق میں مستحق عذاب ہونے کو
خود اپنے منہ سے حضرت لوطؑ نے بیان کیا حالانکہ اپنے اسرار سے ملائکہ کو پہچانتے تھے پس تقدیر نے علم قضا جاری ہونے کیلئے انکی ظاہری اسماء
و نظر پر پردہ کردیا بعض نے حکمت بیان کی کہ جب حکم الٰہی جاری ہونے کو ہوتا ہے تو اہل عقل پر تقدیری پردہ ہوتا ہے چنانچہ دیکھو حضرت
ابراہیمؑ کو نبوت و خلت و رسالت حاصل تھی پس انکی فراست کے مثل کسکی فراست ہوسکتی ہے پھر بھی ملائکہ کو نہیں پہچانا کیونکہ فراست مسدود
کردی گئی تھی جیسے آنحضرت صلعم سید المرسلین ملائکہ پر پردہ کردیا گیا جبکہ منافقوں نے حضرت صدیقہؓ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان
عظیم باندھا تھا پس آنحضرت صلعم پر حال خفیہ رہا یہانتک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیقہ کی شان میں پاکیزگی بیان کرنے کو قرآن پاک نازل
فرمایا اسی طرح لوطؑ پر التباس رہا یہانتک کہ عذاب کا حکم ہوگیا واضح ہو کہ جب لوط علیہ السلام اپنی قوم کی طرف سے شدت امتحان میں پڑے
تو قوم کو بدکاری سے دور کرنے کیلئے قوت و رکن شدید چاہا بقولہ تعالیٰ قال لو ان لی بکم قوۃ او آوی الی رکن شدید حضرت لوطؑ نے اپنے آپکو
مقام امتحان میں دیکھا اور مکاشفہ و مشاہدات کا دروازہ بند دیکھا اور یہی پایا کہ میں خوف و فکر میں مبتلا ہوں و تمنا کی کہ کاش مجھے اس
ساعت بھی صفت قدرت سے اتصاف ہوتا جیسے اس امتحان سے پہلے میرا حال تھا تو البتہ میں اس قوم کو کفر و معصیت سے دور کرتا یا

رکن شدید سے تکیہ لیتا یعنی عدم کے گوشہ میں اگر مجھے جگہ مل جاتی تو وہین جگہ لیتا اور اس قوم کے دیکھنے سے راحت پاتا۔ یا عالم ملکوت سے اس قوم کیلئے عذاب لاتا یا قوم کیلئے دعا کرتا اگر مجھے زبان بالی حاصل ہوتی جس سے اُنکو راہ ہدایت ملجاتی اور اپنے اوپر حقوق الٰہی پہچانتے۔ ابن عطاؒ نے فرمایا کہ معنی یہ ہین کہ معنت اگر میرے قبضۂ قدرت مین ہوتی تو تم کو وہان تک پہونچا دیتا۔ بعض نے کہا کہ اگر مجھے تم پر بددعا کی جرأت ہوتی تو بددعا کرتا یا رکن شدید کی طرف جگہ لیتا یعنی عالم غیب جانتا کہ تمہارا انجام سعادت یا شقاوت مین سے کس طرف ہے تو اسی پر صبر و ساکرتا پھر جب کام پورا ہوگیا اور ملائکہ نے حال کھول دیا اور کہا کہ یہ قوم صبح کے وقت ہلاک ہوگی لقولہ ان موعدہم الصبح الیس الصبح بقریب۔ تو خاموش ہوئے اور شاید انھون نے خواہش کی تھی کہ کسی طرح گراہی کے درمیان سے جلد باہر ہوجاؤن اور قرب رحمت و مشاہدۂ قدرت مین داخل ہوجاؤن اور اُلٹی باتین و منکرات دیکھنے سے راحت پاؤن تو ملائکہ نے تسلی کردی کہ وقت تو بہت قریب ہے گویا لوطؑ نے قوم سے یہ کہا کاش اگر مجھے قوت ازلیہ ہوتی تو مین ہم کو ہلاک کرتا یا رکن شدید یعنی حضرت ملکوت مین جگہ لیتا اور تمہاری صحبت و دیدار معصیت سے نجات و راحت پاتا پھر ملائکہ کے وعدہ کا انتظار کرنے لگے تو کہا گیا کہ کیا صبح کا وقت قریب نہین ہے عارفون پر واردات غیب کا اور طلوع صبح مشاہدہ کا انتظار بہت سخت ہوجاتا ہے سری سقطیؒ سے حکایت ہے کہ ابرار کے دل انتظار کا تحمل نہین کرسکتے ہین قال المترجم پھر مین تفسیر کی طرف رجوع کرتا ہون الغرض جب ملائکہ نے لوطؑ کو نکلنے اور اپنے آپکو قوم مین چھوڑنے کا حکم کیا تو لوطؑ مع اہل و عیال کے جو ایک گھر مین تھے رات رہے سے روانہ ہوگئے اور غالب کہ اسقدر وقت سے حکم دیا تھا کہ ان گاؤن کے حدود سے قبل صبح کے باہر ہوجاوین چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام نے ایسا ہی کیا اور حضرت جبریل علیہ السلام نے بحکم عذاب حاصل کرلیا تھا چنانچہ فرمایا

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ ۙ

پھر جب پہونچا ہمارا حکم کر ڈالی ہم نے وہ بستی اوپر نیچے اور برسائین اُسپر پتھریان کنکر کی تہ بتہ

مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ۟

صاف بنائین تیرے رب کے پاس اور نہین وہ بستی اُن ظالمون سے کچھ دور

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا۔ پھر جب آگیا ہمارا امر یعنی وہ وقت جو عذاب کیلئے موعود تھا یا آگیا عذاب ہمارا جو اس قوم کیلئے مقدر تھا تو اُس کی کیفیت یون ہوئی کہ جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا ہم نے ان گاؤن کے عالی یعنی اونچے کو سافل یعنی نیچے کر دیا یعنی اس ہیئات پر لوٹ دیا کہ اونچا نیچے اور نیچا اونچے ہوگیا اور یہ فعل الٰہی بواسطہ ملائکہ کے واقع ہوا جیسے عادت الٰہی دنیا مین جاری ہے اور اسکی کیفیت حضرت مجاہدؒ سے یون مروی ہے کہ صبح ہوتے حضرت جبرئیلؑ نے ان مواضع کو اسکی زمین کے اتصال سے قطع کرکے مثل تختہ کے اپنے بازو پر اُٹھا کر آسمان کو بلند کرکے لوٹ دیا کہ اونچا نیچے و نیچا اونچے ہوا پس جو عذاب اس قوم کو پہونچا کسی قوم کو نہین پہونچا مروی ہے کہ یہ پانچ موضع تھے جنمین سدوم سب سے بڑا موضع تھا اور انھین کو موتفکات کہتے تھے اور سب لونڈے بازی و مردون سے اغلام کرنے مین مشہور تھے حالانکہ ان لوگون سے پہلے کسی قوم سے یہ بدفعل نہین واقع ہوا پس انکو عذاب بھی ایسا سخت پہونچا جو کسی قوم کو نہین دیا گیا تھا پہلے انکی آنکھین پتھرائین پھر مواضع لوٹ دیئے گئے وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۔ اور برسائے ہم نے اُن پر پتھر سجیل سے کہتے ہین کہ جبرئیلؑ نے جسوقت عذاب کیلئے اُٹھایا اُسوقت گرم آگ سے پتھر برسے یا اس گاؤن کے لوگ جو اُسوقت باہر تھے اُن پر برسے یا مواضع اُلٹے جانے کے بعد برسے بہرکیف جب اللہ تعالیٰ کو عذاب دینا منظور ہوا تو ایسا عذاب انکو پہونچنے سے کوئی چیز نہین روک سکتی اور اہل تفسیر نے اسکی کیفیت بیان کرنے مین بہت طول دیا حالانکہ کلام الٰہی مین بہت مختصر مذکور ہے اور ایسے عنوان سے بیان ہے کہ اسکے ضمن مین علوم قلبی و اسرار عجیب شامل ہین جنکو بیان مین لانا مشکل بلکہ غیر ممکن ہے لہٰذا ابھی کی

ظاہری کیفیت سے بحث کرنا بیفائدہ ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ظاہری کیفیت کسی حدیث مین مروی نہین اور اسقدر زمانہ دراز سے اسوقت تک ایک معتبر آدمی کی زبانی دوسرے معتبر شخص کا روایت کرنا ممکن نہین تو خواہ مخواہ اکثر باتین یہود و نصاری کے عالمون سے لیگئی ہین اور یہ معلوم ہے کہ ان لوگ اپنی کتابون کو مہذب کرنیکے لائق جانکر کیسی کچھ تحریف کرتے چلے آئے تو بھلا ان قصون مین کیونکر انکی زبانی اصلی کیفیت معلوم ہوسکتی ہے اور ہمکو حکم ہے کہ انکی روایتون کو نہ مانین اور نہ جھٹلاوین اسلیئے ہم سکوت کرتے ہین اور صرف اسقدر یقین کرتے ہین جسقدر قرآن پاک مین ذکر ہے تو ہم جانتے ہین کہ یہ سچ ہے جو اللہ تعالی نے فرمایا کہ ہم نے اُن پر سجیل سے پتھر برسائے بعض علماء نے کہا کہ سجیل ایک مقام ہے اور بعض نے کہا کہ سجیل کے معنی پکی اینٹ پس مراد یہ کہ پکی اینٹ کے کھنگر اور بعض نے کہا کہ سجیل معرب سنگ گلین ہے اور یہ کھنگر کے معنی مین ہے اور بعض نے کہا کہ سجیل و سجین ایک ہے اور سجین کے معنی قولہ تعالی وما ادراک ما سجین کتاب مرقوم سے ظاہر ہین بالجملہ انکی اصل حقیقت کا علم مثل اور چیزون کے حضرت خالق عز وجل ہی کو ہے ہمکو اس سے کچھ زیادہ بحث نہین ہے۔ قولہ تعالی مَنْضُودٍ صفت سجیل ہے اور یہ موید ہے کہ سجیل معرب سنگ گلین ہے کیونکہ منضود و نضید کے معنی یا تو یہ ہین کہ ایک پر دوسرا لگا ہوا جیسے کیلے و خرما کے گودے مین ہوتا ہے اور مقصود یہ کہ پتھر بہت کثرت سے تھے اور یا یہ کہ پے در پے جیسے پانی کی بوندین برستی ہین۔ و قولہ تعالی مُسَوَّمَةً بصیغہ اسم مفعول کے حجارۃ سے حال ہے اسوجہ کہ حجارۃ اگرچہ نکرہ ہے لیکن موصوف ہے اور نکرہ موصوفہ سے مثل معرفہ کے حال جائز ہے اور معنی اسکے معلمۃ یعنی اسپر نشان و علامت تھی حسن بصری و سدی نے کہا کہ ہر پتھر پر سرخی لگی تھی اور بعض نے کہا کہ ہر کافر کے پتھر پر اسکا نام تھا۔ فراء نے کہا کہ یون بیان کیا جاتا ہے کہ ہر پتھر پر سرخ و سیاہ لکیرین تھین۔ اقول یہ قتادہ و عکرمہ سے مروی ہے۔ ابن جریج نے کہا کہ ان پتھرون پر ایک خاص نشانی ایسی تھی جس سے بالیقین معلوم ہوجاتا کہ یہ زمین کے پتھرون کے مانند نہین ہین الحاصل اس قوم پر جو پتھر عذاب کے برسے وہ گول دسے ہوئے یا بنڈون کی طرح پے در پے بکثرت تھے اور ہر ایک پتھر پر نشان تھا۔ عِنْدَ رَبِّكَ۔ تیرے پروردگار پاس سے یعنی خزائن الہیہ مین سے تھے یا علم الہی مراد ہے اور خلاصہ یہ کہ اللہ تعالی عز وجل کے واسطے کوئی مقام نہین جہان سے آنا مراد ہو بلکہ ایسا کلام جہان مذکور ہے اس سے غیب و خزانہ قدرت یا حکم حق مراد ہے اور یہ خطاب آنحضرت صلعم کو ہے۔ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ۔ اور ایسے عذاب کے پتھرون کا برسنا ظالمون سے کچھ دور نہین ہے یعنی ظالم لوگ جو اللہ تعالی کے رسولون سے کفر کرتے اور زمین مین فساد پھیلاتے ہین ان کو خوف کرنا چاہیئے کہ ان پر ایسے پتھر برسین۔ مجاہد نے کہا کہ اس کلام سے کفار قریش کو دہشت دلائی کہ ان کو بھی ایسا ہی عذاب نہ پہونچے جیسا کہ قوم لوط کو پہونچا۔ قتادہ نے کہا کہ اس امت کے ظالمون سے ایسا عذاب کچھ دور نہین ہے۔ **قال المترجم** حدیث مین ہے کہ جسکو تم پاؤ کہ وہ قوم لوط کا فعل کرتا ہے تو فاعل کرنیوالے اور کرانیوالے دونون کو قتل کر ڈالو یعنی ان دونون کا قتل کردینا تم پر واجب ہے کما فی السنن عن ابن عباس مرفوعا۔ اور حدیث مین ہے اس امت مین بھی یہ ہوگا کہ کچھ لوگ زمین مین دھنس جاوین اور بعضون کی صورتین بگڑ جاوین اور بعضی روایت مین پتھرون سے ہلاکت بھی ہے اور بعض روایت مین اسکا وقت وہ زمانہ بتلایا کہ لوگ بیباکانہ فسق و فجور کے مرتکب ہون اور بعض روایات مین علانیہ شراب خواری و چوری و زناکاری و امانت مین خیانت و بدکار کا سردار ہونا وغیرہ قریب پندرہ باتین فرمائین کہ جب ایسا کرینگے تو بلائین اسطرح ٹوٹ پڑین گی جیسے لڑی ٹوٹ کر دانہ گرنے لگتے ہین یہان تک یہ تذکرہ ختم فرمایا اور چاہیئے کہ عام لوگ اس سے عبرت حاصل کرین اور خاص لوگ اس کیلیئے انتہاء علوم و دقائق سے فیضیاب ہون اور یہ قصہ تو یہ کوئی افسانہ نہین ہے جیسا کہ اسوقت کے بعض نیچر ملحدون نے اپنی جہالت سے زعم کیا اور واضح ہو کہ بعض مفسرین نے قرآن مجید کے ذکر سے بہت زائد روایات یہان بھی مانند دیگر

قصص الانبیا کے ذکر کین جنکے ثبوت مین تامل ہو اور کوئی حاجت نہین اور اکثر یہ روایتین اگلی کتابوالون یہود و نصاری سے لی گئی ہین حالانکہ اُنکی روایت کو نہ ہم جھٹلاوین نہ مانین یہی ہمکو حکم دیا گیا ہے اسیواسطے بہت سے قصص ہم نے حذف کر دیئے ہین فاستقم ـ ف ـ فی العرائس فی اشارۃ قولہ فلما جاء امرنا جعلنا عالیہا سافلہا ـ ابتدا ازفطرت و انتہا وجود مین جب معرفت کی نظر یہ ہوتی ہے کہ مشاہدہ وکشف ملکوت سے اطمینان وسکون مین مطمئن ہون تو غیرت قدم ان پر امتحان کے بوجھ ڈالکر بلا مین مبتلا فرماتی ہے چنانچہ اعلی جنت سے ادنی مسکن زمین پر الٹ جاتے ہین اور قلوب احوال سے امتحان شہوات مین منقلب ہو جاتے ہین تاکہ خوب معلوم کرین کہ بارگاہ عظمت و جلال کبریائی مین تمام عرفان جہالت ہے ـ مرید لوگ اگر اپنے مشائخ پر تکبر کرتے ہین تو نفس کے ہاتھون گرفتار ہوکر خوار ہو جاتے ہین اور قرب منزلت سے دوری کے پتھران پر برستے ہین ـ ف قولہ وما ہی من الظالمین ببعید ـ ایسا خوار ہونا اور قرب منزلت سے دوری مین گرفتار ہونا ایسے لوگون سے دور نہ جانو جو اتباع سنت و طریقہ شریعت چھوڑکر اتراتے ہین اور ایسے عذاب کے لائق ہونے کی علامت یہ ہے کہ متواتر اس سے گناہ و فسق و فجور ظاہر ہوتے ہین بعض نے قولہ فلما جاء امرنا الآیۃ سے نتیجہ اخذ کیا کہ جب حکم ازلی پہونچا تو جیسے ان کے دلون کو اُلٹا کر دیا گیا تھا ویسے ہی اُنکی ظاہری ہیئات بھی لوٹ دی ـ شیخ محمد بن الفضل نے فرمایا کہ قوم لوط کو جو سزا ملی اسی جہت سے تھی کہ نیک کام خود کرتے اور نہ دوسرون کو نصیحت کرتے اور کچھ پروا نہین کرتے تھے اور باتین بناکر حرام و فحش باتین عمل مین لاتے اور کہا کہ جو لوگ اپنے خالق سے خوف چھوڑکر شرع سے تجاوز کرتے ہین یا شرع مین خلاف تقوی تاویلین کرکے حرام کو حلال بناتے ہین اور ماننداسکے معاصی کے مرتکب ہوتے ہین وہ ظالم ہین اُن سے ایسا عذاب کچھ دور نہین ہے اقول دور کیونکر ہوگا جبکہ ایسی بداعمالی سے اسکی قلبی و باطنی خوبصورتی مقلوب ہوکر فسق و فجور وغیرہ مین تبدیل ہوئی اور عذاب اسپر برستا ہے تو اگر دنیاوی چند روزہ زندگی مین یہ حال نہ کھلا تو اُسکو کچھ فائدہ نہین کیونکہ موت دور نہین تو پھر خواہ مخواہ قبر کا عذاب بھی طاری ہوگا پھر عذاب دو کہان ہوا نعوذ باللہ من الضلال والعذاب ـ پھر اللہ تعالی نے منجملہ

عربی اذکار کے حضرت شعیب کا تذکرہ فرمایا بقولہ تعالی ـ

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ

اور مدین کی طرف بھیجا انکا بھائی شعیب بولا اے قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی نہین تمہارا حاکم اسکے سوا

وَلَا تَنقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ ۚ إِنِّي أَرَاكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ

اور نہ گھٹاؤ ناپ اور تول مین مین دیکھتا ہون تمکو آسودہ اور ڈرتا ہون تم پر

عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ۝ وَيَا قَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ

آفت سے ایک گھیر لینوالے دن کی اور اے قوم پورا کرو ناپ اور تول انصاف سے اور نہ گھٹاؤ لوگون کو

أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ

اُنکی چیزین اور نہ مچاؤ زمین مین خرابی جو بچ رہے اللہ کا دیا وہ بہتر ہے تم کو

إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۚ وَمَا أَنَا عَلَيْكُم بِحَفِيظٍ ۝

اگر ہو تم یقین رکھتے اور مین نہین ہون تم پر نگہبان

ف ـ ارسلنا ـ الی مدین اخاہم شعیبا ـ اور ہم نے بھیجا مدین کی جانب اُنکے بھائی شعیب کو ـ مدین حضرت ابراہیم کے

بیٹے کا نام ہے اور مدین کی تمام اولاد بڑا قبیلہ ہوا وہ بھی مدین ہی مشہور ہوئے اور مدین نے ایک شہر آباد کیا وہ بھی مدین کہلاتا ہی کما فی قولہ لما بلغ ماء مدین الآیۃ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں فرمایا ہی پس اگر یہاں مدین سے قبیلہ مراد ہے تو معنی ظاہر ہیں اور اگر شہر مراد لیا جاوے جیسے بعض مفسرین نے کہا تو ضرور ہی کہ مضاف محذوف ہو یعنی اہل مدین کیونکہ اخاہم کی ضمیر مدین کے لوگون کی طرف راجع ہی مقریزی نے خطط میں لکھا کہ مدین حضرت شعیبؑ کی اُمت ہیں اور یہ لوگ مدیان بن ابراہیم خلیل کی اولاد ہیں اور مدیان کی بیوی کا نام قنطورا تھا وہ یقطان کی بیٹی اہل کنعان میں سے تھی جس سے آٹھ بیٹے ہوئے جنکی اولاد بڑا گروہ ہو گیا اور شہر مدین بحر قلزم کے کنارے پر تبوک کے محاذی اُس سے چھ مرحلہ دور واقع ہی اور تبوک سے بڑا قصبہ ہی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اول مرتبہ مصر سے تنہا بھاگے تو اسی شہر کے کنوئیں پر ٹھہر کر شعیبؑ کی بکریون کو پانی پلایا تھا۔ ابن کثیرؒ نے کہا کہ مدین عرب کا ایک قبیلہ تھا جو حجاز و شام کے درمیان ایک شہر میں بستے تھے جو انھیں کے نام پر مدین مشہور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس شعیبؑ کو رسول کر کے بھیجا اور شعیبؑ انھیں میں سے سب سے شریف النسب تھے۔ بعض نے لکھا کہ جمہور کے نزدیک مدین عجمی لفظ ہے تو اسکے وزن پر اشکال نہیں اور بعض نے کہا کہ عربی لفظ ہو تو اس صورت میں وزن فعیلاً بفتح الیاء ماخوذ از محاورہ مدن بالمکان یعنی وہاں قیام کیا مگر یہ وزن نادر ہے اور بعض نے کہا مہمل ہی اور بعض نے کہا مفعلاً ماخوذ از دان ہی تو بھی شاذ ہی اقول بقول مقریزی اصل لفظ یہاں موافق نام مدیان بن ابراہیم ؑ ہے اور شاید کہ انھون نے عجمی نام رکھا ہوا اور ہر حال میں وہ غیر منصرف لفظ ہی یہی قول ابو النحاس کا ہے اور ابن کثیرؒ نے جبکہ اس قبیلہ کو عرب میں سے قرار دیا تو قابل بحث ہی جسمیں عربیت سے واقف آدمی غور کرین اور معنی کی نظر سے عرب میں سے ہونا اقرب و اصح معلوم ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں عرب کو اکثر انھیں وقائع سے عبرت و نصیحت دلائی جو اُنکی سرزمین میں واقع ہوئے سوائے چند وقائع کے جو کمال شہرت کی وجہ سے عرب کے نزدیک مثل ان کے ملک کے واقعات کے تھے بالجملہ انھیں مدین کی طرف اُن کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا اور بھائی ہونا کچھ دین کی راہ سے نہ تھا بلکہ نسب کی راہ سے تھا اور شعیبؑ شاید عربی لفظ ہے اور نسب اُنکا یہ ہی شعیب بن میکائیل بن یشجر بن مدین بن ابراہیم ؑ تو شعیب علیہ السلام اسی قبیلہ مدین میں سے ان سب سے اشرف تھے۔ فوائد حدیث سے ثابت ہی کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں سے اسکا نبی سب سے اشرف خاندان کا بھیجا اگرچہ وہ فقیر ہو۔ پھر شعیبؑ کی نصیحت و تعلیم کا حال بیان کیا کہ مثل اور انبیاء کے شعیب نے جو خطیب الانبیاء کہلاتے ہیں پہلے قوم کو وہ بات بتلائی جو سب سے زیادہ فرض ہی۔ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ۔ کہا کہ اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو یعنی اپنے خالق معبود کی توحید کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ پاک نام ہے تمام مخلوقات کے خالق مالک بےمثل و مانند قادر کا جسکی تمام صفات کاملہ ہیں اُسکا کوئی شریک نہیں ہی تو جب کہا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو تو گویا کہا کہ معبود اپنا اسکو جانو جو وحدہ لاشریک ہی یہی توحید اسلامی ہی اسی واسطے جو کوئی کہ شرک کرے یا تدبیر پر اعتماد و بھروسا کر کے تقدیر کو نہ مانے اُسنے اللہ تعالیٰ کو نہ مانا اگرچہ منہ سے کہے کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں یا جو کوئی کہ اللہ تعالیٰ پاک کیلئے جورو یا بیٹا بتلاوے اسنے اللہ تعالیٰ کو نہ مانا بلکہ اُسنے اپنا خدا ایسی چیز کو بنایا جسکا بیٹا و جورو ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ ایسی چیزون سے پاک ہی سبحان اللہ و بحمدہ و سبحان اللہ العظیم تو اسنے اللہ تعالیٰ کو نہ مانا اسیواسطے دیکھو اہل کتاب یہود و نصاریٰ اگرچہ زبان سے خدا کو مانتے ہیں لیکن حقیقت میں اپنے گڑھے ہوئے خیال کو اپنا معبود بنا لیا ہے تو قرآن میں صاف فرما دیا کہ قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الآخر یعنی مومنون کو حکم دیا کہ جہاد کرو ان لوگون سے جنکا یہ حال ہی کہ اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے ہیں لہذا جب اللہ تعالیٰ

کی توحید سب سے مقدم فرض تھا تو پہلے قوم کو بتلایا کہ اللہ تعالی کی ذات و صفات کو اسی طرح یقین کرو جس توحید پر وہ پاک ہو تب
تمہاری عبادت البتہ اپنے خالق کی عبادت ہوگی۔ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۔ اسکے سوائے تمہارا کوئی معبود نہیں ہو تو اپنے دل سے
کوئی معبود مت بناؤ حتی کہ اگر اللہ تعالی کے حکم کے مانند کسی دوسرے کا کہنا اپنے اوپر فرض جانے اور مانے تو اسی کو اسنے اپنا معبود
بنالیا اسواسطے اگلے یہود و نصاری جنکا اعتقاد تھا کہ جو حبر و قسیس و راہب کہے وہی فرض ہے ان کو اللہ تعالی نے مشرک فرمایا اور کہا
کہ انھون نے معبود بنالیے بقولہ تعالی اتخذوا احبارہم و رہبانہم اربابا من دون اللہ والمسیح ابن مریم۔ اور اس زمانہ مین بھی نصرانیون
کی یہ کیفیت ہو کہ بڑا پادری و بشپ اکثر سفارش سے روپیہ لیکر [illegible] معاف کردیتا ہے اور عام نصرانی اسکی معافی پر معاف ہونیکا یقین
کرتے ہین تو انبیا علیہم السلام کے موافق حضرت شعیبؑ نے قوم کو بتلایا کہ اللہ تعالی کے سوائے تمہارا کوئی معبود نہیں ہو اور پیغمبر کا حکم
خود نہیں ہوتا بلکہ وہ فرماتا ہے کہ تمہارے رب کا یہ حکم ہو۔ سراج مین توحید پر یہ دلیل عمدہ لکھی کہ دیکھو ہزارون پیغمبر گذرے اور ان کے
ملکون مین ہزارون کوس کا فاصلہ اور ان کے زمانون مین ہزارون برس کا فرق تھا مگر سب نے اپنی قوم کو یہی توحید کا اعتقاد
سکھلایا تو بالیقین معلوم ہوگیا کہ ہر ایک سچا پیغمبر تھا اور یہی توحید بیشک برحق ہو جبکہ ان کو اللہ تعالی نے وحی فرمائی۔ پھر جب انکو تعلیم
کردیا کہ اللہ تعالی خالق عزوجل کا حق ہر حال مین اپنے اوپر فرض جانو اور تمہارا جی چاہے یا نہ چاہے اسی کو سچ جان کر عمل کرو تو پھر
انکو تعلیم کیا کہ آپس مین تمام مخلوق مین عدل کا برتاؤ کرو اور جو فعل بڑا ظلم بعد شرک کے کرتے تھے اس سے منع کیا بقولہ۔ وَلَا
تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ ۔ اور کمت کرو کیال و میزان مین۔ فی السراج یعنی ناپ مین اور ناپنے کے برتن مین اور نہ تول
اور تولنے کے باٹ مین۔ اور ناپ تو یہ ہے کہ کسی برتن سے کوئی چیز باعتبار کمی و زیادتی کے برابری پر اندازہ کی جاوے اور وزن یہ ہو
کہ باٹ سے ہلکے و بھاری ہونے کی راہ سے برابری کی جاوے انتہی۔ حضرت شعیبؑ نے قوم کو ناپ تول مین کمی سے منع کیا کیونکہ یہ لوگ
باوجود کفر کے یہ بدفعلی بھی کرتے تھے اور انکی عادت تھی کہ جب وہان بیوپاری اناج لاتا تو بڑھتی پیمانہ سے لیتے یا تول کی چیز مین بڑھتی
باٹون سے رواج ظاہر کرتے اور جب خود فروخت کرتے تو چھوٹے پیمانہ اور کم باٹ سے دیتے تھے تو دونون حالتون مین انکو عدل
سے تجاوز کرنے کو منع کیا اور کہا۔ إِنِّي أَرَاكُمْ بِخَيْرٍ ۔ مین تم کو بھلائی کے ساتھ دیکھتا ہون یعنی اب تو تم نعمت و ثروت رکھتے ہو ایسی
کدورت کرنے سے اللہ تعالی کی نعمت پر ناشکری و بندون کو ضرر مت ہو بلکہ شکرانہ مین بھرپور اور کچھ بڑھتی دینے سے گئے تو بھلا
کمی تو نہ کرو جس سے خدا کے غضب مین پڑو۔ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ۔ اور مجھے تم پر عذاب روز محیط کا خوف
ہے یعنی تم پر ایسا دن نہ آوے جسمین تم کو سب طرف سے عذاب گھیر لے پس یہ دنیاوی عذاب سے خوف دلایا کیونکہ عذاب آخرت کا
خوف بعد ایمان کے ہوتا ہو اور بعض نے کہا کہ مراد عذاب آخرت ہو اور معنی یہ ہین کہ مجھے تم پر اسدن عذاب ہونے کا خوف ہو جو دن
سب کو گھیر لیگا یعنی روز قیامت اور مراد یہ کہ اس دن کے عذاب سے کوئی بدکار مستوجب سزا اسکو چھٹکارا نہ ہوگا اور ابن عباسؓ سے
روایت ہو کہ عذاب سے مراد غلہ کی گرانی ہے جیسے خیر سے مراد ارزانی ہے پس معنی یہ ہون گے کہ مین اب تم کو سستے بھاؤ مین آسودہ
دیکھتا ہون تو ڈنڈی نہ مارو یا دھوکا نہ کرو کہ مجھے تم پر قحط و کال کا خوف ہے بعض نے کہا کہ ابن عباس کی مراد یہ ہو کہ اسوقت خیر و
بہتری مین ہو از انجملہ ارزانی ہو اور تم پر خوف عذاب کا ہو جسکی صورتون مین سے گرانی سے ہلاکت بھی ہے پھر ان کو تاکید فرمائی
بقولہ۔ وَيَا قَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۔ اور اے قوم تم پورا دو ناپ و تول کو عدل کے ساتھ۔ پہلے تو لوگون کو

کمی کرنے سے منع فرمایا اور اب انکو نیکی بیشی کے پورا دینے کا حکم دیا تو بیان مین خوب اہتمام ہوگیا اگرچہ حدیث مین جھکتا ہوا حق دینے
پر فضیلت آئی ہے لیکن حضرت شعیبؑ نے ایسی قوم کو ہدایت کی جو کم دینے پر عادی تھے تو انکا پورا دینا اول مقصود تھا کیونکہ واجب السبقت
ہے علاوہ اسکے یہ قوم جاہل تھی اور بعض صورتون سے بڑھتی دینا بھی منع ہے اور وہ ان سب صورتون مین ہے جنمین سود ہوتا ہے
اور تمام مقام کو کتاب الربوا فتاوی ہندیہ سے معلوم کر و لہذا ان کو حق واجب پر چھوڑا کیونکہ بعضے ثواب کی بات جس سے خوف ہو کہ آخر
گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہوگا تو ایسی بات کو چھوڑنا ثواب ہے جیسا کہ فقہاء نے تصریح کر دی ہے پھر اور زیادہ انکی سمجھ کو اور بڑھایا اللہ
کل چیزون مین اعتدال سے ہٹنے کو منع فرمایا ۔ بقولہ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ ۔ اور لوگون کے ساتھ انکی چیزون مین کمی
نہ کرو یعنی اپنے حصول کی چیزین ہون یا کوئی اور ہون کسی مین گھاٹ نکرو ۔ حدیث مین ملونی کرنا اناج مین اسطرح حرام کیا من غش
فلیس منا ۔ جسنے اناج مین ملونی کرکے یا تری دیکر گھاٹ کی وہ ہم مین سے نہین ہے بعض احادیث مین ہر چیز مین اور ہر معاملہ میں
مین خیانت و گھاٹ کرنیکی صورت مین یہی وعید فرمائی ہے کیونکہ ایسی حرکتون کا فساد تمام ملک مین پھیل جاتا ہے لہذا قوم کو تنبیہ کیا کہ
منع کیا اور کہا ۔ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۔ اور فسادی مفسد ہوکر زمین مین بگاڑ نہ کرتے پھرو ۔ اور خضر علیہ السلام نے جو
یتیمون کی کشتی توڑ ڈالی تھی وہ بغرض فساد نہ تھی بلکہ ؎ صد درستی در شکست خضر ہست ؛ وہ بگاڑ نہ تھا بلکہ اس بگاڑ مین ہزار
بناؤ تھے ۔ اسی طرح چور کو یا رہزن کو سزا دینا یا خونی کو قصاص دینا کچھ فساد نہین بلکہ بالکل اصلاح ہے ایسے ہی شریعت موسیٰ
علیہ السلام مین اور شریعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مین جہاد کا حکم بالکل صلاح ہے اور جو شبہ کرتا ہے اسکو ابھی تک جہاد کے معنی ہی
معلوم نہین ہین اور ہم نے سابق مین تفصیل کر دی ہے ۔ بَقِيَّتُ اللّٰهِ ۔ رسم الخط قرآنی مین صرف اسی مقام پر بقیت کو تار کشیدہ سے لکھا
جاوے ۔ خَيْرٌ لَّكُمْ ۔ جو اللہ تعالیٰ نے باقی رکھا وہ تمھارے لیے بہت اچھا ہے ۔ ابن جریر وغیرہ مفسرین نے کہا کہ معنی یہ ہین کہ ناپ
تول تجارت مین ہر حقدار کا حق پورا دینے کے بعد جو نفع حلال تمھارے لیے اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا وہ گھاٹ کرنے اور کم دینے سے
تمھارے حق مین بہتر ہے اسمین تمھارے لیے برکت و خوبی ہے ۔ مجاہدؒ نے کہا کہ بقیۃ اللہ کے معنی اللہ تعالیٰ کی بندگی و فرمانبرداری کرنا ۔
ربیع نے کہا کہ وصیت الٰہی ۔ اقول یہ کلام عمدہ و دقیق ہے کیونکہ فرمانبرداری سے آدمی حلال کما دیگا تو اسمین برکت ہوگی اور آیا بعد
کا ثواب آخرت مین بہت زیادہ ہوگا مانند قولہ تعالیٰ والباقیات الصالحات خیر عند ربک الآیۃ ۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ بقیۃ اللہ یعنی
رزق الٰہی ۔ قتادہ نے کہا یعنی پروردگار کی طرف سے تمھارا نصیب ۔ اگر کہا جاوے کہ حضرت شعیبؑ کی نصیحت سے قوم کا اس حکم پر فرمانبرداری
کرنا ان کے لیے کیونکر مفید و بہتر ہوگا جب تک ایمان نہ لاوین تو جواب یہ کہ اسیواسطے آگے فرمایا ۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔ اگر تم مومن ہو
یعنی یہ سب اس شرط سے بہتر ہوگا کہ تم ایمان لاؤ کیونکہ برکت و ثواب و نجات حاصل ہونے کیلیے ایمان شرط ہے ۔ کذا فی البیضاوی بعض نے
کہا کہ حسن ان یعنی اگر یہان شرطیہ نہین بلکہ نیکی پر بڑھاوا دینے کے طور پر ہے جیسے باپ اپنے بیٹے کو کہے کہ اگر تم ہمارے بیٹے ہو تو یہ سبق
جھٹ پٹ یاد تو کر ڈالو حالانکہ کچھ شک نہین کہ وہ بیٹا ہے اور یقینی بات پر اگر بولتے ہین اقول یہ قول کچھ ٹھیک نہین کیونکہ ابھی انکا ایمان لانا
اور شعیب کو سچا جاننا ظاہر نہین ہوا بلکہ جواب انکار خلاف ہے اور خود شعیبؑ نے فرمایا ۔ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۔ اور مین تم پر کچھ بھی
حافظ و نگہبان نہین ہون یعنی مین اس بات کا نگہبان و ذمہ دار نہین کہ تم کو گناہون مین پڑنے سے بچاؤن اور تمھارے سب کام
نیک اوپر رکھون بلکہ مجھ پر فقط نصیحت فرض ہے سو مین نے پوری کر دی چاہو مانو بہتر ہوگا اور نہ مانو تو تمھارا حساب تمھارے پروردگار کے

قبضہ مین ہی یا یہ معنی کہ مین تم پر اللہ تعالیٰ کی نعمتون کا نگہبان نہین ہون جبکہ تم بد اعمالیان نہ چھوڑو یعنی ڈرو کہ اگر بدفعلی نہ چھوڑو گے تو شاید تم پر عذاب آوے کہ تم اور تمہاری نعمتین سب فنا ہو جاوین اور پھر تم ہمیشہ کیلئے عذاب مین پڑے رہو گے مین تمہارا نگہبان نہین ہو سکتا ہون ف۔ فی العرائس قولہ تعالیٰ انی اراکم بخیر وانی اخاف علیکم۔ خیر سے دنیا کی بھلائیان مراد ہین جو استدراج کا محل ہوتا ہی اور استدراج یہ ہی کہ دنیاوی نعمتون کو دیکھکر آدمی یہ خیال کرے کہ مین اپنی خوبی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو محبوب ہون کہ مجھے اسقدر نعمتین عطا فرمائی ہین حالانکہ اکثر ہوتا ہی کہ بدکار و فاجر جسکے حق مین آخرت کا عذاب شدید ہے دنیا مین وہ سب کچھ دیدیا گیا اور اس تغیر جنبر پر اسنے آخرت برباد کردی پس یہ چیزین محل استدراج و امتحان ہین اور اگر شعیبؑ ان لوگون مین آخرت کی بھلائی دیکھتے تو ان پر خوف نہ کرتے اور جو لوگ کہ عارف ہین جب اپنے آپکو اونچے درجون و بلند مقامات و استقامت پر دیکھتے ہین تو انکا خوف بہت زیادہ ہو جاتا ہی کیونکہ انکو معلوم ہی کہ حق سبحانہ تعالیٰ غیور ہی پس اسکے سامنے حوادث کو بلندی و استقامت نہین ہو سکتی مگر بقدار الحی القیوم اسیواسطے دیکھو آنحضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انا اعلمکم باللہ واخوفکم منہ۔ کما فی الصحیح یعنی صحابہؓ کو کسی بات مین اپنی پیروی سے بڑھ چلنے کو منع کرنے مین سمجھایا کہ مین تم سب سے اللہ تعالیٰ کی شان کا عارف ہون اور اس سے بہت زیادہ خوف رکھتا ہون۔ پس دیکھو کہ زیادہ عرفان پر زیادہ خوف فرمایا بعض مشائخ نے کہا کہ ایمان والے کو اپنے اوپر ہر حال مین استدراج کا خوف ہوتا ہے لیکن اسوقت زیادہ ہوتا ہی جب وہ آرام و آسائش مین ہو اور برابر اسپر نعمتین آتی جاتی ہون جیسے اس آیت سے ظاہر ہی بعض مشائخ نے کہا کہ قولہ انی اراکم بخیر یعنی مین تم کو اللہ تعالیٰ کی نعمتون مین دیکھتا ہون۔ قولہ وانی اخاف علیکم اور مین تم پر خوف کرتا ہون کہ تم ناشکری کرکے برباد نہ ہو بقیت اللہ خیر لکم ان کنتم مومنین یعنی اگر تم ایمان لاؤ تو اللہ تعالیٰ کا قرب و درجات و کرامات و خاصہ نعمتین جنت جو خیالات البشری سے باہر ہین تمہارے لیے اس سب سے بہتر ہین بلکہ ان سے اور آخرت سے کچھ نسبت نہین لیکن قوم کے لوگ دنیا کو اچھا سمجھتے تھے اس لیے اُن سے بہتر بتلایا پھر قوم مردود کا جواب سنو۔

قَالُوا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ

بولے اے شعیب تیرے نماز پڑھنے نے تجکو یہ سکھایا کہ ہم چھوڑ دین جن کو پوجتے رہے ہمارے باپ دادے یا چھوڑ دین کرنا

فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ۝

اپنے مالون مین جو چاہین تو ہی بڑا باوقار ہے نیک چال والا

قَالُوا يٰشُعَيْبُ قوم کے سردار بولے کہ اے شعیب اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ۔ کیا تیری نماز تجھے حکم دیتی ہی کہ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ۔ ہم اسکی عبادت چھوڑ دین جسکو ہمارے باپ دادے پوجتے تھے یعنی بتون کی عبادت ہمارے باپ دادے بڑے رتبہ والے بزرگ جیسے اب کہان ہو سکتے ہین برابر کرتے چلے آئے اب تو نے ایک نئی نماز پڑھکر یہ نکالا کہ ہم ان بزرگون کی راہ چھوڑ دین۔ احنف نے کہا کہ شعیب نماز بہت پڑھتے تھے تو قوم نے طعنہ دیا حالانکہ قوم والے نماز کو اچھا نہین جانتے تھے بعض نے کہا کہ نماز سے یہان شریعت مراد ہی یعنی تیری شریعت حکم دیتی ہی اعمش نے کہا کہ تیری قرأۃ ولیکن اصلی ظاہر معنی سے تاویل کی کچھ ضرورت نہین معلوم ہوتی ہی بلکہ مراد یہ ہی کہ طعنہ سے کہا کہ تیری نئی نماز نے تجھے یہ سمجھایا کہ تو ہم کو منع کرے کہ ہم اپنے باپ دادون کی راہ سے خلاف کرکے بتون کی عبادت چھوڑ دین اور خالی تیرے کہنے پر ایک معبود وحدہ لاشریک کے ہو رہین

او اَن نَّفْعَلَ فِيٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۔ یا اپنے مالون مین جس طرح ہمارا جی چاہتا ہو تصرف کرتے ہین اسکو چھوڑ دین ۔ پہلا قول تو اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی عبادت کا جواب تھا اور یہ جواب انکی تطفیف سے منع کرنے کا ہو اور حرف یا بیان اور کے معنی مین ہو اور ایک قراۃ مین او ان تفعل بتا اور ما تشاء آیا ہو اور معنی یہ کہ تیری نماز حکم دیتی ہو کہ تو ہمارے مالون مین وہ کرے جو تیرا جی چاہے یعنی ہم کو اپنی خواہش پر نہ کر سکین یا طعنہ دیا کہ نمازین پڑھکر ہمارے مالون مین خواہش فی دڑآتا ہو اور باتون باتون مین چاہتا ہے کہ ہمارے مالون مین جو تیرا جی چاہے تصرف کرے ۔ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ۔ تو بیشک سیدھا سادا ہے ابن عباس و دیگر علما مفسرین نے کہا کہ یہ لفظ ٹھٹھول کے طور پر کہتے تھے ۔ حلیم درحقیقت وہ شخص ہو جو مخالفات مین تحمل کرے اور مکروہات کو برداشت کرے اور رشید وہ ہو جو نیک چال چلن ہو ۔ حسن بصری ح نے کہا کہ ہان واللہ حضرت شعیب کو انکی نماز یہی حکم کرتی تھی کہ کفار قوم بت پرستی چھوڑ دین یعنی اور ناپ تول مین کمی کرنا چھوڑ دین اقول یہ اسوجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان الصلوۃ تنہی عن الفحشاء والمنکر یعنی نماز ہمیشہ روکتی و منع کرتی ہو ایسی باتون سے جو فحش ہین اور اس بات سے جو شرع مین انکار کی گئی ہو پس صحیح ہوا کہ شعیب کی نماز انکو آمادہ کرتی تھی کہ قوم کو نہی از منکر اور امر بمعروف کرین ۔ ثوری ح نے کہا کہ قولہ ان نفعل فی اموالنا ما نشاء یعنی زکوۃ ادا کرین ۔ اقول یہ تفسیر بقراۃ دوم یعنی بتا صیغہ خطاب ہے یعنی عطف اَنْ نَّتْرُكَ پر ہوا بعض نے کہا کہ قولہ انک لانت الحلیم الرشید یعنی اپنے نزدیک اپنے اعتقاد مین تو حلیم و رشید ہے پس طعنہ دیا کہ تو بہت جلد توحید کرنے کو کہتا اور بتون کی عبادت و تطفیف سے منع کرتا ہے وہ تیرے اعتقاد حلم و رشد کے خلاف ہو بعض نے کہا کہ قوم انکو حلیم و رشید جانتی تھی مگر کہا کہ تم ایسے ہو تو قوم کی مخالفت دین و اعتقاد مین تم پر شاق نہ ہونا چاہیے ۔ اور اصح یہی ہو کہ قوم نے شعیب پر بدگمانی کی کہ باتون سے ہمارے مالون مین دست درازی کرنا چاہتے ہین چنانچہ جواب دلالت کرتا ہو بقولہ

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ

بولا اے قوم دیکھو تو اگر مجھکو سوجھ بوجھ ملی اپنے رب کی طرف سے اور اُسنے روزی دی مجھکو نیک روزی اور

وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ

مین نہین چاہتا کہ پیچھے آپ کرون جو کام تم سے چھڑاؤن مین تو چاہتا ہون یہی سنوارنا جہان تک ہو سکے

وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝

اور بن پانا ہے اللہ سے اُسی پر مین نے بھروسا کیا ہو اور اُسکی طرف رجوع ہون

قَالَ يٰقَوْمِ شعیب نے جواب دیا کہ اے قوم ۔ اَرَءَيْتُمْ مجھے آگاہ کرو کہ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ اگر مین اپنے پروردگار کی طرف سے کھلی حجت و بیان و ہدایت و بینائی پر ہون جس سے تم کو نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرتا ہون ۔ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا اور اُس نے مجھے رزق دیا اپنی طرف سے یعنی خزانہ غیب سے بلا کسی ایسے فعل کے جو جائز نہ ہو ایسا رزق کہ وہ اچھا یعنی حلال و فراغ ہے جسکے ہوتے ہوئے مجھے تمہارے مالون کی طرف کچھ بھی حاجت نہین ہو تو ایسی صورت مین بھلا مجھکو کب روا ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرکے تم کو نہ سمجھاؤن اور وحی الٰہی کی تعمیل نہ کرون یا یہ معنی کہ اے قوم مجھے بتلاؤ کہ بھلا جب اللہ تعالیٰ نے مجھے حجت واضحہ بوحی عطا فرمائی جسمین گمان و وہم کو کچھ دخل نہین تو مین علم الیقینی پر ہون تو تم نے کیونکر طعن کیا کہ تو حلیم ہو اور تمہارا مطلب یہ ہو کہ تو بیوقوف ہو خلاصہ یہ کہ جو شخص

اسطرح علم یقینی از جانب حق تعالیٰ رکھتا ہو اور نور یقین سے اسکو بصیرت و بینائی حاصل ہو تہین کہو کہ وہ کیونکر گمراہی و جہالت پر
ہو سکتا ہے اور جسکو اللہ تعالیٰ نے مال حلال فراخی کے ساتھ دیا ہو تمہین کہو کہ وہ کیونکر پرائے مال پر ہاتھ بڑھاویگا تو پھر تم کیا طعنہ دیتے ہو
کہ تو رشید ہے یعنی نیک چال چلن کہکر یہ مطلب لیتے ہو کہ تیرا چال چلن اچھا نہین کہ تو ہم کو یہ حکم دیتا ہے کہ لوگون کے مال مین کمی کرو حالانکہ
تو در پردہ ہمارے مالون مین تصرف کرنا چاہتا ہے اور ظاہر مین کچھ کہتا اور باطن مین اسکے خلاف کرتا ہے لہذا فرمایا۔ وَمَا أُرِيدُ أَنْ
أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْهَاكُمْ عَنْهُ ۔ اور میرا یہ ارادہ نہین ہے کہ جس کام سے تمکو منع کرتا ہون اسی کام کی طرف تم سے مخالفت
کر کے جاؤن۔ زجاج نے کہا یعنی ایسا نہین ہون کہ جس کام سے تم کو منع کرون خود اسی کو کرون بلکہ جو بھلائی کی راہ اپنی ذات کیلئے
پسند کرتا ہون وہی تم کو نصیحت کرتا ہون اور میرا علم یقینی بوحی الٰہی ہے۔ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ ۔ مین نہین چاہتا مگر اصلاح کر دینا تاکہ
تمہارے اعتقاد و معاملات مین سے فساد دور ہو جاوے۔ مَا اسْتَطَعْتُ ۔ جہانتک مجھسے ممکن ہے۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ۔ اور مجھے
کچھ توفیق نہین مگر بقوت و طاقت الٰہی یعنی مین اصلاح اپنی طاقت بھر چاہتا ہون لیکن مجھے یہ طاقت پوری جبھی ملیگی جب اللہ تعالیٰ
عطا فرماوے اور اصلاح کے جسقدر سامان ہین وہ پورے کر دے۔ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۔ اسی پر مین نے بھروسا کیا یعنی سب کام جنمین تمہاری
اصلاح بھی ہے سب کی کوشش خوب کرتا ہون لیکن نظر میری اللہ تعالیٰ پر رہتی ہے اسی پر بھروسہ رکھتا ہون کہ یہ کام پورا کر دے
وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۔ اور اُسی کی طرف رجوع لاتا ہون کہ اے رب میرے مجھے کچھ قوت و طاقت نہین ہے تو ہی اپنے فضل سے
پورا کرا دے۔ مسئلہ۔ تدبیر کرنا اور کام مین کوشش کرنا جہانتک ممکن ہے کوئی فریب خیانت نہ کرنا جو منع ہے یہ آدمی پر واجب ہے اور
کافر بھی یہی کرتے ہین لیکن مسلم و کافر مین صرف یہ فرق ہوتا ہے کہ اس کوشش مین کافر کی نظر اپنی طرف یا غیر اسباب کیطرف
ہوتی ہے اور مسلم کی نظر اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہے پس اسی نظر کا نام توکل ہے تو جب یہ کام پورا ہوا تو کافر اپنی کوشش پر خوش
ہو کر اسکی تعریف کرتا ہے اور مسلم اپنے پروردگار کی حمد و ثنا کرتا ہے اور اگر یہ کام پورا نہ ہوا تو کافر کہتا ہے کہ اگر یون ہوتا تو ہو جاتا اور
ایسا نہ ہوا اور نہ پورا ہوتا اور رنجیدہ ہو کر افسوس کرتا ہے ولیکن مسلم جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت نہ تھی لہذا وہ کچھ رنج نہین
کرتا اور خوشی سے پھر کوشش کرتا ہے بعضے لوگون نے تقدیر و توکل کے یہ معنی سمجھے کہ خاموش آرام کرو اور کاہل و مجہول ہو کر بیٹھ
رہو کچھ کوشش مت کرو حالانکہ یہ بہت بڑی بات ہے کیونکہ تقدیر تو علم الٰہی ہے بندہ کو اس سے کچھ بحث نہین مگر اسقدر کہ جو مقدر ہوگا
ہو جاویگا ورنہ نہین لہذا جو مجہول لوگ کہا کرتے ہین کہ ہم کچھ تدبیر و کوشش نہین کرتے ہم تو توکل کئے ہین یا ہم تو اپنی تقدیر
پر شاکر ہین یہ لوگ جاہل بلکہ گنہگار ہین انکو کچھ علم نہین اور نہ آج تک توحید و توکل کے معنی سمجھے ہین اور ناحق اسلام کا نام بدنام
کرتے ہین۔ اللہ تعالیٰ ہو الحافظ لدینہ القویم۔ تفسیر ابن کثیر رح مین اس آیت کی تفسیر مین ہے کہ قولہ رزقنی منہ رزقا حسنا بعض نے
کہا کہ رزق حسن سے مراد نبوت ہے اور بعض نے کہا کہ رزق حلال در حقیقت دونون باتون کا ہے۔ قولہ ما ارید ان اخالفکم الخ ثوری
نے کہا کہ یہ معنی ہین کہ یہ نہین ہے کہ مین تم کو ایک کام سے منع کرون اور مین پوشیدہ تم سے اسکا عمل مین لاؤن اور ایسا ہی
قتادہ سے مروی ہے پھر شیخ نے مسند امام احمد سے اس مقام کے مناسب ایک حدیث حکیم بن معاویہ رض سے روایت کی کہ
حکیم نے کہا کہ میرے باپ معاویہ نے بیان کیا کہ میرے بھائی مالک نے مجھ سے کہا کہ اے معاویہ میرے پڑوسیون کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم
نے گرفتار کر لیا ہے سو تو میرے ساتھ آنحضرت صلعم کے پاس چل کہ آنحضرت تجھ سے باتین کر چکے اور تجھکو پہچان چکے ہین پس میرا بھائی

کے ساتھ گیا اُسنے آنحضرت صلعم سے کہا کہ میرے لئے میرے پڑوسیون کو چھوڑ دیجئے وے مسلمان ہو چکے ہین آپنے منہ پھیر لیا تو میرا بھائی غصہ مین اُٹھ کھڑا ہوا اور بولا کہ واللہ اگر آپ ایسا کرین گے تو لوگ گمان کرتے ہین کہ آپ ہم کو ایک بات کا حکم دیتے ہین اور خود اسکے خلاف کرتے ہین آنحضرت صلعم نے فرمایا آیا یہ بات لوگون نے کہی ہو اگر مین ایسا کرون تو اسکا وبال مجھی پر ہوگا ان پر اسمین سے کچھ وبال نہین ہو پھر فرمایا کہ اسکے پڑوسیون کو اسکے واسطے چھوڑ دو۔ دوسرے طریق سے اس روایت کو نقل کیا آیمین ہو کہ میری قوم سے بعض لوگون کو آنحضرت صلعم نے ایک بات کی تہمت مین گرفتار کر کے قید کیا پس یہ شخص آنحضرت صلعم کے پاس ایسے وقت آیا کہ آپ خطبہ پڑھتے تھے اور کہا کہ یا حضرت میرے پڑوسی کس جرم پر گرفتار ہین اور کہا کہ بعضے لوگ کہتے ہین کہ آپ ایک بات کا حکم دیتے ہین اور خود اسکے خلاف کرتے ہین پس آنحضرت صلعم نے پوچھا کہ لوگ کیا کہتے ہین پس مین نے بیچ مین سے بات کاٹ دی اس خوف سے کہ ایسا نہو آنحضرت صلعم اس بدوی گنوار کی بات پر رنجیدہ ہو کر میری قوم پر بددعا کرین کہ پھر کبھی اس قوم کو فلاح نہ ہو لیکن آنحضرت صلعم نے برابر پوچھا یہان تک کہ صاف ظاہر ہو گیا مگر اسی قدر فرمایا کہ آیا یہ بات کہتے ہین یا کہا کہ ان مین ایسا کہنے والا بھی ہو اور واللہ اگر مین ایسا کرتا تو مجھی پر اسکا وبال ہوتا اور ان پر کچھ نہ ہوتا پھر فرمایا کہ اسکے پڑوسیون کو چھوڑ دو۔ اقول اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ جو کوئی اورون کو ایک بات کا حکم کرے جسکو وہ اسکے کہنے سے عمدہ و بہتر خیال کرین اور یہ اسکے برخلاف عمل مین لاوے تو اس شخص پر وبال ہوگا مترجم کہتا ہے کہ دین کی نیک بات جو پہلے سے معلوم ہے دوسرے کو اسپر آمادہ کرنا اگرچہ خود نہ کرتا ہو بعضے علماء کے نزدیک ضرور ہو کیونکہ یہ تو فقط بھولے کو یاد دلانا ہوتا ہو اور اُسکا نیکی ہونا تو پہلے سے معلوم ہو اور تمام تفصیل فتاوی ہندیہ مین ہو بیضاوی نے اس جواب کے فوائد مین کہا کہ اس طریق سے جواب مین بہت بڑی تنبیہ ہو کہ عاقل کو واجب ہے کہ ہر امر مین تین حقوق سے ایک لحاظ رکھے انمین سب سے بڑھکر حق الٰہی ہو اور دوم حق نفس ہو اور سوم حق مخلوق ہو اور لکھا کہ قولہ علیہ توکلت یعنی مین نے اسی پر بھروسا کیا کیونکہ اسی کو ہر چیز پر قدرت ہو اور جو کچھ اسکے سوائے ہو یعنی مخلوقات تو وہ اپنی ذات مین بشبہہ عاجز بلکہ نابود ہو اور اسمین خالص توحید کی طرف اشارہ ہو اور جسکو یہ علم بالیقین حاصل ہوا اسکو وجود کے اعلیٰ مرتبہ کا علم ہو گیا اور قولہ والیہ أنیب۔ اور مین اسی کی طرف راجع ہون اسمین اشارہ ہو کہ آنحضرت علیہ السلام کو جیسے مبدء کا پورا علم حاصل تھا ویسا ہی معاد کا پورا علم تھا کیونکہ انجام سب کا اپنے خالق کی طرف رجوع ہو پھر لکھا کہ تمام کلام مین ایک تو اللہ تعالیٰ سے ہر کام مین ٹھیک راہ صواب حاصل ہونے کی توفیق مانگی اور تمام امور مین اسی کی استعانت چاہی اور بالکل دل و جان سے اسی کی طرف رجوع کیا اور دوم کافرون کی طمع توڑ دی اور سوم ظاہر کیا کہ کافرون سے بالکلیہ فارغ و بیفکر ہین کچھ انکی دشمنی کی پروا نہین کرتے اور چہارم اُن کو خوف دلایا کہ پیغمبران کے ہاتھ سے ایذا رپا کر جب اللہ کی طرف رجوع لایا تو سزا مین گرفتار ہون گے — وفی العرائس قولہ وما أرید ان اخالفکم الی ما انہٰکم عنہ۔ یاد رکھو کہ اہل صدق و صفا کو مخلوق سے کسی سبب دنیاوی مین عداوت و بغض نہین ہوتا صرف جبھی غصہ آتا ہے کہ جب وے طریقہ سنت کو چھوڑ کر گمراہی اختیار کرین اقول صحیح حدیث مین ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی بات مین کسی آدمی پر غضبناک نہوتے لیکن جب کوئی شخص شریعت کی ہتک حرمت کرتا تو نہایت غضبناک ہو جاتے تھے۔ قال الشیخ اور اہل صدق کبھی مخلوق سے دل نہین ملاتے مگر جبھی کہ وے لوگ اپنی نفسانی خواہش کو ترک کر دین اور جو کچھ انکو نصیحت کرتے ہین وہ محض شفقت سے ہوتی ہو۔ شیخ ابوعثمان نے فرمایا کہ وہ واعظ کچھ نہین ہو جو خالی زبان سے نصیحت کرے اور اُسپر خود عمل کر کے نہ دکھلاوے

قولہ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت یعنی میری عقل و نیت میں جو قوت از جانب حق عزوجل ہو اس سے میں تمھاری بھلائی چاہتا ہون لیکن ہدایت یعنی نیک راہ پر ہوجانا اور توفیق میرے قبضۂ قدرت میں نہیں ہو اور مجھے یہ طاقت نہیں کہ جو حکم تم پر ازل میں جاری ہوچکا ہو یعنی گمراہی و بدبختی اس سے تم کو نکال لون۔ قولہ وما توفیقی الا باللہ یعنی اگر مجھے نبوت و دلالت حاصل ہوئی تو میرے صفات کی نہیں ہو بلکہ ازل میں حق عزوجل نے اپنے علم قدیم سے مجھے اسطرح سرفراز فرمادیا ہو علیہ توکلت۔ اُسی پاک معبود عزیز قوی قدیر سے مجھے سکون ہو کسی دوسری چیز سے نہیں ہو اور جو اُسنے اپنے فضل عمیم سے وعدہ فرمایا اسپر مجھے پورا اعتماد ہو۔ والیہ اُنیب مشتاق ہو کر اُسی کی طرف رجوع لاتا ہون۔ بعض مشائخ نے قولہ ان ارید الا الاصلاح الآیۃ میں کہا کہ میرا مقصد تمھاری درستی ہو بشرطیکہ توفیق آلہی مدد فرماوے اور خود مجھے ایسی قدرت نہیں ہو مگر جبھی کہ اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو۔ شیخ نہرجوری نے توفیق کے یہ معنی بیان فرمائے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیک عنایت بندہ کو خود بخود پہونچتی ہے جسمین کوئی سبب نہیں ہوتا اور نہ بندہ کی طلب ہوتی ہو حضرت جنید نے توکل کے یہ معنی فرمائے کہ اگر بندہ کو سخت ضرورت لاحق ہو تبھی اُسکا دل کسی سبب کی طرف مضطر نہو اور حق عزوجل کے ساتھ تسکین سے ٹھہرے ہونے سے جنبش نکرے انتہی مافی العرائس۔ واضح ہو کہ تفسیر الجافظ میں اس مقام کے فوائد میں احادیث و آثار نقل کئے از انجملہ ابو سلیمان الضبی نے کہا کہ ہمارے پاس عمر بن عبد العزیز خلیفہ وقت کے خطوط آتے جنمین وہ ہم لوگون کو نیک کامون کے کرنے اور بُرے کامون سے بچنے کا حکم و نصیحت لکھا کرتے اور آخر میں لکھتے کہ اس سب نصیحت کے بعد میں وہی کہتا ہون جو بندۂ صالح حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا تھا کہ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ اُنیب۔ اس اثر کو ابن ابی شیبہ نے مصنف میں روایت کیا ہو مسروق نے کہا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پاس ایک عورت آئی اور کہا کہ آپ عورتون کو بالون میں بال جوڑنے سے منع فرماتے ہو فرمایا کہ ہان بیشک۔ اُسنے کہا کہ آپکی بعض عورتون نے خود ایسا کیا تو فرمایا کہ ایسی صورت میں بندۂ صالح حضرت شعیب کی وصیت ما ارید ان اخالفکم الی ما انھاکم عنہ کو یاد نہین کیا مترجم کہتا ہو کہ مطلب یہ ہو کہ جو تو کہتی ہو یہ نہیں واقع ہوا کیونکہ مجھے حضرت شعیب کی وصیت یاد ہو تو اگر میرے یہان خود ایسا ہوتا تو میں اُسکے برخلاف تم عورتون کو منع نکرتا۔ فافہم واللہ تعالیٰ اعلم۔ شیخ حافظ نے ایک حدیث اس مطلب کے لئے ذکر کی کہ اگر کوئی شخص آنحضرت صلعم کی طرف سے ایسی بات روایت کرے جو آپکی شان کے لائق نہیں ہے تو قطعًا جان لو کہ راوی جھوٹا کذاب ملعون ہو چنانچہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جب تم ایسی حدیث مجھ سے روایت کی ہوئی سنو جس سے تمھارے دل اُنس کرین اور تمھارے رونگٹے نرم ہوجاوین یعنی دل پر اچھا اثر پیدا کرے اور تم دیکھو کہ تم سے یہ بات قریب ہے تو جان لو کہ یہ بات مجھ سے بہ نسبت تمھارے اور زیادہ قریب ہوگی یعنی بیشک وہ میری طرف سے صحیح ہو اور جب تم مجھ سے ایسی حدیث کی روایت سنو کہ تمھارے دل اس سے انکار کرین اور تمھارے رونگٹے و کھال اس سے نفرت کرین اور سمجھو کہ تم سے ایسی بات ہونا بعید ہو تو یقین جانو کہ وہ مجھ سے بہت ہی دور ہو۔ رواہ احمد و قال الشیخ و اسنادہ صحیح مترجم اسکی مثال ذکر کرتا ہے کہ صحاح کے سوائے بعض نیچے درجہ کی کتابون میں روایت ہو کہ آنحضرت صلعم نے حضرت جبرئیل سے شکایت کی کہ میری قوت باہ بہت کمزور ہوگئی ہو تو جبرئیل نے آپکو ہریسہ کھانے کو بتلایا مترجم کہتا ہو کہ نقاد محدثین نے صریح تنبیہ کردی کہ یہ روایت بالکل موضوع و باطل ہو اسکی کچھ اصل نہیں ہو اور سند بتلادیا کہ اس روایت کو کن لوگون نے بسلسلہ پہونچایا انہیں فلان و فلان راوی جھوٹے بیباک لوگ تھے مترجم کہتا ہو کہ راویون کے فاسق ہونے سے تو ظاہر ہی ہوگیا کہ روایت بنائی ہوئی ہو اور بحکم حدیث مسند صحیح مذکورہ بالا بھی معلوم ہوا کہ یہ بات عالم ربانی سے

بعید ہے تو شان نبوت سے بالکل دور ہے دو وجہ سے ایک تو یہ شہوت کی جستجو ہے جسکا نتیجہ آخرت میں کچھ باقی نہیں مگر بواسطہ۔ دوم یہ کہ آنحضرت صلعم کو اللہ تعالیٰ نے پاک ظاہر جامع کمالات بشری پیدا فرمایا تھا جہاں کسی عیب کو دخل نہیں دیا چنانچہ آپ سامنے آنکھوں سے جیسے دیکھتے ویسے ہی سر کی پشت سے دیکھتے تھے اور بعض صحابہ کی آنکھ جو جہاد میں تیر کے زخم سے نکل پڑی تھی اپنا لب لگا کر دوبارہ حلقہ میں جمادی حسے وہ نہایت بڑھاپے میں مرتے وقت تک ویسا ہی روشن دیکھتے تھے اور چالیس جوان زبردست قوی سے بڑھکر آپکو جماع کی قدرت تھی جیساکہ صحیح میں ثابت ہے تو پھر اس روایت موضوع کا کچھ بھی نشان ہے اور یاد رکھو کہ اگر کسی عالم نے اس روایت کو لکھکر اسکی کچھ توجیہ تاویل بیان کی تو اس عالم کو یہ معلوم نہوا کہ یہ روایت موضوع ہے اور عالم کیسا ہی بزرگ عابد و زاہد تہجد گزار ہو وہ کچھ نبی نہیں ہوتا ہے پس جب ہم نے جان لیا کہ آنحضرت صلعم کو حضرت خالق عز و جل نے ہر عیب سے پاک معجزہ پیدا فرمایا تھا حتی کہ بڑھاپے کی سپیدی نہیں ظاہر فرمائی تو یہ عیب بالکل دور تھا پھر اسکا علاج ڈھونڈھنا جو کہے اسپر لعنت ہے کیونکہ اسنے پیغمبر افضل علیہ السلام پر تہمت باندھی اور اسکے حکم سے برخلاف کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم پھر حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم کو اپنی مخالفت پر عذاب سے ڈرایا۔ کما فی قولہ۔

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ

اور اے قوم نہ کمائیو میری ضد کر کر یہ کہ پڑے تم پر جیسا کچھ پڑا قوم نوح پر یا قوم

هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۭ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۝ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا

ہود پر یا قوم صالح پر اور قوم لوط تم سے دور نہیں اور گناہ بخشواؤ اپنے رب سے اور اسکی طرف

اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ

رجوع لاؤ البتہ میرا رب مہربان ہے محبت والا

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ۔ لا یجرمن صیغہ نہی بنون تاکید از جرم یجرم اور ابن کثیر سے ایک قرأت اجرم یجرم سے مروی ہے ولیکن بیضاوی نے کہا کہ فصحا کی زبان پر اسکا دوران کمتر ہے لہذا لغت فصیح وہی اول ہے اور یہ فعل متعدی بیک مفعول در بدو مفعول آیا ہے یہاں اسکا دوسرا مفعول لفظ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ ہے اور جرم کے معنی کسب اے لا یکسبنکم یعنی تم کو کمواند دیوے یہ قول زجاج ہے۔ قتادہؒ نے کہا اے لا یحملنکم یعنی تم کو آمادہ نہ کردے یہی مجاہد وسدی سے مروی ہے اور اسی کو ابن کثیر نے اختیار کیا۔ شقاق عداوت بقول زجاج اور یہی سدی و مجاہد سے مروی ہے اور قتادہؒ نے معنی فراق بیان کیے اور یہ بول چال ایسے وقت میں ہے کہ ایک دوسرے سے پھٹ چلے اسطرح کہ ایک تو ایک شق وطرف اختیار کرے اور دوسرا اسکی عداوت سے دوسری طرف پھٹ جاوے اور احاصل یہ ہوا یعنی اور اے قوم نہ کمائی کرا دے تمکو میری عداوت یہ کہ تم کو پہونچے مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ۔ ایسا ہی عذاب جو پہونچا تھا قوم نوح کو یعنی طوفان میں غرق ہوئے۔ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ یا قوم ہود کو یعنی ہوا کے طوفان سے ٹکرا کر مرے اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ۔ یا قوم صالح کو کہ سجیل پتھروں سے ہلاک ہوئے الحاصل قوم کو نصیحت کی کہ تم مجھ سے عداوت کرکے پیٹ پھٹے نہ چلو اور اپنے گناہوں پر ہٹ نکرو ایسا نہ ہو کہ ایسی حرکت سے ان قوموں کو جو عذاب پہونچا ویسا ہی تم کو پہونچے اور تم ان قوموں کے تاریخی حالات سے خوب واقف ہو اگرچہ انکو کچھ زمانہ گذرا تو ان سے عبرت پکڑو۔ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ۔ اور قوم لوط تو تم سے دور نہ تھی۔ قتادہؒ نے کہا یعنی یہ قوم ایسی بد گناہ پر کرنے اور پیغمبر سے مخالفت کرنے سے ابھی کل کی بات ہے کہ تمہارے روبرو ہلاک ہوئی یعنی انکو تباہ ہوئے کچھ زمانہ نہیں گذرا اور بعض نے کہا

کہ اس قوم کی بستیاں تم سے دور نہ تھیں۔ قال المترجم کلام میں دونوں باتوں کا احتمال ہے یعنی قوم لوط تم سے بہت قریب تھی نہ انکا زمانہ دور تھا اور نہ انکی بستیاں تم سے دور تھیں عربی زبان کے موافق بعید صیغہ واحد کی جگہ بعیدین صیغہ جمع باعتبار کثرت افراد قوم کے سوا نہیں فرمایا کہ مراد اہلاک قوم ہے یعنی ہلاک کیا جانا قوم لوط کا تم سے دور نہ تھا پس ہلاک کا لفظ دل میں سمجھا ہوا ہے اور قوم کثیر کا لفظ سنایا تاکہ اچھی طرح ہولناک ہوں کہ وہ اہلاک اس قوم کثیر جبار لاکھوں پر طاری ہوا تھا اس لطیف بلاغت کو غور سے سمجھو تو جب حضرت شعیب نے ان کو انکا خوفناک انجام سنا دیا۔ تو پھر عذاب واقع ہونے سے پہلے انکو ایسی بات بتلائی جس سے بجائے عذاب کے نعمت و رحمت پاویں اگر کریں یعنی فرمایا۔ وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۔ اور مغفرت مانگو اپنے رب سے یعنی پچھلے گناہوں کی معافی چاہو پھر اپنے رب کی طرف رجوع کرو یعنی آئندہ کیلئے اسی کے حکم پر چلو اور کفر اور ناپ و تول میں کمی چھوڑ دو اِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ بیشک میرا پروردگار رحیم ہے بڑی رحمت والا ہے اسکی خاص رحمت تو مومنوں کے ساتھ مخصوص ہے اور عام میں سب شریک ہیں۔ وَّدُودٌ بہت محبت والا ہے یعنی اپنے نیک بندوں کو محبوب رکھتا اور ان پر بہت رحم فرماتا ہے ودود بتشدید دال بمعنی محبت ہے اور یہاں مراد یہ ہے کہ جیسے اہل مودت میں جو نہایت دوود ہوتا ہے وہ دوسرے کو لطف سے خوش کرتا ہے اور اسکو بھلائی پہونچاتا اور اس سے برائی دور رکھتا ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ عزوجل اپنے مومن بندوں کو اپنی کاملہ قدرت سے سرفراز فرماتا ہے اور مقصود یہ کہ میرا رب رحیم ودود ہے اگر تم اب بھی استغفار و توبہ کرو تو تم پر کرم و لطف و رحم فرما دیگا۔ واضح ہو کہ پہلے تو فرمایا استغفروا ربکم۔ رب انکا کہا اور آخر میں ان ربی میرا رب کہا اسمیں نہایت لطیف اشارہ ہے کہ رحیم و ودود ہونے کی صفت میں میرا رب ہے اور جب تم میری راہ پر ہو تو تمہیں بھی شمول ہو اور ہنوز تم قابل استغفار و توبہ ہو۔ فافہم ف۔ فی العرائس قولہ واستغفروا ربکم ثم توبوا الیہ الخ۔ اہل قرب و منزلت اپنی عبادت سے استغفار کرتے ہیں تو حکم میں اشارہ ہے کہ تمہارے دلوں پر جو خطرہ گذرا کہ تم کو بندگی یا نافرمانی کی قدرت ہوئی اس سے استغفار کرو کیونکہ بندگی یا معصیت کا تعلق بندہ کی قدرت پر نہیں بلکہ اسی سعادت ازلی یا شقاوت ازلی سے متعلق ہے جو تقدیر الٰہی ہے اور قولہ ثم توبوا الیہ یعنی اپنی طاقت و قوت سے بیزاری کرو یعنی یقین کرلو کہ بذات خود تم کو کچھ قدرت نہیں ہے پھر جب تم نے ایسا یقین کرلیا اور اپنی ہستی کے دیکھنے سے خارج ہو گئے تو اسوقت تم کو میرا رب اپنی معرفت کا لباس پہناویگا کیونکہ وہ اپنے عارف بندوں پر رحیم ہے اور اپنے مودت والوں کے ساتھ ودود ہے اقول معنی یہ ہوئے کہ جو لوگ اپنے رب کے ساتھ بہت محبت رکھتے ہیں انکا پروردگار بھی ان سے بہت محبت و رحم و کرم فرماتا ہے محمد بن الفضل رح نے فرمایا کہ جس شخص کے استغفار کا نتیجہ آئندہ کیواسطے سچی توبہ و رجوع نہ ہوا تو یہ شخص استغفار میں جھوٹا ہے اسنے سچے دل سے نہیں چاہا کہ اے میرے پروردگار میرے گذرے گناہ بخشدے کیونکہ اگر سچا ہوتا تو آئندہ ضرور توبہ میں مضبوط ہوتا کہ اب مجھسے کوئی گناہ سرزد نہ ہو یعنی اگر اتفاقاً جہالت سے ہو جاتا تو اسیوقت شرمندہ و نادم ہو کر توبہ کرتا اور جس شخص کی توبہ کا نتیجہ سچی محبت نہ نکلا تو وہ توبہ میں جھوٹا ہے اسکے نفس نے اسپر دھوکے سے ظاہر کیا کہ تو نے توبہ کر لی ہے اور حقیقت میں توبہ کا اثر اسکے دل میں نہیں ہے اور دلیل اس تمام کلام کی یہ ہے کہ فرمایا استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ۔ پہلے استغفار کو فرمایا پھر اسپر توبہ کو مرتب کیا جو اس استغفار کا نتیجہ ہے تو استغفار ٹھیک ہوا پھر توبہ کرنے والوں کے حق میں فرمایا ان اللہ یحب التوابین یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کرنیوالوں کو محبوب رکھتا ہے تو جو کوئی توبہ کرنیوالا ہوگا وہ ضرور محبت میں سرگرم ہوگا کیونکہ جھوٹا توبہ کرنیوالا تو تواب نہیں ہے بس جھوٹی توبہ کا نتیجہ بھی محبت نہوگا۔ قال المترجم یہ کلام نہایت قابل حفظ ہے اور اسکے فوائد بہت ہیں یاد رکھو کہ محبت سے بندہ کی طرف سے عشق حقیقی کے معنی مراد ہیں اور

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم کو بحث کرنا لغو و مہمل ہے کیونکہ اسکی صفات سے ہم کو علم نہیں ہو سکتا مگر اسی قدر کہ وہ اپنے بندہ کو محبوب رکھتا ہے اور ما ہیت اس محبت کی مثل اور صفات آلہیہ متعالیہ کے ادراک مخلوق سے باہر و متعالی ہے فافہم شیخ ابو عثمان نے فرمایا کہ وہ وہ وہ پاک منعم ہے جس نے تجھکو قدیم سے ابتک ہر طرح کی نعمتیں عطا فرمائیں بدون اسکے کہ تیرا کوئی استحقاق ہو یا اسپر کسی طرح ان نعمتوں کا دنیا و جب ہو جب قوم کو آنحضرت علیہ السلام نے یہاں تک نصیحت باللہ و رسالت تامہ پہونچائی تو قوم نے اپنا مردہ وہ ہونا ظاہر کرکے نصیحت کے عوض عداوت کا جواب دیا۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ

بولے اے شعیب ہم نہیں بوجھتے بہت باتیں جو تو کہتا ہے اور ہم دیکھتے ہیں تو ہم میں کمزور ہے اور اگر نہوتے تیرے بھائی بند

لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ

تو تجکو ہم پتھراؤ کرتے اور تو ہم پر کچھ سردار نہیں بولا اے قوم کیا میرے بھائی بندوں کا دباؤ تم پر زیادہ ہوا اللہ سے

وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَاۗءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝

اور اسکو ڈال رکھا تم نے پیٹھ پیچھے فراموش تحقیق میرے رب کے قابو میں ہے جو کرتے ہو

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ قوم والے بولے کہ اے شعیب مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ ۔ ہم سمجھتے نہیں بہتیری باتوں کو ان باتوں میں سے جو تو کہا کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید و عبادت کرنا اور شرک چھوڑنا و ناپ تول میں کمی نہ کرنا سب حق پورے کرنا وان کی دلیلیں ہم اکثر نہیں سمجھتے اور یہ اسوجہ سے تھا کہ انکی عقل میں قصور رہتا اور اسکے باوجود ان بھی باتوں کی طرف غور نہ کرتے و دھیان نہ لگاتے تھے حالانکہ حضرت شعیبؑ ان کو انھیں کی زبان میں انکی سمجھ کی مقدار پر سمجھاتے تھے اور بعض نے کہا کہ سب سمجھتے مگر یہ مطلب تھا کہ تمھاری باتوں کی توقیر کچھ نہیں ہے جیسے کہتے ہیں کہ اے شخص تیری بات تو ہماری سمجھ میں نہیں آتی یعنی یہ بات قابل توجہ نہیں ہے۔ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۔ اور ہم تو تجھے اپنے درمیان ضعیف دیکھتے ہیں کہ تجھکو کچھ قوت نہیں ہے اگر ہم تجکو برائی پہونچانا چاہیں تو تو روک نہیں سکتا یا ضعیف سے یہ مراد کہ تو ہم میں ایک ذلیل آدمی ہے تیری کچھ عزت نہیں ہے۔ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۔ اور اگر تیرا گروہ نہوتا جو تیرے گھر والے ہیں تو ہم تجکو رجم کر ڈالتے یعنی پتھروں سے مار کر ہلاک کر دیتے یا کوڑوں وغیرہ سے یا تجھے قید کرتے ۔ رہط کا لفظ تین سے سات تک یا دس تک کیلئے بولا جاتا ہے تو اسقدر آدمی اتنی قوت والے تو نہیں ہو سکتے کہ ہزاروں کا مقابلہ کریں بلکہ یہ غرض کہ ہم کو تیرے خاندان والوں کی عزت و حرمت کا پاس ہے کیونکہ وے ہمارے دین پر ہیں تیرے ساتھی نہیں ہیں باوجود اسکے اگر تیری آبرو ریزی ہو تو انکی بھی ذلت ہوگی جیسا دنیاوی لوگوں کے خیالات ہیں پس رہط کے لحاظ سے رجم نہیں کرتے ۔ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ۔ اور تو ہماری نظروں میں کچھ عزت والا نہیں ہے تاکہ تیری عزت سے ہم تجھے رجم نکریں قولہ لنراک فینا ضعیفا علی بن عیسیٰ نے کہا کہ مقصود ضعیف البدن و نحیف الجسم ہے۔ نحاس نے کہا کہ قبیلہ حمیر کی زبان میں ضعیف اندھے کو کہتے ہیں اور یہی زجاج نے ذکر کیا ہے اور سفیان ثوری و سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ شعیبؑ اندھے تھے اور اسوجہ سے اندھے ہوگئے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں بہت رویا کرتے تھے شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں شعیب یہان تک روئے یا کہ اندھا ہو گیا اخرجہ ابن عساکر والواحدی ۔ یہ بات اگرچہ واقع ہو لیکن ضعیف کی تفسیر اندھے کے ساتھ ٹھیک نہیں ہے چنانچہ بیضاوی نے کہا کہ خود لفظ

فینا سے یہ قول رد ہوتا ہی اسلئے کہ جو اندھا ہوتا ہے وہ ہر ایک کے نزدیک ہر جگہ اندھا ہی ہے پھر یہ کیا کہ تو ہم میں اندھا ہی اور سدی نے کہا کہ اسکے یہی معنی ہیں کہ تو اکیلا تنہا ہی یعنی تیرے یار و مددگار لوگ نہیں ہیں اور ایسے شخص کو کمزور کہا کرتے ہیں اور یہ قول اقرب ہے کیونکہ ذلیل و غیرت ہونے کو بقولہم وما انت علینا بعزیز بصریح کردیا ہے پس حاصل یہ کہ قوم مردودنے اول تو یہ کہا کہ تیری باتین لا یعنی ہیں ہم اکثر نہیں سمجھتے اور دوم آنکہ تو ہم میں تنہا کمزور ہی کیونکہ تیرے کنبہ والے تیرے ساتھ شریک نہیں ہیں اگرچہ تیری ذلت انکی ذلت ہوگی لہذا اگر وے نہوتے تو ہم تجکو بہت جلد رجم کر دیتے ہم کو صرف انکی آبرو و عزت کا خیال ہی اور تو ہمارے نزدیک کچھ بھی عزت والا نہیں ہی علی نے فرمایا کہ قسم اُس ذات پاک کی جسکے سوائے کوئی معبود نہیں ہی کہ اس قوم نے جلال الٰہی سے خوف نہ کیا بلکہ فقط پیغمبر کے کنبہ والون سے خوف کیا بیضاوی نے کہا کہ قوم نے حضرت شعیب کے جواب میں بیہودہ گوئی و مار پیٹ کی دھمکی دی اور یہ قوم فرعون کا بھی مستور ہوتا ہی کہ نور ایمان سے بے بہرہ ہوکر جہالت کی تاریکی میں پڑے ہوئے روشن آیات و کھلے دلائل کے مقابلہ میں ایسی ہی شیطانی حرکات کیا کرتے ہیں حضرت شعیبؑ کو اپنی طرف خیال نہ ہوا بلکہ بمقابلہ الٰہی عزوجل جو اُنھون نے کنبہ والون کی عزت کی اُس سے غمناک ہوئے۔ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ فرمایا کہ اے میری قوم کیا میرا کنبہ تمھاری نظرون پر اللہ تعالی سے زیادہ عزت والا ٹھہرا کہ تم نے کنبہ کی عزت سے مجھے اپنے نزدیک چھوڑا اور اللہ تعالی کی جلال وعظمت کے خوف سے نہیں چھوڑا۔ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۔ اور کر لیا ہی تم نے اُس کو اُدھر اپنی پیٹھ پیچھے یعنی حضرت ذوالجلال والاکرام کو ایسے بھولے ہو جیسے کوئی بھولی چیز کو پیٹھ پیچھے ڈال دیتا ہی چنانچہ تم نے بلا تردد اسکی جناب میں شرک کیا اور اسکے رسول کی اہانت کرتے جاتے ہو جو تم کو برابر نرمی سے عمدہ طور پر نصیحت کر رہا ہی تو تم نے عمداً حق الٰہی عزوجل کو بھلا دیا ہے مگر یاد رکھو کہ تمھاری حرکتون سے تم کو کچھ فائدہ نہیں ہی۔ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۔ بیشک میرا پروردگار سب کو جو تم کرتے ہو محیط ہی یعنی وہ سب جانتا ہی اسپر ذرہ برابر پوشیدہ نہیں ہی وہ ضرور تم کو تمھاری حرکتون کو بدلا دیگا۔ ظہری بکسر اول منسوب بظہر بفتح الظاء بمعنی پشت ہی و لیکن عرب اکثر نسبت میں ایسا تغیر کر دیتے ہیں جیسے بصرہ کی طرف نسبت میں بصری بالکسر بولتے ہیں ف فی العرائس قوله وانا لنرٰک فینا ضعیفا ۔ یہ خطاب جبکہ قوم کی طرف سے ہی تو اسکی تفسیر گذر چکی اور جبکہ خطاب بطریق اشارات ہی تو مجملہ اسکے اشارون کے ضعیف سے اشارہ ہی کہ جس حال میں اہل الکفر تھے اس سے پیغمبر علیہ السلام کو توحش تھا اور جس حال میں خود تھے اس سے مانوس تھے اور نیز ضعیف اس دعوی رسالت و معجزہ میں و دعوی قربت و مشاہدہ میں بدین معنی کہ جلال احدیت عز سلطانہ سے جسقدر معرفت حاصل ہو وہ بذات خود اگرچہ یعنی قربت ہیں لیکن بذات تعالی و تقدس محض ہیچ ہے عقول خلائق کو وہان رسائی نہیں ہی حکیم ترمذی نے کہا کہ ضعیفا سے انکی یہ مراد تھی کہ ہمارے درمیان سے نکالا ہوا ہی ہم میں تجھے جلسہ برادری کے معاملہ میں شرکت حاصل نہیں ہی اور بعض نے کہا کہ مراد انکی قلیل العقل ہی واللہ اعلم پھر جب حضرت علیہ السلام اس قوم کی ہدایت سے مایوس ہوئے تو بواسطہ علم نبوت کے اُن کو ڈرانے سے بڑھکر اظہار عذاب کا وعدہ دیا ۔

وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ

اور اے قوم کام کیے جاؤ اپنی جگہ میں بھی کام کرتا ہوں آگے معلوم کروگے کس پر آتا ہے عذاب

يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ۝ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا

کہ اسکو رسوا کرے اور کون ہے جھوٹا اور تاکتے رہو میں بھی تمھارے ساتھ ہون تاکتا اور جب پہونچا ہمارا حکم

نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا

بچا دیا ہم نے شعیب کو　اور جو　یقین لاے رہے تھے اسکے ساتھ اپنی مہر سے　اور　پکڑا　اُن ظالمون کو

الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۙ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا

چنگھاڑ نے　پھر صبح کو رہ گئے　اپنے گھرون مین اوندھے پڑے　جیسے کبھی نہ بستے تھے اُنمین　سُن لو پھٹکار ہے

لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ

مدین پر　جیسے پھٹکار پائی　ثمود نے

جب آنحضرت علیہ السلام کو معلوم ہوگیا کہ یہ قوم اپنے باپ دادون کے دین پر اور اپنے قبیح اعمال پر ہٹ کیے رہین گے اور نصیحت ان مین کارگر نہ ہوگی تو ایسے کہا - وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اور اے قوم تم کام کیے جاؤ اپنی حالت پر - اِنِّيْ عَامِلٌ مین بھی اپنے حال پر کام کیے جاتا ہون اگر وہم ہو کہ قوم تو شرک و کفر و تطفیف کا کام کرتی تھی انکو انکے حال پر کام کرنے کا کیونکر حکم دیا اسلیے کہ شرع مین مسئلہ یہ ہو کہ کسی شخص کے کفر پر راضی ہونا کفر ہو نہ کہ اس سے بڑھکر کسی کو کفر کے موافق عمل کرنے کا حکم دینا - تو جواب یہ ہو کہ یہ شرک کرنیکا حکم نہین ہو بلکہ باوجود اس قوم کے ازلی مردود ہونے کو وحی وغیرہ سے جان لینے کے انکو اس طریقہ پر چلنے سے خوف دلایا جیسے اگر کسی کو سمجھا کر آدمی تھک گیا اور جانا کہ یہ ضرور وہی کریگا تو اس سے کہتا ہو کہ اچھا تو یہ کام کر دیکھ تو ابھی تجھے معلوم ہوا جاتا ہو جو تجھ پر پڑیگا پس یہ کہنا گویا بہت سخت منع کرنا ہوتا ہو ایسا ہی یہان ہو چنانچہ اسی پر دلالت صریح ہو قولہ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ عنقریب تم جان لوگے کہ ہم مین اور تم مین کون نیک راہ اور کون گمراہ ہو یا جان لوگے آنکھون دیکھکر - مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ کس پر آئیگا ایسا سخت عذاب جو اسکو دین و دنیا مین ذلیل و خوار کر دے - وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ - اور کون جھوٹا ہو - واضح ہو کہ قولہ علیٰ مکانتکم بعض نے کہا کہ یعنی علیٰ حالتکم جس حال پر تم ہو کہ شرک و گناہ پر ہٹ کیے جاتے ہو چنانچہ اسی معنی پر تفسیر مذکور ہوئی اور بعض نے کہا کہ مکانت منزلت و قدرت ہو تو مراد یہ ہو کہ جہان تک تم کو قدرت و طاقت ہو وہان تک شرک و کفر و گناہ کے اعمال کرو جن کو تم اچھا سمجھتے ہو اور مین بھی اپنی استطاعت پر جسکو اچھا سمجھتا ہون عمل کرتا ہون پھر دونون کے اعمال کا حال عنقریب معلوم ہو جائیگا کہ کس کو ثواب ملا اور کس کو عذاب پس جو بدکار و جھوٹا ہوگا اسی پر عذاب آویگا - زمخشری ؒ نے کشاف مین ذکر کیا کہ قولہ سوف تعلمون بطریق استیناف ہے گویا یہان سے نیا جملہ شروع کیا حالانکہ وہ اپنے اوپر سے مربوط ہو اور کبھی فا سے وصل کر کے فسوف تعلمون کہتے ہین لیکن استیناف مین زیادہ بلاغت ہو کیونکہ اسمین ہول طاری ہونا زیادہ ہو جاتا ہو اور یہی اصلی مقصد ہو اقول یعنی بدون فا کے استیناف بیانی زیادہ بلیغ ہو کیونکہ اس صورت مین گویا پوچھنے والے کافر نے پوچھا کہ اچھا جب سب کفار اپنے حال پر اور آپ اپنے طریقہ پر عمل کرینگے تو کیا ہوگا جواب دیا کہ سوف تعلمون الی آخرہ تو ہول سمایا کہ اسطرح اس بحث کا خاتمہ تو بہت سخت ہو کہ اسمین بدکار کا فیصلہ ہو جائیگا واضح ہو کہ کافرون نے کہا تھا کہ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ - تیری بہتیری باتین ہم سمجھتے نہین یعنی تیری اکثر باتین ہم کو جھوٹ معلوم ہوتی ہین مثلاً مر کر عذاب پانا و بعث و نشر و حشر و جزاء و سزا وغیرہ اکثر باتون مین جھوٹا بتلایا اور کہا تھا کہ مَا اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ یعنی تو ہمارے نزدیک ذلیل و خوار ہو تو آنحضرت علیہ السلام نے ہر طرح کی عزت بمقابلہ حضرت ذوالعظمة والکبریاء کے منکر جانکر فوراً قوم پر رد کر دی پھر علم وحی وغیرہ سے آگاہ ہو کر یہ فیصلہ کیا کہ اچھا نہین مانتے ہو تو خیر اپنے طور پر خوب برتاؤ کر دیکھو انجام کو عنقریب معلوم ہو جائیگا کہ جھوٹا کون ہو

اور کھل جائیگا کہ ذلیل و خوار کون ہوا - اور یہ وعدہ ایسا قریب ہے کہ اسکی طرف ٹکٹکی لگاؤ - وَارْتَقِبُوْا اِنِّیْ مَعَكُمْ رَقِیْبٌ - اور انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں دیکھو کہ اللہ تعالیٰ ہم دونوں کے بیچ میں کیا حکم و فیصلہ جاری فرماتا ہے پھر حسب وعدہ عنقریب ہی قوم پر عذاب آگیا - وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا شُعَیْبًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا - اور جب آگیا ہمارا حکم یعنی عذاب بمقدر یا عذاب کا حکم تو ہم نے دونوں فریقوں میں سے نجات دی شعیب کو اور ان بندوں کو جو اسکے ساتھ میں یا ان لائے تھے اپنی طرف سے ایک خاص رحمت کے ساتھ یعنی ان بندوں کو ہمارا نجات دینا ہماری طرف سے ایک خاصہ رحمت تھی اسی کا اثر تھا کہ یہ لوگ ایمان لائے اور نیکوکار تھے اور قوم مردودہ سے دل سے بیزار و علیحدہ تھے پھر انکو خواری و عذاب آخرت کے مکانات میں بھی قوم سے الگ کر دیا گیا - وَاَخَذَتِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ - اور گرفتار کر لیا اس قوم کو جنھوں نے خود اپنی جانوں پر آپ شرک و عصیان سے ظلم کر رکھا تھا ایک کرخت آواز نے - روایت ہے کہ جبرئیل نے انکو سخت ہولناک آواز سے ڈانٹا جبکہ وے اللہ تعالیٰ خالق کی نافرمانی میں اسکے پیغمبر و مومنوں کو آزار دیتے تھے پس دہشت سے ان کے دل پھٹ گئے - فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ - پس یہ لوگ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل مرے رہ گئے یعنی اس ہیأت پر مرے کہ گھٹنے زمین پر ٹیکے تھے اور دونوں ہاتھ کے بل زمین پر تھے اور اسکی وجہ یہ تھی کہ زمین کو زلزلہ سخت آیا تھا تو لڑکھڑا کر اسی ہیأت پر رہ گئے تھے چنانچہ سورۂ اعراف و عنکبوت میں زلزلہ مذکور ہے بقولہ فاخذتھم الرجفۃ - اور یہ زلزلہ بھی ان پر عذاب تھا اور واضح ہو کہ اس امر میں گفتگو ہے کہ اصحاب الایکہ قوم شعیب تھے حالانکہ وہ عذاب ظلہ سے ہلاک ہوئے تو کہا گیا کہ خاص وہ شہر مدین جسمیں حضرت شعیب تھے وہ تو زلزلہ و کرخت آواز سے مرے اور ایکہ والوں پر آسمان سے آگ اتری جس سے ہلاک ہوئے اور سوائے غریب مومنوں کے اس قوم مالدار مغرور بدکردار میں سے کوئی نہیں بچا سب مال و دولت مکان و ثروت جسکی محبت میں اتراتے اور ایمان کھوئے ہوئے حضرت پیغمبر علیہ السلام کو ذلیل و خوار سمجھتے و انکی طاعت سے عار کرتے تھے سب چھوڑ کر عذاب دائمی میں گرفتار ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا - كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا - گویا کبھی ان گھروں میں نہیں بستے تھے پھر فرمایا - اَلَا بُعْدًا لِّمَدْیَنَ - آگاہ رہو کہ ہلاکت ہو مدین کے لئے كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ - جیسے ثمود ہلاک ہوئے اور تشبیہ اس بات میں ہے کہ مدین قوم شعیب بھی اسی عذاب صیحہ سے ہلاک ہوئی جس سے ثمود قوم صالح مری تھی صرف فرق اسقدر تھا کہ قوم ثمود کو صیحہ نے نیچے سے ہلاک کیا اور مدین کو صیحہ اوپر سے پہونچا تھا اور روایت ہے کہ کسی دو قوم کو اللہ تعالیٰ نے ایک عذاب سے نہیں مارا سوائے مدین و ثمود کے کہ دونوں صیحہ سے مرے اور شیخ حافظ نے کہا کہ دونوں کی تشبیہ معنوی یہ ہے کہ دونوں قومیں کفر اور رہزنی میں یکساں تھیں اور دونوں عرب میں سے تھے - واضح ہو کہ البعد مصدر ہے یعنی دوری اور فعل اسکا کرم بضم عین آتا ہے اور بمعنی ہلاکت اور فعل اسکا بروزن سمع بکسر العین آتا ہے اور ابن الانباری نے کہا کہ بعضے عرب ہلاک و دوری میں فرق نہیں کرتے ہیں - مہدوی نے کہا کہ بُعد بضم العین کا استعمال بھلائی و برائی دونوں میں ہوتا ہے اور بکسر العین کا استعمال خاصکر برائی سے مخصوص ہے اور یہاں بعدت بکسر العین جمہور کی قرأت ہے اور مراد اس سے لعنت ہے تو معنی یہ ہوئے کہ مدین پر لعنت ہے جیسے ثمود ملعون ہوئے اور بعدت صیغہ تانیث باعتبار قبیلہ کے ہے - واضح ہو کہ تطفیف جو مدین کا فعل تھا کبیرہ گناہ ہے اور اسکا عذاب علاوہ تذکرہ مدین کے قولہ تعالیٰ ویل للمطففین الذین اذا اکتالوا الآیۃ میں منصوص ہے اور حدیث سنن میں یہ مضمون آیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے موالی کو فرمایا کہ تم نے ناپ تول کا پیشہ وہ اختیار کیا ہے جسمیں امتوں میں سے بعض ہلاک ہوئے تو احتیاط رکھو یعنی پورا دو اور عذاب سے ڈرو - واضح ہو کہ جس بدفعلی کا عذاب دنیا میں کسی قوم کو ملا چنانچہ اس امت میں بسبب برکت

آنحضرت صلعم کے دنیا مین عذاب عام نہ دیا جائے گا تو اس سے آخرت کے عذاب سے چھٹکارا نہ ہوگا بلکہ مرتے ہی آثار عذاب طاری ہونگے اور عذاب القبر شروع ہو جائیگا نعوذ باللہ من عذاب اللہ تعالی ومن سیئات الاعمال۔ پھر حق تعالی نے ساتوان تذکرہ حضرت موسی علیہ السلام اور بادشاہ فرعون کا بیان فرمایا بقولہ

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ۝ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاتَّبَعُوا

اور بھیج چکے ہین ہم موسی کو اپنی نشانیون سے اور واضح سند سے فرعون اور اُسکے سردارون پاس پھر چلے گئے ہین

أَمْرَ فِرْعَوْنَ ۖ وَمَا أَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ ۝ يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

فرعون کے اور نہین بات فرعون کی کچھ نیک چال رکھتی آگے ہوگا اپنی قوم کے قیامت کے دن

فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۖ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُودُ ۝ وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ لَعْنَةً وَيَوْمَ

پھر پہونچا دیگا اُن کو آگ پر اور برا گھاٹ ہے جسپر پہونچے اور پیچھے سے ملی اس جہان مین لعنت اور دن

الْقِيَامَةِ ۚ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُودُ ۝

قیامت کے برا انعام ہے جو ملا

اس تذکرہ کو بلفظ لقد ارسلنا۔ شروع فرمایا جسکے معنی تاکید و تحقیق کے ہین اور عرب اگرچہ اس قصہ اقسیم سے خوب واقف تھے خصوص عرب کے یہود اور دیگر مقامات کے نصاری سے متواتر اخبار موصول ہوئے لیکن پھر بھی یہ عرب کی سرزمین کا واقعہ نہ تھا تو ان کو بحرف تاکید سنایا اور دوسرے سننے کیلئے تاکید و تنبیہ ہے کہ اس سے کمال عبرت حاصل کرو کیونکہ اصلی مقصود ان تذکرون سے یہی ہے کہ اہل عقل ان سے اپنے خالق کی قدرت و اسکا طریقہ عبودیت پہچانین اور اہل حال ان سے اسرار کے مقامات جو انہین عبارات کلام مین بطیب لطافت سے مندرج ہین ادراک کرین اور اہل توحید و اسرار کو اعلی مقامات فنا تک وصول حاصل ہو اور یہ سب بخاوند ہدایت الٰہی عزوجل ہو مگر ابتدا اسکی یہی ہے کہ نفس کے فریب شیطان کے وساوس اور زندگی و جان کے شہوات سے مقابلہ کرکے نفرت کی نظر آلودہ کرین اور حضرت خالق عزوجل کی عظمت اور اپنے بندہ ہونے کو دیکھین اسکے ساتھ اس کلام کو غور سے سنین پس بتاکید فرمایا وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ۔ اور بیشک بھیجا تھا ہم نے موسیٰؑ کو ازلی علم مین اسکو رسول مقرر کر دیا تھا کہ فلان وقت دنیا مین پیدا ہو اور اسطرح زندہ رہے اور اسطرح فرعون اسکو پالے پھر دشمن ہو پھر وہ پیاک ہماری تعلیم خاص و تنویر قلبی سے فیضیاب ہو ہمارا ایلچی ہوکر جاوے بِآيَاتِنَا ہماری آیتون کو ساتھ لئے۔ وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ۔ اور کھلے ہوئے غلبہ کے ساتھ یعنی موسیٰؑ کے ساتھ دو باتین ہم نے عطا فرمائین ایک آیات اور دوم سلطنت واضحہ۔ اور مفسرین نے باہم گفتگو کی کہ یہان ان دونون سے کیا مراد ہے پس بعض نے کہا کہ آیات سے مراد توریت کتاب آسمانی ہے لیکن یہ قول صحیح نہین اسواسطے کہ آگے فرمایا۔ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فرعون و اُسکے سردارون کی طرف۔ حالانکہ جسوقت حضرت موسیٰؑ رسول ہوکر فرعون کی طرف گئے اسوقت توریت اُنکو نہین ملی تھی بلکہ یہ تو فرعون کے غرق ہو جانے کے بعد ملی ہے اور صاحب فتح البیان سے عجیب ہے کہ اُسنے لکھا قولہ بآیاتنا اسمہ بالتوراۃ حال کونہ منزلہ۔ سابقا پھر آگے جاکر لکھا وقیل المراد بالآیات ہی التسع المذکورۃ فی غیر ہذا الموضع الی قولہ ولیس من الآیات المرادۃ ہہنا التوراۃ لانہا انزلت بعد اغراق فرعون وقومہ انتہی حالانکہ یہی بات صحیح ہے تو اُسنے برعکس معاملہ کیا چاہیئے تھا کہ آیات کی تفسیر یہان کی

مراد سے کرتا پھر ایک قول کر کے لکھدیا کہ بعض نے توریت سے تفسیر لکھی ہے واللہ اعلم اور یہ جواب کہ متلبس بالتوراۃ تھا پس یہ حال مقدرہ
ہے تو یہ جواب کچھ نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے انوار قلبی و موارد باطنی کا اثر فرعون کے حق مین نفس رسالت کی راہ سے
کچھ نہ تھا غایتہ ملا و بیضاوی رح نے بھی آیات کی تفسیر مین توریت لکھی و لیکن کہا کہ مراد توریت ہے یا معجزات ہین اور سراج مین اسی کی
پیروی کی ہے اور شیخ حافظ ابن کثیر رح نے آیات سے نشانیان مراد لین جیسا کہ ظاہر کلام شیخ اسپر دلیل ہے اور حاصل اُسکا یہی معجزات
باہرہ تھے پس سیاق کلام گویا اس امر کو مفید ہوا کہ اولاد آدم اگر اپنے خالق کو بالکل فراموش کر بیٹھے تو نوحؑ و ہودؑ و صالحؑ و ابراہیمؑ
و لوطؑ و شعیبؑ انبیاء و عظام اُنکی طرف اللہ تعالیٰ کے رسول گئے اور سمجھایا مگر اُنھون نے سب کو جھٹلایا اور محسوس چیزون کے سامنے
غیب کی باتون پر ایمان نہ لائے آخر عذاب سے تباہ و ہلاک ہوئے پھر ہم نے موسیٰؑ کو بلا شبہہ بہت سے آیات و معجزات کے ساتھ بھیجا
کہ ان کے سامنے جھٹلانے اور رسول نہ ماننے کا موقع نہ تھا اور ایسے معجزات دیئے کہ جو بالکل واضح تھے کہ ضرور آدمی محسوسات سے
تجاوز کر کے غیب پر ایمان لاوے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ انبیاء سابقین کیساتھ اگر کثرت سے معجزات نہ تھے اور کوئی سمجھے کہ قوم نے اپنی عادت
کے موافق محسوس چیز سے تجاوز نہ کیا اور ان کو جھٹلایا اور بہت معجزے ہوتے تو شاید مان لیتے تو بتاکید فرمایا کہ ہم نے موسیٰؑ کو فرعون کیطرف
بہت سے معجزات کیساتھ بھیجا تب بھی اسکا حکم نہ مانے اب اگر کہا جائے کہ آیات سے اگر معجزات مراد ہین تو سلطان مبین سے کیا مراد
ہے تو بیضاوی وغیرہ نے کہا کہ دونون سے معجزات ہی مراد ہو سکتے ہین اور فائدہ یہ ہے کہ معلوم ہوجاوے کہ یہ معجزات ہماری قدرت
و عظمت و الوہیت پر نشانی تھے اور موسیٰ کیلئے اسکی نبوت پر سلطان مبین تھے کیونکہ معجزہ کے معنی عاجز کرنیوالا تو جب ان معجزات سے
موسیٰؑ نے منکرون کو عاجز کیا اور وے کچھ مقابلہ نہ کر سکے تو موسیٰ کو سلطنت یعنی غلبہ ان پر حاصل ہوا اور مراد غلبہ سے یہی حجت و دلیل
سے غلبہ ہے زبردستی وغیرہ عوام کے معنی مراد نہین ہین اور چونکہ سلطان بروزن مصدر ہے تو مفرد و جمع اور مذکر و مونث اسکا یکسان
ہے اور لکھا کہ آیت تو ایسی چیز کو بھی کہتے ہین کہ جو نشانی ہو خواہ یقینی قطعی ہو یا نہو اور سلطان ہر ایسی آیت ہے جو قطعی ہو اور امام
رازی نے کبیر مین اور سراج وغیرہ مین ہے سے نقل کیا کہ قطعی حجت کو سلطان اسلئے کہتے ہین کہ اسکو بدون حجت والے پر غلبہ
ہوتا ہے کہ اسکو مقہور کر لیتا ہے جیسے سلطان اپنے محکوم پر غالب ہوتا ہے اور علماء اپنی قوت علمیہ کے کمال سے سلاطین ہین جیسے بادشاہ
اپنی فوج وغیرہ سے سلطان ہے و لیکن علماء کی سلطنت اُنسے دو وجہ سے زیادہ قوی ہوتی ہے کیونکہ بادشاہ تو تخت سے معزول ہو سکتا ہے
اور عالم اپنے علم سے معزول نہین ہو سکتا اور عالمون کی سلطنت انبیا کی سلطنت کے جنس سے ہے تو ملوک انکے تابع ہین اور بادشاہون
کی سلطنت فرعون کی سلطنت کی جنس سے ہے حالانکہ موسیٰ وہان بھیجے گئے تھے کہ وہ اُسکا تابع ہو کر رہے اگرچہ دنیا کی تمام ثروت
مین سے موسیٰؑ کو کچھ حصہ نہ تھا بیضاوی رح نے لکھا کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سلطان مبین سے مراد عصا کا معجزہ ہو اگرچہ وہ آیات مین داخل
ہے چنانچہ نو آیات مین آٹھ سورہ اعراف مین مع عصا اور نوین سورہ یونس مین مذکور ہے لیکن اسکو الگ کر کے سلطان مبین اسوجہ سے
کہا جاسکتا ہے کہ وہ نہایت زبردست معجزہ تھا اور بعض نے لکھا کہ سلطان مبین سے مراد وہ غلبہ ہے جو موسیٰؑ نے فرعون کے ساتھ
سوال و جواب مین پایا۔ اقول یہ بہت ضعیف قول ہے اسوجہ سے کہ ہر پیغمبر کو قطعاً یہ سلطنت حاصل تھی بلکہ جو شخص دنیا مین سچا ہے
وہ اپنے مقابل جاہل پر سلطان مبین رکھتا ہے اور ایسے قول سے تو میرے نزدیک یہ اچھا تھا کہ یون کہا جاتا کہ فرعون ایک سرکش
ظالم تھا جو الوہیت کا مدعی تھا اور کثرت اموال و افواج و قہر و غلبہ پر مغرور تھا اور اسنے تمام بنی اسرائیل کو خوار و ذلیل کر رکھا تھا پھر اُسپر

پیغمبر کرکے تنہا حضرت موسیٰ کو بھیجا اور اسکو ہرگز قوت نہوئی کہ ان کو قتل کرے یا کوئی آزار پہونچاوے بلکہ وہ خوفناک ہوتا تھا اور بیس برس
تک برابر حضرت موسیٰ دین حق کی دعوت فرماتے رہے تو کیسی سلطان مبین تھی کہ اللہ تعالیٰ کی عزت و قدرت و سلطنت پر دلیل واضح
ہے اور کھلی دلیل ہے کہ دنیا میں وہی واقع ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کسی تدبیر سے یا کسی کی قدرت سے کچھ نہیں ہوسکتا ہے پھر
واضح رہے کہ اس تفسیر میں املائے حقائق صرف اسیقدر کلام کرتے ہیں جو عقل والوں کی عقل کے اندازہ پر ہو حالانکہ احوال و اسرار بہت
کچھ مندرج ہوتے ہیں لیکن انسے بالکل سکوت اختیار کرتے ہیں کیونکہ وہ کمالات ہیں بیانات نہیں ہیں تو بعض مقامات میں ظاہری
تفسیر سے اسرار اعلیٰ ہوتے ہیں اہل بیان خاص توفیق تک جناب باری تعالیٰ میں امیدوار رہیں اور یہ بات اس مقام پر ظاہر ہے کہ
خواہ آیات و سلطان مبین کی مراد معلوم ہو یا نہو اصلی مقصود ضرور ظاہر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے موسیٰ اولو العزم پیغمبر کو آیات
و سلطان مبین کے ساتھ فرعون و اسکے گروہ کی طرف ایلچی کرکے بھیجا اور باوجود اسقدر معجزات ظاہرہ و حجج قاہرہ کے ان سرکشوں نے پیغمبر
الٰہی عزوجل کی بات نہ مانی ۔ فَاتَّبَعُوا أَمْرَ فِرْعَوْنَ ۔ اور یہ نتیجہ ہوا کہ اس گروہ نے فرعون کے امر کی پیروی کی ۔ اگر امر سے حکم مراد ہے تو
یہ معنی ہوئے کہ فرعون نے خود کفر کیا اور اپنے گروہ کو حکم کیا کہ موسیٰ کو جادوگر جانو اسکی بات نہ مانو پس باوجود ایسے معجز و دلائل دیکھنے کے
ان جاہلوں نے دنیا کے لالچ سے اسی کا حکم مانا اور اگر امر سے طریقہ مراد ہو تو یہ معنی کہ نفس کی خواہش و دنیا کی لالچ و آخرت و موت
سے غفلت میں یہ جاہل ایسے پھنسے تھے کہ موسیٰ کو ایسے معجزات حقانی کے ساتھ نہایت ادب بندگی کے طریقہ پر دیکھکر نہ مانے اور
اسکے طریقہ پر نہ چلے بلکہ فرعون گمراہ جسکی گمراہی و بدفعلی اور بدقولی ظاہر تھی اسی کے طریقہ پر چلے ۔ وَمَا أَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ ۔
اور نہیں تھا حکم فرعون کا یا طریقہ فرعون کا رشید یعنی سیدھی راہ پر چلانیوالا یا راستی والا نہ تھا بلکہ محض گمراہی و فساد تھا ۔ حاصل یہ کہ
وے لوگ فرعون کی بات مانے و اسکے طریقہ پر چلے حالانکہ اسکا طریقہ راستی پر نہ تھا اگر کہا جاوے کہ وے لوگ اسی سمجھکر چلے تو سراج میں
لکھا کہ طریقہ و امر فرعون کا راستی سے خالی ہونا ظاہر تھا اسکا عذر نہیں ہوسکتا اول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے معجزات
سے ظاہر ہونیکے بعد جو کچھ امر یا طریقہ ہو سب باطل ہے ۔ اور میں کہتا ہوں کہ سراج کی تقریر پر یہ امر ظاہر ہوا کہ اس کلام میں تلویح
ہے کہ حسن و قبح عقلی ہوتا ہے اور یہ بحث علم کلام و اصول سے متعلق ہے پھر فرعون کا انجام دنیا کے برعکس آخرت کا بیان فرمایا ۔
يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۔ اور فرعون پیشوا ہوگا اپنی قوم کا قیامت کے دن ۔ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۔ پس نتیجہ یہ ہوگا کہ ان
سب کو آگ میں داخل کریگا یہ دنیا کے برعکس نتیجہ ہے کیونکہ دنیا میں انکا پیشوا تھا تو انکو مال و منال و تمام خواہش کی چیزوں
میں داخل کرتا تھا یعنی اسکی پیروی میں انکو تمام شہوات حاصل ہوتی تھیں اور آخرت میں اسکی پیشوائی سے یہ نتیجہ ہوگا کہ اسکے پیچھے پیچھے
آگ میں جا پہونچینگے حدیث میں ہے کہ مجمع قیامت میں حکم الٰہی ہوگا کہ جو جسکی پرستش کرتا تھا اسکے نشان کیساتھ پیچھے چلے حتی کہ سوائے
اہل توحید کے سب گمراہ اپنے پیشواؤں کے پیچھے جاوینگے یہانتک کہ دوزخ میں گرینگے اور حدیث صحیح میں ہے کہ حفت النار بالشہوات یعنی نفس کی
خواہشوں سے دوزخ گھری ہوئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے جی چاہتی چیزونکے پیچھے دین الٰہی سے باہر ہوا و حرام و شہوت و شراب سے
اپنی شہوات پوری کرے تو جب شہوات طے ہونگے تو جہنم تک پہونچ جائیگا اور اگر بیچ میں ہوشیار ہوکر توبہ و استغفار سے واپس آیا اور نیک
کام کئے تو جنت نصیب ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ اگرچہ نیک کام حقیقت میں نہایت آسان ہیں نفس پر بہت شاق گذرتے ہیں اسواسطے حدیث میں
ہے کہ حفت الجنۃ بالمکارہ جنت ایسی چیزوں سے گھری ہے جو آدمی کے جی پر گران اور شاق گذرتی ہیں تو دیکھو کہ فرعون والوں نے باوجود ظہور نبوت موسیٰ

وکثرت معجزات باہرات وخوبی وراستی طریقہ کے صرف دنیاوی خواہشون کی لالچ مین فرعون کی پیروی کی اور شہوات کو پورا کرلیا
آخر اُسنے اپنی پیروی مین انکو جہنم مین ڈالا اور دنیا مین جب سے بحر قلزم مین غرق ہوے دوزخ کی آنچ پر پیش کئے جاتے ہین کما
قال تعالیٰ النار یعرضون علیہا غدوا وعشیا الآیۃ ۔ اور دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کرنیوالے دنیا مین فرعون کے ہاتھون
مصیبت اُٹھاتے اور طرح طرح کی تکلیفین سہتے تھے مگر دین الٰہی پر ثابت قدم تھے تو آخرت مین جنت دائمی مین آرام پاوینگے انشاء اللہ تعالیٰ
اگر کہا جاوے کہ فرعون خوار و ذلیل کیلئے جھنڈا کیسا ہوگا تو جواب یہ ہے کہ یہ خواری و ذلت کا جھنڈا ہوگا چنانچہ جہنم مین جاوے گا
اور کچھ اسی پر موقوف نہین ہے جو کوئی کسی گمراہی کا پیشوا بنا ہے آخر رسوائی کا جھنڈا اُٹھا ویگا چنانچہ ابوہریرہؓ نے روایت کی کہ آنحضرت
صلعم نے فرمایا کہ جاہلیت کے شاعرون کا جھنڈا اُٹھانیوالا امراء القیس ہوگا ۔ رواہ الامام احمد ۔ اگر کہا جاوے کہ قولہ اوردہم النار ۔ مین
ایراد اور ورود کا استعمال عرب مین پانی کے ساتھ مستعمل ہے مثلاً اور د البعیر الحوض ۔ اور جیسے قولہ تعالیٰ ورد ماء مدین پس بجائے ادخلہم
النار کے اوردہم ۔ جو پانی کے واسطے ہے کیون فرمایا ہے تو سراج وخفاجی وغیرہ مین ربانی بلاغت کی توجیہ کی کہ نار کو ان کے حق مین بمنزلہ
پانی کے استعارہ کرکے ورود کے لفظ سے استعمال کیا اور بلاغت کی اصطلاح مین اسکا نام استعارہ تہکمیہ ہے ۔ حاصل یہ ہے کہ جیسے پانی سے
آدمی سیراب وخوش ہوتا ہے جب وہان وارد ہو تو ان کے حق مین آگ ایسی ہی قرار دی جیسے قولہ ذق انک انت العزیز الکریم مین ہے
اگر کہا جاوے کہ اوردہم ماضی فرمایا حالانکہ مراد یوردہم ہے یعنی وارد کریگا ۔ جواب یہ دیا گیا کہ منجملہ قواعد بلاغت کے ہے کہ جب کوئی واقعہ
قطعی ہونیوالا ہو تو اسکو ماضی سے بولتے ہین تاکہ اشارہ ہو کہ گویا واقع ہو چکا ۔ بعض علماء نے کہا کہ آگ کے ساتھ پانی کا لفظ ان کے حق مین اور
مضارع کی جگہ ماضی اس نکتہ کی وجہ سے ہے کہ ظاہر مین تو فرعون مع قوم کے بحر قلزم مین ڈوبا مگر وہ آگ پر پہونچا ہے لقولہ تعالیٰ ۔ النار
یعرضون علیہا غدوا وعشیا ۔ دونون وقت آگ پر پیش ہوتے ہین اگرچہ قیامت مین اسمین داخل ہو جاوینگے تو وقوع اسکا شروع ہو چکا ہے
چنانچہ حدیث مین ہے من مات فقد قامت قیامتہ ۔ جو مرا اسکی قیامت قائم ہو چکی ۔ بعض متصوفین نے کہا کہ رحمت الٰہی اسکے غضب پر سبقت
لے گئی ہے چنانچہ آیت سے و صریح حدیث صحیح سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے تو فرعونیون کے حق مین باوجودیکہ آگ مین ڈالے جاوینگے
اسکے ساتھ ورود کا لفظ جو پانی کے ساتھ مستعمل ہے اشارہ ہے کہ اس آگ مین بھی ایک طرح کی رحمت خفی ہوگی واللہ اعلم ۔ ظاہر توجیہ تو
وہی ہے جو مذکور ہوئی کہ جیسے تحکم کو کہتے ہین کہ لو اب جوتے کھانے یا کوڑے کھانے کا مزہ چکھو اسیطرح زیادہ بلاغت لطیفہ کیساتھ انکے
حق مین کہا کہ سیر ہونے کو آگ پر وارد ہون گے پھر تصریح کردی بقولہ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ۔ اے بئس مکان الورد المورود
لہ یعنی کتنا برا گھاٹ سیرابی کا یہ گھاٹ ہے جسمین اُترے ہین کیونکہ گھاٹ پر آدمی کو پوری اُمید ہوتی ہے کہ پیاس کی جلن اور دھوپ
کی گرمی سے یہان سیراب ہوکر آرام و آسائش مین ٹھنڈا ہوگا اور یہان اسکے برعکس ہوگا کہ پیاس کے مارے زبان چھاتی پر لٹک پڑیگی
اور ہونٹ سوجکر کھال جلکر اُدھڑ پڑیگی پھر جسم جلیگی اور پیپ وپچ لوہو پئین گے اللہم اعوذ بک من عذاب النار وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ لَعْنَةً
اور اس دنیا مین اس قوم کے پیچھے لعنت لگا دی گئی یعنی جس دولت فانی وسلطنت وخواہش نفسانی کے پیچھے تکبر کرتے اور اپنے خالق عزوجل
کے رسول سے انکار وتمسخر کرتے تھے اسی دنیا مین ان پر لعنت کی جاتی ہے وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ ۔ اور قیامت کے روز بھی لعنت اُن کے پیچھے
لگائی گئی کہ وہان تمام اہل محشر حتی کہ کافر بھی اُن پر لعنت کرین گے اور یہ بات اکثر منکرون کی سمجھ مین نہین آتی ہے تو وہ یون سمجھین کہ
حق عزوجل جسنے سب چیزین پیدا کی ہے اس نے لعنت اُنکے پیچھے لگا دی بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ۔ یہ کیسا برا عطیہ ہے جو ان کو انعام

میں ملا ہے۔ کسائی نے کہا کہ رفد نام ہے عطیہ کا پس لعنت کو بطریق تہکم کے ان کے حق میں عطیہ قرار دیا۔ اور رفد کے معنی عون یعنی مدد
بھی ہیں تو دنیا کی لعنت پر قیامت کی لعنت انکے لئے ایک عون قرار دی گئی کہ جہنم کے سب سے نیچے طبقہ میں اس مدد سے جگہ پائی۔
ماوردی نے اصمعی سے نقل کیا کہ رفد وہ قدح جسمیں شراب ہو تو اس معنی پر جو انکو دوزخ میں پینے کو ملیگا اسکی مذمت ہے پس وارد مورود
سے اسکو زیادہ مناسبت ہوئی۔ ابو السعود نے عطیہ کے معنی کو کہا کہ وہ چنداں مناسب اس مقام کے نہیں ہیں۔ کلبی وغیرہ نے کہا
کہ رفد کے معنی زیادت کے ہیں یعنی لعنت پر لعنت کی زیادتی بڑی مذموم زیادتی ہے۔ شیخ حافظ رح نے اسی معنی کو ذکر کیا اور کہا کہ مراد
یہ ہے کہ ہم نے عذاب جہنم پر انکے حق میں یہ مزید کیا کہ دنیا میں اُن پر لعنت باقی رہے اور قیامت میں اُنپر لعنت ہو۔ مجاہد رح نے کہا
کہ قیامت کے روز انکے لیے ایک لعنت بڑھائی گئی تو دو لعنتیں ہو گئیں۔ علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے رفد مرفود کے معنی روایت
کیے کہ لعنت دنیا و آخرت کی اور یہی ضحاک و قتادہ کا قول ہے اور لکھا کہ یہ بمانند قولہ تعالی وجعلناہم ائمۃ یدعون الی النار الآیتین
یعنی امام تو ایک کرامت کا لفظ ہے جو پیشوا کیلئے بولتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متبعین میں اللہ تعالی نے ائمہ و پیشوا فرمائے تھے
تو انکے مقابلے میں فرعون و اسکے اشراف کی نسبت بطریق تہکم کے فرمایا کہ ہم نے انکو جہنم کی طرف دعوت کرنیوالے پیشوا بنائے یعنی جنہوں نے
انکی پیروی کی انکو لے جہنم کو لیگئے حالانکہ یہ اُن کے حق میں کمال مذمت ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ یہ تو کتنی بری پیشوائی ہے اللہ تعالی اپنے
پیشوا ہونے سے محفوظ رکھے۔ ف فی العرائس قولہ ولقد ارسلنا موسیٰ بآیاتنا الآیۃ۔ آیات میں سے تھا کہ حضرت موسیٰ کو قدرت ہوئی کہ
جو انوار جلال و جمال حقائق و معارف پائے اپنے صالح بندوں کو آگاہ فرماویں اور معارف و صفات کو اہل الخیر والصدق میں پھیلا دیں
اور سلطان مبین وہ آثار ہیں جو نور ازلیت اور برق محبت سے ظاہر ہوتے تھے کما فی قولہ والقیت علیک محبۃ منی۔ ابن عطاء رح نے کہا کہ
آیات میں وہ قوت تامہ بھی تھی جو کلام الٰہی سننے کے وقت فنا ہونے سے ظاہر ہے اور سلطان وہ انبساط تھا جس سے دیدار کا سوال کیا
جعفر رح نے کہا کہ آیات میں سے ہے کہ اللہ تعالی کے بندوں میں سے اولیاء کے ساتھ متواضع اور اعداء کے ساتھ متکبر ہو۔ بعض نے کہا
کہ آیات میں سے خلق کو انکی محبت ہے اور سلطان اس محبت میں ہیبت ہے۔ اب جاننا چاہیے کہ اس سورت شریفہ میں سات تذکرہ
اس امت سے اگلوں کے واسطے ذکر فرمائے کہ تمام بنی آدم یکساں اللہ تعالی کی مخلوق ہیں وہ اُن پر ہر حال میں ہر طرح قادر ہے
تو اس امت والے ان واقعات سے عبرت حاصل کریں کہ اس دنیا سے فنا ہونا مثل انکے ضرور ہے پھر سعادت پر مرنا بیشک بدبختی پر
مرنے سے اچھا ہے اور سعادت ظاہر ہے کہ اگلوں کو انکے انبیاء کی پیروی میں تھے ورنہ اپنی رائے سے اُنھوں نے دنیا کی بہت کچھ ثروت
حاصل کر رکھی تھی اور نبوت کا اُن میں طریقہ برابر چلا آیا پھر نبوت کے انکار سے بدبخت ہوئے اور آخر کس حد تک کلون نے تجاوز کیا جب
عذاب اسی زندگی سے شروع ہو گیا اور سبب انکار و سرکشی کا یہی ہوا کہ فنا ہونا جو ہر شخص کے نزدیک یقینی ہے اُس سے غفلت کر گئے
اور باعث غفلت کا یہی دنیا کی لذتیں و مال و منال و آل و اولاد و مکان و جائداد اور فخر و ناموری وغیرہ آخرت سے غافل کرنیوالی باتیں
واقع ہوئیں اور اپنے جی کی خواہش پر تکیہ لگا کر جھگڑالو بنکر اُلٹی سمجھنے لگے تو ضرر اُسکا خود اُنھیں پر واقع ہوا کیونکہ پیدا کرنیوالا تو پیشتر دیکھ
پیدا کرنے پر ہزار بار قادر ہے اور جس نے یہ عجائب کارخانہ دنیا پیدا کیا وہ اس سے افضل و اعلیٰ اور ہزار پیدا کر سکتا ہے تو ہمیشہ کی لذت کی
چیزیں اسی پر مقصور نہیں ہیں لہذا عبرت حاصل کر کے فنا کو پیش نظر کر کے نبوت کو اعلیٰ نعمت جانکر پیروی کر کے نعمت باقیہ حاصل کریں ورنہ
عذاب سے ڈریں کہ جسطرح اگلوں کے ساتھ ہوا انکے ساتھ ہو۔ لہذا اللہ تعالی جل سلطانہ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کو مخاطب فرمایا۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ۝ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ

یہ تھوڑے احوال ہیں بستیوں کے کہ ہم سناتے ہیں تجھکو کوئی اُنمیں قائم ہے اور کوئی کٹ گیا اور ہم نے اُن پر ظلم نہ کیا

وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

لیکن ظلم کر گئے اپنی جان پر پھر کچھ کام نہ آئے اُن کے ٹھاکر جن کو پکارتے تھے سوائے اللہ کے

مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ۝ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ

کسی چیز میں جب پہونچا حکم تیرے رب کا اور کچھ نہ بڑھایا اُن کے حق میں سوائے ہلاک کرنا اور ایسی ہی ہے پکڑ

رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

تیرے رب کی جب پکڑتا ہے بستیوں کو اور وہ ظلم کر رہی ہیں بیشک اُسکی پکڑ ہے دُکھ دینی ہے زور کی اس بات میں

لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ۝

نشانی ہے اُسکو جو ڈرتا ہے آخرت کے عذاب سے وہ دن ہے جس دن میں جمع ہونگے سب لوگ اور وہ دن ہے دیکھنے کا

ذٰلِكَ ـ یہ سب ہولناک عبرتناک قصص جو اس سورہ میں اوپر مذکور ہوئے مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى ـ چند قریہ کے اخباروں میں سے ہیں نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ ـ ہم اسکو تجھے سنواتے ہیں تاکہ تو اپنی قوم کو سنا دے کہ وے عبرت حاصل کریں اور عذاب کے لئے نشانہ ہونوں آہین اشارہ ہو کہ اگلی امتوں میں صرف اسی قدر واقع نہیں ہیں بلکہ یہ صرف چند قریہ کے حالات ہیں جن سے عرب واقف تھے اور اُنکے حالات بھی سب نہیں ہیں چنانچہ جن سے عبرت کی غرض نہ تھی اُنکو ذکر نہیں فرمایا اسی واسطے علمائے حقانی ان قصوں میں سے صرف اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں اور زائد حالات سے کچھ تعرض نہیں کرتے ہیں پھر گویا عبرت حاصل کرنیوالے کو خیال ہوا کہ یہ قریہ کیا ہوئے تو فرمایا مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ـ ان میں سے بعضے قائم ہیں جیسے کھیتی کے درخت کھڑے ہوتے ہیں اور بعضے مثل ویران جیسے کھیتی کٹی ہوئی ہوتی ہے ـ قال الشیخ منہا قائم یعنی معمور آباد ہیں وحصید تباہ ہیں اور دوں نے کہا کہ یہی ابن عباس رض سے مروی ہو ـ قتادہ رح نے کہا کہ قائم جنکا ٹھکانا پہچان پڑتا ہو اور حصید جنکا اثر بھی نہیں ہو ـ اقول حدیث صحیح میں مروی ہو کہ تبوک کو جہاد کیلئے جاتے ہوئے لشکر کا گزر قوم ثمود کے قریہ سے ہوا اور عرب انکو خوب جانتے تھے تو آنحضرت صلعم نے انکو وہ کنواں بتلایا جو ثمود کا تھا اور ناقہ کے آنے کا نالہ اور لوٹنے وقت دوسرے نالہ سے جانے کا پتہ بتلایا اور قوم میں سے جس نے اس کنوئیں سے پانی لیا تھا انکی ہانڈی تک انڈیلوا دی اور رسم لشکر دوسرے کنوئیں پر اُترے جو شہر سے باہر تھا اور بعضے لوگ اس قریہ میں نشانات دیکھنے گئے تھے اُنکو بلوایا اور کہا کہ معذب قوم میں مت جاسکو اور یہاں سے روتے ہوئے گزرو وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ ـ اور ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا یعنی جو اُن پر واقع ہوا عذاب ہلاک تو یہ ہماری طرف سے اُن پر ظلم نہ تھا وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ـ ولیکن انھوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کیونکہ خالق عزوجل سے کفر و اسکی رضا کے برخلاف قبیح اعمال کئے اور بتوں کو اپنا معبود بنایا اور یہ ستوجب عذاب تھے فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ ـ انکو نفع نہ دیا عذاب الٰہی اُن پر سے دور کرنے میں اُنکے معبودوں نے ـ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ـ جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے پوجتے تھے ـ مِنْ شَيْءٍ ـ کچھ بھی لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ـ ہرگاہ کہ اُن پر تیرے پروردگار کا عذاب آیا یعنی ان لوگوں نے اپنے خالق سے کفر کرکے بتوں وغیرہ کو اپنا معبود بنایا تھا اور اُن کو قدرت والا جانتے کہ مصیبت ڈال دیتے اور بھلائی دیتے ہیں یعنی ان کو ہر طرح نفع و ضرر دینے والا جانتے

توجب اُن پر عذاب الٰہی آیا تو اُن پر سے عذاب کو اُنکے یہ معبود کچھ بھی دور نہ کر سکے اور کچھ بھی نفع نہ دے سکے اور کچھ بھی کام نہ آئے وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ - اور نہ بڑھایا اُن کے معبودون نے اُن کے حق مین سوائے ہلاک کے یعنی انھین معبودون کی بدولت یہ لوگ ہلاک ہوئے اور کچھ بھی اُنکو فائدہ نہ دیا - اولیاء کرام نے فرمایا کہ جو کوئی چیز تجکو اللہ تعالیٰ سے غافل کر کے اپنی طرف متوجہ کرے وہی تیرے حق مین طاغوت ہو اور اللہ تعالیٰ نے بندہ کی ہوائے نفس کو اُسکا معبود بتلایا لقولہ افرأیت من اتخذ الٰہہ ہواہ - اور سوائے اللہ تعالیٰ کے غیر کی پرستش کرنا بڑا سخت ظلم ہو پھر بھی حق تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے لیکن جب گرفتار فرماتا ہو تو رہائی نہین ہوتی پھر ممکن ہو کہ دنیاوی زندگی بھر مہلت ہو اور موت کے وقت عذاب مین گرفتار ہو پھر رہائی نہین ہو - وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ - اور ایسے ہی ہوتا ہو گرفتار کرنا تیرے پروردگار کا - اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى - جب اُسنے کسی بستی والون کو پکڑا یعنی عذاب مین گرفتار کیا - وَهِيَ ظَالِمَةٌ درحالیکہ یہ قریہ ظالم ہو یعنی کثرت گناہ و فرمانبرداری سے اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہوتے ہین تو اسی طرح عذاب مین پکڑتا ہو کہ کوئی اُن کو رہا کرنے کی مجال نہین رکھتا - اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ - بیشک اُسکا عذاب کافرون کے حق مین سخت دردناک ہو تو لوگ ڈرتے رہین کہ اسی چند روزہ زندگی مین نیکی و رضائے الٰہی کو بتوفیق الٰہی استدعا کرین - ورنہ عذاب مین گرفتار ہون گے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ بندہ ظالم کو ڈھیل دیدیتا ہو حتیٰ کہ جب اُسکو گرفتار کرلیتا ہو تو پھر اُسکو رہائی نہین دیتا ہو پھر یہی آیت پڑھی - کما فی صحیح البخاری و مسلم - واضح ہو کہ ظالم کا حال زمانۂ مہلت مین نہایت خوفناک ہوتا ہو کیونکہ کمال جہالت سے وہ سمجھتا ہو کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہو کہ مجکو اسقدر مال و دولت دیدی اور کبھی تکلیف و بیماری بھی نہین ہوتی ہو اور جان لینا چاہیئے کہ جسکو عاقبت کی بھلائی نہین ہوتی اُسکو یہان اُسکی خواہشین مال و دولت و آلام اولاد بہت کچھ دیدی جاتی ہین جیسا کہ دوسرے مقام کی آیات سے ظاہر ہے تو اس سے وہ اپنے کو اچھا سمجھتا ہو آخر یکایک عذاب مین پڑجاتا ہے اسیواسطے بعض مشائخ کرام نے کہا کہ امن کی حالت زیادہ خوفناک ہوتی ہو کیونکہ مشتبہ رہتا ہو کہ یہ ظالم کی مہلت ہو یا فضل الٰہی ہو اور جس نے یہ سمجھا کہ آیت شریف کا حکم اگلی امتون کے ظالمون کیواسطے مخصوص تھا تو اُسنے آیت کے معنی نہ سمجھے اور حدیث موصوفہ بالا بھول گیا صرف اپنے نفس و شیطان کے وسوسہ پر تکیہ لگا کر بیٹھ رہا اب کلام الٰہی سے عبرت حاصل نہین کرتا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا - اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ - بیشک اس گرفت مین یا ان قصص مین عبرت ہو ہر ایسے شخص کیلئے جو عذاب آخرت سے ڈرتا ہو یعنی ایمان لایا کیونکہ جو نہین ڈرا اور آخرت پر ایمان نہ لایا اُسکا تو وہ حال ہو جو اگلی امتون کا ہوا اور نصیحت و عبرت اُسی کو ہوگی جو آخرت پر ایمان لاوے اور اُس سے ڈرے تو ویسی حرکتین نہ کریگا کہ عذاب پاوے - بعض اہل الفہم نے بتوفیق الٰہی کہا کہ اس کلام مین ایک لطیف اشارہ ہو کہ اس اُمت کے ظالم لوگ اسطرح عذاب مین ماخوذ نہ ہونگے جیسے اگلی قومین ماخوذ ہوئین کیونکہ یہ نہین فرمایا کہ عبرت ہو اُسکے لئے جو عذاب الٰہی سے ڈرے بلکہ عذاب الآخرۃ فرمایا یعنی عذاب الحیوۃ الآخرۃ یا عذاب النشاۃ الآخرۃ - تو معلوم ہوا کہ عذاب الحیوۃ الدنیا کی عبرت اب ایک خاص رحمت کیوجہ سے نہ ہوگی اور حدیث صحیح سے ثابت ہو کہ آنحضرت نے درگاہ الٰہی مین دعا فرمائی تھی کہ حیات دنیا کے عذاب سے اس اُمت کو عفو فرمایا جاوے اور اللہ تعالیٰ نے کمال رحمت سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول فرمائی ہو اسیواسطے تو دیکھتا ہو کہ اس اُمت مین اگلون سے زیادہ ظالم ہین لیکن عذاب ظاہری مین گرفتار نہین ہوتے ہین اور یہ بڑا معجزہ تمام قومون کیلئے ظاہر ثابت ہو لیکن اس سے یہ لازم نہین کہ آخرت مین عذاب نہو بلکہ آیات و احادیث صریح متواتر ہین کہ مرتے ہی عذاب القبر شروع ہوجاتا ہو لہذا حسرت یہ ہو کہ اسی زندگی

مین عذاب سے خوفناک ہوکر توبہ و استغفار کرے کیونکہ یہ بھی عام رحمت و خاص رحمت ہے کہ کوئی بندہ کیسا ہی گنہگار حتی کہ کافر و مشرک ہو پھر وہ آخرت پر ایمان لاکر توبہ کرے تو اللہ تعالی جل شانہ اسکو پاک بخش دیتا ہے گویا آج اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا اور کافر نے حالت کفر مین اگر خون بھی کیا ہو وہ بھی معاف ہوجاتا ہے کیونکہ پیچھے ایمان و بندگی کے بعد کافر کو نورانی علم حاصل ہوتا ہے وہ دیکھتا ہے کہ مین حالت کفر مین اگرچہ خوش خوراک خوش پوشاک اور بڑا باتوفی اور بڑی عمدہ تدبیر والا اور بہت عقلمند تاجر تھا لیکن بلاشبہہ مین جانور کے مثل تھا تو جانور اگر خون کرے معاف ہونے کے قابل ہے اور اگر ایمان نہ لایا تو ہرگز معاف نہو کیونکہ جانور وہ خود بنا تھا پیدائشی جانور نہین ہے اور جسکو ذرہ برابر تجربہ ہو وہ دنیا کے لوگون و پیدائشی حالتون مین ذرا انصاف کی نظر سے دیکھکر جان جائیگا کہ سب کے لیے ایک سا اور پیدائش و دوسرا گھر ضرور ہے پھر جب ابتداء خلقت سے لیکر حضرت خاتم المرسلین صلوات اللہ علیہم اجمعین تمام سب پیغمبرون نے متواتر آگاہ فرمایا کہ اے لوگو تمہاری جزا و سزا کیلئے دوسرا جہان ہے تو یقین قطعی ہوگیا کہ یہ دنیا اور یہ زندگانی خوب نیکی و بندگی کیلئے ہے جسکا آرام و انعام و ثواب دوسرے جہان مین غیر متناہی اور آدمی کی ہوس سے بڑھکر ہے اور جس نے بدکاری کی اسپر عذاب بھی وہم و گمان سے باہر ہے چنانچہ بعضی قومون کو جن کی نافرمانی پر غضب آیا اسی جہان مین طاری ہوگیا جس سے نیک بندون نے عبرت حاصل کی اور عذاب الآخرۃ سے ڈرے پھر اس آخرت کا حال فرمایا ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ ۔ یہ روز آخرت ایسا دن ہے کہ اسمین سب لوگ جمع کیے جاوینگے اور یہ ایسا دن ہے کہ مشہود ہوگا یعنی سب اہل محشر اسمین شاہد و حاضر ہونگے یا جملہ خلائق جن و انسان و چرند و پرند وغیرہ یا سب آسمانی و زمینی حاضر ہونگے یا اسمین شہادت ادا ہوگی ف بعض اشارات اس مقام کے عرائس البیان مین ہین قولہ تعالی وکذلک اخذ ربک اذا اخذ القری وہی ظالمۃ اسمین ایسے لوگون کے حق مین دھمکی ہے جو دنیاوی نعمتون مین پڑکر ایسے غافل ہوگئے کہ نعمت کی محبت مین نعمت دینے والے سے انقطاع کرلیا ۔ شیخ ابوبکر الوراق نے کہا کہ جب حق تعالی کسی پر خشم فرماتا ہے تو اسکو دنیا کی نعمت بہت دیدیتا ہے اور اسکا شکر کرنے سے غفلت نصیب ہوتی ہے اور اسکے دل سے توفیق جاتی رہتی ہے اور آخرت سے منقطع ہوکر مہمل ہوجاتا ہے اور اسی دنیاوی نعمت پر مغرور ہوکر ایسے گناہون کا مرتکب ہوتا ہے جو مستوجب گرفتاری عذاب ہین تو وہ ناگاہ غفلت ہی مین بدون توبہ و استغفار کے عذاب مین گرفتار ہوجاتا ہے اقول شیخ ابوبکر الوراق رحمہ اللہ تعالی نے ایسے شخص کے حق مین یہ حال بیان فرمایا جسنے دنیاوی نعمت کو شرعی حلال طریقہ سے حاصل کیا ولیکن اسکی محبت مین آخرت سے غافل ہوگیا پھر واے برحال ان لوگون کے جو بدون مال کے صرف ہوس پر دل مین اسکی محبت ایسی بھر لیتے ہین کہ حالت افلاس ہی مین آخرت سے غافل ہوتے ہین اور مال تو شاید ہی کوئی چیز دنیاوی ہو جسکا ان کو پھر کبھی ایمان سلب ہوجانیکے بعد اسکو آخرت کے عوض حرام و حلال کسی طریقہ سے یہ چیز حاصل ہوجاتی ہے اور کبھی یونہی محروم مرجاتا ہے پس خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہوجاتا ہے حالانکہ مقدر سے زائد ملنا ممکن نہین ہے اور جب خود فانی ہے تو یہ اموال و اسباب بدرجہ اولی فانی ہین تو بہتر تھا کہ دار آخرت باقی کا ذخیرہ وہان جمع کرتا بعد یقین واثق و ایمان کامل کے کیونکہ روز قیامت برحق ہے ۔ قولہ تعالی ذلک یوم مجموع لہ الناس الآیۃ ۔ اس مین عارفین تو دیدار جلال و مشاہدہ عظمت و کبریا کیلئے حاضر ہونگے اور محبین وصال و جمال و لقاء باقی کے واسطے یکجا ہونگے اور موحدین جن کو سوائے واحد کے کچھ بھی یہان مشاہدہ نہین ہے وہ دیدار قدم و شہود ازل کیلئے مجتمع ہونگے اور یہی لوگ اہل البصر ہین کہ برابر دنیا مین طوارق تقدیر و سطوات عظمت پر صابر ہوکر رہین اہل الجمع و الشہود ہے ابوسعید الخراز رح نے فرمایا کہ جس نے حقیقت مین الجمع سے معاینہ کیا اسکو جمع قیامت مین ہول نہوگا اور جو کشف المشاہدہ مین ہے اسکو شہود قیامت سے تعجب ہوگا کیونکہ انکشاف کشفی مطابق حقیقی اسکو حصول تھا

یحییٰ بن معاذ رازی رحؒ نے کہا کہ ایام ہین سے ایک یوم مفقود ہے دوم یوم مشہود اور سوم یوم مورود اور چہارم یوم موعود و پنجم یوم ممدود پس یوم مفقود جو گذرا تو استغفار و توبہ سے مکافات ممکن نہین اسکو حسرت سے یاد رکھ کہ مین نے اسمین کیسی تقصیر کی ہے یوم مشہود یہ روز ہے جسمین تو حاضر ہے تو جسقدر تجھ سے ممکن ہے زاد راہ جمع کرے۔ یوم مورود وہ ہے کہ ابھی تجھکو معلوم نہین کہ وہ تیرے لیے ہے یا تو اسکے لیے ہے یعنی شاید یہ تیرے زمانہ کا نہو اور وہ کل کا روز ہے تو اسکے بھروسہ پر مت بیٹھ اور اسکے اہتمام مین مشغول مت ہو۔ یوم موعود اپنے دل مین یاد رکھ کبھی کسی حال مین اسکو مت بھول اور اسکے واسطے سامان جمع کر کہ وہی تیرا آخری دن ہے اگرچہ ابھی تجھکو معلوم نہین کہ وہ کون دن ہوگا مگر آخر ایک روز موت کا قطعی موعود ہے۔ یوم ممدود وہ دن ہے کہ تمام مخلوق محشر مین رب العالمین کے لیے عاجز قائم ہونگے تو ہر روز اپنے نفس سے اس روز کے سوال و جواب کے لیے حساب کر لیا کر کہ آخر تجھکو یہ کرنا ضروری ہے پھر تو افراط و تفریط کیلیے کیا جواب رکھتا ہے اور اگر کسی کافر کو شبہہ ہو کہ

آخر وہ دن کب ہوگا ابھی تک قائم کیون نہین ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَمَا نُؤَخِّرُهُ إِلَّا لِأَجَلٍ مَّعْدُودٍ ۝ يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّ

اور اسکو ہم دیر جو کرتے ہین سو ایک وعدہ کی گنتی تک — جس دن وہ آویگا نہ بولیگا کوئی جاندار مگر اسکے حکم سے — سو اُنمین کوئی بدبخت ہے اور

سَعِيدٌ ۝ فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَّشَهِيقٌ ۝ خَالِدِينَ فِيهَا

کوئی نیکبخت — سو وہ لوگ جو بدبخت ہین سو آگ مین ہین اُن کو وہان چلانا ہے اور دھاڑنا — رہاکرین اُس مین

مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ۝

جبتک رہے آسمان اور زمین — مگر جو چاہے تیرا رب — بیشک تیرا رب کر ڈالتا ہے جو چاہے

وَأَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا فَفِي الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ

اور وہ جو نیکبخت ہین سو جنت مین ہین رہاکرین اُسمین جبتک رہے آسمان اور زمین

إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۚ عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ ۝

مگر جو چاہے تیرا رب بخشش ہے بے انتہا

وَمَا نُؤَخِّرُهُ إِلَّا لِأَجَلٍ مَّعْدُودٍ۔ اور نہین تاخیر دیتے ہم اس دن کو مگر بوجہ ایک مدت معدود کے یعنی ہمنے ایک قلیل مدت مقرر کر دی ہے جسکو کوئی مخلوق سواے ہمارے نہین جانتی ہے جب وہ پوری ہوگی اُسوقت اچانک قیامت قائم ہو جائیگی۔ اس مدت کی قلت اسوجہ سے ہے کہ بقاء آخرت غیر متناہی ہے تو دنیا کی مدت کسی قدر ہو محدود ہوگی اور وہ غیر محدود کے مقابلہ مین محض قلیل ہے حالانکہ آدمی سخت احمق ہے جو کمی و بیشی پر نظر کرے اسکے لیے تو دنیا بھی چندروزہ حیات تک ہے اور قیامت کیلیے اگرچہ آثار بہت مروی ہین جنکو اس زمانہ مین مشاہدہ کرنے سے ظاہر ہوا کہ بالکل آثار ظاہر ہین سواے چند آثار کے جنکی تعداد چار یا پانچ تک پہنچتی ہے ان چار یا پانچ کیلیے جو آثار مروی ہین وہ بھی ظاہر ہوتے جاتے ہین مثلاً مروی ہے کہ اسوقت امت اسلامیہ کے اخلاق و عادات بگڑ جاوینگے اور نصرانی تمام روے زمین کے لوگون سے زیادہ شمار مین اور زیادہ ثروت و قوت مین ہونگے اور جو آثار ابھی ظاہر نہین ہوے از انجملہ یہ ہے کہ تمام زمین مین سے صرف جزیرہ و ایک صوبہ مصر مین اور عرب چند قطعہ معدود مسلمانون کے قبضہ مین رہ جاوینگے اس امر کیلیے بھی آثار ظاہر ہوتے جاتے ہین از انجملہ ظہور امام مہدی علیہ السلام ہے۔ از انجملہ خروج دجال ہے از انجملہ فتح قسطنطنیہ ہے پھر اسکے آثار بھی قریب ہین اور رہے

آثار صغری مثل کثرت زنا و شراب خواری و فساد علماء و کثرت دروغگوئی و مسجد مین دنیاوی باتین و توحید کے نام سے شرک کرنا اور جاہلون
کا جاہل کو پیشوا بنا کر گمراہ ہونا اور مانند اسکے جو بکثرت مذکور ہین وہ غالباً سب ہی پائے جاتے ہین اور رہا قیامت کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی
پیغمبر کو بھی نہین تو یہ قرآن مجید و صحاح احادیث مین صریح مذکور ہے اور علماء سب متفق ہین اور اچانک قائم ہونا تو حدیث صحیح مین یہ مضمون
ہے کہ آدمی بازار مین کپڑا خرید کر ہاتھ مین لئے ہوگا اور عربی آدمی اپنے اونٹ کے پانی پلانے کا حوض درست کرتا ہوگا کہ ناگاہ صور کی آواز
سے وہین ہاتھ جیسے ہوگا ویسا ہی رہ جائیگا پھر حشر وہ ایک ایسا سخت ہولناک عظیم ہے سوائے کافر و جاہل کے کوئی اس ہولناک واقعہ کیلئے
آمادہ نہین ہے الغرض قیامت ہولناک کی تاخیر اسوجہ سے ہے کہ علم الٰہی مین دنیا کی انتہار کیلئے ایک مدت قلیل بنسبت آخرت کے مقدر ہے
اسوقت تک نسل آدم جنکا ظہور مقدر ہوا ہے ظاہر ہو جائیگی اور حکمت بالغہ الٰہیہ اسکی مقتضی ہے يَوْمَ يَأْتِ یعنی یوم القیامۃ لَا تَكَلَّمُ
نَفْسٌ جس روز آجائیگی قیامت تو نہ بول سکیگا کوئی نفس إِلَّا بِإِذْنِهِ مگر اللہ تعالیٰ کی اجازت سے یعنی کسی کو اُس دن بولنے کی
مجال نہو گی بسبب ہول وقائع اور ظہور جلال وغضب الٰہی کے مگر وہی بول سکیگا جسکو اجازت ہوگی اور وہ بھی قول صواب کہیگا
صحیحین کی حدیث شفاعت مین مذکور ہے کہ اُسدن کوئی شخص بات نکرسکیگا سوائے رسولون کے اور رسول بھی یہی کہین گے یا رب سلّم سلّم
یعنی اے رب ہمارے سلامتی سلامتی - اگر کہا جائے کہ دیگر آیات مین تو مذکور ہے کہ کفار کہرجاوینگے اور اپنی طرف سے جھوٹ بولینگے کقولہ تعالیٰ
يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا - اور مثل قولہ تعالیٰ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ اور عدم کلام کی دوسری آیت ہے قولہ يَوْمُ لَا يَنْطِقُونَ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُونَ
تو حضرت ابن عباس وغیرہم سے یہ جواب مروی ہے کہ اس روز دن مین مواقف متعدد ہونگے مثلاً اول مین بسبب ہیبت کے زبان
سے بول نہ پھوٹیگا پھر بقدرت الٰہیہ نہ بول سکینگے بلکہ ان کے اعضا و جوارح انکی بداعمالیون کی گواہی دینگے پھر حق تعالیٰ کی
بخشش و انبیاء و مومنین یعنی صادقین و شہداء و صالحین کی شفاعت سے نجات دیکھکر کفار مکر سے منکر ہونے لگین گے کہ ہم کبھی مشرک نہ
تھے اور اس مقام پر دیگر اقوال بھی ہین اور ظاہر ہے کہ آخرت کے معاملات سے جسقدر فہم ہو کچھ سمجھ مین آسکتا ہے ورنہ سمجھدار جانتا ہے کہ اکثر
امور آخرت دنیا کے قیاسات پر موافق نہین ہوسکتے ہین اور بیشبہہ آدمی بڑا احمق ہے کہ جب اسکو دنیا مین اپنی روح و نفس کا علم جو اسکے اندر موجود
ہے نہین ہوسکتا تو وہ آخرت مین کیا اٹکل کرتا ہے جب اسکو رسول کی رسالت حقہ کی تصدیق ہوگئی تو جو کچھ رسول علیہ السلام نے فرمایا ضرور
صحیح و درست ہے یعنی جو کچھ قرآن کلام الٰہی مین مذکور ہے بالکل صحیح ہے - واضح ہو کہ اس آیت مین بلاغت بدیع کے تین نوع جمع ہین اول تو
اجتماع بقولہ لا تکلم نفس پھر افتراق بقولہ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ پس ان نفوس مجتمعہ مین سے بعضے شقی ہونگے اور بعضے سعید ہونگے
پھر تیسری نوع تقسیم اور وہ آگے آتی ہے - پس شقی بدبخت بداعمال وہ ہین جنکے حق مین شقاوت ازلی مقدر ہو چکی ہے اور سعید نیک بخت
نیکوکار وہ ہین جو ازلی برگزیدہ محبوب بندے ہین اور ازلی تقدیر کے یہ معنی ہین کہ خالق تمام مخلوقات عزّ شانہ کا علم حقیقی ہے اسکی شان
مین جہل و نادانی کا لفظ جائز نہین ہے کیونکہ ایمان یہ سوال ہے کہ جسوقت اسنے مثلاً زید کو پیدا کیا تو اسکا یہ علم تھا کہ یہ بندہ ایسے ایسے کام کریگا
یا نہ تھا اگر نہ تھا تو نادانی ہوئی اور یہ جہالت کا اعتقاد بالکل کفر و محض حماقت و جہالت ہے بلکہ خالق علیم ضرور جانتا تھا اور اسکے علم کے
برخلاف دنیا مین ذرہ سے ذرہ نہ ہوسکا بلکہ وہی واقع ہوگا جو علم الٰہی مین تھا پس یہی ازلی سعادت یا شقاوت ہے - حضرت عمر بن الخطاب
رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ تو مین نے کہا کہ یا رسول اللہ ہم لوگ جو عمل کرتے ہین وہ کس طرح پر
ہے آیا ایسی وجہ پر ہے کہ اُس سے فراغت ہو چکی یا فراغت نہین ہوئی ہے تو فرمایا کہ اے عمر اس سے فراغت ہو چکی اور قلم اسکو لکھ چکے ولیکن

ہر شخص کو وہی کام میسر آویگا جسکے واسطے وہ مخلوق ہوا ہی - اس حدیث کو ترمذی و ابو یعلی و ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و ابو الشیخ
و ابن مردویہ نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا کہ حدیث حسن ہی اور یہ مضمون تو صحیحین میں ثابت ہی پھر جاننا چاہیئے کہ یہاں دو قسم مذکور ہیں
ایک شقی دوم سعید اور بعض[۵] نے زعم کیا کہ تیسری قسم اور باقی رہی وہ یہ وہ لوگ ہیں جنکی بدی و نیکی مساوی ہوں یا نیکی و بدی کچھ نہ ہوں
جیسے اطفال و مجنون اور لکھا کہ یہ قسم مشیت الٰہی میں ہی جو چاہے حکم کرے و اقول یہ غلط مبحث ہی اور تحقیق یہ ہی کہ تقسیم بندوں کی گر باعتبار
اعمال کے ہو مثلاً کہا جاوے کہ مومن یا کافر پھر مومن میں اقسام ہیں تو مومن کے اقسام میں البتہ کئی صورتیں نکلتی ہیں پھر بھی سب سعید ہیں
کیونکہ عدم خلود ان کے حق میں ثابت ہی ولیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے بندوں کی تقسیم باعتبار اپنے علم ازلی کے فرمائی ہی پس وہ دو ہی قسم ہیں
سعید یا شقی اور اُن کے سوا تیسری قسم نہیں ہی یا کہا جاوے کہ مومن کا فر تو تیسری قسم نہیں ہے البتہ معتزلہ ایک منزل دونوں کے
بیچ میں قائم کرتے ہیں اور وہ قول مردود ہی اور جہنم میں فی الجملہ عذاب ہونا جیسے مومن ہونے سے خارج نہیں کرتا ویسے ہی سعادت سے
خارج نہیں کرتا اور اطفال کو اللہ تعالیٰ جانتا ہی کہ وہ شقی ہیں یا سعید ہیں ہاں بندوں میں سے اہل علم پر یہ مسئلہ مشکل ہوا اور جمہور کی طرف
ہیں کہ سعید ہونگے اور مومنوں کے اطفال کی نسبت گویا اتفاق ہی کہ وہ مغفور ہیں جیسا کہ کلام امام نووی رح وغیرہ دلالت کرتا ہے
واللہ تعالیٰ اعلم اور سابق میں یہ بحث قولہ تعالیٰ ولقد ذرانا لجہنم کثیرا من الجن والانس الآیۃ کی تفسیر میں گذر چکی ہی - خلاصہ یہ ہی کہ شقی وہ ہیں جو
ہمیشہ دوزخ میں رہینگے - اور سعید وہ ہیں جو ہمیشہ جنت میں رہینگے تو گنہگار مومن جب ہمیشہ دوزخ میں نہ رہے تو وے سعید ہیں کیونکہ
جنت میں جسوقت سے داخل کئے جاوینگے پھر اسمیں ہمیشہ رہینگے تو تیسری قسم کوئی خارج از علم الٰہی نہیں ہی غایت یہ ہی کہ ہم کو نہیں معلوم کہ اطفال
و مجنون میں کون سعید و کون شقی ہی اور یہ تو در حقیقت عاقل بالغ میں بھی مشتبہ ہی - یہاں ایک نکتہ اور ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قولہ منہم شقی و سعید
میں پہلے شقی کو کیوں ذکر فرمایا تو اہل البیان نے کہا کہ مقام چونکہ ڈرانے و عبرت دلانے کا ہے لہذا اسکو مقدم کیا اور میں کہتا ہوں کہ پہلے
شقی کو بیان کر کے اسکی تفصیل کر دی کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو جسوقت سے دوزخ میں داخل ہونگے ہمیشہ اسی میں رہینگے تو معلوم ہوا کہ سعید
وہ ہیں جو جنت میں جسوقت سے داخل ہونگے ہمیشہ اسمیں رہینگے اور اس سے نکل آیا کہ گنہگار مومنوں پر شقی صادق نہیں آیا اسلیئے کہ ان کو
دوزخ میں خلود نہیں ہی پس ضرور سعید صادق آیا اور معنی یہ ہوئے کہ جب جنت میں جاوینگے اگرچہ عذاب دوزخ اٹھا کر ایک زمانہ کے بعد
جاویں تب ہمیشہ جنت میں رہینگے چنانچہ تفصیل ہر دو قسم میں فرمایا - فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا یعنی جو لوگ کہ شقی ہوئے ہیں یعنی علم الٰہی میں
انکی شقاوت مقدر ہوئی ہی فَفِی النَّارِ - تو وے دوزخ میں ہیں - یہاں کوئی فعل نہیں ذکر کیا کیونکہ جملہ فعلیہ حادث ہوتا ہے اور فعلیہ جملہ
ہمیشگی پر دلالت نہیں کرتا بلکہ اسکو جملہ اسمیہ فرمایا جس سے عرب اپنی زبان میں ہمیشگی کے معنی سمجھتے ہیں تو اس سے نکلا کہ وے ہمیشہ دوزخ
میں ہیں - لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَّشَهِيقٌ اُن کے لیے دوزخ میں زفیر و شہیق ہو یعنی اس حالت پر کہ ہمیشہ غم و الم میں رہینگے - زجاج
نے کہا کہ بصری و کوفی زباندان لوگ کہتے ہیں کہ زفیر گدھے کی شروع آواز کے مانند ہو اور شہیق اسکی آخری بلند آواز کے مثل ہی - اسکی مثال
یہ ہی کہ جیسے کسی کے دل پر آگ کی تپش پہنچی اور اسکی روح گھٹ گئی تو یکایک اسکی آواز بایک کھچی ہوئی نکلی پھر آخر میں گدھے کی طرح ہیہایا
اور زجاج کے مانند لیث کی تفسیر بھی ہی اور مراد اس سے یہ ہی کہ اہل دوزخ آگ کی جلن و قلب کی تپش سے نہایت غم و الم میں ہو کر
پہلے زفیر نکالیں گے پھر انکی آواز شہیق ہوگی - پھر حضرت خالق قادر مختار مطلق نے تصریح فرمائی کہ اس حالت پر وے لوگ ہمیشہ رہینگے
بقولہ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ہمیشہ اسمیں اسی حال پر جیتے رہینگے جب سے داخل کئے جاوینگے جبتک

برابر قائم رہیں آسمان و زمین ۔ ما مصدریہ دوامیہ بمعنی قامت وبقیت یعنی تا دوام آسمان و زمین ۔ اگر کہا جاوے کہ آسمان و زمین تو برابر قائم نہیں رہیں گے بلکہ مدت دنیا پوری ہونے کے بعد آخرت کے روز یہ بھی زائل ہوں گے جیسا کہ آیات و احادیث میں مصرح ہے تو کفار کا عذاب جہنم صرف اسی وقت تک منتہی ہوا حالانکہ دیگر آیات و احادیث سے ثبوت ہے کہ عذاب کفار دائمی ہوگا کبھی اس کا انقطاع نہیں ہے تو جواب دیا گیا کہ آسمان و زمین سے یہ آسمان و زمین دنیاوی مراد نہیں ہے اسوجہ سے کہ دنیا کے وجود تک کفار داخل جہنم نہونگے بلکہ بعد قیامت کے جاویں گے اور اسوقت یہ آسمان و زمین نہ ہوگا بلکہ مراد آخرت کا آسمان و زمین ہے کیونکہ قولہ تعالیٰ یوم تبدل الارض غیر الارض الآیۃ سے ثابت ہے کہ دوسرا آسمان و زمین بدلا جاویگا جو ہمیشہ باقی رہیگا تو کفار کا عذاب بھی ہمیشہ رہیگا ۔ اور بعض نے جواب دیا کہ یہ عرب کے محاورہ پر ہے اور اللہ تعالیٰ نے عرب سے انکے محاورہ پر کلام فرمایا ہے چنانچہ عرب جب کسی چیز کا دوام بیان کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں ہو دائم ما دامت السموات والارض ۔ یہ ہمیشہ رہیگا بدوام آسمان و زمین اور کہتے ہیں کہ لا ابقی ما اختلف اللیل والنہار جبتک رات دن آگے پیچھے باری باری آتے ہیں تب تک نہ زندہ رہونگی یعنی ہمیشہ تو قولہ ما دامت السموات والارض سے صرف یہ معنی مراد ہیں کہ ہمیشہ جسکا انقطاع نہیں ہے اور یہ معنی لفظ سے ماخوذ نہیں بلکہ انکے محاورہ سے مستنبط ہیں اور بعض نے جواب دیا کہ اس سے مراد یہی آسمان و زمین دنیاوی ہے اور کلام سے مقصود اس آسمان و زمین کے باقی رہنے کی مدت ہے تو عوام جو محسوسات کے پابند ہیں ان دونوں کے باقی رہنے کی مدت بہت دراز جانتے ہیں پس خوفناک و ہولناک ہونگے کہ زفیر و شہیق کی تکلیف کے ساتھ اسقدر دراز مدت تک عذاب سہنا ہوگا پھر اس عذاب کا دوام بتلا دیا بقولہ الا ما شآء ربک ۔ الا اسقدر کہ اللہ تعالیٰ چاہے یعنی یہ مدت دراز جس سے خوفناک ہوئے یہ تو تمہارے خیال میں آئی اور اسپر اور زیادہ مشیت الٰہی میں ہے جسکی مقدار نہیں بتلائی ولیکن دیگر آیات و احادیث سے معلوم ہے کہ وہ بے انتہا رہے ۔ چنانچہ صحیح حدیث میں یہ مضمون وارد ہے کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو جاوینگے یعنی گنہگار مومن اور رائی برابر ایمان والے بھی بشفاعت و خاصہ رحمت الٰہی جہنم سے نکالکر جنت میں داخل کر دیئے جاویں گے اور دوزخ میں کوئی بھلائی والا نہیں رہیگا سوائے ایسی قوم کے جنپر عذاب قطعی ہے تو اسوقت موت ایک مینڈھے کی صورت لاکر جنت و دوزخ کے بیچ میں ذبح کر دیجائے گی اور پکار دیا جائیگا کہ اے اہل جنت ہمیشگی ہے اور کبھی موت نہ آویگی اور اے دوزخیو ہمیشگی ہے اور کبھی موت نہ آویگی ۔ واضح ہو کہ اس تقریر پر یہ مشکل ضرور پیش آویگی کہ الا حرف استثنا اپنے معنی پر نہیں ہے کیونکہ اس تقریر کا خلاصہ یہ ہوا کہ جہنم والے جب اسمیں داخل ہوں گے تو مدت بقاء آسمان و زمین تک مع اور زیادہ بے انتہا مدت کے وہیں رہیں گے اور الا حرف استثنا ہے چاہیئے تھا کہ دوام بقاء آسمان و زمین سے کچھ مستثنیٰ کیا جاتا اور کم کیا جاتا ۔ تو جواب یہ ہے کہ استثنا منقطع ہے اور معنی میں صرف الا بمعنی حرف عطف ہے یعنی الا بمعنی لکن و سوائے وغیرہ ہے یعنی جہنمی اسمیں ہمیشہ رہیں گے جبتک آسمان و زمین ہیں لیکن اس سے زیادہ جبتک اللہ تعالیٰ چاہے یا سوائے اس مدت کے جبتک اللہ تعالیٰ چاہے اور معلوم ہوگیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ بے انتہا مدت تک چاہا ہے ۔ ایسا ہی شیخ مفسر سیوطی نے تاویل کو پسند کیا اور جمل نے اسکی توضیح کی ۔ واضح ہو کہ اس آیت کو مفسرین نے مانند متشابہات کے قرار دیا اور طرح طرح کی تاویلیں کیں ازانجملہ شیخ سیوطی نے اسی تاویل مذکورہ کو اظہر قرار دیا اور یہ اس بنا پر ہے کہ استثنا مذکور خلود سے ہے یعنی تا بقاء آسمان و زمین خلود ہوگا سوائے زائد مدت کے جو اللہ تعالیٰ چاہے اور دیگر اہل علم نے استثنا میں متعدد اقوال پر اختلاف کیا ہے اور مترجم کو پسندیدہ معلوم ہوا کہ نایاب کتب عربیہ کی تلاش سے عموماً کلفت دور کرکے جہانتک علماء نے لکھا ہے آسان تفسیر میں ترجمہ کر دوں کہ متوسط درجہ کے اہل علم و ایمان محروم

نہ رہیں کیونکہ مقصود علم ہی خواہ کسی عبارت میں ہو میں کہتا ہوں کہ شیخ حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ قولہ فاما الذین شقوا ففی النار الآیۃ۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ سینہ میں گھٹی ہوئی سانس تو زفیر ہے اور زور سے نکر وہ آواز سے (مثل گدھے کے) باہر نکالنا وہ شہیق ہی۔ قولہ خالدین فیہا ما دامت السموات والارض۔ ابن جریرؒ نے کہا کہ عرب کی عادت ہی کہ جب کسی چیز کا دوام ہمیشہ ہونا بیان کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہذا دائم بدوام السموات والارض یعنی آسمان و زمین کے دوام کی طرح یہ دائم ہی پس حق سبحانہ تعالیٰ نے ان سے ان کے عرف کے موافق خطاب فرمایا یعنی اس محاورے سے وہ ضرور سمجھ لیں گے کہ دوزخیوں کے لیئے عذاب میں دوام مراد ہی اور حافظ رحؒ نے کہا کہ میں کہتا ہوں کہ آسمان و زمین سے اس موجودہ کے سوائے دوسرا مراد ہو سکتا ہی جو کبھی زائل نہو اور ایسا آسمان و زمین آخرت میں ہونا ضرور ہی چنانچہ مجاہدؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ ہر جنت کیواسطے علیحدہ آسمان و زمین ہی رواہ ابن ابی حاتم یعنی تو دوزخ کیلئے بھی علیحدہ ہوگا اور قولہ الا ما شاء ربک ان ربک فعال لما یرید یہ قول ایسا ہی جیسے دوسرے مقام پر فرمایا۔ النار مثواکم خالدین فیہا الا ما شاء اللہ۔ یعنی اُنکے واسطے خلود ہوگا لیکن اس استثناء میں علماء کے کئی اقوال مختلف ہیں جنکو شیخ ابن الجوزی نے زاد المسیر میں نقل کیا ہی وابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں کہا کہ میرے نزدیک مختار وہ قول ہی جو خالد بن معدانؒ وضحاک وقتادہ وابن سنان سے منقول ہی کہ یہ استثناء گنہگار مومنوں کی طرف راجع ہے۔ قال المترجم یعنی استثناء اہل جہنم سے ہے اور معنی یہ ہیں کہ خالدین فیہا ما دامت السموات والارض ہمیشہ جہنم میں رہیں گے یہ اشقیاء سب کے سب۔ الا ما شاء ربک۔ سوائے ان بندوں کے جن کو اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ ہمیشہ نہ رہیں گے بلکہ خارج کر کے جنت میں داخل کیئے جاوینگے اور متواتر اخبار سے صحیح ہوا کہ وہ گنہگار مومنین ہیں پس اضح ہو کہ اس صورت میں الا ما شاء بمعنی الا من شاء ہوگا کیونکہ من ذوی العقول کے لیئے آتا ہی اور ما بمعنی من دوسری جگہ مانند قولہ الا ما قد سلف وغیرہ میں بھی آیا ہی اور لکھا کہ بعض سلف سے اسکی تفسیر میں اقوال غریبہ بھی آئے ہیں اور قتادہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام کے استثناء سے خوب آگاہ ہے پھر اہل الجنۃ کی آیت میں جو استثناء ہے یعنی قولہ الا ما شاء ربک عطاء غیر مجذوذ میں کہا کہ مراد یہ ہی کہ اہل جنت کا دوام کچھ بذات خود دام واجب نہیں ہی بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہی اور ضحاک و حسن بصری نے کہا کہ یہ گنہگار مومنوں کے حق میں ہی یعنی وہ ہمیشہ جنت میں نہیں تھے کیونکہ پہلے دوزخ میں تھے پھر نکال کر جنت میں آئے اقول خالدین فیہا کو جمہور مفسرین نے حال مقدرہ قرار دیا یعنی ان کے حق میں خلود مقدر ہے جب سے داخل ہوں گے اسوقت سے خلود ہی فلیتامل فیہ۔ پھر لکھا کہ اہل جنت کیساتھ قولہ عطاء غیر مجذوذ سے وہم دور کر دیا کہ یہ دوام کبھی منقطع نہ ہوگا جیسے دوزخیوں کا دوام اپنی مشیت پر رکھا ہی اور ظاہر کیا کہ عذاب اہل جہنم کا عدل و حکمت پر ہی لہذا فرمایا ان ربک فعال لما یرید۔ بیشبہہ تیرا رب جو چاہے اسکو کرنے پر خوب قادر ہے پھر صحیحین کی حدیث دوام خلود اور ذبح موت کی ذکر فرمائی اور تلخیص کلام بیضاوی و معالم و سراج و جلالین و کبیر وغیرہ اس مقام پر یہ ہی کہ قولہ خالدین فیہا ما دامت السموات والارض۔ قید ما دامت السموات کی اسواسطے نہیں ہی کہ اہل دوزخ کا دوام عذاب ان دونوں کے دوام سے مربوط ہی کیونکہ نصوص قرآن و حدیث سے صاف ظاہر ہی کہ انکے عذاب کا دوام ہی اور ان دونوں کا دوام منقطع ہوگا بلکہ یہ عبارت اُنکے دوام عذاب سے ہی اور یہ کثرت درازی عذاب کا بیان ہی اس عبارت کیساتھ جو عرب ایسے موقع پر بولا کرتے تھے بر سبیل تمثیل۔ اور اگر یہ قید انکی دوام عذاب سے ارتباط کیلئے بھی ہوتی تب بھی یہ لازم نہیں آتا کہ ان دونوں کے زوال سے ان کے عذاب کا زوال

ہوجاوے یا عذاب کے دوام سے ان دونون کا دوام لازم آوے ہان مفہوم ہوسکتا ہو کیونکہ دوام عذاب کیلئے ان دونون کا دوام گویا ملزوم
ہے ولیکن یہ محقق ہوچکا ہو کہ جہان صریح نص سے کوئی امر ثابت ہوجاوے تو کوئی مفہوم اسکے برخلاف اثبات کیلئے مقابل نہین ہوسکتا
کیونکہ منصوص صریح مقدم ہو اسکے سامنے مفہوم کا اعتبار نہین ہو ۔ اقول اگر مادامت السموات والارض کو انکے عذاب سے مرتبط کہا جاوے
تب بھی دونون کے زوال سے عذاب کا زوال لازم نہین ہو اسلیئے کہ یہ قید کچھ انکی مقدار عذاب یا نفس عذاب کیلئے شرط نہین اور نہ ملزوم
ہے کہ فوات شرط یا زوال ملزوم سے مشروط و لازم کا وجود نہ رہے بلکہ صرف اسقدر ظاہر ہوا کہ عذاب اسوقت تک ممتد رہیگا کہ جبتک
دوام آسمان و زمین ہو اور مفہوم یہ ہو کہ شاید ان دونون کا بھی دوام ہو لیکن نصوص صریح سے دوام عذاب ہمیشہ کیلئے ثابت اور زوال
دوام ان دونون کا ثابت ہو تو یہی ثبوت مقدم ہوگا اور معنی یہ مفہوم ہوئے کہ ان دونون کے برابر باقی رہنے تک عذاب رہیگا مگر انحصار نہین
کہ پھر نہ ہوگا کیونکہ جائز ہو کہ ان کے بعد باقی رہے فافہم ولیکن مترجم کہتا ہو کہ ارتباط کیلئے ہونا منظور فیہ ہو کیونکہ جہنم مین داخل
ہونیکے وقت ان دونون کا دوام تو درکنار نفس وجود ہی باقی نہ ہوگا فلیتامل فیہ پھر بیضاوی وغیرہ نے ذکر کیا کہ بعض نے کہا کہ آخرت
کے سموات والارض مراد ہین بدلیل قولہ یوم تبدل الارض غیر الارض الآیۃ اور انکا وجود ہمیشہ کیلئے ہو ۔ پھر لکھا کہ یہ قول قابل نظر ہو اسلیئے کہ اس
صورت مین ایسی چیز سے تشبیہ ہوئی جسکو اکثر مخلوق نہین پہچانتے ہین نہ انکا وجود اور نہ دوام اور جو پہچانتا ہو وہ انکا دوام اسیوجہ سے
پہچانتا ہو کہ ثواب جنت و عقاب دوزخ دائمی ہو تو تشبیہ سے فائدہ نہ ہوگا ۔ قولہ الا ما شاء ربک خلود سے استثناء ہو کیونکہ گنہگار
موحدین دوزخ مین ہمیشہ نہین رہین گے بلکہ نکالے جاوینگے اور استثناء صحیح ہونے کیلئے اسقدر کافی ہو کیونکہ کل سے جو حکم زائل کرنا
مقصود ہو وہ اگر اسکے بعض سے زائل ہوجاوے تو کافی ہو کیونکہ یہ صحیح ہوگیا کہ سب خلود فی النار مین نہین رہے اور اما الذین
سعدوا مین جو استثناء ہو وہان بھی یہی گنہگار موحدین مراد ہین کیونکہ جنت مین اسوقت تک ہونگے جبتک عذاب کیلئے دوزخ مین ہین
اور یہ لوگ اگرچہ بوجہ گناہ کے شقی ہین لیکن ایمان کی وجہ سے سعید ہین اگر اسپر اعتراض ہو کہ شقی و سعید دو قسمون مین تقسیم اب صحیح نہ ہوئی
کیونکہ ایک قسم کی صفت دوسری قسم مین نہ ہونا شرط ہو تو جواب یہ ہو کہ یہ بات اسوقت ملحوظ ہوتی ہو کہ جب تقسیم اس راہ سے ہو کہ دونون
قسمون مین ہر طرح بالکل جدائی ہو یا جمع نہ ہوسکین اور یہان تو یہ مراد ہو کہ جمع حشر کے لوگ سعادت و شقاوت کی حالت سے باہر
نہ ہونگے اور ایسی صورت مین ہوسکتا ہو کہ ایک ہی شخص مین دونون صفتین دو لحاظ سے مجتمع ہون مثلاً ایمان کی راہ سے سعید ہو
اور گناہون کے اعمال سے شقی ہو ۔ یا یہان استثناء بدین معنی ہو کہ اہل جہنم کبھی زمہریر وغیرہ کی طرف عذاب کیلئے باہر نکالے جاوینگے اور اسیطرح
اہل جنت کبھی زیادہ انعام مانند دیدار الٰہی سبحانہ کے اعلیٰ درجہ پر جاوینگے اور احتمال ہو کہ استثناء اصل حکم سے ہو اسقدر مدت کہ
حساب کے لیئے خارج رہین یا دنیا کی زندگی بھر یا برزخ کی مدت تک بشرطیکہ حکم مذکور اسی روز قیامت کیساتھ مقید نہ ہو بلکہ مطلقاً لیا جاوے
اور اس تاویل پر خلود سے بھی استثناء ممکن ہے اور بعض نے کہا کہ زفیر و شہیق سے استثناء ہو اور بعض نے کہا کہ الا حرف استثناء بمعنی لکن و سوائے ہو
اور معنی یہ کہ سوائے اس مدت کے جو تیرا رب اس سے زیادہ چاہے جسکی کوئی حد مقرر نہین ہو ۔ اقول پہلے مذکور ہوا کہ اسی خبر کی تاویل کے
قسم سے شیخ مفسر سیوطی رحمہ نے مختار قرار دیا ہو چونکہ اس مقام کے اقوال کو مؤلف فتح البیان نے زیادہ کوشش سے جمع کردیا ہو لہذا مین اسکے
ترجمہ پر اکتفا کرتا ہون اور جسقدر مین نے ذکر کیئے ہین انہین اختصار کرونگا اور جو کچھ لکھنا ہوگا بلفظ اقول علیحدہ کرونگا پس مؤلف رحمہ اللہ
نے لکھا کہ اس استثناء مین اہل العلم کے چند اختلافی اقوال ہین ۔ الاول یہ استثناء قولہ ففی النار سے ہو یعنی اشقیا تو دوزخ مین

ہون گے باستثنار مشیت آلہی کے کسی قوم سے دوزخ مین داخل کرنے مین تاخیر فرماوے کسی مدت تک - یہ تاویل حضرت ابوسعید
خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہی اقول یہ جبھی ہوگا کہ اصل حکم مقید بروز قیامت ہو تو موقف حساب یا مدت دنیا یا برزخ تک
مشیت آلہی تاخیر ہوگی - الثانی خالدین مستثنی منہ اور ماشار بمعنی من شار اور مراد گنہگار موحد ہین یہ قتادہ وضحاک وابوسنان وغیرہم
سے مروی ہی - اقول یہی ابن الجوزی و ابن جریر نے اختیار کیا کیونکہ متواتر احادیث سے قطعاً ثابت ہوا کہ اہل التوحید ہمیشہ دوزخ مین رہینگے
اگرچہ عاصی ہون - الثالث استثنار از زفیر وشہیق ہی یعنی سوائے اسکے جو نوع عذاب انکے لیے اللہ تعالی چاہے اسکو ابن الانباری
نے کہا ہی الرابع معنی یہ ہین کہ تا دوام آسمان و زمین مرینگے مگر مشیت آلہی کہ ان کو آگ کھا جاوے پھر نئے سرے سے پیدا ہون - یہ
ابن مسعود سے روایت کیا جاتا ہی اقول یہ تقدیر موت کی زیادت ہی جو بغیر قطعی حجت کے قبول نہ ہوگی حالانکہ بیان اسکے برخلاف
منصوص ہی مثلاً حدیث ذبح الموت جو اوپر گذری اور صریح آیات جنمین عدم موت مذکور ہی - الخامس الا بمعنی لکن و سوائے ہے
واستثنار منقطع ہی گویا جب زمانہ کو عرب نہایت دراز سمجھتے کہ اس سے بڑھکر نہین جانتے تھے وہ خلود کے واسطے ذکر کرکے پھر غیر متناہی کو
اپنی مشیت پر زیادہ کیا یہ قول زجاج نے حکایت کیا اقول یہی شیخ مفسر سیوطی نے ظاہراً اختیار کیا ہے - السادس قرار ابن الانباری
و ابن قتیبہ سے مروی ہی کہ آیت مین صرف استثنار مشیت پر ہے اور ممکن ہی مشیت نہ ہو تو دوام خلود رہوا - اس قول کو زجاج
نے بھی نقل کیا اقول یہ بعض سلف سے بھی منقول ہی کہ مدینہ مین دوسری آیات سے عدم مشیت ظاہر ہوگئی السابع الا ماشار ربک یعنی
مقدار موقف حساب و برزخ وغیرہ حکاہ الزجاج ایضاً - اقول یہ وہی اصل حکم سے استثنار بنا بر وجہ اول ہی اسکو مستقل قول قرار دینا
وہم ہی - الثامن الا ماشار ربک مگر وہ کہ جو چاہے تیرا پروردگار یعنی زیادتی عذاب کی اہل جہنم کے لیے اور ایسی ہی زیادتی نعمت کی اہل جنت
کیلئے حکاہ الزجاج اور اسی کو حکیم ترمذی نے اختیار کیا - اقول عمدہ وجہ ہی مگر تاویل الا بمعنی لکن و سوائے و حرف عطف تو یہ مستقل قول
نہ ہوا - التاسع الا بمعنی واو ہے بقول فرار اور مکی نے کہا کہ یہ قول بصریون کے نزدیک بعید ہی اقول حرف الا بمعنی حرف عطف کے تحت مین یہ
قول بھی ہی - العاشر حرف الا بمعنی کاف ہی جیسے قولہ تعالی الا ما قد سلف - اسے کما قد سلف مین ہی پس معنی کما شار ربک ہوئے اقول
اس صورت مین آسمان و زمین کا دوام بھی ہوگا کہ اخروی آسمان و زمین لیا جاوے لیکن اس صورت مین رد وارد ہوگا جو بیضاوی رح نے کہا
کہ اخروی آسمان و زمین سے تشبیہ قلیل النفع ہی جبکہ اکثر لوگ اسکو جانتے نہین ہین اور مترجم کہتا ہی کہ جواب یہ ہو سکتا ہی کہ دوام
آسمان و زمین محسوس سکے عرب قائل تھے یا ان کے عرف مین یہ محاورہ مقید دوام ہوتا تھا تو دوام اس سے مراد ہوا لیکن چونکہ واقع مین
اتحاد دوام نہ تھا اسواسطے کما شار ربک بڑھا دیا جس سے دوام تحقیقی ہوگیا فافہم فانہ توجیہ حسن دقیق واللہ تعالی اعلم الحادی عشر ابن عطیہ
نے کہا کہ یہ استثنار بمنزلہ استثنار رب کے ہی جس کے کرنے کی شارع نے تاکید فرمائی ہے جیسے کلام پیغمبر لیکن قولہ لتدخلن المسجد الحرام ان شار اللہ
آمنین الآیة - اور اسی کو ابو عبید سے مروی ہی اور اس صورت مین استثنار نہ کہ متصل یا منقطع ہو سکے کی کچھ ضرورت باقی نہین
اقول یہ کلام بہت سلیم کے نزدیک ایک قوت رکھتا ہی واللہ تعالی اعلم مولف نے لکھا کہ شیخ شوکانی رحمہ اللہ نے ان اقوال کو توضیح کیساتھ
مع سوال و جواب کے ایک مستقل رسالہ مین جمع کیا ہی پھر شیخ مفسر سیوطی رحمہ اللہ کا قول مختار نقل کیا اور مجمل سے اسکا حاصل بیان کیا جو اوپر
مذکور ہو چکا ہی اور مجمل نے اشارہ کیا کہ یہاں مفسرین نے تیرہ وجوہ بیان کئے ہین اور لکھا کہ ابن جریر کی تفسیر دو امر معلوم قرار دئے گئے
مین کہ آیات و احادیث دلیل صریح ہین کہ مومنین کا فردون کا عذاب جنانی ابدی ہو اور یہ کلام اسکے منافی نہین ہی کا شبہہ پیدا کرتا ہی

اسکی تاویل واجب ہو ازانجملہ قولہ تعالی خالدین فیہا ما دامت السموات والارض الا ما شاء ربک ان ربک فعال لما یرید چنانچہ اس سے
ظاہر یہ ہو کہ اہل شقاوت کے عذاب کی مدت بقائے آسمان و زمین کے برابر ہو الا اسقدر مدت کہ اللہ تعالی چاہے کہ اسمین انکو اسقدر مدت
خلود نہ ہوگا اور علماء نے اسکو قریب بیس وجہ سے تاویل فرمایا ہو منجملہ ان وجوہ کے بعض اس جانب راجع ہین کہ دوام آسمان و زمین کی
مدت سے مقید کرنے مین کیا فائدہ ہو۔ اور بعض کا مرجع حکمت استثنا ہو پس قسم اول مین سے یہ تاویل ہو کہ آسمان سے آسمان جنت
و زمین سے جنت کی زمین مراد ہو کیونکہ سما ہر وہ چیز جو تیرے اوپر سایبان ہو اور زمین وہ جسپر تیرا استقرار ہو اور بدین معنی جنت
و دوزخ کا آسمان و زمین ہونا امر قطعی ہو کسی پر پوشیدہ نہین ہو پس ہماری اس تقریر سے جو بعض نے اسمین اعتراض کیا تھا کہ اخروی
آسمان و زمین پر محمول کرنا آیت کے سموات و ارض کا اسوجہ سے نہین جائز ہو کہ مخاطبین کو اسکا علم نہین ہو وہ دفع ہو گیا۔ قال المترجم
اعتراض مین نے بیضاوی سے اوپر نقل کیا ہو اور ابن حجر کا یہ زعم کہ اعتراض دفع ہو گیا مجرد ادعا ہو میرے نزدیک اعتراض دفع
نہین ہوتا کیونکہ مخاطبین اگر جنت و دوزخ کے بوجہ مذکور قائل ہون تو اخبار غیب پر ایمان کے طور پر ہوگا حالانکہ وے آخرت کے
منکر ہین۔ فلیتامل فیہ۔ پھر شیخ ابن حجر نے اس لفظ سے دوام ابدی بطریق محاورہ عرب کے تاویل ذکر فرمائی پھر لکھا کہ ابن عباس رض سے
روایت ہو کہ تمام مخلوقات کی اصل نور عرش سے ہو اور آسمان و زمین آخرت مین اسی نور کی طرف پھیر دیے جاوینگے جس سے
دونون مخلوق ہوئے تھے اور وہ دونون نور عرش سے دائمی ابدی رہین گے۔ پھر لکھا کہ اس جواب کی ضرورت اس بناء پر ہو کہ دوام
سموات و ارض کی قید سے یہ مفہوم ہوتا ہو کہ دوزخی دوزخ مین انہین دونون کے دوام تک باقی رہین گے اور بعض نے اسکو منع کیا
ای آخر ما ذکر اقول مانع اس سے شیخ مفسر بیضاوی ؒ ہین اور مین نے انکی تقریر اوپر لکھدی ہو پھر ابن حجر نے لکھا کہ اگر کہا جائے کہ جب
انکا عذاب دائمی ہوگا خواہ دونون باقی رہین یا زائل ہو جاوین تو پھر اس تقلید سے کیا فائدہ ہو تو جواب یہ کہ نہین بلکہ اسمین بہت
بڑے فوائد ہین ازانجملہ یہ ہو کہ مخاطبین کو دوام آسمان و زمین تک بقائے عذاب کے ہول ہوگا کہ ایک زمانہ طویل دراز ہو کہ وہم کو احاطہ
کرنا دشوار ہو اقول بلکہ جب وے لوگ دوام آسمان و زمین سے ابدی قیام سمجھتے تھے تو غیر متناہی زمانہ تک خلود عذاب کے تہویل کا مقصود
حاصل ہو اور لکھا کہ باقی رہی یہ بات کہ آیا اس عذاب کی کوئی حد مقرر ہو کہ وہان منقطع ہو جائیگا یا نہین تو یہ بات دوسری دلیلون
سے حاصل ہوتی ہو یعنی ان آیات سے جنمین مذکور ہو کہ کبھی جہنم سے نہ چھوٹین گے ہمیشہ اسی مین رہین گے اور قسم دوم تاویلات سے
ایک وجہ یہ ہو کہ فیہا سے استثنا ہو یعنی برابر اسی مین رہین گے سوائے ان مقامات کے جہان بمشیت الہی انواع عذاب کے لیے نکالے جاوین
جیسے زمہریر و شرب حمیم وغیرہ پھر اسی مین واپس کر دیے جائین گے اور لکھا کہ یا لفظ ما بمعنی من ذوی العقل کے واسطے لیا جاوے مثل قولہ
انکحوا ما طاب لکم من النساء اے من طاب پس یہ گنہگار مومنون کا استثنا ہوگا خواہ متصل قرار دیا جاوے جبکہ شقوا مین یہ لوگ بھی شامل
ہون یعنی گنہگار مومنین کو بھی شقیا کا لفظ شامل ہووے جو الذین شقوا سے معلوم ہے یا استثنا منقطع ہو جبکہ اہل شقاوت مین انکا
شمول نہ لیا جاوے اور یہی اظہر ہو یا حرف الا بمعنی سوا لے لیا جاوے اور یہان کچھ اور تاویلین بھی باقی رہین جن کے بیان سے مین اعراض
کرتا ہون کیونکہ تاویلات بعیدہ ہین اگر کہا جاوے کہ یہ طریقہ تاویل کا اسی یقین پر ہو کہ جہنم سے کبھی انکو نکلنا میسر نہ ہوگا حالانکہ عبداللہ
بن عمرو سے روایت ہو کہ لیاتین علی جہنم یوم تصفق فیہ ابوابہا لیس فیہا احد و ذلک بعد ما یلبثون فیہا احقابا۔ رواہ الامام احمد۔ جہنم پر
ایسا زمانہ آویگا کہ اسکے دروازے مصفوق کر لیے جاوینگے اسمین کوئی آدمی نہ ہوگا اور یہ کئی احقاب ان کے جہنم مین پڑے رہنے کے بعد
سند ۱۲

ہوگا۔ اسکو امام احمد نے مسند مین روایت کیا ہے۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم مین اشقیار کو دوام خلود نہ ہوگا پھر قولہ الا ما شار ربک۔ کی تاویل کی ضرورت نہین ہے تو جواب یہ ہے کہ اس روایت مین بعض راوی ثقہ نہین ہے اور اسکی نسبت ثابت ہوا کہ وہ بہت جھوٹ بولا ہے تو جب اسکا ثبوت نہ ہوا تو کالعدم ہوا لہذا تاویل واجب ہوئی۔ ہان یہ بات البتہ ہے کہ جو قول عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہوا وہی کسی علمار نے حضرت ابن مسعود و ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے کہا کہ یہی قول عمر بن الخطاب و ابن عباس و ابن مسعود و ابو ہریرہ و انس بن مالک رضی اللہ عنہم کا ہے اور اسی طرف حسن بصری و حماد بن سلمہ گئے ہین اور یہی قول علی بن ابی طلحۃ الوالبی و ایک جماعت تابعین مفسرین کا ہے انتہی کلامہ و لیکن حسن بصری سے جو نقل کیا وہ دیگر علمار کی نقل سے رد ہوا جاتا ہے کیونکہ ثابت نے کہا کہ مین نے حسن رح سے انکا مقولہ پوچھا تو انھون نے اس سے انکار کیا اور ظاہر یہ ہے کہ جن علمار و صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ مقولہ نقل کیا ہے اُن سے درحقیقت کچھ روایت صحیح نہین ہے اور اگر ہم تسلیم بھی کر لین تو اسکے معنی وہ ہون گے جو علمار نے بیان کئے کہ اسمین کوئی جہنمی نہ ہوگا یعنی گنہگار مومنون مین سے کوئی نہ ہوگا اور رہے کافرون کے ٹھکانے تو وہ خوب بھرے ہون گے وے اسمین سے کبھی خارج نہ ہونگے جیسا کہ بہت سی آیات مین مذکور ہے۔ اقول حاصل طریقہ تاویل یہان یہ ہے کہ قولہ لیس فیہا احد۔ عام ہے اسکو نصوص قطعیہ خلود کفار سے مخصوص کیا تو معنی یہ ہوے کہ لیس فیہا احد من عصاۃ المومنین۔ اسمین گنہگار مومنون سے کوئی نہ ہوگا۔ اور صفق الابواب کا فائدہ یہ ہے کہ جبتک گنہگار موحد کوئی رہیگا اسوقت تک ابواب مسدود نہ ہونگے اور یہ تاویل قریب اسکے ہے جو طویل حدیث شفاعت مرویہ صحیحین وغیرہ مین آخر مین مذکور ہے کہ جب جنت مین ذرہ برابر خیر والا بھی کوئی نہین رہیگا تو اللہ تعالیٰ ایک مٹھی یا دو مٹھی اپنی قدرت و شان کے لائق مٹھی سے اہل دوزخ سے نکال لیگا جو عتقار الرحمٰن کہلاوین گے تو علمار نے کہا کہ خیر سے ایمان مراد نہیں بلکہ عمل مراد ہے یعنی ایسے ہون گے جنھون نے کوئی نیکی نہین کی ہے مگر نفس ایمان ان مین تھا اور مترجم نے اسکو تاویل اس وجہ سے قرار دیا کہ سیاق مین ذرہ برابر ایمان والے کے نکال لینے کا حکم بدون شفاعت کے محض فضل سے ہو چکا ہے تو شبہہ یہ ہوتا تھا کہ اب کوئی ایسا نہین ہے جسمین ذرہ برابر بھی ایمان ہو تو محض کافر کی نجات ظاہر ہوتی ہے حالانکہ کفر پر نجات نہ ہونا قطعی آیات سے ثابت ہے لہذا کہا گیا کہ مراد ایمان سے عمل خیر ہے کما فی قولہ تعالیٰ ما کان اللہ لیضیع ایمانکم۔ اور مراد نماز بجانب غیر القبلہ ہے۔ فافہم پھر ابن جریر رح نے کہا کہ رازی کی تفسیر کبیر مین ہے کہ ایک قوم کا قول ہے کہ کافرون کے عذاب کی ایک انتہا رہی جہان منقطع ہو جائے گا اور استدلال اُنکا اسی آیت سے ہے اور قولہ تعالیٰ لابثین فیہا احقابا۔ سے ہے اور بدین دلیل کہ ظالم کی معصیت متناہی ہے تو اسپر غیر متناہی عذاب ہونا ظلم ہوگا انتہی اور اسکا جواب ابن جریر نے یہ دیا کہ احقابا سے استدلال اسکے متناہی ہونے پر صحیح نہین اور نہ اس آیت سے صحیح ہے کیونکہ پہلے معلوم ہو چکا کہ عرب ایسے استعمال مین دوام ابدی مراد لیتے ہین اقول ہان لیکن استثنار الا ما شار ربک سے استدلال ہے نہ بقولہ ما دامت السموات والارض۔ لیکن چونکہ اسمین احتمالات پیدا ہو گئے ہین اس سے البتہ استدلال کسی قطعی بات کیلئے صحیح نہ رہا۔ پھر دلیل عقلی ظلم کا جواب دیا کہ ظلم کچھ نہین ہے اسواسطے کہ کافر کو دوام زندگی بھر یہی عزم تھا کہ کفر پر جما رہے تو اسکے عوض اُخروی زندگی بھر عذاب دیا جائیگا حالانکہ وہ زندگی دائمی ہے پس عذاب الم ہوا تو دائمی ظلم کے موافق دائمی عذاب ہوا باوجودیکہ اسکو اُخروی زندگی دائمی و عذاب سے آگاہ کر دیا گیا تھا وہذا ما حررہ المترجم۔ ولیکن اسمین تردد ہنوز مثل عقلی دلیلون کے باقی ہے اور وہ یہ ہے کہ ظلم کافر کا اسکی زندگی بھر تھا اور یہ مقدار متناہی ہے۔ اور ابن جریر نے کہا تھا کہ کافر کو کفر پر عزم تھا مادامیکہ زندہ ہے تو جزا و سزا ایک دوسرے کے متوافق دائمی ہوئی اور اسپر تردد مذکور زیادہ جاری ہے

اور جسطرح مترجم نے تقریر میں تغیر کر دیا اسکے موافق رفع تردد ہو سکتا ہے کہ جب ایک شخص کے واسطے موت کی دونوں طرف دو زندگی مقرر ہوئیں اور بتلایا گیا کہ دنیاوی فانی ہے اور اُخروی باقی ہے تو اُسنے خود باقی زندگی بھر عذاب کو اختیار کیا اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا یعنی جبتک رسول کے واسطہ سے کسی قوم کو آگاہ نہیں کیا گیا ان پر عذاب نہوگا اگر آگاہ نہ ہوئے ہوں اور بشبہہ جو زمانہ فترت کا ہے یعنی ایک رسول کے بعد دوسرے رسول تک شریعت ایسے متغیر ہوئے کہ اس سے آگاہی و اطمینان نہیں ہو سکتا جیسے حضرت موسیٰ سے پہلے یا حضرت عیسیٰ اور حضرت خاتم المرسلین صلوات اللہ علیہم اجمعین کے بیچ میں تھا لہذا جب فرعون نے موسیٰ سے پوچھا کہ ما بال القرون الاولی۔ تو اُسکا جواب نہیں دیا بلکہ فرمایا علمہا عند ربی فی کتاب۔ پس جہان تک نصوص وارد ہیں بندہ وہان تک اعتقاد رکھتا ہے اور ماوراء اسکے علم الٰہی محیط ہے وہی اپنی مخلوق کا دانا ہے لہذا بعض سلف نے کہا کہ کوئی کسی مخلوق کو جنت یا دوزخ میں نہیں اُتار سکتا اور خود اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کا دانا ہے جیسا کہ قولہ تعالیٰ خالدین فیہا الا ما شاء اللہ کی تفسیر میں سابق میں مذکور ہوا ہے پھر شیخ ابن حجرؒ نے لکھا کہ واضح ہو کہ اہل جنت کیواسطے دوسری آیت میں ایسا ہی استثناء مذکور ہے اور وہان بالاجماع یہ مراد نہیں ہے کہ اُن کے خلود میں دوام نہوگا بلکہ کبھی استثناء رہے گا اور خود اللہ تعالیٰ نے دوام کی تنصیص فرمائی بقولہ عطاءً غیر مجذوذ یعنی ایسی عطاء کہ کبھی منقطع نہوگی تو جیسی تاویل یہان مذکور ہوئی اسی نظیر پر وہان تاویل ہوگی اور جبکہ ما بمعنی من ہو تو مراد گنہگار مومنین اہل اعراف ہونگے جو ہنوز جنت میں داخل نہیں ہوئے ولیکن داخل ہونے کی طمع رکھتے ہیں۔ اقول دوسری آیت جو اہل جنت کے حق میں ہے جبکہ اسمین بالاجماع استثناء سے ظاہر مراد نہیں ہے تو یہی مؤید ہے کہ اس آیت میں جو دوزخیون کے حکم میں ہے یہ ظاہر جو عموماً سمجھ میں آتا و خلاف دیگر نصوص قطعیہ ہے مراد نہ ہوئے پس جب ظاہر معنی مقصود نہ ہونا معلوم ہو گیا تو جملہ نصوص کے موافق و متعاضد معنی پر بقاعدہ زبان عربی محمول کیا جائیگا اور یہ ویسی ہی تاویل ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں۔ پھر شیخ نے لکھا کہ ابن زید نے فرمایا کہ اہل جنت کی آیت میں الا ما شاء ربک فرمایا اور اس مشیت سے ہم کو آگاہ کر دیا کہ جو کچھ مراد ہو خلود و دوام سے استثناء نہیں ہے چنانچہ صریح فرما دیا عطاء غیر مجذوذ یعنی غیر مقطوع لہ یعنی اس نعمت کا انقطاع نہوگا اور جو اہل دوزخ کے حق میں ایسا ہی استثناء کیا تو اس مشیت سے ہم کو آگاہ نہیں فرمایا کہ اُن کے حق میں کیا چاہا ہے انتہی کلامہ۔ مؤلف نے کہا کہ شیخ ابن تیمیہ نے جو آثار نقل کیے ہیں انکا ثبوت ہے اور اسکو شیخ ابن القیم نے حادی الارواح الی بلاد الافراح میں بتوضیح بیان کیا ہے ابو الشیخ نے قتادہ سے روایت کی کہ اُنھون نے یہ آیت پڑھکر کہا کہ ہم سے حضرت انس بن مالکؓ نے حدیث بیان فرمائی کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ایک قوم دوزخ سے نکالی جاوے گی اور کہا کہ ہمارا وہ قول نہیں ہے جو اہل حروراء یعنی خارجی کہتے ہیں کہ جو کوئی جہنم میں گیا پھر وہان سے نہیں نکلے گا اقول یہی کبائر میں معتزلہ کا قول ہے۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے یہ آیت پڑھکر فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے کہ ان لوگون میں سے جو شقی ہوئے ہیں انکو دوزخ سے نکالے تو کر سکتا ہے رواہ ابن مردویہ اقول یہ کلام ایسا واقع ہونے کیلئے دلیل نہیں ہے بلکہ قولہ تعالیٰ ان ربک فعال لما یرید کی تفسیر ہے خالد بن معدان نے آیت کی تفسیر میں کہا کہ یہ اہل توحید اہل القبلہ کیواسطے ہے یعنی گنہگار مومنین بمشیت الٰہی جہنم سے نکالے جاوینگے جبکہ مشرک نہون۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ یا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ آیت تمام قرآن میں جہان خالدین فیہا آیا ہے فیصلہ کرتی ہے یعنی ہر خلود پر وارد ہے ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ قولہ تعالیٰ الا ما شاء ربک میں کہا کہ پھر پروردگار کی مشیت معلوم ہوئی کہ دوزخی ہمیشہ دوزخ میں رہیں اور جنتی ہمیشہ جنت میں رہیں اور ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے النار سے استثناء کیا کہ ان کو بالکل نہ کھالے

سدی رح نے آیت مین کہا کہ پھر اسکے بعد مشیت الٰہی کا علم آیا جس سے معلوم ہوگیا چنانچہ مدینہ مین نازل ہوا قولہ ان الذین کفروا وظلموا
لم یکن اللہ لیغفر لہم ولا لیہدیہم طریقا الآیۃ ۔ پس دوزخیون کی نجات کی امید جاتی رہی اور انکے لیے ہمیشہ کی خلود کا حکم واجب ہوگیا اور قولہ
اما الذین سعدوا الآیۃ مین مشیت الٰہی کا علم مدینہ مین نازل ہوا بقولہ والذین آمنوا وعملوا الصالحات سندخلہم الی قولہ ظلا ظلیلا پس انکے لیے
ہمیشہ خلود واجب ہوگیا اور ابو نضرہ رح سے روایت ہے کہ پورا قرآن اس آیت پر منتہی ہوتا ہے یعنی قولہ ان ربک فعال لما یرید ۔ تیرا رب
جو چاہتا ہے کرتا ہے اور مناوی کبیر علی الجامع الصغیر مین لکھا کہ یہ جو ہم نے ذکر کیا کہ جہنم مین کفار کا عذاب دائمی ابدی ہے اسی پر آیات واخبار
وآثار دلالت کرتے ہین اور جمہور امت سلف وخلف اسی پر یقین کیے ہوے ہے ۔ اور اسکے سوا بھی کچھ اقوال منقول ہین جنکی تاویل واجب ہے
ازانجملہ شیخ محی الدین بن العربی کا قول ہے کہ دوزخی مدت تک دوزخ مین عذاب پاوین گے پھر ان پر انقلاب ہوگا اور انکے لیے ایک آتشی طبیعت
رہجائیگی جس سے ان کو ایک طرح کی لذت حاصل ہوگی کیونکہ وہ انکی طبیعت کیواسطے موافق ہوگی اور خلف وعید کا شبہہ وارد نہین ہوتا کیونکہ
ثنا تو وعدہ کی سچائی مین ہے جو وعدہ انعام کا اللہ تعالی نے فرمایا اسکو پورا کرلے مین اسکی شان کیواسطے حمد وثنا ہے اور وعید یعنی عذاب ومنرا کا
وعدہ پورا کر دینا ثنا نہین بلکہ سزا سے تجاوز کرنا ثنا ہے چنانچہ فرمایا فلا تحسبن اللہ مخلف وعدہ رسلہ ۔ اور یہ نہین فرمایا مخلف وعیدہ ۔ بلکہ فرمایا
ہے ونتجاوز عن سیئاتہم ۔ باوجودیکہ ان کو اس فعل پر وعید فرمائی تھی اور حضرت اسمعیل کو فرمایا ۔ انہ کان صادق الوعد یعنی وعید کے صدق
مین تعریف نہین فرمائی اور دوسرے مقام پر شیخ نے لکھا کہ دوزخی جب اسمین داخل کیے جاوین گے تو برابر خوفناک منتظر رہین گے کہ شاید اسمین سے
نکالے جاوین پھر جب جہنم کے دروازے بند کر دیے جاوین گے تو مطمئن ہو جاوین گے کیونکہ جہنم انکی طبیعتون کے موافق پیدا کی گئی ہے قال
المترجم حضرت ابن عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے اثر مین اس تاویل کو دخل ہے کہ جبتک کوئی موحد عاصی حتی کہ جس نے کوئی نیکی کبھی نہین کی
ہے جہنم مین ہوگا اسوقت تک اس کے دروازے مسدود نہ ہونگے پس مسدود اسوقت ہون گے کہ اسمین کوئی نہ ہو یعنی موحد کوئی نہ ہو ۔ اور
واضح ہو کہ تفسیر ابن العربی اسوقت موجود ہے اسمین یہ عبارت جو مناوی مین ہے مذکور نہین ہے ۔ ظاہرا شیخ کی دوسری کتابون سے نقل کی گئی ہے
او مناسب مقام ہے کہ شیخ کا قول انکی تفسیر سے بھی اس مقام پر ترجمہ کر دون ۔ قولہ تعالی فمنہم شقی وسعید جب شقی وسعید منکر نبوت وتعظیم کا ذکر کیا
تو ازلی ابدی سعید وشقی کو بیان فرمایا اور جب تقسیم تفصیلی مین انکا حال بیان کیا یعنی بقولہ فاما الذین شقوا ۔ تو اسمین سے شقی کے ہمیشہ دوزخ مین
رہنے سے اور سعید کے جنت مین رہنے سے استثنا کیا بقولہ الا ما شاء ربک ۔ کیونکہ جنت ودوزخ سے مقصود سے محروم ہوکر رنج والم پانا اور حصول مراد
سے لذت اٹھانا پس دونون مین استثنا کرنے سے یہ غرض ہے کہ جہنمی تو اس رنج والم سے بڑھکر غم مین پڑیگا یعنی صفات کے حجاب مین ہوکر قلب کی
آگ سے جلیگا اور افعال کے حجاب ختم ومطرود ہونے اور ذلت واہانت مین پڑیگا اور روح کی سوزش سے پردہ ولعنت وقہر مین گرفتار ہوگا اور جنتی
اس لذت سے بڑھکر اکرام مین پہونچیگا مثلاً تجلیات صفات سے جنان قلب مین رضوان ولطف اکرام واعزاز پاویگا اور تجلیات ذات وظہور سے
جنان روح مین مقام شہود ولقا وظہور سبحات جلال وہ کچھ پاویگا کہ جسکی نسبت حدیث صحیح مین آیا ہے لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر
اور یہ اسوجہ سے کہ سعید بمقابلہ شقی کے ہے اور یہ ہو نہین سکتا کہ سعید نکلکر دوزخ مین جاوے اور نکالے نہ جانے کیلیے یہ کلام دلیل ہے عطاء
غیر مجذوذ یعنی یہ عطا کبھی مقطوع نہ ہوگی پس ایسے ہی سعید کا مقابل شقی بھی زیادہ عذاب رنج والم مین جاویگا اور یہ نہین ہوسکتا کہ سعید ہو جاے
علاوہ ازین قولہ ان ربک فعال لما یرید ۔ اسکو مقرر ہے کیونکہ یہ ایک سخت وعید ہے یہ جو لکھا گیا برعایت ادب ہے اور بواطن کی تحقیق مین ظواہر
کا لحاظ رہا اور رہا بیان حقیقت تو جاننا چاہیئے کہ شقی جب دوزخ مین ان مراتب مذکورہ پر پہنچا تو اس سے کبھی خارج نہ ہوگا بلکہ ایک طبقہ سے

دوسرے طبقہ کو منتقل ہوتا رہیگا اور ایک درک سے دوسرے درک کو جاویگا تو وہ ہمیشہ اسی عذاب مین رہا بلکہ عذاب سے بڑھکر عذاب ہوتا گیا اور مراد استثنا سے اس خلود کے علاوہ ہے اور وہ یہ ہو کہ دوزخی اور راہ احدیت کے اپنے رب کے ساتھ ہو وہ اسکی پیشانی کے بال پکڑے یعنی اپنا مسخر کیے ہوئے خود راہ راست پر ہے اور بدبختی کی ہوا یعنی خواہش نفس کی پیروی اسکو جہنم کی طرف ہانکے اور اوٹھائے لئے جاتی ہو پس وہ دہان رب کے ساتھ عین القرب مین ہو پس اپنے موافق سے متلذذ ہوتا رہیگا جو اسکے حق مین عین نعمت ہو جائے گا تو آگ کے معنی اسکے حق مین زائل ہو گئے اور وہ مقام اسکے لئے جنت کے حکم مین ہو گیا اگرچہ فی الحقیقت جو جنت کہ سعید کیلئے ہے اس سے وہ بعد المشرقین بہت دور پڑا ہے چنانچہ حدیث مین آیا ہو کہ تھوڑی مدت مین جہنم مین جرجیر اوگیگا اور آیا ہے کہ جہنم پر ایک زمانہ آویگا کہ اسکے دروازے بند کیے جاوینگے اسمین کوئی نہ ہوگا - ایسی ہی سعید کی جانب سے کہ جنت مین اسکا مراتب پر منتقل ہونا دوام خلود کے حکم مین ہو اور استثنا سے اس خلود کے علاوہ مراد ہو اور وہ یہ ہو کہ احدیت ذات مین فانی اور سبحات جمال سے عشق مین فنا ہوگا جہان کہ حق عین شاہد و مشہود ہو اور یہ بطریق مشاہدہ روحی نہین بلکہ شہود ذاتی احدی کے ساتھ جہان غیر کا کچھ اثر بھی نہوگا اور یہ کمال نعمت ہو جیسا کہ حدیث مین اشارت ہو کہ نہ آنکھ نے دیکھا اور نہ کانون نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل پر اسکا خطور ہوا - اور اگر شقی وسعید مین تنوین نوعیت کیلئے ہو نہ تعظیم کے لئے تو یہان دنیا مین نیک کام سے بدکار بمشیت الٰہی نیکوکار ہو سکتا ہو ولیکن اس صورت مین یہ شقی ازلی کا بیان نہوگا - انتہی کلامہ مترجما - اس کلام سے جیسا تو دیکھتا ہو طریقت کی توجیہ موافق جمہور امت کے ہو اور تاویل موافق بتاویل مختار شیخ سیوطی رحمہ یعنی شقی کو دائمی شقی رکھا جو کبھی سعید نہوگا اور استثنا سے مزید عذاب مراد لیا اگرچہ حقیقت کے معنی مین باطنی الم کو ایک خاص انتقال حالت پر قرار دیا اور اس سے انکار کیا کہ کبھی دوزخ سے نکلے اگرچہ بعض آثار کو تاویلی تائید مین نقل کیا ہو جس اللہ تعالیٰ دانا ہو کہ جہان سے مناوی مین منقول ہو وہان آیا یہی مقصود ہو یا کیا مراد ہے فلیتدبر - پھر مناوی مین لکھا کہ حافظ ابن القیم نے کہا کہ یہ قول ایک طرف ہو یعنی ابن العربی کا قول کہ دوزخ فنا ہو کر ان کیلئے جنت ہو جائے گی ایک طرف ہو اور معتزلہ کا قول کہ جو جہنم مین گیا وہ کبھی نہ نکلیگا دوسری طرف ہو اور ہر دو قول ان نصوص کے خلاف ہین جو بالضرور رسول اللہ صلعم کی احادیث اور آپ پر نازل ہوئے قرآن سے معلوم ہوئے ہین اور کہا کہ جیسے ایک جماعت کا قول کہ دوزخ فنا ہو جائے گی کیونکہ اللہ نے اسکے لیے ایک انتہا مقرر فرمائی ہو پھر ان لوگون سے اسکا عذاب بھی زائل ہو جائیگا اور استدلال ایک اس آیت سے فرمایا اور ایک قولہ تعالیٰ لابثین فیہا احقاباً یعنی کئی احقاب اسمین پڑے رہین گے - تو معلوم ہوا کہ کئی احقاب کے بعد پھر نجات ہو گی - اور ان لوگون کا یہ بھی قول ہو کہ قرآن مین دوزخ کے دوام بقا پر کوئی دلالت نہین ہو بلکہ قرآن مین تو فقط اسیقدر ہو کہ کفار اسمین ہمیشہ رہین گے اور وے یہین سے کبھی نہین نکلین گے - اور ان سے اسکا عذاب فتور نہ کریگا اور وے کبھی نہین مرین گے اور ان پر عذاب اسمین مقیم وغرام ولازم ہوگا - اور یہ بات وہ ہو کہ جسمین صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ مین کچھ اختلاف نہین ہو بلکہ اختلاف ایک اور بات مین ہو اور وہ یہ ہو کہ دوزخ وہی ابدی چیز ہو یا اسپر بھی فنا لکھی گئی ہو اور یہ بات کہ کفار اسمین سے کبھی نہین نکلین گے اور جنت مین کبھی نہین داخل ہون گے تو اس بات مین اہل السنۃ مین سے کسی نے اختلاف نہین کیا ہو - الحاصل اگر کچھ اختلاف ہو تو اس بات مین کہ آیا دوزخ پر بھی فنا لکھی گئی ہو جیسے کل چیزون پر یا نہین تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے دوزخ کے فانی ہونے کا قول ایک جماعت صحابہ وتابعین سے نقل کیا اور شیخ ابن القیم نے مثل اپنے استاد ابن تیمیہ کے اسی قول کو نصرت دی اور اسی کو محقق کیا لیکن جمہور نے اسکو ترک کیا یہ قول متروک مہجور ہو اسکا قائل نہونا چاہیئے اور نہ اسپر اعتماد کرنا چاہیئے کیونکہ جمہور نے ان اقوال کی تاویل کر دی اسطرح کہ صحابہ رض کی مراد یہ ہو کہ اسمین کوئی گنہگار مومن نہ ہوگا اور رہے کفار تو وہ اسمین

بھرے ہوں گے کبھی اسمیں سے نہیں نکلیں گے جیسا کہ بہت سی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے اور دونوں آیتوں کو قریب ہیں جو سے
نازل کر دیا ہو انتہی کلام المنادی مؤلف نے کہا کہ ابن المنذر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ کہا کہ لو لبث اہل النار فی النار کقدر
رمل عالج لکان لہم علی ذلک یوم یخرجون فیہ - اگر پڑے رہیں دوزخ والے دوزخ میں بشمار ریگ تو دہ کے تو البتہ اُن کے لئے اسپر ایک دن
ہوگا کہ اسدن نکلیں - قال المترجم مبہم ہو معلوم نہیں کہ اہل النار سے کفار دوزخی مراد ہیں یا گنہگار موحد جو دوزخ میں داخل ہوئے ہیں -
ولیکن دوم کی تائید دیگر احادیث مرفوعہ صحیحہ سے ظاہر ہو اور اول مخالف آیات و احادیث ہوگا پھر لکھا کہ عبد بن حمید نے بھی ثقات راویوں
سے حضرت عمرؓ سے اسی قول کے مانند روایت کیا اور ابن راہویہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا کہ کہا کہ سیاتی علی جہنم یوم لا یبقی فیہا احد
و قرار فاما الذین شقوا الآیۃ - البتہ جہنم پر ایسا روز آویگا کہ اسمیں کوئی شخص باقی نہیں رہیگا اور پڑھی یہ آیت فاما الذین شقوا ففی النار خالدین فیہا
الآیۃ مترجم نے کہا کہ اسمیں بھی وہی تردد ہو کہ اسمیں کوئی شخص باقی نہ رہیگا اس لفظ سے کون مراد ہو آیا کوئی شخص کافر ہو یا موحد ہو باقی
نہ رہیگا یا گنہگار موحد باقی نہ رہیگا - اگر اول مراد ہو تو خلاف آیات و احادیث ہو اور اگر دوم مراد ہو تو موافق احادیث صحیحہ ہو اگر کہا جاوے کہ
فاما الذین شقوا کے پڑھنے سے تو یہی ظاہر ہے کہ شقی کافر مراد ہیں تو کہا جائیگا کہ گنہگار موحد بھی بسبب بداعمالی کے شقی یعنی بدبخت ہو سکتا ہے
اگرچہ وہ بوجہ نفس اعتقاد توحید کے سعید ہو ولیکن واضح ہو کہ یہ اسی صورت میں ہو کہ قولہ فمنہم شقی و سعید سے باعتبار اعمال کے دو قسم کی گئی ہوں
تو ضرور ہوگا کہ سوائے دو کے دیگر اقسام بھی نکلیں و رنہ ازلی شقاوت و سعادت کی راہ سے تو دو ہی قسم میں انحصار ہوگا مگر فاما الذین شقوا سے
حالی ازلی کافر دائمی دوزخی مراد ہوں گے - ان میں گنہگار موحد داخل نہیں ہو سکتے تو قول حضرت ابو ہریرہ میں تاویل مذکور میں تردد ہوگا - اگر کہا جاوے
کہ قولہ لا یبقی فیہا احد - یا لیس فیہا احد میں نکرہ تحت نفی مفید عموم ہے تو یہی معنی ہوئے کہ کوئی نہ ہوگا خواہ کافر ہو یا مومن ہو - کہا جائیگا کہ ہاں عموم تو ہے لیکن
آیا یہ عام اپنے معنی عموم پر لیا گیا یا نہیں چنانچہ شرع میں بہت الفاظ عموم اپنے عموم پر نہیں مراد ہیں جیسے بلقیس کو کہا کہ اوتیت من کل شیٔ اسکو ہر چیز
دی گئی حالانکہ اسکو آسمان یا ستارہ یا روس کے سلطنت نہیں دی گئی تھی لہذا جب ہم نے دوسری آیات و احادیث کو دیکھا تو اس سے معلوم ہوا کہ
عموم مراد نہیں بلکہ مخصوص گنہگار موحد مراد ہیں فافہم - پھر مؤلف نے لکھا کہ ابن المنذر و ابو الشیخ نے ابراہیم رحمہ اللہ یعنی تابعی نخعی سے روایت کی کہ کہا کہ ما فی
القرآن ارجی آیۃ لاہل النار من ہذہ الآیۃ خالدین فیہا ما دامت السموات والارض الا ما شاء ربک ان ربک فعال لما یرید یعنی کہا کہ اہل دوزخ کیلئے قرآن
میں اس آیت سے بڑھکر کوئی آیت امید کی نہیں ہو یعنی خالدین فیہا ما دامت الآیۃ - قال المترجم اسمیں بھی اہل النار سے شاید گنہگار موحد
مراد ہیں جیسے دیگر اقوال ہیں - اور اسی قول ابراہیم میں ہو کہ کہا کہ ابن مسعودؓ نے فرمایا لیاتین علیہا زمان تصفق ابوابہا کہ جہنم پر ایک زمانہ آویگا کہ اسکے
دروازے بند کئے جاوینگے - اقول شاید یہ مراد ہو کہ موحدین گنہگار کے نکالے جانیکے بعد جب اسمیں کوئی ان میں سے نہ رہیگا تو کفار پر مسدود کر دئے
جاوینگے واللہ اعلم - امام احمد نے عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کی کہ قال لیاتین علی جہنم یوم تصفق فیہ ابوابہا لیس فیہا احد - اور اس
قول کو محی السنۃ بغوی وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ وغیرہ سے حکایت کیا اور ابن جریرؒ نے اپنی اسناد سے شعبی تابعی رحمہ اللہ سے روایت کی کہ
قال جہنم اسرع الدارین عمرانا و اسرعہما خرابا یعنی دوزخ و جنت دونوں گھروں میں سے دوزخ زیادہ جلد آباد ہو جائیگی اور زیادہ جلد خراب یعنی
ویران و کھنڈل ہوگی اور قتادہ رحمہ اللہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا الا ما شاء ربک ان ربک فعال لما یرید - تو وہی جانتا ہے کہ یہ استثناء
کس پر واقع ہوا اور جاننا چاہیئے کہ جیسا حضرت ابن مسعود و حضرت عمر و ابو ہریرہ و عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہوا ویسا ہی ایک
جماعت سلف سے مروی ہے چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ابن عباس و ابن عمر و جابر و ابو سعید خدری سے اور تابعین میں سے ابو مجلز و

عبدالرحمن بن زید بن اسلم وغیرہ سے روایت کیا گیا اور اسمین ایک حدیث بھی طبرانی کے معجم کبیر مین ابو امامہ صدی بن عجلان الباہلی سے مرفوع روایت ہی لیکن اسکی اسناد بعض راویون کی وجہ سے ضعیف ہی۔ مؤلف نے کہا کہ اس بیان سے یہ ضرور ثابت ہوگیا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے جو کچھ ان بزرگون سے نقل کیا وہ صحیح ثابت ہی اور حافظ ابن القیم نے جو اسکا انتصار کیا وہ بجا ہے اور ابن حجر مکی وسناوی کا قول سست ہے اگرچہ بیشک ارجح راہی جمہور کا مذہب ہے۔ **قال المترجم** سناوی مین یہ نہین کہا تھا کہ شیخ الاسلام کی نقل مین فتور ہی بلکہ اُسنے یہی کہا تھا کہ یہ مذہب مہجور ومتروک ہی ہان ابن حجر نے البتہ عدم ثبوت کا احتمال پیدا کیا تھا تو ان اسانید سے ثبوت ہوجاتا ہی ولیکن اصل کلام انکے معنی مین ہی مترجم کہتا ہی کہ عذاب جہنم ایک نہایت سخت چیز ہی نعوذ باللہ من عذاب جہنم وعذاب القبر۔ چنانچہ صحیح حدیث مین ہی کہ بسبب برکت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابو طالب آپکی پرورش کرنے والے جان نثار چچا پر جو کافر رہے عذاب مین بالکل تخفیف ہوئی اسپر بھی آپنے فرمایا کہ اسکے پاؤن مین آگ کی دو جوتیان ہین جن سے اُسکا دماغ اُبلتا ہے۔ اعوذ باللہ اعوذ باللہ۔ لہذا مترجم کہتا ہی کہ تمام برادران اسلام ہر وقت اپنے آپ کو مع اہل وعیال و دوست واحباب کے نافرمانی الٰہی سے روکین اور شرع پر جو نہایت آسان راستہ ہی چلے چلین اور ضرور بالضرور اپنے ایمان و یقین کو ہر دم تازہ رکھین ورنہ جسوقت غفلت ہوگی شیطان اُن کو کافر بنا دیگا کہ جس سے اُنکو خود خبر نہ ہوگی اور شرک سے بالکل دور رہین اور اس کے بعد مین کہتا ہون کہ یہان جو بحث مذکور ہوئی اس مین خود خوض نکرین اسکو علماء پر چھوڑین ہان اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید کرنا ضرور ہی جیسے اسکے عذاب سے ڈرنا ضرور ہی۔ پھر واضح ہو کہ مؤلف نے لکھا کہ یہان جار اللہ محمود زمخشری نے کشاف مین اپنا معتزلہ ہونا خوب ظاہر کیا اور اُس سے آگے بڑھکر خندق مین گرا اور اُسکا مذہب بنزدیک معتزلہ کے یہ ہی کہ کبیرہ گناہ کرنے والے موحد دوزخ سے نہین نکالے جاوینگے چنانچہ اُن کے نزدیک جو دوزخ مین گیا وہ ہمیشہ اُسی مین رہیگا بنا برین اُس نے لکھا کہ تو اہل السنۃ کے اس قول سے دھوکا نہ کھانا کہ استثناء سے یہ مراد ہے کہ کبیرہ گناہ والے دوزخ سے نکالے جاوینگے کیونکہ اہل سعادت کے حکم مین بھی استثناء ہی وہ صاف ان لوگون کا جھوٹ وافتراء پکار کر ظاہر کرتا ہی اور تو ان لوگون سے بھلا کیا بھلائی کی اُمید رکھتا ہی جو قرآن کو چھوڑ دیتے ہین اچھے تو اسود کی روایت پر کہ اُسنے عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کی کہ لیاتین علی جہنم یوم تصفق فیہ ابوابہا لیس فیہا احد۔ اور مین تو کہتا ہون کہ عبداللہ بن عمرو کو اپنی دونون تلوارین لیکر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مقاتلہ کرنے سے اتنی فرصت کیون ملی جو انھون نے تمام زمانہ مین یہ حدیث پھیلائی۔ انتہی کلامہ مترجما۔ شیخ شوکانی رحمہ اللہ نے اس قول کو نقل کرکے کہا کہ اے مسکین تونے جو ہم پر طعن کیا کہ کبیرہ گناہ والے کے دوزخ سے نجات پانے کے قائل ہین تو یہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی اور آپ سے آپکے سارے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ سے ہم لوگون کو پہونچایا اور سنت مطہرہ کی کتابون مین جو ایمان واسلام کیواسطے خزائن جواہر بے بہا و بے مثل ہین ایک جماعت سے بدرجہ تواتر بطریق متواترہ نقل ہوا ہی پس تیری لیاقت کیا ہی جو تو ایسی قوم پر طعن کرتا ہے جو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عارف ہین اور طریقہ رسول وصحابہ کو اس قدر جانتے ہین کہ تو اُس سے جاہل ہی اور ایسی پیروی اُن کی راہ کی کرتے ہین کہ جس سے تو کوسون دور پڑا ہے اور یہ جو تونے وہم کیا کہ آیت مین دوسرا استثناء اہل سنت کی تکذیب کرتا ہی تو یہ تیرا وہم ہے اور دونون جگہ گنہگار مومنون کی مراد لینے مین کوئی نقصان و کچھ مانع نہین ہی پس دوسری استثناء مین یہ معنی ہین کہ بعضون کے خلود مین اسقدر دیر ہوگی کہ جبتک اُن کے گناہون کبیرہ وغیرہ کی وجہ سے اُن کو دوزخ مین عذاب اُٹھانا پڑے۔ اور یہ قول تو ایک جماعت علماء سلف کا ہی جنکا ذکر ہم نے اوپر بیان کردیا اور یہی حبر الامۃ حضرت ابن عباس کا قول ہی اور رہا وہ جو تونے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص پر طعن کیا حالانکہ وہ صحابہ مین بڑے عابد وزاہد اور سنت کے حافظ تھے تو اے بیچارے

محمود تجھے کچھ بھی شعور ہوا کہ تو کیا کرتا ہے اور کس جنگل مین بھٹکا چلا جاتا ہی اور کس کنوین مین گرا پڑا ہے اور بھلا تو اور تیری یہ لنگڑی ٹانگین اور لولے ہاتھ اور تیرا یہ اُچکنا کہ صحابہ رسول اللہ صلعم کہ بحکم صحابی کالنجوم الحدیث کے آسمان کے ستارے ہین وہان تک تو ہاتھ بڑھاتا ہی افسوس کہ تیری نحو ولغت کے طالبعلمون مین بھی کوئی نہ تھا جو تجھکو روکتا کہ جن علوم پاکیزہ و سنت مطہرہ مین تجھکو دخل ہی نہین ہی اُنمین تو کیون کلام کرتا ہے فیا للہ العجب اس علم الروایۃ و معرفۃ السنت سے جاہل ہونا بھی کس خراب فضیحت مین ڈالتا ہی بلکہ فضیحت اُٹھانے والا وہ شخص اپنے ہاتھون ہوگا جو اپنی کملی و جھونپڑی سے بڑھکر بادشاہی تخت و تاج کا خواب بیان کرے ۔ انتہی کلام الحافظ الشوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ مترجما ۔ مترجم کہتا ہی کہ مین نے اس مقام کو اس تفسیر مین کافی وضاحت سے نقل کیا تاکہ اہل اسلام اپنے علوم دینی کی طرف توجہ کرکے ضائع نہ کرین والتوفیق من اللہ سبحانہ وتعالیٰ اب مین آیت کی تفسیر موافق مختار شیخ سیوطی رح کے اول و موافق اکثر کے دوم اور موافق ایک جماعت کے جنکا مذہب جمہور ہی سوم نقل کرتا ہون اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ فاما الذین شقوا ففی النار لهم فیها زفیر وشهیق خالدین فیها ما دامت السموات والارض ۔ پس جو لوگ شقی ہوئے یعنی ازلی کافر ہوئے (بقول سیوطی)، یا انکے اعمال بد ہوئے جو مستوجب عذاب دوزخ ہین (بقول جمہور) تو وے آگ جہنم مین ہونگے انکے لئے اسمین زفیر و شہیق ہے درحالیکہ خلود دائمی مین رہین گے جب تک آسمان و زمین دنیا کا دوام ہے (بقول سیوطی)، یا ہمیشہ اسی مین رہین گے ابد تک ۔ (بقول جمہور) الا ما شاء ربک سوائے اسقدر مدت کے جو تیرا رب چاہے یعنی بے انتہا جسکی کوئی حد نہین کیونکہ اس آسمان و زمین کو دوام ابدی نہین اور کفار کو خلود ابدی ہی (بقول سیوطی) یا باستثناء ان گنہگار موحد لوگون کے جن کو اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ ہمیشہ نہ رہین گے بلکہ بعد مقدار عذاب کے نکال کر نہر الحیات مین غسل دیکر جنت مین داخل کئے جاوین گے (بقول جمہور) یا اس مقدار کہ تیرا رب چاہے تو جہنم فنا ہوگی اسمین نہ ہون گے اگرچہ عذاب ہی (بقول جمہور) ان ربک فعال لما یرید ۔ بیشک تیرا رب جو چاہے کرے ۔ اسکو کوئی مانع نہین اور کوئی بات اسپر فرض و واجب نہین اور کسی کا اُسپر حق نہین آتا ہے بلکہ وہ سب کا خالق مالک خود مختار ہی لیکن فضل الٰہی تو اہل دوزخ جواس سے نجات چاہین گے اگر چاہے انکی امید پوری کرے یا ان کو عذاب بڑھاوے جو چاہے کرے ۔ پھر اہل سعادت کا حال بیان فرمایا بقولہ ۔ وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا ۔ اور جو لوگ کہ مسعود ہوئے یعنی اللہ تعالیٰ کے علم مین اور یہ وہ لوگ ہین جو ایمان پر مرے اگرچہ پہلے اُن سے کفر وغیرہ گناہ صادر ہوئے ہون یعنی ابتدا مین اگر کوئی آدمی کافر ہو یا کسی گناہ مین مبتلا ہو لیکن ایک وقت سچے طور پر توبہ کرکے ایمان لاوے اور اسی ایمان پر مرے تو وہ سعید ہی ۔ یہان قرأت مین اختلاف ہی سمین نے کہا کہ حمزہ وکسائی وحفص نے بضم سین اور باقیون نے بالفتح پڑھا پس قرأۃ اولیٰ تو عرب کے اس محاورہ پر ہے کہ سعدہ اللہ اے اسعدہ ۔ فراء رح نے ہذیل سے حکایت کی کہ وے لوگ یون ہی بولتے ہین ولیکن سیبویہ نے کہا کہ سعد بضم سین نہین بولتے جیسے شقی مجہول نہین بولتے کیونکہ فعل متعدی نہین ہی ۔ نحاس نے کہا کہ مین نے علی بن سلیمان سے سُنا کہ وہ بضم سین قرأت پر تعجب کرتے اور کہتے کہ کسائی سے تعجب ہے کہ باوجود زبان عربی سے ماہر ہونے کے اسنے بالضم پڑھا حالانکہ یہ لحن غیر جائز ہے ۔ ازہری نے کہا کہ دونون صحیح ہین سعد بالفتح کا فاعل سعید ہوتا ہے اور سعد بالضم کا مسعود آتا ہے ۔ اقول بلا انکار مسعود معروف ہی اور یہ متولد نہین بلکہ خاص حجاز وعرب ہے پھر سعد بالضم جس سے مسعود آوے سیبویہ وغیرہ کا انکار کرنا خود عجیب ہی اور واضح ہو کہ سعدوا بالفتح قرأت پر معنی مین بجائے مسعود کے سعید سمجھنا چاہیے یعنی جو لوگ سعید ہوئے فَفِی الْجَنَّةِ ۔ وہ جنت مین ہین یعنی ہمیشہ کیونکہ جملہ اسمیہ سے استمرار پایا جاتا ہی پھر ہمیشگی پر تنصیص کردی بقولہ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۔ ہمیشہ اسی مین رہین گے مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۔ جبتک آسمان و زمین ہین یا اس لفظ سے بطریق محاورہ یہ معنی ہین کہ دائم ابد تک یا جبتک آخرت کی آسمان و زمین ہین جو انکے ہمیشہ کئے ہین گے ۔ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ ۔ الا اسقدر کہ اللہ تعالیٰ چاہے یا سوائے اسقدر زائد کے جو مشیت الٰہی مین ہی یعنی بے انتہا جسکا کبھی ختم نہین ہی جیسا کہ دوسری

آیات سے صریح معلوم ہوا اور خود یہان تنصیص فرمائی بقولہ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ۔ اے اعطوا اعطاءً غیر مقطوع لا نہایۃ لہ۔ دیئے گئے یہ بندے ایسی نعمت کہ کبھی منقطع نہ ہوگی۔ بیضاوی رح نے کہا کہ یہ تصریح ہو کہ ثواب کبھی منقطع نہ ہوگا۔ اور تنبیہ ہو کہ ثواب جو استثنا کیا بقولہ الا ما شاء ربک اس سے ظاہر مراد نہین کہ کبھی دوام مین انقطاع ہوگا کیونکہ آگے عطاءً غیر مجذوذ فرما دیا اور اسی وجہ سے ثواب و عقاب کے تابید مین فرق کر دیا۔ خفاجی نے کہا کہ بعض کو وہم ہوا کہ عذاب جہنم کبھی منقطع ہوگا اور ثواب جنت منقطع نہین ہوگا اور اسمین ایک حدیث عبداللہ بن عمرو سے وارد کی و ابن الجوزی نے کہا کہ وہ موضوع ہو اور اسی کے قریب زمخشری نے کہا ولیکن زمخشری نے ابن عمرو کے حق مین ایسی بات کہی جسکا ذکر کرنا لائق نہین ہو۔ مترجم کہتا ہو کہ خفاجی رح سے عجب ہو کہ زمخشری رح کا قول بھی روایات کی تضعیف و توثیق مین سند قرار دیا حالانکہ اسکو اس علم سے کوئی مناسبت ہی نہین ہو آیا تو نہین دیکھا کہ وہ تو صحیح متفق علیہ احادیث سے منکر ہو جاتا ہو اور رہا ابن الجوزی کا موضوع کہنا کچھ مضر نہین جبکہ مفصل معلوم ہو چکا کہ اسانید صحیح ہین لیکن یہ یاد رکھنا ضرور رہے کہ خلود کفار کی آیات قطعی ہین ان کے مقابلہ مین یہ نصوص جو محتمل تاویلات ہین معارضہ نہین کر سکتے ہین و لہذا قول جمہور امت کا مختار رہے اور یہ ہم نہین کہتے کہ اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت مین کیا ہو کیونکہ وہ فعال لما یرید ہے جو چاہے کرے اور یہی جمیع اہل السنت کا مذہب ہو پھر مشائخ صوفیہ کے اقوال بھی سننا چاہیئے **ف** عرائس مین ہے کہ قولہ تعالیٰ خالدین فیہا ما دامت السموات والارض الا ما شاء ربک۔ اللہ تعالیٰ کے کرم و لطف سے یہ امید کی جاوے کہ کفار جب حشر مین اٹھائے جاوین تو بلا حساب جہنم مین داخل کر دیئے جاوین پھر مومنون کا حشر ہو اور میزان کے اعمال محسوب ہون و زمین تبدیل کی جاوے و آسمان دوسرا بدلا جاوے یا درمیان سے دور کیا جاوے اور مومنون سے آسان حساب لیا جاوے اور حق تعالیٰ قادر ہو کہ ان سے ایک لحظہ مین حساب کرے پھر جب ان کو جنت مین داخل کرنا چاہے تو کافرون کو جہنم سے نکالکر بحر الحیوان مین داخل کرکے پھر مومنون کے ساتھ ان کو جنت مین لیجاوے کیونکہ اس نے وعدہ فرمایا کہ کفار جہنم مین اسوقت تک رہین گے کہ آسمان و زمین ہون پھر جب دونون زائل ہوئے تو حجت پوری ہوگئی اور یہ ایک بات ایسی ہو کہ امید کی جاوے ورنہ اہل السنت کا یہ مذہب نہین ہو ولیکن قولہ الا ما شاء ربک کے معنی یہ ہین کہ وہ کافر ایسا ہو کہ آخرت معاینہ کرنے سے ایک لمحہ پہلے ایمان لے آیا ہو اور کوئی اسکے ایمان سے مطلع نہ ہوا سوائے اللہ تعالیٰ کے تو اس صورت مین وہ بحر الحیوان سے نہا کر مومنون کے ساتھ ہوگا۔ **قال المترجم** یہ دونون اقوال نہایت عجیب ہین شاید صوفیہ و غیر صوفیہ بلکہ جمیع امت مین سے کسی کا قول مجھے اسکے موافق نہین ملا۔ اول قول کہ محشور ہو کر جہنم مین جاوین پھر مومنین محشور ہون تو واضح ہو کہ آیات سے ثابت ہو کہ کفار بد ہیأت و منبور و مقتور محشور ہونگے اور جملہ خلائق ایک میدان مین جمع ہوگی اور چنین و چنان قائع صریح منصوص و آیات مین مذکور ہین پھر اس قول کی کیا ہستی رہی اور دوم یہ کہا کہ کافرون کی نجات کی شرط یہ کہ لمحہ پہلے ایمان لایا ہو جس سے سوائے حق کے کوئی مطلع نہ ہو تو واضح ہو کہ جمہور امت کے نزدیک جو کوئی توبہ کے وقت تک توبہ کرے وہ ایسا ہو کہ جیسے مان کے پیٹ سے پیدا ہوا تو اسپر کوئی گناہ نہین اگرچہ فضائل اعمال سے اسکو درجہ نہ ملے مگر وہ ایک لمحہ بھی دوزخ مین عذاب نہ پاویگا اور رہا خیر یعنی عمل صالح نہونا بلکہ عصیان ہونا تو اہل توحید بھی بعوض گناہ کے عذاب پا کر جہنم سے ایک وقت پر نکالے جاوین گے پھر بحر الحیوان یا نہر الحیات سے غسل دیکر جنت مین جاوین گے جیسا کہ صحاح مین مصرح ہو اور رہا رحمت الٰہی کا بیان تو بیشک وہ ایک ایسی صفت ہو کہ بندہ اسکو کیا بیان کر سکے لیکن احادیث الرسول کے بیان سے جانا ہے حتیٰ کہ شیطان اس رحمت کی تمنا کریگا لیکن وہ قہار بھی ہے تو جامع صفات کمالیہ ہے سب کو خوف و رجا ہے ولیکن شیخ نے بعد اسکے لکھا کہ اللہ تعالیٰ عذاب کافرین سے مستغنی ہو جیسے طاعت مومنین سے مستغنی ہو اور اسکا کچھ نقصان نہین اگر تمام کافرون کو جنت مین داخل کر دے پس جب کرم فرمایا تو اولین و آخرین و مومنین و کافرین سب اسکے کرم سے فیضیاب ہون گے مگر جو اسنے

وعدۂ رحمت دیا ہے یا عذاب سے ڈرایا ہے انمین سچا ہے اور سب علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اقول بیشک وہ کفر و طاعت و عذاب و ثواب سب سے
مستغنی ہے ولیکن یہ غضب و رضا رہے اور یہ ہر ایک کے اعمال کا عوض ہر ایک کو ملا اسکو دونوں سے استغنا ہے جیسا کہ تمام اہل السنت کا قول
اور احادیث صحیحہ مین مصرح ہے بحمد اللہ تعالیٰ در رسول و صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم و جمہور اکابر اولیاء و ائمون کا قول اسطرح امید و بیم پر انکی
مخالفت کر کے نہین چھوڑا جاسکتا ہے اور شیخ محی الدین بن العربی کا یا کسی صوفی کا یہ قول نہین ہے کہ جہنم والے جنتی یا جنت والے جہنمی ہو جاوینگے
بلکہ شیخ ابن العربی نے اسکو صریح لکھا ہے جیسا کہ مین نے اوپر انکا قول ترجمہ کر دیا ولیکن شیخ رح نے جو قول لکھا وہ کسی کرام صوفیہ کے قول سے
متوافق نہین ہوتا والعلم عند اللہ تعالیٰ پھر لکھا کہ جو کچھ مین نے لکھا اسکی تائید مین ابو مجلز کا قول ہے کہ جہنم کافرون کی سزا ہے لیکن اللہ تعالیٰ چاہے تو عفو
کر دے اور جہنم مین نہ داخل کرے اور ابن مسعود رض نے کہا کہ یاتین علی جہنم زمان الخ جیسا کہ پہلے مذکور ہوا اور ایسے ہی شعبی کا وہی قول نقل کیا جو اوپر مذکور
ہو چکا اور کہا کہ تصدیق اسکی قولہ تعالیٰ ان ربک فعال لما یرید۔ وہ جو چاہے کرے اقول ان اقوال کے معنی و تاویلات سب اوپر مذکور ہوئین اور لکھا
کہ قولہ تعالیٰ واما الذین سعدوا ففی الجنۃ خالدین فیہا مادامت السموات والارض الا ما شاء ربک عطاء غیر مجذوذ یعنی جو لوگ ایسے ہین کہ ازل مین سعادت
کبریٰ سے سرفراز ہوئے وہ سرادق عرش کے نیچے مقاصیر معرفت مین ہین انکو دوام خلود ہے جبتک جنت کا آسمان و زمین قائم ہے آسمان اسکا
سرادق عظیم ہے اور زمین اسکی دُر کہ بیضا و مشک اذفر کی ہوگی یعنی جیسا کہ حدیث مین ہین کی نسبت وارد ہے الا ما شاء ربک یعنی عارفین و محبین و مشتاقین
کیلئے خاص مشیت کہ انوار جمال مین تا ابد داخل ہون اور قولہ عطاء غیر مجذوذ یعنی کبھی منقطع نہوگی اور اہل جنت کے فوائد کی نسبت کبھی فرمایا کہ لا مقطوعۃ
ولا ممنوعۃ۔ اقول تفسیر باشارت متوافق ظاہر ہے پھر شیخ نے اکابر مشائخ صوفیہ سے اقوال موافق جمہور امت کے نقل کیے اور خود شیخ کا قول ان
سب سے مخالف صریح ہے چنانچہ لکھا کہ ابن عطاء نے کہا کہ قولہ الا ما شاء ربک جو اہل جنت کیلئے ہے اسکے معنی یہ کہ سوائے خلود نعمت کے اور جو تیرا پروردگار
چاہے زائد نعمت کہ جسکی انتہا نہین اور وہ ادراک بشری سے باہر ہے اور اہل جہنم کے حق مین جو الا ما شاء ربک فرمایا اسکے یہ معنی کہ سوائے خلود
جہنم کے جو تیرا رب چاہے مزید عذاب سے جو طرح طرح کے انواع ہین۔ اقول دیکھو شیخ ابن عطاء رح کا قول بالکل علماء کے اقوال مین سے شیخ سیوطی
کے عقائد کے موافق ہے۔ فافہم۔ شیخ جنید رح نے کہا کہ شقی وہ ہے جو رحمت سے محروم ہوا اور سعید وہ ہے جسکو رحمت نصیب ہوا۔ اقول یہ تو صحیح ہے ولیکن
شیخ مؤلف رح نے شطح کے طور پر سب کو اہل سعادت کر دیا کیونکہ کوئی رحمت سے محروم نہین رکھا اور شاید کہ شیخ جنید رحمہ اللہ کی مراد خاص رحمت ہے۔ فافہم
واللہ اعلم۔ ابراہیم خواص رح نے فرمایا کہ شقی وہ ہے جس نے اپنی تدبیر پر اعتماد کیا اور قوت کا بھروسہ سمجھا اور سعید وہ شخص ہے جس نے اپنے کام کو
اپنے رب کے سپرد کیا اور سعید وہ ہے جو مقامات و طاعات چاہتا ہے انمین توفیق ازلی اسکی مساعدت کرے اور اسپر سہل کر دے اور شقی وہ مردہ
دل ہے کہ تجلی رب سے محروم ہو جب قیامت تک کے لوگون کیلئے سمجھانا اور عبرت کے لیے خصوصا اگلی قومون کے عبرت آمیز احوال بیان کیے جس سے
رسول اللہ صلعم نے انذار فرمایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کی طرف سے ایک اشارہ حکمت ازلیہ کیساتھ تسلی فرمائی اور اسکے ضمن مین استراء
و شک سے منع فرمایا اگرچہ رسول کریم افضل المرسلین کو اس مین کچھ شک نہ تھا۔

فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ۭ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ
سو تو نہ رہ دھوکے مین ان چیزون سے جنکو پوجتے ہین یہ لوگ کچھ نہین پوجتے مگر ویسا ہی جیسا پوجتے تھے اُن کے باپ دادے
مِّنْ قَبْلُ ۭ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا
اس سے پہلے اور ہم دینے والے ہین اُنکو اُنکا حصہ بن گھٹایا اور ہم نے دی تھی

مُوسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيهِ ط وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ

موسیٰ کو کتاب پھر اُسمین پھوٹ پڑ گئی اور اگر نہ ہوتا ایک لفظ کہ آگے نکل چکا تیرے رب سے

لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ط وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ۝ وَإِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ

تو فیصلہ ہو جاتا اُن میں اور اُن کو اسمین شبہہ ہے کہ جی نہیں ٹھہرا اور جتنے لوگ ہیں جب وقت آیا پورا دیگا رب تیرا اُن کو

أَعْمَالَهُمْ ط إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا

اُن کے کیے اسکو سب خبر ہے جو جو وہ کر رہے ہیں سو تو سیدھا چلا جا جیسا تجھکو حکم ہوا اور جنے توبہ کی تیرے ساتھ اور حد سے نہ بڑھو

إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝

وہ دیکھتا ہے جو تم کر رہے ہو

قولہ تعالیٰ فَلَا تَكُ یعنی تَکُن۔ حذف نون بسبب کثرت استعمال کے ہے اور کرخی نے کہا کہ جب نون کنارے پڑتا ہے تو تلفظ میں اس سے فقط ایک غنہ باقی رہتا ہے اسواسطے اُنھوں نے ایسے نون کو ساقط ہی کر دیا۔ فِي مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰؤُلَاءِ۔ اس چیز کی طرف سے جسکو یہ لوگ پوجتے ہیں تو کچھ شک میں مت ہو جیو۔ ہؤلاء سے اشارہ کفار قریش کیطرف ہے اولاً اور قیامت تک سب کی طرف جو سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی غیر کی بندگی کرتے ہیں اور بندگی خواہ اسطرح کہ صریح سجدہ کرتے ہوں یا اور وجہوں سے جو شرک ہیں جیسے کسی کو قادر مختار جاننا یا مثل اللہ تعالیٰ کے حکم کے بیچون و چرا کسی کا کہنا مان لینا کما فی قولہ تعالیٰ اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابا الآیۃ۔ اور قادر مختار جاننے کی یہ مثال کہ کسی کو سمجھنا کہ وہ اولاد یا روزی چاہے خوش ہو کر دیدے یا ناراض ہو کر بند کر دے اور واضح ہو کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی کام ہونیوالا ہو اور شیطان کو استراق السمع سے معلوم ہو گیا تو اُسنے اپنے ماننے والوں کو وسوسہ دیا کہ فلان بت یا میت سے مراد مانو شاید وہ راضی ہو تو تمہیں ملے تو اُسنے یونہی کیا اور وہ کام تو ہونیوالا تھا ہو گیا تو اُسکے اعتقاد میں یہی شرک جم گیا۔ الحاصل معنی یہ ہوئے کہ آنحضرت صلعم کو خطاب فرما کر دوسروں کو نصیحت کی کہ کبھی شک نہ لانا اس چیز کی طرف سے جسکو یہ لوگ قریش و عرب کے پوجتے ہیں یا قیامت تک کے کافر پوجنے والے ہیں اور شک اس بات کا کہ شاید یہ نفع یا ضرر انکو اسی باطل معبود سے پہونچا ہو ہرگز نہیں بلکہ وہ مقدر ہوگا اور یہ شک کرنا کہ ان لوگوں کی عاقلانہ تحقیق ہے جو معبود بناتے ہیں بلکہ محض جہالت و گمراہی ہے ان چیزوں کو کچھ بھی قدرت و تاثیر نہیں ہے بعض نے کہا کہ انکے معبودوں کے باطل ہونے میں کچھ شک نہ کرنا بعض نے کہا کہ ان لوگوں کے ایسے شرک و کفر کر کے شقی و بدانجام ہونے میں کچھ شک کرنا حق یہ کہ ایسے سب معنی کو کلام شامل ہے اور محصول یہ کہ ان لوگوں کی عبادت ان باطل معبودوں کی کسی تحقیق و تاثیر نفع و ضرر واقعی پر نہیں بلکہ محض جہالت و تقلید آبائی پر ہے۔ مَا يَعْبُدُونَ إِلَّا كَمَا يَعْبُدُ آبَاؤُهُم مِّن قَبْلُ۔ مترجم نے لکھا یعنی ان لوگوں کے پاس کوئی قطعی حجت ان معبودوں کی عبادت میں نہیں ہے مگر یہ جہالت کہ ہم تو وہی کرینگے جو ہمارے اگلے باپ دادے کرتے چلے آئے یا یہ معنی کہ اُن کا پوجنا بتوں وغیرہ کو ویسا ہی ہے جیسے اُن کے اگلے باپ دادے پوجتے تھے۔ قال الحافظ رح یعنی تجھکو کچھ شک مت ہو کہ جو مشرک پوجتے ہیں محض باطل ہے کیونکہ ان کے پاس کوئی حجت ان کے خالق کی طرف سے نہیں ہے سوائے اس جہالت کے کہ اپنے باپ دادوں کی پیروی کیے جاتے ہیں وَإِنَّا لَمُوَفُّوهُمْ نَصِيبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوصٍ۔ اور ہم ان کو پوری جزا دینگے اس بدلے میں کچھ کمی نہ کریں گے اور اگر کوئی نیکی ہوگی تو اسکو دنیا ہی میں دیدیں گے۔ الثوری عن جابر عن مجاہد عن ابن عباس کہا کہ جو کچھ ان کو بھلائی و برائی کا وعدہ دیا ہے ہم پورا بغیر کمی کے دیدینگے۔ ابن زید رح نے کہا کہ پورا عذاب دینگے اور بعض نے کہا کہ جو انکا حصہ ازل میں مقدر ہو چکا ہے ہم ان کو پورا دیدینگے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ مشرک کافر خالی اپنی بد اعتقادی سے یہ سمجھتا ہے کہ بت یا میت نے ایسا کر دیا ورنہ جو مقدر نہیں وہ ہرگز نہیں ملتا ہے ورنہ ہر مشرک بادشاہ

ہوجاتا اور جو مقدر ہی ضرور پہونچتا ہے یہ جہالت سے شرک پر اعتقاد کرتا ہے۔ پھر جو لوگ حکم خالق سے خلاف کرکے دوسرے احکام پر چلے خواہ اپنی رائے پر یا کسی دوسری مخلوق کی رائے پر اور مشرک ہوکر مستوجب عذاب ہوئے انکا حال فرمایا بقولہ۔ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ اور بیشک ہم نے عطا فرمائی یعنی کمال فضل سے اُس زمانہ والون کی ہدایت وسعادت کیلئے کتاب یعنی توریت۔ فَاخْتُلِفَ فِيهِ۔ پس اسمین پھوٹ ڈالی گئی بعضے اسپر ایمان لائے اور بعضے کثرت معجزات اور رشد کامل دیکھکر ایمان نہ لائے۔ اور بعضون نے تھوڑے احکام مانے اور تھوڑے نہ مانے اور کسی کے معنی بگاڑے اور آخر مین پڑھے لکھے خود حاکم بن گئے۔ جو چاہا حکم دیا اور جس سے چاہا منع کیا اور جب چاہا منع کیا اور جب چاہا جائز کیا اور عوام لوگ ایمان سے جاہل ہوکر انہین کی گویا بندگی کرنے لگے پس اسمین آنحضرت صلعم کو بھی تسلی ہے کہ اگر قرآن پاک کے ساتھ یہی برتاؤ ہو تو پہلے توریت کیساتھ ہوچکا اور اسمین اشارات قیامت تک قائم رہنے اور اسلام مین ایک فرقہ نے اسی واسطے نہایت کوشش کی کہ وہی طور وطریقہ مضبوط پکڑے رہین بعد کامل تلاش کے جسپر آنحضرت صلعم وصحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم قائم تھے تاکہ کوئی اختلاف نہو کیونکہ یہ غضب الٰہی ہی لہذا فرمایا۔ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ۔ ابن جریرؒ نے کہا یعنی اگر حکم ازلی مین یہ نہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے عام کرم سے بندون کیلئے ایک میعاد مقرر کردی ہے کہ اس مدت تک تاخیر ہوتے تو ابھی ان مین فیصلہ کردیا جاتا۔ مراد یہ کہ رحمت سابقہ سے ایک وقت تک باقی ہوئی ورنہ ابھی شرارت کرنے والے ماخوذ ہوتے۔ اور بعض نے کہا کہ قوم موسیٰ پر توریت مین قرآن پر ایمان کا حکم تھا بعض نے مانا اور بعض نے اختلاف کیا تو اگر میعاد مہلت نہ ہوتی تو ابھی فیصلہ کیا جاتا۔ وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مُرِيبٍ۔ اور وے اس کتاب کی طرف سے یعنی توریت سے یا قرآن سے ایسے شک مین پڑے ہین جو انکو ریب مین ڈالنے والا ہے۔ فائدہ تاکید یہ ہی کہ وسوسہ قبول کرنا شیطان کی طرف سے ان کے شک کا موجب ہی جو عذر مقبول نہین کیونکہ حق تعالیٰ کی یاد سے قلب کو منور کرنا اور اوہام وظنون شیطانی سے محفوظ رکھنا واجب تھا پھر اس شک کا فرون نے کفر کیا اور ظنون مین منہمک ہلاک ہوئے یعنی خیالی وہم پر بتون وغیرہ کو پوجنا اختیار کیا۔ کما قال تعالیٰ وان ہم الا یظنون۔ اور منافقون نے اپنا مال خرچ کرنا اور طاعت کی مشقت سے جھٹ کیا کہ شاید دین کے پیرایہ مین برباد ہوا اور دنیا ہاتھ سے جاتے اور اللہ تعالیٰ نے بقولہ ام یخافون ان یحیف اللہ علیہم الآیۃ سے انکو تنبیہ کی الغرض بشمار اقسام متوہمین ومشکوکین کی برآمد ہوئے جو تنبیہ سے بھاگے اور کیچڑ مین پھنسے صرف ایک فرقہ اہل صدق وایمان کا باقی رہا پس وہ ہر وقت اپنے قلب کو شک ووساوس شیطانی سے محفوظ رکھتا ہی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جملہ فرقون کو ایک جملہ مین گھیر دیا بقولہ وَإِنَّ كُلًّا لَمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ۔ تفسیر بیضاوی مین ہی کہ قراء سبعہ مین سے ابن کثیر ونافع وابو بکر نے حرف اِنَّ کو تخفیف پڑھا یعنی نون کو تشدید نہین دی مگر باوجود اسکے کلّا کو اسکے عمل سے نصب دیا حالانکہ اِنَّ بتشدید تو اسم مین نصب کرتا ہی اور جب اسکو مخففہ کرتے ہین تو عمل نہین کرتا اسکی وجہ یہ ہی کہ اِن مخفف کو اصل تشدید کے اعتبار سے عامل ٹھہرایا اور حاصل یہ کہ وہان کے لحاظ سے وہ اِنَّ مشدد ہی لیکن پڑھنے مین آسانی وسلامت کی راہ سے مخفف کرلیا اور باقیون نے اسکو اپنی اصل پر مشدد پڑھا بالجملہ کلّا سب کی قراءۃ مین منصوب ہی اور حرف اِن ہر سہ ائمہ قراءۃ کے نزدیک مخفف اور باقیون کے نزدیک مشدد ہی اور معنی بالاتفاق ایک ہین اور کہا کہ کُلًّا کی تنوین بعوض مضاف الیہ کے ہی یعنی ان کل الذین اختلفوا من المومنین والکافرین یا ان کل الفریقین۔ یا۔ ان کل المختلفین الکافرین والمومنین یعنی بیشک ہر دو فرقہ اختلاف کرنے والے مومنین وکافرین۔ اور لکھا کہ لمّا کو ابن عامر وعاصم وحمزہ نے بتشدید میم پڑھا اور باقیون نے بتخفیف پڑھا تو اس صورت مین اس حرف کے معنی مین فرق ہوا اگرچہ مجموعہ کلام کے معنی مین حاصل واحد ہی پس جبکہ لما بتخفیف لیا جاوے تو یہ حرف لام وما سے مرکب ہی اور لام تو قسم کا موطئہ

وما زائدہ ہے اور لیوفینہم کا لام واسطے تاکید کے ہے یا قسم کا لام لیوفینہم کا ہوا اور لما کا لام تاکید ہوا اور ما کا زائد کرنا اسی فائدہ کیلئے ہے کہ دو نون لامون مین فصل ہو جاوے پس معنی یہ ہوئے کہ بالتحقیق ہر ایک کو دونون فریق مین سے البتہ بھرپور دیدیگا انکو تیرا رب انکے اعمال یعنی انکے اعمال کا ثواب یا عذاب۔ اور حاصل یہ کہ ہر آدمی کو جیسے وہ اعمال کرتا رہا ہے پروردگار اسکے اعمال کا پورا بدلا دیدیگا۔ اب دوسری قراۃ لمّا بتشدید کو لکھا کہ وہ اصل مین لمن ما تھا تو نون کو میم سے بدل کر میم مین ادغام کر دیا لیکن تین میم جمع ہو گئے تو پہلا میم حذف کر دیا پس لما ہو گیا اور اس صورت مین موصولہ ہے اور معنی اسکے لمن الذین لیوفینہم ربک جزاء اعمالہم یعنی بالتحقیق ہر گروہ البتہ ان مین سے ہے کہ جن کو انکا پروردگار انکے کامون کا بدلا پورا دیدیگا حاصل یہ کہ اختلاف پھوٹ ڈالنے والے لوگ اور توحید و طاعت پر قائم رہنے والے لوگ ہر ایک کو پروردگار انکے کامون کا ثواب یا عذاب جس لائق ہون گے پورا دیدیگا کچھ کمی نہ کی جائے گی یعنی ایسے طور پر ان کو عوض نہ دیا جائیگا جسمین انکا نقصان و خسارہ ہووے اور بیضاوی نے لکھا کہ شاذ قراۃ مین لمًّا تنوین پڑھا گیا تو لمّ کے معنی جمیع ہین جیسے قولہ تعالے وتاکلون التراث اکلا لما۔ اور اس صورت مین لما تاکید کلا ہے یعنی کلہم اجمعین پس خلاصہ معنی یہ کہ بیشک کل سب کو الی آخرہ اور لکھا کہ دوسری شاذ قراۃ مین ان کل لما۔ آیا یعنی ان بجزم نون بمعنی نفی اور کل مبتدا اور لما بتشدید میم بمعنی الا ہے اور معنی یہ کہ نہین کوئی فریق مگر انکو بھرپور دیدیگا انکا رب انکے کامونکا بدلا۔ انتہی مترجما موضحا۔ اور مؤلف فتح البیان نے لکھا کہ یہان لفظان و کلا و لما مین اقوال متخالفہ ہین مترجم کہتا ہے بلکہ یون کہو کہ قراۃ متعدد ہین پھر مؤلف نے یہ قراتین بیان کر کے لکھا کہ لما خفیفہ یا ثقیلہ آیا بمعنی الا یعنی حرف استثنا ہے یا بمعنی لا یعنی حرف نفی ہے اور لکھا کہ ان اقوال مین سب سے بہتر یہ ہے کہ لما بمعنی الا حرف استثنا ہے اور ایسا ہی خلیل و سیبویہ سے روایت ہے اور اسی کو زجاج نے ترجیح دی ہے اور حضرت ابی بن کعب کی قراۃ مین بھی ان کلا الا لیوفینہم آیا ہے مترجم کہتا ہے کہ مؤلف مذکور نے یہ نہین لکھا کہ لما بمعنی الا کس قراۃ پر مرجح ہے کیونکہ ان حرف تحقیق کی صورت مین الا کے معنی ظاہر نہین ہوتے تو ترجیح کا کیا ذکر ہے اور اگر ان نافیہ کی صورت مین کہا تو بیضاوی رح نے اسی معنی پر جزم کیا ہے کیونکہ لا نافیہ کے معنی نہین بنتے ہین ترجیح کیونکر مقصود ہو علاوہ ازین یہ قراۃ شاذہ ہے اور مجھے ظاہر نہ ہوا کہ لما بمعنی لا کے (نافیہ ۱۲) تفسیر کس نے لکھی ہے پھر جو حضرت ابی رض کی قراۃ لکھی اسمین ان حرف تحقیق اور کلا منصوب نقل کیا اور مترجم کو اسکے معنی کے ظہور مین تامل ہے تو راجح ہونے کا کیا ذکر ہے اور میرے نزدیک یہ سہو ہے اور صحیح ان نافیہ و کل برفع ہے جیسا کہ بیضاوی و سمین وغیرہ کے کلام سے ظاہر ہے چنانچہ سمین رح نے کہا کہ بعض نے ان و لما دونون کو مخفف پڑھا اور بعض نے ان مخففہ اور لما مثقلہ پڑھا اور بعض نے دونون کو مشدد پڑھا اور بعض نے ان مشددہ اور لما مخففہ پڑھا پس یہ چار قراتین اور چارون سبعیہ متواترہ ہین اور کہا کہ ان مین سے چوتھی قراۃ تو خوب صحیح المعنی ہے اور لکھا کہ شاذ قرات مین ان کل آیا یعنی ان کا نون بجزم اور کل کو رفع اور لما کو تشدید اور یہی حسن بصری کی قراۃ ہے پس ان نافیہ ہے اور لما بمعنی الا ہے انتہی مترجما ملخصا۔ اور بیضاوی رح نے کہا کہ شاذ قراۃ مین ان کل الا لیوفینہم آیا ہے اور قول یہی حضرت ابی رض کی قراۃ ہے اور میرا خیال ہے کہ یہی حضرت حسن بصری کی قراۃ ہے یعنی بحرف الا استثنائیہ نہ بحرف لما جیسا کہ سمین رح نے زعم کیا واللہ تعالی اعلم۔ مترجم کہتا ہے کہ قراۃ قرآنیہ ثواب ہین اسواسطے مین نے مفصل لکھا اور تاکہ طلبہ و واقفان زبان کو آسانی ہو ورنہ محصول سب قراتون متواترہ بلکہ شاذہ کا بھی واحد ہے اور وہ یہ ہے کہ جو کوئی جیسے اعمال کریگا وہ شیطانی وسوسہ پر یہ شک نہ کرے کہ اسکی نیکیان ضائع ہونگی کیونکہ مراد بھرپور سے یہی ہے کہ اسکا خسارہ نہ کیا جائیگا اور یہ نہین ہے کہ عذاب اسکو خواہ مخواہ ضرور دیا جائیگا اور یہ بھی شک نہ کرے کہ کون جانتا ہے کہ عمر بھر مین خفیہ و ظاہر کیا ہوا کیونکہ جسنے مخلوق فرمایا اسکا علم ہر رگ و ریشہ کو محیط ہے لہذا فرمایا۔ انّہ بما یعملون خبیر۔ بیشک اللہ تعالے

خوب آگاہ ہے اُس سے جو تم کیا کرتے ہو۔ پس ایمان و طاعت والوں میں نیت کے خالص و سچے سب کو جانتا ہے اور کافر و مشرک
و منافق سب کے حال سے واقف ہے تو ہر ایک کو اُسکا پورا بدلا ملیگا واضح ہو کہ اول کلام میں آنحضرت صلعم کو خطاب فرمایا تھا کیونکہ وہ
آپ ہی کے لائق مضمون تھا اور یہان خود عمل کرنیوالوں کو خطاب کر دیا جس سے بدکار سخت خوف کریں اور نیکوکار اپنے رب کے حضور میں
جان نثاری میں سرگرم ہون پھر آنحضرت صلعم کو خطاب کرکے امت مرحومہ کو تاکید فرمائی بقولہ۔ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ پس تو استقامت کر
جیسا تجھے حکم دیا گیا یعنی جس چیز کا تجھے جسطرح حکم ہوا ہے تو اسی طرح اسپر ٹھیک مستقیم رہ ۔ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ ۔ اور ہر وہ بندہ بھی مستقیم
رہے جسنے تیرے ساتھ توبہ کی یعنی مخالفت الٰہی تعالیٰ سے توبہ کرکے اسی کی طرف رجوع کیا ہے بعض نے کہا کہ اسمیں لطیف اشارت ہے کہ جیسا
حکم ہوا اس سے آنحضرت صلعم کا علم بوحی ہر طرح کی سمجھ کے ساتھ تھا اور مومنین کو یہ فہم آنحضرت صلعم کی اتباع میں ٹھیک حاصل ہوگی لہذا
اہل السنت نے تمام فہم حق کہ کتاب الٰہی کی سمجھ بالکل آنحضرت صلعم کے طریقۂ شریف سے حاصل کرکے اپنی نجات کا وسیلہ ڈھونڈھا بخلاف
معتزلہ وغیرہ بدعتی فرقہائے اسلام کے کہ وے طریقۂ سنت سے منحرف ہوگئے اور گمراہ ہوئے اور جو اشارہ بیان ہوا وہ اسطرح ظاہر
ہے کہ یون نہین فرمایا کہ فاستقم انت ومن تاب معک کما امرتم حالانکہ طاعات وغیرہ احکام مومنون پر بھی بحکم الٰہی لازم ہین ۔
شیخ امام عماد ابن کثیر رح نے کہا کہ اس آیت میں اپنے رسول علیہ السلام و مومنون کو حکم دیا کہ استقامت پر ثابت قدم رہین ۔ سراج مین کہا
کہ یہ بطور تاکید کے ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برابر استقامت پر قائم تھے تو تاکید کی کہ ہمیشہ قائم رہنا یعنی جیسے نماز مین دعا کے
اہدنا الصراط المستقیم کے یہی معنی کہ ہمکو صراط مستقیم پر قائم و ثابت رکھ جیسے فرمایا ۔ یومنون بالغیب یعنی ایمان پر ثابت قدم رہتے ہین اور
جیسے کہتے ہین کہ قم حتی آتی ۔ کھڑا ہو جبتک مین آؤن یعنی کھڑا رہ کیونکہ وہ تو کھڑا تھا اور یہ تمہید ہے من تاب یعنی مومنون کیلئے استقامت
کے حکم کی یعنی جو تیرے ساتھ ایمان لایا ہر ایک دین الٰہی و طاعت پر اسطرح مستقیم رہے جیسا تجھے حکم دیا گیا یعنی تجھ سے اُنھون نے سیکھا
اقوال یہی معنی ہین کہ رسول صلعم کی اطاعت کرنا عین اطاعت الٰہی ہے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا صلوا کما رأیتمونی اصلی یعنی ویسی ہی نماز
پڑھا کرو جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا اور لکھا کہ حضرت امیر المومنین عمر ابن الخطاب رض نے فرمایا کہ استقامت حقیقت مین یہ ہے کہ تو ٹھیک
جم جاوے ایسے کام کرنے پر جسکا تجھے حکم دیا گیا اور ایسی بدی نہ کرنے پر جس سے تجھکو منع کیا گیا اور تیری یہ حالت نہو کہ لومڑی کی طرح حیلہ
ڈھونڈھے اقول جب دنیا سے منہ موڑ کر آخرت کو برحق جانتا ہے اور نفس اسکا نہایت وسواس سے محبت الٰہی مین منور اور روزہ اخلاص
سے مطمئن ہو جاتا اور فانی خواہشون سے بے رغبت ہو جاتا ہے تو پھر کوئی حیلہ نہین کرتا اور مستقیم ہو جاتا ہے تو حضرت امیر المومنین نے
خالص نیت سے سنت کی پیروی کاملہ کا اشارہ کیا ہے۔ اور یہ استقامت جبکہ پہلے نفس و شیطان کی مخالفت کرنے اور ہوا و ہوس کی چیزین چھوڑنے
کے بعد حاصل ہوتی ہے لہذا آدمی پر شاق ہوتی ہے اگرچہ پیچھے اسکو استقامت کی نعمت سے وہ کچھ حاصل ہو جو کبھی کسی کے خیال مین نہین
آسکتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم ۔ چونکہ اس آیت مین امت پر استقامت کا حکم ہے اور یہ امر دشوار ہے الا ضعیفون سے اُنکی امید کم ہے سوائے
مردان حق و شیران الٰہی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین و ان کے تابعین کے تو باقیون کی حالت پر آنحضرت صلعم نے شفقت فرمائی اور
کمال ترحم سے انکی حالت گران گزری چنانچہ ابن عباس رض سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم پر اس آیت سے زیادہ سخت و شاق کوئی آیت نہین اتری
اور سراج مین لکھا کہ بعض اکابر سے روایت ہے کہ مین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب مین دیکھا اور کہا کہ میرے ماں باپ فدا ہون
آپ پر حدیث روایت کی جاتی ہے کہ آپنے فرمایا شیبتنی ہود یعنی مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا تو فرمایا کہ ہاں صحیح ہے مین نے عرض کیا کہ

کس آیت سے آپنے ایسا فرمایا ہی تو فرمایا کہ قولہ تعالیٰ فاستقم کما اُمرت سے۔ واضح ہو کہ یہ حدیث صحاح وسنن مین صحیح الاسناد مروی ہی حسن
بصری رح سے مروی ہی کہ جب یہ آیت اُتری تو آپنے لوگون کو فرمایا کہ شمروا شمروا۔ یعنی دامن ہمیشہ کو کمر باندھکر مضبوط آمادہ ہو جاؤ پھر اسکے بعد
آپکو کبھی ہنستے نہین دیکھا گیا۔ ابوالسعود رح نے کہا کہ یہ حکم تمام اصلی و فرعی احکام و اعتقادی و عملی کمالات کو جامع ہے اور اسکو پورا ادا کرنا
بہت دشوار ہی یعنی جیسا حکم فرمایا ہی اس استقامت کو البتہ باکمال نفوس مثل صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ادا کر سکتے ہین اسیواسطے آنحضرت
صلعم نے فرمایا کہ شیبتنی ہود۔ سفیان بن عبداللہ الثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہی کہ مین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے اسلام مین ایسی بات بتلا دیجیے کہ
آپکے بعد کسی سے مجھے پوچھنے کی حاجت نہو تو فرمایا۔ قل آمنت باللہ ثم استقم یعنی کہہ ایمان لایا مین اللہ تعالیٰ پر پھر استقامت اختیار کر رواہ مسلم
فی صحیحہ۔ البتہ نہایت جامع کلمہ فرمادیا بیضاوی مین ہے کہ استقامت عقائد و اعمال دونون کو شامل ہی چنانچہ عقیدہ مین تشبیہ نہ کرے یعنی
ایسا اعتقاد نہ رکھے کہ حضرت خالق عزوجل کی مشابہت کسی مخلوق سے لازم آوے اور نہ تعطیل کا قائل ہو یعنی فلاسفہ وغیرہ کے مانند یہ
اعتقاد نہین صحیح ہی کہ اللہ تعالیٰ بالکل معطل ہی نعوذ باللہ منہ اور اعمال مین افراط و تفریط نہ کرے اسیواسطے فرمایا۔ وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ۔
اور جو حد مقرر کردی گئی اُس سے تجاوز مت کرو۔ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ۔ بیشک جو تم کرتے ہو وہ خوب دیکھتا ہے یعنی پوری استقامت
کروگے تو ثواب پورا اور اس سے کہین زیادہ اپنے فضل سے عطا فرماویگا اور اگر سرکشی کروگے تو تم کو چھپانا مفید نہ ہوگا بلکہ ہر ذرہ ذرہ اسکو معلوم
ہے سب کا بدلا ہی مگر آنکہ استغفار کرو۔ واضح ہو کہ اس آیت کریمہ کی تفسیر گویا تمام اعتقادات و اعمال کی پوری شرح ہی جسکے بیان کی
گنجائش نہین لیکن ایسی تلخیص سے چند ضروری باتین سمجھو کہ واجب معلوم ہوئین ہین کہ جانے بغیر آدمی اس مقام کی تفسیر سے فائدہ مند
نہ ہوگا بلکہ برعکس خیال مین پڑیگا اور اگر سمجھکر ان فوائد سے ہوشیار ہو تو امید ہی کہ دین مین بصارت حاصل ہوگی وانما التوفیق من اللہ عزوجل
واضح ہو کہ بالاتفاق علماء کے نزدیک صحیح ہو کہ ایمان کا اعتقاد ہر شخص پر اپنے یقین کے ساتھ فرض ہی مثلاً خوب یقین کرلے کہ ہمارا خالق و
معبود جس نے ہم کو پیدا کیا ہے اور اسی کی بندگی ہم پر فرض ہی وہ وحدہ لاشریک ہی اور جو کچھ اسکے سوائے موجود ہو یا خیال مین آوے سب اسکی
مخلوق ہی وہ اپنی مخلوق سے نرالا ہی اسکے مثل کوئی چیز نہین ہی اور اہل حق سب کا اجماع ہی کہ وہ سمیع سننے والا بصیر دیکھنے والا خبیر آگاہ علیم
و رزاق و ارادہ کرنے والا اور ایسی بہت صفات ہین ان سب سے موصوف ہی لیکن یہ نہین کہ جیسے مخلوق دیکھتی ہی ویسے ہی دیکھتا ہی مثلاً سمجھو
کہ ہم اس آنکھ سے دیکھتے ہین کہ اگر اسپر ایک تل رکھدو یا اندھیرا کردو تو کچھ نظر نہ آوے پھر ہم کو اس کا غلاف نہ نظر نہین آتی نہ دوسرا رخ اور
نہ اسکے ریزہ اور اللہ تعالیٰ سب کو یکسان دیکھتا اور زمین کی تہ اور ذرہ ذرہ چیونٹی سے بھی حقیر چیز رات دن سب اسکے نزدیک یکسان ہین
اسکو سمجھو تو جانوگے کہ ہمارے دیکھنے کو اُس سے کچھ مشابہت نہین ہی ایسے ہی اسکی ذات و صفات سب پر خود یقین کرے اور یہ نہین کہ
فلان عالم کہتا تھا ہم بھی وہی کہتے ہین اور دل مین کچھ یقین نہین آیا تو یہ ایمان نہین ہی اسی طرح جب یقین کرلیا کہ وہی جو چاہتا ہے
وہ ہوتا ہے تو کبھی اسکو شک ہوگا کہ اگر فلان شخص میری مدد کرتا تو یہ کام پورا ہو جاتا افسوس مجھسے یہ تدبیر رہ گئی بلکہ جان لیگا کہ اگر
اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو مجھسے یہ بھی ہوتا الغرض جب یہ یقین کریگا تو استقامت پر ہو جائیگا اور کسی دوسری مخلوق کو قدرت والا
نہین جانے گا اگرچہ اس دنیا مین بندگی پوری ہونے کو اسباب ایسے پیدا فرمادیئے ہین کہ آدمی تدبیر و مدد وغیرہ کو دیکھکر پھسل جاتا ہی اور
اسکو استقامت نہین رہتی حالانکہ دیکھو صحابہ رضی اللہ عنہم سب کام تدبیر کے ساتھ کرتے تھے پھر بھی اُن کی نظر کو استقامت تھی اور حدیث مین
صریح منع فرمایا کہ کاش و اگر کا دروازہ کھول کر شیطان کو قابو مت دو یعنی مت کہو کہ کاش اس کام کے لئے یون کرتے تو ہو جاتا یا اگر ایسا ہوتا

توبھی کو مقصد حاصل ہو جاتا کیونکہ یہ تو جب ہوتا کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو استقامت اعتقاد میں اسی طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین کرے جس طرح اہل السنت کا عقیدہ ہے اور خالق رازق وغیرہ جسقدر صفات الٰہی ہیں سب کا یقین کر لے پھر اسپر مستقیم رہے اور ظاہری تدبیر و اسباب کو دیکھکر نظر کو لغزش نہ ہونے دے اور اسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ کوئی تدبیر نہ کرے کیونکہ یہ جان چکا کہ یہاں امتحان کیلئے اسی طرح خالق عز وجل نے پیدا فرمایا ہے تو اُسنے حکمت الٰہیہ سے مخالفت کر کے اپنے آپکو سخت امتحان میں ڈالا مثلاً جاہلوں کی طرح زعم کیا کہ میں اس عالم میں امتحانی طریقہ الٰہی پر نہیں چلتا اور ضروری روزینہ کیلئے کمائی نہ کرونگا بلکہ جو میرا رزق مقدر ہے مجھے حسب وعدہ ملجائیگا تو اس جاہل نے اپنے آپ کو ایک اور امتحان میں پھنسایا کہ وہ مذکورہ بالا سے بھی زیادہ سخت ہے کیونکہ اسکو یہ کیا معلوم ہے کہ میرے واسطے کیا مقدر ہوا ہے پھر اُسنے یہ کہاں سے جانا کہ مجھے خواہ مخواہ رزق ہی پہونچے گا شاید یہ مقدر ہو کہ فلاں شخص جب کمائی نہ کرے تو استنے دن بھوکا رہ کر مر جاوے یا یہ مقدر ہو کہ اسکو ہر قسم میں ایک سبب لا کرنے اور ایسی صورت میں نفس و شیطان نے وسوسہ ڈالا کہ یہ بات کیونکر ہے اگر رزق مقدر ہوتا تو مجھے ملتا اور آخر کار کافر ہو کر دونوں جہان سے خوار ہوا اور پہلے تو یہی تھا کہ کام کر کے جو ملے اسکو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق جانتا اور اب اُسنے جہالت اختیار کی ولیکن ہر کمائی کو شرع نے بتلا دیا ہے اگر حرام طریقہ اختیار کیا یا ظالموں کے یہاں کفر و شرک و ظلم و جور کی باتوں میں ہاں ہاں کرتا رہا تو یہ کمائی گناہ و معصیت ہے۔ بالجملہ یہاں مقصود یہ ہے کہ اعتقاد میں یہی متوسط طریقہ اختیار کرے جو اہل السنت کا مذہب ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو صفات اپنی پاک ذات کیواسطے فرمائے ہیں سب پر ایمان لاوے اور گمراہوں کی طرح اسمیں قیاس نہ دوڑائے کہ بصیر کیسے ہو سکتا ہے اسکی آنکھیں کہاں ہیں یا ہوگا تو اسکی آنکھیں ضرور ہونگی نعوذ باللہ تعالیٰ کیونکہ اسکی شان کو مخلوق پر قیاس کرنا کبھی جائز نہیں ہے وہ ہر خیال و قیاس و گمان و وہم سے پاک ہے اسیواسطے بیضاوی رحمہ اللہ نے اسی آیت سے استدلال کیا کہ جہاں نص موجود ہے وہاں کوئی قیاس و استحسان نہیں جائز ہے یعنی کما اُمرت فرمایا تو وہی کیا جائیگا جو حکم ہو وہاں اپنے قیاس کو دخل دینا حرام و کفر ہے ایسے ہی تمام اعمال میں ٹھیک یہی طریقہ اختیار کیا جاوے جو منصوص ہے یا شرع نے اسکا طریقہ بتلایا ہے کوئی نئی بات نہیں نکالی جائیگی اگرچہ اسکو اپنے قیاس پر اچھا سمجھے اور علی ہذا نفس کشی کا ایسا طریقہ نہیں نکالا جائیگا جس سے نماز روزے سے بیکار ہو جاوے جیسے چلہ میں بیٹھکر بعضے آدمی مثل مردہ کے باہر نکالے جاتے ہیں کیونکہ طغیان ہے اور صریح فرمایا کہ لا تطغوا الخ۔ اسمیں حد سے بڑھنا نہیں جائز ہے اسیواسطے رہبانیت کو اسلام میں حرام فرمایا اور کہا کہ میری اُمت کیلئے رہبانیت جہاد ہے کیونکہ سچی نیت سے جہاد والا اپنی جان سے منقطع ہو جاتا ہے تو کسی چیز کی محبت اسکو کب ہوگی اور دیگر احادیث صحیحہ میں نفس کا حق اور جورو کا حق اور مہمان کا حق وغیرہ واجب فرمائے تو ایسی عبادت کرنا کہ جورو کی بالکل خواہش نہ رہے طغیان ہے اسیواسطے ایک جماعت صحابہ کو جنھوں نے ہمیشہ روزہ رکھنا و کبھی سونا وغیرہ باتیں بخوف عذاب جہنم و بحصول رضائے الٰہی کرنی چاہی تھیں سخت منع کیا اور کہا کہ میں تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتا ہوں اور اس سے خوف رکھتا ہوں پھر میں یہ سب باتیں کرتا ہوں تو کیا تمکو میری پیروی نہیں کرنی ہے اور یہ خوفناک دھمکی ہے کیونکہ بغیر آپکی پیروی کے دین کی سمجھ نہیں آسکتی جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے حبیب پاک رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف طریقہ اختیار کریگا ضرور جہنمی ہے۔ سراج میں کہا کہ افراط اسیواسطے منع ہے کہ شرع میں جو امر و نہی وارد ہے وہ بندوں کی تہذیب کے لئے ہے کہ آخرت میں جنت کے لائق عالم منور ہوں ورنہ اُس کو کچھ حاجت نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و شان کے لائق عبادت ادا ہونا ممکن نہیں ہے تو دین کو اپنے اوپر سخت نہ کرنا چاہیئے چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان الدین یسر ولن یشاد الدین احد الا غلبہ فسددوا وقاربوا و یسروا واستعینوا بالغدوۃ والروحۃ

دینی من الدلجۃ فلحوا - دین بہت آسان ہے اور جس کسی نے اسکو اپنے اوپر سخت کر لیا تو دین ہی اسپر غالب ہو جاتا ہے تو قصد رکھو کہ تمہارے
کام شرع پر ٹھیک ہون اور مقاربت رکھو یعنی درمیانی حالت رکھو نہ بڑھ چلو اور نہ کمی کرو اور مدد لو غدوہ و روجہ سے یعنی جہاد سے اور مدد لو
کچھ تھوڑی رات کی عبادت سے فلاح پاؤگے مترجم کہتا ہے ایسے ہی دین مین افراط کرنے سے اکثر ممانعت ہے اور اسکی صورت یہ ہے کہ ایک
شخص نے اپنے اوپر لازم کیا کہ ہر روز ہزار رکعت پڑھے گا یا رات بھر ہمیشہ نہ سوئے گا تو فرمایا کہ آخر یہ شخص تھک کر چھوڑ بیٹھے گا اور وہ
اللہ تعالیٰ کے نزدیک خراب حرکت ہے اور حدیث مین تعریف آئی کہ جو عمل آدمی ہمیشہ کیا کرے کبھی اسکو ملال آگین ہو کر نہ چھوڑے وہ اللہ تعالیٰ
کو محبوب ہے اگرچہ تھوڑا ہو۔ واضح رہے کہ دین کسی قدر آسان ہو لیکن شیطان جو دشمن ہے کبھی آدمی کو اسکی آسانی سمجھنے نہیں دیتا اور خود
اسکا نفس اسکے وسوسہ قبول کرتا ہے تو اسی واسطے شرع پر چلنا خصوصاً استقامت کے ساتھ بہت دشوار ہو گیا اور شک نہیں ہے کہ یہ مرتبہ
انھین شیران الٰہی کا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و معیت کیواسطے ازل سے برگزیدہ ہو کر اسوقت آپکے ساتھ موجود ہوئے اور
توریت وغیرہ مین انکی تعریفین بہت خوب مذکور تھین تو انھین سے استقامت کھنا و طغیان نہ کرنا اور خلوص کے ساتھ جان و مال راہ
الٰہی مین فدا کرنا اور آنحضرت صلعم پر پروانہ کی طرح نثار ہونا ظاہر ہوا حتی کہ حق عز و جل ان سے راضی ہوا لقولہ رضی اللہ عنہم اور اس آخر
وقت کے لوگ ایک ایسی حالت مین ہین کہ انکو ایسی استقامت کا مرتبہ ممکن نہین الا ما شاء اللہ تعالے اور یہین سے مجکو ظاہر ہوا کہ قولہ
من تاب معک مین لطیف اشارہ ہے یعنی اولیٰ حکم استقامت کا تیرے ساتھ والون پر ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے حدیث مین ثابت
ہے کہ تابعین کو بعض مکروہ تنزیہی فعل دیکھکر فرماتے کہ آنحضرت صلعم کے عہد مین ہم اس فعل کو بڑا حرج جانتے تھے جسکی تم پروا نہین کرتے ہو
اور اکثر ایسے امور پر انکار کرنا مرتبہ ہے جو اعلیٰ مرتبہ تقوی مین ایک طرح کی کراہت یا خلاف اولی کے حکم مین ہین۔ اب یہان دو باتین
سننا چاہیئے ایک یہ کہ اس استقامت کا درجہ و منزلت بہت اعلیٰ ہے چنانچہ حق عز و جل نے فرمایا۔ ان الذین آمنوا ثم استقاموا تتنزل علیہم
الملائکۃ ان لاتخافوا ولاتحزنوا الآیۃ - یہ بڑا مرتبہ ہے کہ ملائکہ انکے پاس نازل ہو کر ان کو اللہ تعالیٰ کے رضوان کی بشارت دیتے ہین پھر تمام
نعمتین جنت وغیرہ سب اسکے پیچھے ہین اور حدیث مین ہے کہ ملائکہ تم سے تمھارے بچھونون پر مصافحہ کرین اور دوسری بات یہ ہے کہ استقامت
جب ہان ختم ہوئی تو ہمارے اعمال ہر حال مین حکم سے خارج ہوئے تو انجام کیا ہوگا جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ عز و جل نے صحابہ رضی اللہ عنہم
کو جو منزلت و مرتبہ عطا کیا اسکو ہر شخص قیاس نہین کرسکتا ایک کامل نعمت انکو آنحضرت صلعم کا دیدار تھا اسی واسطے اُن کے
نصف مُد ستو کا صدقہ اور کسی کا آسمان و زمین بھر سونا خیرات کرنا برابر نہین کیا مگر کمال رحمت سے ثواب مین اسوقت زیادتی
کر دی چنانچہ حدیث سے ثابت ہے کہ جو اسوقت ادنی عمل کرے اسکو شہدا کے برابر ثواب ہے لہذا اسوقت آدمی پر لازم ہے کہ
سب سے بڑھکر اپنے ایمان یعنی یقین کو مضبوط رکھے اور شیطانی وسوسہ اور شیطان کے متبع لوگون کی باتون سے اپنے دل مین شبہہ نہ آنے
دے کیونکہ یہ شیطانی لوگ جو وسواس دلاتے ہین اُنکا جواب صاف صحیح معقول کتاب الٰہی و سنت رسول مین موجود ہے پھر اس یقین کیساتھ
موت کو یاد رکھے اور آخرت پر قطعی یقین رکھے اور فرائض و واجبات ادا کرے اور اُنکے سوائے جو نیکی ممکن ہو بہت ثواب کا امیدوار رہے اور توفیق
اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ ف فی العرائس قولہ فاستقم کما اُمرت عہد ازل مین اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ السلام کی روح پاک کو
علوم قدیمہ و امانت الٰہیہ برداشت کرنے کا حکم دیا تھا کہ ازل سے ابد تک اسکا امین ہو حالانکہ پہلے اسکو لباس ربوبیت اور قدرت الٰہیہ
سے آراستہ کر دیا تھا تو اب دنیاوی وجود کے بعد جبکہ آنحضرت صلعم ادائے حقوق رسالت و کمال طاعت پر قائم تھے اس عہد کو یاد دلایا

کیونکہ مقام امتحان ہی اور دنیا اپنی تمام زینت سے آراستہ دنیا کیطرف رغبت کرنیوالی چیز یعنی طبیعت اس پاکیزہ روح کے ساتھ ساتھ ہی قولہ ومن تاب معک تیری امت مین سے جو ازل سے سرفراز ہوئے ہین انکو بھی خبر دیدے کہ عہد پر مستقیم رہین کیونکہ اسرار امانت وہ ہین کہ آسمان و زمین انکو برداشت کرنیسے عاجز ہوئے اور استقامت علیحدہ کرنیکا سبب یہ ہی کہ ہر آدمی اپنے مقام کے لائق استقامت کرے پس حاصل یہ ہوا کہ تیری رسالت منزلت کے لائق جو استقامت ہی وہ تو پوری کردے اور تیری امت والے اپنے مرتبہ پر استقامت کرین کیونکہ استقامت نبوت اپنے مراتب پر علیحدہ علیحدہ اور استقامت ولایت کے مراتب بے انتہا ہین تو اسکی کوئی حد نہین ہی کیونکہ استقامت دراصل مقامات و حالات و معارف و کواشف و توحید و یقین و صدق و اخلاص و آداب خطاب ہین پس ہر مقام کی استقامت ایسی صفت ہین ہی جسکے جو موارادات لطف اسپر وارد ہون یا امتحانات و بلیات طاری ہون مضبوط رہے تب وہ استقامت سے موصوف ہوتا ہے لیکن وہ کون ہی جو ان چیزون کے مقابلہ مین ثابت قدم رہے اور کب آثار قدم پر ہمدم کا استقلال ہو سکتا ہے مگر جسکو اللہ تعالیٰ نے مستقیم فرمایا وہ مستقیم ہی اور خاص اس لطف سے اول مخصوص حضرت سید المرسلین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہین اسیواسطے فرمایا کہ مستقیم رہو اور شمار نہ کرسکوگے اور جب آپ پر متتابع کشوف ازلیات و ابدیات سے استقامت گران ہوئی تو فرمایا شیبتنی ہود ۔ **قال المترجم** اوپر مذکور ہوا کہ آنحضرت صلعم کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ پچھلے لوگون کا خیال تھا کہ وے امتی کس طرح مستقیم رہین گے تو اس معنی مین اس حکم کو بلحاظ امتیون کے شاق جانا اور غالباً ایسے ہی احکام سے بذات شریف محزون رہتے چنانچہ مروی ہوا کہ اسکے بعد ہنستے نہین دیکھا گیا اور صحیح ابن حبان وغیرہ مین صحیح ہوا کہ سید الملائکہ جبرئیل ؑ نے حاضر ہو کر حضرت باری تعالیٰ عز سلطانہ کا سلام دیا اور سبب غمگینی پوچھا آپنے رد کر جناب باری تعالیٰ مین عرض کیا کہ اے رب میرے میری امت پس جبرئیل علیہ السلام یہ سنکر گئے اور دوبارہ واپس حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت رب العزة ذو العظمة والکبریا بعد سلام کے فرماتا ہے کہ اے حبیب محزون مت ہو ہم تجھکو تیری امت کی طرف سے محزون نہین فرماوینگے الحدیث ۔ بالجملہ حدیث شریف شیبتنی ہود کے اسرار سے وقوف دشوار ہے ہان ظاہری چند امور جو معلوم ہوئے انمین سے ایک یہ ہی جو مترجم نے زعم کیا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب اور دوم نکتہ جو شیخ نے لکھا کہ استقامت کے مدارج بحسب کمالات متفاوت ہین اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افضل الخلق جمیعاً تھے تو مقام آپکا سب سے بالا اور اقرب تھا اور جب آپکو استقامت کا حکم ہوا تو کمال عبودیت پر استقامت بیشبہہ شان ہے اگرچہ حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا سے صحیح مین ثابت ہوا کہ قرآن مجید آپکا خلق عظیم تھا اسی واسطے اکابر علماء نے جزم کیا کہ فلقت مطہرہ وجبلت پاکیزہ پر کوئی امر گران نہ تھا اور آپ ہمیشہ استقامت پر تھے پس حکم کا مرجع آپکی امت ہی واللہ تعالیٰ اعلم پھر شیخ نے لکھا کہ ابن عطا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جسقدر نور باطن عطا ہوا اسی کے موافق آدمی کو استقامت ہوتی ہی اقول واضح ہو کہ مخلوق ادنیٰ و اعلیٰ سب اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے حتی کہ شیطان مع ذریات بھی لیکن دنیا مین جو حالت اختلافی مشاہد ہی اس سے خواہ مخواہ کوئی فرقہ اس امر کا قائل نہین ہو سکتا کہ سب کے سب اپنے خالق کے پسندیدہ ہین کیونکہ بالضرور ہر فریق دوسرے کو ناپسندیدہ قرار دیگا اور قرآن و حدیث سے صحیح ہوا کہ ان مخلوقات مین سے بعضے اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کیلئے پسند فرمالئے تو وے عبد بندے ہین چنانچہ شیطان کو فرمایا ۔ ان عبادی لیس لک علیہم سلطان الآیة ۔ پس اصل پسندیدگی یہی عبودیت ہی اسی واسطے آنحضرت صلعم جو سب سے افضل و اشرف ہین انکی رسالت پر ایمان کا کلمہ یہ ہی اشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ پہلے عبد سے کمال بزرگی کا اقرار کیا تو خود ہی ثابت ہو گیا کہ آپ ہی رسول ہین کیونکہ جسقدر عبودیت مین کامل اسیقدر منزلت قرب درجۂ کمال پر فائز ہے اب جاننا چاہیئے کہ شیخ ابن عطار رح کی مراد یہ ہی کہ عباد اللہ الصالحین جسقدر بندے ہین انکی پیدائشی حالت مین گمراہ مخلوق سے فرق ہی پھر ان سب مین بھی آپس مین اگرچہ اصلی جبلت کا فرق نہین لیکن مرتبہ کا فرق ہی پس جسکی جبلت مرتبہ کاملہ عبودیت مین جس درجہ پر ہی وہ اسی قدر استقامت رکھتا ہی فافہم واللہ تعالیٰ اعلم

بعض مشائخ نے کہا کہ استقامت کا حکم ایسے ہی شخص کے اٹھانے کے لائق ہے جسکو مشاہدہ قویہ اور انوار ظاہرہ و آثار صادقہ سے تائید فرمائی گئی ہو پھر بھی اسکو مضبوط جمے رہنے کی توفیق دیگئی ہو بقولہ تعالیٰ لولا ان ثبتناک الآیۃ پھر اسکو مشاہدہ کے وقت بھی محفوظ فرمایا گیا ہو اور یہ مرتبہ کاملہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا تھا لہذا حکم ہوا کہ فاستقم کما اُمرت۔ اور اگر پہلے یہ باتیں کرامت نہ ہوں تو اس خطاب کی تفصیل مین منزلزل ہوگا چنانچہ دیکھو کہ اُمت کو فرمایا کہ استقیموا ولن تحصوا یعنی استقامت اختیار کرو مگر تم کو اس استقامت کی طاقت نہین ہے جس کا تمہیں حکم ہوا ہے اقول یہان سے یہ نکتہ ظاہر ہوگیا کہ آنحضرت صلعم کو بقولہ فاستقم کما اُمرت۔ فرمایا یعنی جیسا حکم ہوا تو ویسی استقامت کر اور اُمت کو بقولہ ومن تاب معک۔ فرمایا یعنی وے تیری تبعیت مین بسبب توفیق و طاقت کے استقامت رکھین اور ان کو کما اُمرتم نہین فرمایا اور یہ صحابہ رضی اللہ عنہم مین بھی معک کے ساتھ پچھلون پر کمال رحم فرمایا کیونکہ وے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور مین موجود نہ تھے ولیکن اے لوگو جب تم نے آپ کی رسالت سے آگاہی پائی اور کتاب الٰہی و سنت رسول اللہ صلعم کے ساتھ ایمان کی بزرگی پائی تو تم ساتھ ہو چنانچہ مشکوٰۃ کے باب ثواب ہذہ الامۃ اور دیگر صحاح سے ثابت ہے کہ آنسرور عالم و عالمیان سید الرسل و الملائکہ خیر الخلق کلہم نے پچھلے ایمان والون کو اپنا مصاحب فرمایا۔ اللہ اکبر اللہ اکبر اس ترحم پر اُمت کی جانین قربان ہون اور ساتھ ہی یہ بھی بشارت دی کہ پیچھے ایمان پر ان لوگون کو تھوڑے عمل پر بہت زیادہ ثواب عطا کیا جائیگا پس اے بھائیو تم اس بات کا بہت بڑا لحاظ رکھو کہ تمھارا تقویٰ و ایمان اللہ تعالیٰ جل شانہ و اسکے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت ٹھیک ہو کسی طرح شرک و کفر کے لگاؤ مین نہ پڑو کیونکہ ایمان جاتا رہا نعوذ باللہ من ذلک تو پھر تم کیونکر یہ فضیلت پاؤگے اللہم احفظنا من الفتن المضلۃ واحینا مؤمنین مسلمین و توفنا مؤمنین و انت علی کل شیٔ قدیر۔ السید امام جعفر الصادق رحمۃ اللہ علیہ وعلی آبائہ السلام نے کہا کہ قولہ فاستقم کما اُمرت یعنی سچے عزم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی درگاہ مین جدوجہد کرکے امیدوار ہو۔ شیخ ابو عبد الرحمن السلمی نے کہا کہ مین نے شیخ ابو علی الشبونی سے سنا کہ کہتے تھے کہ مین نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب مین دیکھکر عرض کیا کہ میرے مان باپ فدا ہون آپ سے حدیث روایت کی جاتی ہے شیبتنی ہود یعنی حضور نے ارشاد کیا کہ مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا آپ نے فرمایا کہ ہان صحیح ہے مین نے عرض کیا کہ کیا انبیاء کے قصص و انکی اُمتون کی ہلاکت کے سبب سے ہے آپ نے فرمایا کہ نہین بلکہ قولہ تعالیٰ فاستقم کما اُمرت۔ کے سبب سے امام جعفر الصادق نے کہا کہ اُمت والون کی استقامت علیٰ قدر مراتب ہے بعض نے توحید پر استقامت کی اور بعض نے ایمان پر۔ اور بعض نے اسلام اور بعض نے معرفت الٰہی و بعض نے عظمت و بعض نے حمد و ثنا اور بعض نے کرم و وفا اور بعض نے خوف و رجا پر اور بعض نے اللہ تعالیٰ پر کہ سوائے اسکے کوئی چیز نہین ہے اور بعض نے حق پر کہ کبھی نہوگی استقامت اختیار کی اور جس نے کسی فاسد خیال پر استقامت کی وہ درحقیقت غیر مستقیم ہے اسلئے کہ استقامت حق پر ہوتی ہے اقول ظاہرا مراد یہ کہ استقامت کا اللہ تعالیٰ کے واسطے قصد کیا لیکن ایسے طور پر کہ وہ شرع مین وارد نہین ہے بلکہ خود اسکی رائے ہے مثلاً یہ عزم کیا کہ مسجد کے دروازہ پر پڑا رہیگا کہ لوگ اسکو پھاندکر جایا کرین اور قصد کیا کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے اپنے نفس کی ذلت ہے یا ہر طعام مین مٹی و پانی ملاکر کھاوے تاکہ نفس کو لذت نہ ملے اور مانند اسکے رہبانیت وغیرہ کے خیالات جو صرف اپنے زعم باطل پر مبنی ہون اسی قسم کے ہین ان پر استقامت بھی باطل ہے واللہ اعلم۔ اور بعض نے کہا کہ استقامت نہین ہوتی مگر اسی طریقہ پر کہ سنت نبوی کی اتباع کرے۔ جریری رح نے کہا کہ نعمت مین استقامت کرنا عوام کا طریقہ ہے اور بلا مین استقامت کرنا خواص کی استقامت ہے۔ جنید رح نے کہا کہ خوف و رجا کے ساتھ استقامت کرنا عابدون کا حال ہے اقول یعنی باعث استقامت عذاب کا خوف اور جنت کی اُمید ہووے تو یہ عابدون کا حال ہے اور ہیبت و حیا کے ساتھ استقامت کرنا مقربین کا حال ہے اور اسطرح استقامت کرنا کہ باوجود استقامت کے استقامت کو نہ دیکھے یعنی اسطرف نظر ہی نہ دیا بلکہ بالعکس نظر ہو تو یہ عارفون کا حال ہے

شیخ استاد نے قولہ فاستقم میں کہا کہ استقامت از باب استفعال ہے اور اسکے معنی طلب کے بھی ہیں تو شاید یہ معنی ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے استقامت کی درخواست کرو۔ **قال المترجم** قولہ لا تطغوا فیہ میں یہ تاویل مناسب نہیں ہے خلاصہ یہ کہ فاستقم میں جمہور کے نزدیک مراد ہے کہ اپنے نفس سے استقامت کا فعل صادر کر جسطرح اُسکا وجود ہوتا ہے اور لا تطغوا سے یہ مراد کہ طغیان سرزد نہ ہو اور شیخ استاد نے یہ احتمال پیدا کیا کہ فاستقم سے مراد یہ کہ اللہ تعالیٰ سے استقامت مانگو تو ظاہر ہے کہ ہر شخص اللہ تعالیٰ سے درخواست کریگا کہ مجھے استقامت نصیب ہو اگرچہ اسکا حصول نہو۔ اور شاید کہ شیخ استاد کی غرض یہ ہو کہ استقامت با خدا طلب کرو یعنی عزم کرو کہ خدا کے ساتھ استقامت حاصل ہو لیکن ظاہر کلام اس سے موافق نہیں علاوہ اسکے دونوں معنی میں کچھ فرق نہ ہوگا فافہم واللہ تعالیٰ اعلم۔ کہا جاتا ہے کہ مستقیم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ سے نہ پھرے یہانتک کہ واصل ہوجاوے اقول یہ عبارات کلیہ ہیں ہر جزئیہ طریقہ کو اس سے استخراج کرنا خود ایک مرد عارف کا کام ہے وہ بھی بدشواری لہٰذا اسہل و اسلم یہی تفسیر ہے کہ مستقیم وہ ہے جو جملہ ارکان و افعال و اعتقاد میں سنت کی اتباع کرے اور سنت طریقہ سب احادیث میں ہیں ہر فافہم و استقم۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نفوس قدسیہ کو استقامت کے خلاف دنیا کی عزت و جاہ کیطرف مائل ہونے اور ظالموں کی طرف فاسد اغراض دنیاویہ میں سے کسی غرض سے میل کرنے سے منع فرمایا۔ بقولہ۔

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝

اور مت جھکو اُن کی طرف جو ظالم ہیں پھر تم کو لگے گی آگ اور کوئی نہیں تمھارا اللہ کے سوائے مددگار پھر کہیں مدد نہ پاؤ گے

مترجم کہتا ہے کہ یہ آیت کریمہ اسوقت کے لوگوں کیلئے خاصہ نصیحت سمجھی جاتی ہے لہٰذا پہلے اسکے ظاہری معنی کی توضیح کرکے تب اسکی مراد و حکم کی تفصیل کرنا مناسب ہے۔ واضح ہو کہ لا ترکنوا صیغہ نہی از رکون ہے اور کشاف میں زمخشری نے لکھا کہ الرکون ہو المیل الیسیر۔ رکون کے معنی تھوڑا سا جھکنا یعنی کسی چیز کی طرف ہلکا و خفیف جھکنا اور ایسا ہی بیضاوی و سراج میں اسی کی اتباع کی ہے اور شاید کہ میل کے معنی میں خود ہلکا ہونا داخل ہے کیونکہ میل و جھکنا پورے طور پر ساتھ ہوجانے کو نہیں کہتے ہیں تو تخفیف و ہلکا جو اس سے مفہوم تھا صریح ظاہر کردیا اگرچہ میل کے ساتھ اسکا ملانا غیر معقول ہے اور یہ میں نے اسواسطے کہا کہ ثقات ائمہ لغت نے خفیف و یسیر کی قید نہیں لگائی چنانچہ صحاح میں کہا کہ رکون میل و سکون ہے اور شمس العلوم میں رکون بمعنی سکون لایا اور قاموس میں کہا کہ رکن الیہ کنصر و علم و منع رکونا مال الیہ و سکن یعنی رکون کے معنی جھکنا اور کسی چیز کی طرف سکون و ٹھہراؤ کر لینا۔ اور قاموس سے ظاہر ہوا کہ مانند باب نصر کے رکن یرکن بالضم اور مانند علم کے رکن یرکن بالکسر اور مانند منع کے رکن یرکن بالفتح آیا اور صاحب الفتح نے نقل کیا کہ مضارع بفتح کاف لغت اہل حجاز ہے اور بالضم لغت قیس و تمیم ہے اور ازہری نے کہا کہ بفتح کاف ماضی و مضارع اصلی لغت نہیں بلکہ دو لغت کا تداخل ہے اور راغب نے لغات قرآن میں کہا کہ صحیح یہ ہے کہ دونوں کاف مفتوح ہیں بالجملہ ائمہ لغت و محققین مفسرین نے اسکے معنی میں مطلقاً میل و سکون لکھا اور خفیف کی قید نہیں لگائی اور قرطبی نے کہا کہ رکون درحقیقت یہ ہے کہ کسی کی طرف ٹیک لگا دے و تکیہ کرے واسپر اعتماد کرے اور سکون کرے یعنی اُسکی طرف استناد و اعتماد کرکے اضطراب و حرکت سے ٹھہر جاوے اور اسکے ساتھ رضامند ہو یعنی پسند کرے اور مؤلف الفتح نے کہا کہ رکون میں یہ باتیں معتبر ہونا کسی لغت میں مذکور نہیں ہے واقول ظاہر اقرطبی نے اس مقام کی تفسیر سے جو ائمہ تابعین وصحابہ رض سے منقول ہے یہ معنی نکالے ہیں اگرچہ لغت میں مذکور نہوں پس غایت یہ ہے کہ یہ تفسیر بقرائن مقام مجازی ہے اور صحابہ و تابعین جو ائمہ ہے اسکی تفسیر اسطرح منقول ہے کہ ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی کہ لا ترکنوا سے لا تمیلوا یعنی میل مت کرو اور مت جھکو۔ حافظ رح نے کہا کہ یہ تفسیر عمدہ ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ ظالموں کی مددمت کرو کہ تم ایسے ہو جاؤ کہ گویا تم ان کے کئے پر راضی ہوئے اور لکھا کہ ابن ابی طلحہ نے ابن عباس رض سے روایت کی کہ لا تمیلوا سے لا تداہنوا تم مداہنت مت کرو یعنی ظالم کا بُرا قول و فعل دیکھو مگر لحاظ کرکے چپ ہو جاؤ یعنی نہ

ابن عباسؓ سے روایت کی کہ یعنی شرک کی طرف میل مت کر۔ وقال ہوالرکون الی الشرک یعنی اس سے شرک کی طرف میل سے ممانعت مقصود ہے
ابوالعالیہ رحمہ نے فرمایا کہ لاترکنوا الی الذین ظلموا یعنی ظالمون کے اعمال پر تم مت راضی ہو۔ کذا فی تفسیر الحافظ۔ اور شیخ یہ ہے کہ قتادہ وعکرمہ سے مروی
ہے کہ لاترکنوا یعنی نہ اُن سے دلی دوستی رکھو اور نہ اُنکی اطاعت کرو اور عبدالرحمن بن زید سے مانند روایت عوفی کے مداہنت کے معنی مذکور ہین۔
یعنی ظالمون کے کفر پر انکار نہ کرے واضح ہو کہ اس تفصیل سے اسکے معنی کی بحث کرنا اس غرض سے ہے کہ آیا ممانعت مطلقاً میل سے ہے جیسا کہ لغات
معتبرہ مین رکون کے معنی لکھے ہین یا خفیف میل سے ہے جیسا کہ کشاف واسکی اتباع نے معنی لکھے ہین کیونکہ جس حد پر عرب کی زبان مین میل
کہا جائے اگر اس سے کم جھکاؤ ہو تو بھی خفیف میل ہو جائیگا اور معصیت لازم آویگی۔ پھر قولہ الذین ظلموا۔ کے معنی وہ لوگ جنہون نے ظلم کیا اور
اسمین کوئی شک نہین کہ شرک سب سے بڑا ظلم ہے بقولہ تعالی ان الشرک لظلم عظیم۔ اور دیگر معاصی بھی ظلم ہین اگرچہ شرک کے برابر نہ ہون پس جو کوئی مشرک
ہے وہ خود اپنی جان پر بوجہ شرک کے بڑا ظالم ہے توجسقدر اسکے افعال اس اعتقاد کی بنا پر ہون سب صریح ظلم ہون گے اگرچہ چھوٹا لوگون کو ان
افعال سے تکلیف پہونچے یا بعض کو پہونچے بلکہ اگر راحت پہونچے تو بھی وہ افعال ظلم ہونے سے خارج نہ ہون گے لیکن ایذاء خلق البتہ زائد ہوگی
مثلاً کوئی شخص بت یا صلیب پوجتا ہے اور راستہ پر اسنے پرستش خانہ بنا کر یہ فعل اختیار کیا کہ جو اس راہ سے گزرے اسکو روپیہ دیگا تو خلق کو نفع پہونچا
لیکن یہ فعل اس نیت پر ظلم رہا کہ عاقبت مین اسکا نفس ثواب سے محروم و عذاب مین گرفتار ہوگا اور اگر اسنے یہ فعل اختیار کیا کہ جو اس راستہ سے بغیر
سلام کے اور بغیر اسکی تعظیم کئے نکلا اسکو دو کوڑے مارونگا تو دوہرا عذاب ہوگیا بلکہ پہلے شخص کو مخلوق کے نفع پہونچانے کی وجہ سے دنیا مین عوض
دیدیا جائیگا حتی کہ اگر راہ توحید و ایمان پر کوئی قوم مستقیم نہ ہو تو وہ بادشاہ ہوسکتا ہے کیونکہ خلق کو آرام پہونچاتا ہے اسی طرح اگر کوئی شخص توحید اسلام پر
ہو مگر شراب پیتا ہو تو اسنے اپنی جان کیلئے آخرت کا عذاب مہیا کیا پس اپنے اوپر ظلم کیا اور اگر مخلوق مین سے کسی پر ظلم کیا تو دونا عذاب لیا اور اگر بادشاہ
ہے اور اُس نے اپنی عیش و شہوت پرستی کی تو ایک اپنے اوپر ظلم کیا اور دوسرا خلق پر کہ تمام روپیہ انکا بھی حق تھا وہ چھین کر اپنی عیش مین اُڑا دیا اور
غفلت سے تمام ملک مین زبردست نے کمزور پر ستم ڈھایا خون ہوئے اور تمام رعایا بے علم و جاہل رہی اور لوگ اسکی دیکھا دیکھی کھاتے و مزے اُڑاتے
و فسق و فجور مین پڑے تو اُسپر ہزارون ظلم ثابت ہوئے حتی کہ وہ بادشاہت سے خوار ہو کر عاقبت مین اپنے عذاب کا مستحق ہوا اگرچہ خالی ایمان
کی وجہ سے اُمید ہے کہ ہمیشہ دوزخ مین نہ پڑے اسی بیان سے سمجھنے والا سمجھ جائیگا کہ بادشاہ پر بہت بڑی ذمہ داری ہوتی ہے چنانچہ ادنی سی
بات یہ ہے کہ کسی سے کوئی کوڑی ناحق نہ لیوے اور اسکو جمع کرکے امانت رکھے ہان اپنی مزدوری لے سکتا ہے اور پھر اسکو جس طرح اللہ تعالے
واس کے رسول صلعم نے شرع بتلائی ہے اسی طرح خرچ کرے بیجا کوئی کوڑی نہ اُٹھاوے اور تمام مخلوق کی تعلیم و تربیت و اصلاح و آرام
و دینداری کا ضامن ہے جب یہ بات معلوم ہوئی کہ ظلم کچھ شرک و کفر پر منحصر نہین ہے بلکہ جو گناہ ہے ظلم ہے تو آیت مین علماء مفسرین سے دو قول
مروی ہین ایک یہ کہ ظالمون سے یہان مشرک مراد ہے اور دوسرا یہ کہ نہین بلکہ کوئی ظالم ہو خواہ ایمان رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔ اب مین آیت کی تفسیر
نقل کرتا ہون قال تعالی وَلَا تَرْكَنُوْٓا ۔ اور مت جھکو یا ذرا بھی مت جھکو اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۔ ان لوگون کی طرف جنہون نے ظلم کیا خواہ اپنی جانون
پر فقط جیسے نوشیروان کہ آتش پرست تھا مگر خلق کو آرام و آسائش دیتا تھا یا غیرون پر بھی جیسے حجاج ظالم مسلمان تھا مگر شرک سے کم اس نے
اپنے اوپر گناہ کا اور غیرون پر ایذا کا ظلم کیا تھا یا مراد یہ کہ مت جھکو مشرکون کی طرف فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۔ کہ تم کو بھی آگ چھوئے۔ حاصل یہ کہ اوپر
استقامت کا حکم دیا تھا کہ حکم الٰہی پر ٹھیک مستقیم رہو اب فرمایا کہ دنیا کی ثروت دیکھکر یا زبان کے مزے و پیٹ بھرنے کی غرض سے مشرکون یا
عام ظالمون کی طرف مت جھکو کہ ایسا کرنے سے وہ آگ جو انکو گھیرے ہے تم کو بھی چھو جائے گی۔ اس سے ظاہر ہے کہ ظالم سے ملنے مین تو بالکل

آگ مین گھس جانا ہوگا صرف جھکنے مین لپٹ پہونچیگی اور شاید ظالم کو بالکل آگ مین ڈالا جاوے جانو کہ اگر ظالمین سے مشرکین مراد ہین جیسا کہ عوفی کی روایت ابن عباس سے سمجھا گیا کہ ہوالرکون الی الشرک یعنی شرک ہی کی طرف جھکنے سے ممانعت ہو اور اسوجہ سے کہ سلطان کی فرمانبرداری کا حکم قطعی پایا گیا ہے بقولہ تعالیٰ اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم - اور حدیث صحیح مین ہو کہ سلطان کی اطاعت کرو اگرچہ حبشی غلام ہو - اور وارد ہو کہ جبتک نماز ٹھیک قائم رکھین اور اُنسے صاف کھلا کفر ظاہر نہ دیکھو اور تم کو کسی معصیت کا حکم نہ کرین تب تک اُنکی اطاعت کرو تو ظاہر ہو کہ خود اگرچہ بدفعلی کرین جو ظلم اُنکی جان پر ہے تاہم سب پر اطاعت لازم ہے - وجہ اسکی تو ظاہر ہے کیونکہ گناہ سے کمتر خالی پائے جاوینگے تو انتظام مصالح عباد درہم برہم ہوگا اگر طاعت نہ کی جائے خصوص جبکہ قاضی عدالت و انتظام آسایش رعیت و حدود و حقوق چاہین اور جہاد کیواسطے حکم کرین تو خواہ مخواہ بغیر اطاعت کے چارہ نہین ہو اور بیشک آنحضرت صلعم نے جیسے انکی اطاعت مین مبالغہ فرمایا کہ اگرچہ تیرا مال چھین لے اور مارے اور تیرا حق نہ دے بہرحال تو اطاعت کر ویسے ہی امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر مبالغہ فرمایا کہ جابر بادشاہ کو حق بات کی نصیحت کرنا شہید کا ثواب اور جہادون مین سے افضل جہاد ہو اور بتاکید حکم دیا کہ ظلم سے اسکا ہاتھ روکو ورنہ عام فتنہ مین پڑوگے تو حاصل ہوا کہ ظالمین یعنی فقط مشرکین کی طرف مت جھکو کہ آتش دوزخ مین تم کو بھی عذاب پہونچیگا - شیخ ابوالسعودؒ نے اپنی تفسیر مین لکھا کہ دیکھو جب خالی ظالم کی طرف میل کرنے سے یہ عذاب ہو تو بھلا ایسے لوگونکی نسبت تیرا کیا گمان ہو جو پکے ظالمون بدکارونکے ساتھ دل سے محبت مین گرم ہین اور اُنکے مصاحب بننے پر مرے جاتے ہین اور اپنا دل و جان انکی محبت تبرا و طریقہ پر فدا کئے دیتے ہین اور نفین کے مانند پوشاک پہننے پر پھولے نہین سماتے اور دنیائے فانی کی رونق و مال و متاع جو اُنکو دیا گیا ہے اُسکی طرف آنکھین پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے ہین قال المترجم شیخ ابوالسعود رحمہ اللہ نے ان ظالمونکا ذکر کیا ہو جو اسلام لائے مگر دنیا کی وزارت و امارت یا سلطنت کے سبب سے عیش و آرام و فسق و فجور مین پڑکر ظلم کیا تو ہمارے وقت مین نواب و امراء اہل دولت بلکہ محض مشرکون کی طرف میل کرنیوالون کا کیا گمان ہے خصوص جبکہ اُن کے چال و چلن پر دل سے فریفتہ اور اُن کے سلام کا جواب دینے کو دو جہان کا فخر سمجھتے اور اُنکی خدمتگزاری مین ذلت و خواری کو عین عزت جانتے ہین بلکہ اُنکی چال ڈھال وضع لباس بول چال سب پر دل سے فریفتہ ہین اور اُنکی تعظیم سے اپنے دل بھرے ہوئے ہین - ایسی مودت و موالات کا انجام کفر و شرک پر خاتمہ ہے نعوذ باللہ من سوء الخاتمہ - اگر پوچھا جاوے کہ دین آلہی کے دریافت مین کچھ شرم نہین ہے تو شرع مین ایسی صورت مین کیا حکم ہے کہ جب بادشاہ و حاکم ایسا شخص یا ایسی قوم ہو جو اسلام پر نہین ہو جیسے آجکل ہندوستان مین انگریز حاکم ہین تو ان کے ساتھ کیونکر برتاؤ کیا جاوے اسکا جواب یہ ہو کہ جب تم نے اُنکی رعیت ہو کر یہان سکونت اختیار کی تو تم نے اُن سے عہد کیا کہ دنیاوی معاملات مین انکو عمداً ضرر نہ پہونچاؤگے اور وے تم کو تمھارے دین کے برتاؤ سے نہین روکینگے اور نہ تم پر ظلم کرینگے پس عہد پورا کرنا فرض ہو لہذا ان سے بغاوت مت کرو اور ان کو ضرر مت پہونچاؤ اور اُن کے دشمن مت بنو لیکن اس سے یہ لازم نہین آتا کہ تم اپنا دین چھوڑ دو کیونکہ جب تم نے اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا تھا اسکو توڑ دیا پورا نہ کیا تو بادشاہ وقت کو بھی تم سے کچھ اُمید نہ ہوگی بلکہ تم اُنکے ساتھ دنیا کو حرام طور پرست کماؤ اور آخرت کے طالب رہو اگر تم سچے ایمان والے ہو اور رہی دنیا کی بسر اوقات تو جس نوکری مین کوئی طریقہ حرام نہین جیسے سود کی ڈگری کرنا و شراب فروخت کرنا وغیرہ بلکہ مباح ہو تو اسکو اختیار کرنے مین کچھ مضائقہ نہین ہے - قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر مین لکھا کہ اگر کسی کو ناچار ضرورت پڑے کہ ظالم کی مصاحبت کرے تو ضرورات کے احکام آیت سے مستثنیٰ ہین جیسا کہ شرع کا اصول ہے اور نیشاپوری رحمہ اللہ نے لکھا کہ محققین نے فرمایا ہو کہ جس رکون و میل سے آیت مین ممانعت ہو وہ ایسا رکون ہے کہ جس چال و وضع پر ظالم لوگ ہون اسکو دل سے پسند کرے اور اُن کے طور کو اچھا سمجھے اور دوسرون کو اسکی خوبی سمجھا دے اور ظالمون کے ساتھ انکے کسی ظلم مین شرکت

کرے اور رہا دنیا کی منفعت ضروری حاصل کرنے کیلئے یا کوئی مضرت دور کرنے کیلئے اُن سے ملنے جلنے میں مضائقہ نہیں ہے اور لکھا کہ میرے نزدیک اگرچہ یہ از قسم مباح ہے لیکن تقویٰ یہی ہے کہ ان سے بالکل اجتناب کرے اقول اس زمانہ میں فتوی قرطبی رحؒ کے قول پر ہونا چاہیئے کہ لوگ اپنی معیشت کیلئے اُن سے مخالطت اور میل میل رکھیں و لیکن دل میں اعتقاد آخرت کے سوائے کسی چیز کی محبت و موانست کو جگہ ندیں تو جیسے انکی محبت کو دل میں جگہ دینا بلکہ تمام دنیا و مافیہا کسی چیز کی محبت کو دل میں جگہ دینا روا نہیں ہے ویسے ہی کسی کی عداوت وایذا رسانی کو جگہ دینا بھی روا نہیں ہے کیونکہ شرع میں شیطان سے بھی دل میں عداوت جمائے رکھنے کا حکم نہیں حالانکہ یہ بتلا دیا گیا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے اور کیونکر ایسے امور جائز ہو سکتے ہیں جو ترحم کے خلاف ہیں اور لوگوں کو راہ راست پر آنیکے برخلاف نفرت میں ڈالیں بلکہ مقتضائے ترحم وشفقت یہ ہے کہ جس کسی کو گمراہ دیکھے تو ضرور سچے اعتقاد کی وجہ سے یہ جانے گا کہ افسوس یہ آگ میں گھسا جاتا ہے تو چاہیئے کہ اسکو نرمی وملائمت وشفقت سے اس گمراہی آگ سے بچاوے نہ آنکہ برعکس اس سے عداوت کرکے اس کو آگ میں ڈھکیل دے اور کچھ بھی شک نہیں ہے کہ آیات واحادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ اسلام کے ساتھ وہ آراستہ ہے جسکے ہاتھ و زبان سے لوگ بچے رہتے ہوں۔ لہٰذا مسلمان وہ ہے جو زبان سے سچ بولے جھوٹا وعدہ نہ کرے اور نیک نصیحت کرے اور کسی کو بُرا نہ کہے اور خرید و فروخت وغیرہ جملہ معاملات میں فریب دے اور ہاتھ سے ہمیشہ انصاف پر مدد کرے اور نیک کام کرے چوری و بدکاری و زبردستی وغیرہ بدافعال سے باز رہے اور ہاتھ سے کسی کو ایذا نہ دے حتی کہ شرع میں قطعاً منع ہے کہ کسی جانور کو بھی ہاتھ سے ایذا رکی مار نہ دے اور قطعاً لکھا ہے کہ دودھ والے جانور جو لوگ پالتے ہیں انکو حکم دیا جاوے کہ اسکو بقدر کفایت دانہ چارہ دیوے اگر نہ مانے تو اسکو کوئی سزا دینا اسپر ظلم ہوگا لیکن قطعی حکم دیا جائیگا کہ اسکو دوسرے کے ہاتھ فروخت کرے اور دودھ اُسکا مثل عوام گھوسیوں کے بالکل نہ دوہے بلکہ لکھا کہ ایک مہینہ تک بالکل بچہ کو دیا جائے ورنہ ضرور پندرہ روز تک جبتک وہ کچھ چارہ نہ کھاوے بالکل بچہ کو پلاوے پھر آدھا پلا دے پھر اسکو تھوڑا حصہ چھوڑے تو جب جانوروں کے احکام و قواعد میں ترحم ہے تو آدمیوں کے ساتھ تیرا کیا گمان ہے اور حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ تم میں سے اچھے وہ ہیں جنکے اخلاق اچھے ہیں یعنی ترحم وشفقت وعدل و دیانت و امانت و سخاوت و شجاعت و جوانمردی وغیرہ اخلاق جسقدر اچھے ہوں اُسی قدر اچھا ہے پھر جب شرع میں ممانعت ہے کہ جانور بیچا جاوے تو اُسکا چھوٹا بچہ جبتک کہ جانور کو اُس سے محبت رہتی ہے جُدا نہ کیا جاوے اور قصاب اسکو دوسرے جانور کے روبرو ذبح نہ کرے اور نہ اُسکے سامنے چھری تیز کرے اور مانند اسکے بکثرت امور شفقت و ترحم کے مخلوق الٰہی عزوجل کیساتھ مذکور ہیں اگر کہا جاوے کہ جہاد تو میں کہونگا کہ پھانسی و سولی و بید مارنا اور قتل کرنا اور دونوں طرف کی فوجوں کی باڑھوں سے ہزاروں جانیں تلف کرنا۔ الغرض دنیا میں عقلاً متفق الکلمہ سب کہتے و جانتے ہیں کہ انسانی طبائع تین قسم کے ہیں۔ اول محض نیک۔ دوم محض شریر۔ سوم جنمیں بدی و نیکی دونوں طرح کی استعداد ہے۔ پھر جو گروہ محض شریر ہے اسکے شر و فتنہ سے عام مخلوق کو بچانا بھی نیکی ہے ورنہ عام فساد پھیل جائیگا تو جہاد عدل اور ملکی لڑائی شرارت ہے اور کوئی شبہہ نہیں کہ جہاد ظلم مٹانے کیلئے ہے دیکھو پہلے فرض ہے کہ دعوت اسلام کی جاوے پھر مکرر سہ کرر انکو سمجھایا جاوے اور اگر عاملانہ گفتگو کے ذریعہ سے سمجھنا چاہیں تو انکو امن کے ساتھ خوب سمجھایا جاوے پھر اگر نہ مانیں تو اُن سے کہا جاوے کہ اچھا صلح کرکے آباد رہو اور تم اپنی جان و مال کے مختار رہو لیکن جو باتیں دنیا میں فساد و ظلم ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت سے لوگوں کو مجبوری پریشان کرتی ہیں ان باتوں سے ہاتھ روکو پھر اگر یہ بھی نہ مانیں تو یہاں دو باتیں رہ گئیں ایک یہ کہ ان کو انکی مستی و اترانے میں چھوڑ دیا جاوے کہ تمام مخلوق کو

پریشان کرین اور اپنی نفسانی خواہشون سے خلق کو آزار پہونچاوین تو ان چند آدمیون پر بیجا رحم کھایا اور تمام خلق کو ان کی بدولت ایذا و آزار کے ساتھ آگ مین جلنے دیا۔ دوم یہ کہ ان لوگون کو مجبور کر دیا جاوے کہ فساد نہ کرین تو یہ بھی اپنے ظلم کے بدولت خود برباد نہ ہون اور تمام خلق بھی ان کے آزار سے چھوٹے اور ظاہر ہے کہ یہی دوسری بات بلاشبہ واجب ہے اور بعضے لوگ بہتان باندھتے ہین کہ اسلام مین جا سے فتح پا کر سب کافرون کو قتل کرتے ہین یہ بالکل جھوٹ ہے اسلام مین یہ حکم نہین ہے ہان شریعت توریت مین حضرت موسیٰ علیہ السلام سے برابر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک البتہ فتح پا کر کافرون کو قتل کر دیتے تھے تو تعجب ہے کہ نصرانی توریت کے قائل ہو کر اسلام کو جھوٹی بات سے بدنام کرتے ہین اور کبھی یہ بہتان باندھتے ہین کہ اسلام مین تلوار کے زور سے زبردستی ایمان قبول کرایا جاتا ہے یہ بھی بالکل دروغ ہے بھلا تلوار کے زور سے کسی کو یقین کیونکر دلایا جائیگا۔ صحیح وہی ہے جو ہم نے لکھدیا کہ بالاجماع صلح سے وہ لوگ اپنے دین پر چھوڑے جاوین اور بعد فتح کے تابع رکھے جاوین ہان اگر وے خود مسلمان ہو جاوین تو برابر ان کے ساتھ ہر مسلمان وہی برتاؤ کرے جو دوسرے مسلمان بھائی کے ساتھ کرتا ہے واضح ہو کہ اس زمانہ مین جو مسلمان نام کے ہین انکا ایک خراب طریقہ یہ پھیلا ہے کہ اگر کسی قوم مین سے کوئی آدمی اسلام لایا تو اسکو برادری مین نہین لیتے بلکہ حقیر سمجھتے اور نومسلم وغیرہ کا طعنہ دیتے ہین جس سے لوگ گھبرا کر اسلام مین نہین آتے تو ایسے مسلمان خود گمراہ و شیطان سے زیادہ گمراہی پر مددگار اور بڑے ظالم ہین اور ان پر فرض تھا کہ جو مسلمان ہو اسکو مثل بھائی کے اپنا عزیز سمجھین اور آگاہ ہونا چاہیئے کہ ظلم کا شیوہ اسلام مین اسوقت سے شروع ہوا جب سے یہ لوگ آخرت سے منھ موڑ کر دنیا کی طرف راغب ہوئے تو اسکی محبت مین سب اعتقاد بھول گئے اور یہان کی لذت پر قناعت کر کے راہ الٰہی مین جانبازی نہ کرسکے ان کو یہ زندگی پیاری ہوئی اور موت سے ڈر کر نامرد بن گئے شجاعت جاتی رہی حالانکہ جہاد تو شجاعت پر تھا اور کوئی بے موت نہین مرا اور آخر سب فنا ہونے کیلئے ہین اور یہ سب باتین اپنے اوپر اور عزیزون پر ظلم ہے اسیواسطے اس آیت کریمہ مین یہی قول راجح کہا گیا ہے کہ ظالم سے مراد فقط مشرک نہین بلکہ عام ہے خواہ مشرک ہو یا مسلم ہو جبکہ ظلم کرے تو ظالم ہے اگرچہ شرک سب سے بڑا ظلم ہے تو مشرک سب سے بڑا ظالم ہوا لیکن مسلم بھی جب ظلم کرے ظالم ہے اور اکابر علماء سلف تو اپنے عہد کے سلطان و اُمراء و وزراء کو قطعاً ظالم جانتے تھے اس جہت سے کہ صریح وہ لوگ بیت المال و خراج وغیرہ کو بیجا صرف کرتے اور حقوق ادا نہین کرتے تھے اسیواسطے فقہ مین یہ مسئلہ مذکور ہے کہ سلطان اگر کسی کو عطیہ دیوے تو اسکا لینا حلال ہے یا حرام ہے۔ اور سراج مین نقل کیا کہ موفق خلیفہ بغداد نے امام کے پیچھے نماز پڑھی تو امام نے نماز مین یہی آیت پڑھی یعنی ولا ترکنوا الی الذین ظلموا الآیۃ پس موفق سلطان کو غش آگیا جب افاقہ ہوا اور وہ رونے سے خاموش ہوا تو اسکے ارکان سلطنت نے اس سے پوچھا کہ نصیب اعدا ر یہ کیا حال ہوا اُسنے جواب دیا کہ اے لوگو اللہ تعالیٰ نے آیت مین جو حکم دیا وہ عذاب ایسے نیک بندون پر ہے جو ظالمون کی طرف جھکین تو بھلا جو خود ظالم ہوا سکا کیا حال ہوگا قال المترجم دیکھو اس بیچارے نے اقرار کیا درگاہ الٰہی عزوجل مین اور یقین کیا کہ مین ظالم ہون پھر دیکھو کہ اسکا یقین کیسا اچھا تھا کہ باوجود اس سلطنت عظیم کے آخرت پر مضبوط تھا اور ایمان اسی یقین کا نام ہے زبانی اقرار خالی کچھ مفید نہین ہے پس اسکو آخرت کا عذاب سامنے نظر آیا اور ظالم کا گرفتار ہونا دیکھکر خوف الٰہی و ہول عذاب سے غش آگیا تو افسوس اس زمانہ کے لوگ اپنے آپکو نمازی پرہیزگار متقی جانتے ہین حالانکہ انکا یقین اتنا بھی نہین ہے اللھم اہدنا واجعلنا مومنین وتوفنا مومنین اور لکھا کہ جب شیخ زہری رحمہ اللہ نے سلاطین سے خلط ملط اختیار کیا تو اُن کے دینی بھائی نے انکو لکھا کہ اے برادر زہری ہم کو تم کو اللہ تعالیٰ فتنہ سے سلامت بچاوے تم نے وہ حالت اختیار کی ہے کہ آپکے دوست آشنا کو لازم ہے کہ آپکے لئے اللہ تعالیٰ سے بہتر دعا مانگین اور آپ پر ترس کھاوین کیونکہ

آپ کو دین مین اُسنے شیخ امام کبیر بنایا مگر آپ پر اللہ تعالیٰ کی یہ نعمتین گران گزرین کہ اُس نے اپنی کتاب عزیز کی سمجھ دی اور آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تعلیم کی اور آیا یہ نہین ہو کہ اللہ تعالیٰ نے علماء سے یہ عہد لیا کہ ہر کسی کو خواہ سلطان ہو یا غیر ہو سناؤ بتلادو کما قال تعالیٰ لتبیننہ للناس ولا تکتمونہ۔ اور تم آگاہ رہو کہ ادنیٰ حرکت جو تم نے آخرت کیواسطے اُٹھائی یہ ہو کہ تم نے ظالم کی مصاحبت مین انس حاصل کیا اور گمراہون کیساتھ بیٹھنا آسان سمجھا اور تم نے بدکاری کی راہ اس شخص پر آسان کردی جس نے کوئی حق ادا نہین کیا اور کوئی باطل بات نہ چھوڑی ہو کیونکہ تم نے اسکا تقرب اختیار کیا تو وہ اپنے کو ٹھیک راہ پر سمجھا اور انھون نے تو تم کو کیلی بنالیا جس پر اُن کے باطل کی چکی گھومتی ہو اور تم کو پل بنالیا کہ اس سے عبور کرتے ہین اور گمراہیون کی طرف چڑھنے کی سیڑھی بنائی تمھارے باعث سے علماء کی طرف شک پیدا ہوتا جاتا ہو اور نادانون کے دل تمھاری اقتدا کرکے ان ظالمون کی طرف رجوع لاتے ہین تو سمجھو کہ ان ظالمون نے جو کچھ تمھارا بگاڑ ڈالا اسکے مقابلہ مین یہ نہایت ہی خفیف ہے جو تمھارا بنایا اور جو تم کو دیا وہ بمقابلہ اسکے جو چھین لیا نہایت حقیر ہے کیونکہ تمھارا دین لیکر برباد کردیا اور حقیر دنیا مین سے بھی نہایت حقیر تم کو دیدیا بس تم کس وجہ سے نہین ڈرتے و نڈر ہوگئے ہو کہ تم انھین لوگون مین داخل ہو جن کے حق مین اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ فخلف من بعدہم خلف اضاعوا الصلوۃ واتبعوا الشہوات فسوف یلقون غیا۔ کیونکہ تمھارا معاملہ ایسی ذات کے ساتھ ہے جو نادان نہین اور ایسا محفوظ رکھتا ہو کہ کبھی بھولتا نہین یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہ یا اُسکے ملائکہ کرام کاتبین تمھارے محافظ ہین پس تم اپنے دین کی دوا کرو وہ بیمار ہوگیا ہے اور اپنا زاد راہ مہیا کرو کہ بہت دراز سفر پیش آیا ہے اور اللہ تعالیٰ پر آسمان و زمین مین سے کوئی چیز پوشیدہ نہین ہو والسلام سفیان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جہنم مین ایک جنگل ہے جسمین کوئی نہین بسایا جائیگا سوائے ان قاریون کے جو بادشاہ کی زیارت کو جاتے ہین قال المترجم علماء سلف قاری اسکو کہتے تھے جو قرآن مجید کے معنی سے آگاہ ہوا اور اسکو علم حاصل ہوا اور زیارت سے مراد ملاقات ہو۔ اور جمہور علمائے محققین کے نزدیک بادشاہ کی ملاقات ممنوع اسوقت ہو کہ کسی مصلحت یا نصیحت یا دفع مضرت کی غرض سے نہ ہو جبکہ شرعاً مباح ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ امام اوزاعی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی چیز زیادہ مبغوض نہین ایسے عالم سے جو عامل یعنی ظالم بادشاہ یا امیر و وزیر کی ملاقات کرے۔ اوّل ظالم کے معنی معلوم ہوچکے کہ شرع پر مستقیم نہ ہو۔ محمد بن مسلمہ کا قول مروی ہے کہ ظالمون کے دروازے پر قاری کا ہونا پائخانہ پر مکھی سے زیادہ بدتر ہے اور حدیث مین مروی ہو کہ جس نے ظالم کیلئے دیر تک زندہ رہنے کی دعا کی اُس نے یہ پسند کیا کہ دنیا مین اللہ تعالیٰ کی نافرمانی زیادہ پھیلے۔ یہ سب سراج سے منقول ہوا۔ خلاصہ تفسیر کلام الٰہی یہ ہو کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو تکریماً خطاب کرکے حکم امت کو دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر ظاہر و باطن مستقیم رہو کسی افراط و تفریط کی طرف مت جھکو پھر پہلے فتنہ اور جڑ وسواس شیطانی کی کاٹ دی اور منع فرمایا کہ ولا ترکنوا الی الذین ظلموا۔ اور مت جھکو ان لوگون کی طرف جنھون نے ظلم کیا ہے یعنی مشرکون کی طرف خواہ اپنی جانون پر ظلم کرین یا غیرون پر انکی طرف ظاہر یا باطن مین مائل مت ہو یا کسی ظالم کی طرف خواہ مشرک ہو یا ظاہر مین مسلمان معلوم ہو جبکہ ظالم ہو یعنی موافق شرع الٰہی کے حقوق ادا نہ کرتا ہو تو ظاہر و باطن مین اسکی طرف مت مائل ہو۔ علمائے محققین نے دوسری احادیث سے یہان تخصیص بیان کی کہ نوکری جائز اور مزدوری مباح یا کسی اور نفع لینے یا ضرر دور کرنے کیلئے جو مباح ہے اُن کے پاس جانا اور حسن تدبیر سے یہ کام پورا کرنا روا ہے اور حاکم سے بغاوت کرنا جائز نہین ہو اور جب کسی ظلم کے روکنے پر قادر نہ ہو تو دل سے ضرور بُرا جانے ورنہ اس حکم مین داخل ہوگا اور اُسکا عذاب یہ ہو۔ فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ۔ کہ تم کو دوزخ کی آگ لگے۔ اس سے خود معلوم ہوا کہ جو ظالم ہے وہ بالکل دوزخ مین پڑکر آگ ہی پھر دوستی و محبت کا خیال جو اکثر ظالمون و مشرکون سے

ہوتا ہے تو دین و دل سے قطعی کاٹ دیا ہر فرمایا ۔ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ۔ اور تمہارے لئے تو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی دوست و حمایتی نہیں ہے۔ یہاں سے ظاہر ہوا کہ ظالمون کی طرف جھکنے سے مراد وہی دل پسندیدگی والفت ودوستی ہے یعنی جب تم کو دوزخ کی آگ لگے درصورت انکی طرف میل کے تو حالت یہ ہوگی کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی تمہارا بچانیوالا نہ ہوگا یا یہ کہ دوستی کا خیال مت کرو کہ تمہارا مولیٰ سوائے تمہارے خالق عزوجل کے اور کوئی نہیں ہے جو تم کو عذاب آلہی سے بچائے ۔ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۔ پھر تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے عذاب سے بچنے میں نصرت و مدد نہ دیے جاؤگے ف فی العرائس قولہ تعالیٰ ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار ۔ اس آیت کریمہ کے اشارہ سے ثابت ہے کہ جو لوگ دکھلانے سنانے کو عابد زاہد و فقیر بنتے ہین انکی پیروی سے بالکل پرہیز کرنا واجب ہے بلکہ انکی طرف میل بھی نہ کرے اور جو جاہل آدمی فقیری کا دعویٰ کرے یا عالم بن بیٹھے اسکی طرف بالکل میل نہ کرے اور جو عالم کہ مخلوق کے حق مین بہت مضر ہین یعنی دنیا کمانے کی فکر مین رہتے ہین اور امراء ورؤسا کی صحبت اختیار کرتے ہین وہ خود گم ہین بلکہ بڑے خراب ہین انسے پرہیز واجب ہے ورنہ بحکم اس آیت کے عذاب دوزخ مین گرفتاری ہوگی اور اشارہ ہے کہ انکی مصاحبت سے اللہ تعالیٰ سے دوری اور دنیا کی ریاست اور جاہ ومنزلت کی محبت سے مردود ہونا حاصل ہوتا ہے اور آدمی بدعت وضلالت مین گرفتار ہو جاتا ہے اور اس سے یہ بھی اشارہ ہے کہ جو لوگ حقوق آلہی سے جاہل ہین اور شریع کے اسرار سے غافل ہین اُن کے ساتھ دل کو تسکین دینا محبت و مؤانست سے جائز نہین ہے ۔ کتانی رحمہ اللہ نے کہا کہ جو شخص کسی امام یا ولی سے ادب حاصل نہ کرے وہ ہمیشہ بیہودگی کے ساتھ ناکارہ رہیگا سہل رحمہ اللہ نے اسی آیت سے یہ حکم نکالا کہ اپنے دین وتقویٰ کے لیے آدمی پر فرض ہے کہ کسی شخص کے طور طریقہ پر اعتماد نہ کرے سوائے ایسے بزرگ عالم کے جو طریقہ سنت پر خلوص سے عامل ہو ۔ حمدون القصار رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بدکارون کی صحبت اختیار مت کرو ورنہ نیکون کی صحبت سے محروم کر دیے جاؤگے ۔ علی بن موسیٰ الرضا عن ابیہ عن جدہ علیہم السلام نے اس آیت کے اشارہ مین کہا کہ آدمی کا نفس جبتک اللہ تعالیٰ کے ذکر ومحبت سے وآخرت کی طرف ہمہ تن ظاہر وباطن توجہ سے مطمئن نہو جائے تب تک اُسکا نفس دنیائے فانی شہوات کی طرف اُسکو مائل کر کے عذاب مین گرفتار کرنا چاہتا ہے تو وہ بڑا ظالم ہے پس خود ظاہر ہوا کہ اپنے نفس کی باتون وخواہشون کی طرف جبکہ خلاف سنت ہون ہرگز میل نکرے ۔ **قال المترجم** لطیفہ نفیس وعجیب ہے واللہ تعالیٰ اعلم ۔ سہل رحمہ اللہ نے کہا کہ اہل بدعت جنھون نے طریقہ رسول اللہ صلعم ترک کر دیا اُن کی مصاحبت مت اختیار کرو ۔ اقول بیشک یہ لوگ بھی ظالم ہین ۔ ہذہ لفائس فی العرائس ۔ پھر واضح ہو کہ سوائے رسول اللہ صلعم وصحابہ انکے عموماً استقامت امر دشوار تھا خصوصاً صغیرہ گناہون سے عموماً تو محض فضل وکرم سے محبت نازل فرمائی بقولہ

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ

اور کھڑی کر نماز دو نون سرے دن کے اور کچھ ٹکڑون مین رات کے البتہ نیکیان دور کرتی ہین

السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۚ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ

برائیون کو یہ یادگاری ہے یاد رکھنے والون کو اور ٹھہرا رہ البتہ اللہ ضائع نہین کرتا

اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ○

ثواب نیکی والون کا

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّھَارِ - اور اچھی طرح ادا کر نماز کو دونوں طرف دن کے - الصلوۃ سے مراد مفروضہ نمازیں ہیں اور بعض نے کہا کہ نفل وغیرہ سب شامل ہیں ولیکن اصح وہی قول اول ہے کیونکہ ادا کرنے نوافل سے گناہوں کا کفارہ ہونا مروی نہیں لیکن فرائض کے عمدہ طور پر ادا کرنے سے جب گناہوں کا کفارہ ہو گیا تو نوافل زائد فضیلت وکفارہ کے لیے زیادہ اُمید کی چیز ہیں ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مراد پانچوں فریضہ ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بڑھایا کہ اور باقیات صالحات ہیں اور قرطبی رح نے لکھا کہ ابن المسیب وضحاک کی جماعت کا یہی قول ہے اور میں کہتا ہوں کہ احادیث صحیحہ وتفاسیر ائمہ تابعین بالکل اسی پر دلالت کرتے ہیں - اب تفاسیر معلوم کرنا چاہیے تو شیخ حافظ رح نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے روایت کی کہ طرفی النہار کی نماز دن سے مراد دو نماز صبح ومغرب ہے اور یہی حسن رح وابن زید کا قول ہے اور دوسری روایت میں حسن نے اور قتادہ وضحاک وغیرہم نے کہا کہ صبح اول طرف کی اور ظہر وعصر دوسری طرف کی ہے اور یہی محمد بن کعب کا قول ہے - **قال المترجم** اور بعض نے کہا کہ ابن جریر رح نے قول اول کو ترجیح دی کیونکہ سب کا اتفاق ہے کہ دن کی اول طرف صبح ہے اور دوسری طرف مغرب ہے واقول فخر رازی نے کبیر میں قول دوم کو ترجیح دی اور کہا کہ دوسری طرف میں نماز مغرب نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ زلفا من اللیل کی تحت میں داخل ہے تو ضرور نماز عصر مراد ہوئی - میں کہتا ہوں کہ اگر نہار سے شرعی نہار مراد ہو تو طلوع فجر سے شروع ہوتا ہے اور اگر نہار عرفی مراد ہو تو طلوع شمس سے ہوتا ہے ولیکن اسمیں اختلاف نہیں کہ اول نماز صبح ہے اور دوم میں ظاہر قول ابن جریر رح ہے کیونکہ بالاتفاق شرعاً وعرفاً طرف دوم غروب ہے اگرچہ نماز عصر کی فضیلت بقولہ والصلوۃ الوسطی الآیۃ وغیرہ سے ثابت ہے اور جو حدیث سبب نزول وارد ہوئی اور آگے آتی ہے تو ظہر وعصر مراد لینے پر انسب ہے وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ - زلف وہ ساعتیں کہ ایک دوسرے سے قریب ہوں اسی وجہ سے عرفہ کے بعد مکہ سے قریب منزل کو مزدلفہ کہتے ہیں قاموس میں ہے کہ زلفہ رات کا ٹکڑا یعنی یہ کہ اور نماز قائم کر رات کے ایک ٹکڑے میں - **قال الحافظ** ابن عباس رضی اللہ عنہ وحسن نے فرمایا کہ نماز عشاء مراد ہے - مبارک بن فضالہ نے کہا کہ مغرب وعشاء مراد ہے اور یہی مجاہد وغیرہم نے فرمایا - اقول جن کا یہ زعم ہے کہ دن کی دوسری طرف کو مغرب کہا ان کے نزدیک یہاں نماز عشاء ہوگی اور جنھوں نے عصر کہا ان کے نزدیک مغرب وعشا ہیں اور زلف کے معنی بھی مناسب ہیں اور ارجح قول واللہ اعلم یہ ہے کہ اول طرف نہار سے صبح اور دوم طرف دن سے ظہر وعصر دونوں اور زلف اللیل سے مغرب وعشاء مراد ہیں کیونکہ جمہور مفسرین نے پانچوں نماز سے تفسیر کی تو اسی قول پر آگئیں اور چونکہ مقصود یہاں استقامت سے صغائر گناہ معاف ہونا اور احادیث صحیحہ سے جملہ فرائضہ نماز دن کا مکفرات ہونا معلوم ہوتا تو سب یہاں مراد ہیں کیونکہ جملہ حسنات سے سیأت زائل ہو جاتے ہیں بقولہ تعالیٰ - اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ - ضرور نیکیاں بہا دیتی ہیں برائیوں کو - **قال الحافظ** یعنی نیک کام کرنے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اسطرح کہ گویا اُن کا وجود ہی نہ تھا چنانچہ حدیث صحیح ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ میں نے سنا کہ آنحضرت صلعم فرماتے تھے من مسلم یذنب ذنبا فیتوضا ویصلی رکعتین الا غفر لہ یعنی نہیں کوئی مسلمان کہ کوئی گناہ کرے پھر وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے مگر آنکہ اس کا گناہ بخشدیا جائےگا - اقول اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آیت میں حسنات سے مراد عام ہے خواہ فریضہ نماز ہو یا نفل ہو تو ابتدا آیت میں الصلوۃ سے عام نماز مراد ہوگی لیکن حدیث اگر توبہ پر محمول کی جاوے یعنی دو رکعت پڑھکر توبہ کرے تو بخشدیا جائےگا تو ایسا نہ ہوگا اور وجہ حمل یہ ہے کہ حدیث میں یذنب ذنبا سے گناہ عام ہونے کی تاکید ہے خواہ

صغیرہ ہو یا کبیرہ ہو اور آیت مین علمار کے نزدیک صغیرہ معاف ہوتے ہین جیسا کہ آگے آویگا - قال الحافظ اور صحیحین مین حضرت عثمان
رضی اللہ عنہ سے روایت ہی کہ اُنھون نے آنحضرت صلعم کے مثل وضو کیا اور کہا کہ مین نے یون ہی رسول اللہ صلعم کو وضو کرتے دیکھا
اور آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جو میرا ایسا وضو کرے پھر دو رکعتین نماز پڑھے ان مین اپنے جی سے باتین نہ کرے (یعنی وسواس و خیالات
سے بچا رہے) تو اُسکے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہین اور امام احمد نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث مین آخر مضمون یون روایت کیا کہ پھر آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو میرا ایسا وضو کرے اور کھڑا ہو کر ظہر پڑھے تو صبح سے ظہر تک درمیان کے گناہ معاف ہون گے پھر جب
عصر پڑھے تو ظہر و عصر کے بیچ کے معاف ہون گے پھر مغرب پڑھے تو عصر و مغرب کے بیچ کے گناہ معاف ہون گے پھر عشار پڑھے تو مغرب
و عشار کے بیچ کے گناہ معاف ہون گے پھر شاید وہ رات کو لیٹے تو رات بھر پڑا لوٹا کرے پھر جب اُٹھکر ایسا وضو کرکے نماز صبح پڑھے تو
نماز عشار و صبح کے بیچ کے گناہ معاف ہون گے اور یہی حسنات ہین جو برائیون و گناہون کو زائل کر دیتی ہین اور صحیح مین روایت
ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا اور اتم لوان الحدیث یعنی بتلاؤ کہ اگر تم مین سے کسی کے دروازہ پر نہر ہو جسمین وہ روز پانچ مرتبہ نہاتا ہو
تو بھلا اُس کے بدن پر کچھ میل رہ جائیگا صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کچھ نہین، تو فرمایا کہ ایسی ہی پانچون نمازین ہین کہ انکے واسطے
سے اللہ تعالیٰ بندے کے گناہون و چوک کی حرکتون کو محو کر دیتا ہے - امام احمد نے ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کی کہ ہر نماز
اپنے روبرو کے گناہ و بھول چوک کو میٹ دیتی ہے - سراج مین لایا کہ علمار نے فرمایا کہ نیک کام مثل نماز و روزہ و صدقہ
و ذکر و تسبیح و استغفار وغیرہ سے صغیرہ گناہ محو ہو جاتے ہین اور رہے کبیرہ گناہ تو وہ فقط توبہ سے معاف ہوتے ہین اور اسکی تین
شرطین ہین ایک یہ کہ اب اس گناہ سے بالکل دور رہا دوم یہ کہ جو ہو گیا اس پر شرمندہ و نادم ہوا سوم یہ کہ پکا مضبوط ارادہ
ہو کہ آئندہ اب کبھی نہین کرونگا - جب یہ باتین پائی جاوین تو اسکی توبہ صحیح ہے انشار اللہ تعالیٰ مقبول ہوگی (انتہی) ما فی السراج و
قال الحافظ اور صحیح مسلم مین ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ پانچون نمازین اور جمعہ سے جمعہ تک اور رمضان سے رمضان تک ان
گناہون کے مٹنے والی ہین جو ان کے درمیان مین واقع ہون جب تک کہ کبیرہ گناہون سے بچا رہے اقول اور قولہ تعالیٰ ان
تجتنبوا کبائر ما تنہون عنہ نکفر عنکم الآیۃ - سے بھی ایسا ہی ثابت ہوا چنانچہ اسکی تفسیر مین گذر چکا اور بعضے علمار نے کہا کہ بعضے
کبیرہ معاف ہونے کی بھی اُمید ہے اور شاید وجہ اختلاف یہ ہی کہ اول قول پر کبیرہ مانند فعل شرک و قتل ناحق و عقوق والدین
وغیرہ ہین تو بدون توبہ معاف نہ ہون گے اور قول دوم پر کبیرہ بہت ایسے حرام افعال کو شامل ہین جن کے کرنے والے کو عذاب کا
خوف دلایا گیا ہے - فی السراج - اور اس آیت کا سبب نزول وہ ہے جو ترمذی نے ابوالیسیر بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا
کہ میرے پاس ایک عورت آئی جسکے شوہر کو آنحضرت صلعم نے کسی لشکر مین مقرر کر کے جہاد کو بھیجا تھا اُسنے مجھ سے کہا کہ مجھے ایک
درہم کے چھوہارے دیدو مجکو اسوقت وہ عورت بھلی معلوم ہوئی تو مین نے کہا کہ اس کوٹھری مین اس سے اچھے چھوہارے ہین وہ
میرے ساتھ اندر آئی تو مین نے اسکی طرف جھککر لپٹا کر اسکا بوسہ لیلیا لیکن مجھے خوف الٰہی آگیا تو الگ ہو کر مین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس
آیا اور اُنسے یہ حال کہکر اپنے گناہ کی معافی کی راہ ڈھونڈی اُنھون نے مجھے اسقدر فرمایا کہ اپنا پردہ رکھ اور توبہ کر لے اور کسی کو خبر مت کر پھر مین پریشان حضرت
عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اُنھون نے بھی یہی فرمایا تو نا چار مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور مین نے عرض کر دیا کہ مجھ سے یہ گناہ سرزد ہوا
آپنے فرمایا ارے تو نے ایک مرد کی جو اللہ تعالیٰ کی راہ مین جہاد کو گیا اسکے پیچھے ایسی خیانت کی تو مجھے سخت خوف ہوا اور گھبرا کر مجھے تمنا ہوئی کہ

اش ہین اسی وقت مسلمان ہوتا اور مجھے یقین ہوگیا کہ مین دوزخی ہون اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک جھکا لیا اور بہت دیر ہوگئی
ہان تک کہ آپ پر وحی نازل ہوئی جب وہ حالت رفع ہوئی تو مجھے بلایا اور یہ آیت پڑھی واقم الصلوۃ طرفی النہار وزلفا من اللیل ان الحسنات
یذہبن السیات ۔ ذالک ذکری للذاکرین ۔ یعنی اور قائم کر نماز کو دونون طرف دن کے اور رات کے ٹکڑے مین ضرور نیکیان دور
کرتی ہین برائیون کو نصیحت ہے متقیون کیلئے تو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ یہ خاص اسی کے لئے ہے یا سب
لوگون کیلئے فرمایا کہ نہین بلکہ سب لوگون کیلئے ہے ۔ قال الترمذی ہذا حدیث حسن غریب ۔ وفی تفسیر الحافظ ح اور بخاری رح نے
ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک مرد اجنبی نے ایک عورت کا بوسہ لیکر گناہ کا ارتکاب کیا تھا اور حاضر ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کو اپنے گناہ سے آگاہ کیا تو اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی اقم الصلوۃ طرفی النہار الآیۃ ۔ اسنے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ میرے ہی لیئے
خاص ہے یا عام فرمایا کہ میری تمام امت کیواسطے ہے ۔ اور مسلم رح نے اپنی صحیح مین روایت کیا کہ اسنے حاضر ہوکر عرض کیا کہ مین نے چار دیواری کے
باغ مین ایک اجنبیہ عورت کو پاکر اس سے سب کچھ حرکت کی بوسہ لیا اور چپٹایا مگر مین نے اس سے جماع نہین کیا تو مین اللہ تعالی کے
حکم پر اپنی جان سے حاضر ہون جو آپ چاہین وہ میرے حق مین حکم کرین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہین دیا وہ شخص چلا گیا
اور عمر رض نے کہا کہ اللہ تعالی نے اس شخص کی پردہ پوشی فرمائی تھی اگر یہ اپنا فعل خود چھپائے رہتا اتنے مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے اپنی نظر اٹھائی اور فرمایا کہ اس شخص کو پھیر لاؤ لوگ اسکو واپس لائے تو آپنے اسکو یہ آیت پڑھ سنائی اقم الصلوۃ طرفی النہار الآیۃ
تو معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ کیا اکیلے اسی کے لئے ہے فرمایا کہ نہین بلکہ سب امت کے لیئے ہے ۔ پھر شیخ نے مسند احمد و ابن جریر کی تفسیر
سے مانند روایت ترمذی مذکورہ سابق کے نقل کیا ولیکن اسمین حضرت ابو بکر رض کے پاس جانا مذکور نہین ہے اور لکھا کہ ابن جریر نے اپنے اسناد
سے ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ آنحضرت صلعم کے حضور مین ایک مرد نے حاضر ہوکر عرض کیا کہ میری جان پر وہ سزا جاری کیجئے جو
اللہ تعالی نے فرمائی ہے (یعنی مین نے ایک عورت سے سوائے جماع کے مساس و بوسہ سب کیا ہے تو مجھے سزا دیکر گناہ سے پاک کیجئے) اسنے
ایک یا دو بار عرض کیا مگر آپنے منھ پھیر لیا پھر مضطرب ٹھہرا رہا پھر نماز کا وقت آیا اور نماز پڑھی گئی جب نماز سے فراغت ہوئی تو آپنے
فرمایا کہ وہ آدمی کہان ہے اسنے عرض کیا کہ مین حاضر ہون فرمایا کہ تو نے پورا وضو کیا تھا اور ہمارے ساتھ نماز پڑھی اسنے کہا ہان فرمایا کہ تو
اب تو اپنے گناہ سے ایسا پاک ہے جیسے تیری مان نے تجھے جنی تھی مگر اب ایسا نہ کرنا اور اللہ تعالی نے نازل فرمایا قولہ اقم الصلوۃ طرفی النہار الآیۃ
اور شیخ رحمہ اللہ نے یہان مسند احمد سے یہ حدیث حضرت عبد اللہ بن مسعود رض سے نقل کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان اللہ قسم بینکم
اخلاقکم الحدیث یعنی جسطرح اللہ تعالی نے تمہارے درمیان تمہارے رزق تقسیم فرمائے یعنی نصیب مین مقدر کیے ہین ویسے ہی تم مین تمہارے اخلاق
تقسیم فرمائے ہین (یعنی ہر شخص اپنی قسمت کے موافق اخلاق نیک یا بد کا عامل ہو جاتا ہے) اور اللہ تعالی دنیا کو تو ایسے شخص کو بھی دیتا ہے
جسکو محبوب رکھتا ہو اور ایسے کو بھی جسکو محبوب نہین رکھتا ہے (کافرون و مشرکون کو دنیا کی ثروت بہت ہوتی ہے) اور دین نہین دیتا مگر اسی
جسے محبوب رکھتا ہو پس جسکو اللہ تعالی نے دین دیا اسکو محبوب کیا اور قسم اس پاک کی جسکے قبضہ قدرت مین میری جان ہے کہ کوئی مسلمان
نہین جبتک اسکا قلب و زبان مسلمان نہ ہووے اور کوئی مومن نہوگا جبتک کہ اسکا پڑوسی اسکی بوائق سے امن مین نہو ہم نے پوچھا کہ کیا بوائق
آپنے فرمایا کہ اسکے فریب مکر و دھوکے سے اور اسکے ظلم سے خوف ہو اور کوئی بندہ مال حرام نہ کماوے گا کہ اسمین سے خرچ کرے تو پھر
برکت ہو اور صدقہ دیگا کہ نہ قبول ہو اور مر کر چھوڑ نہ جائیگا مگر جہنم کی طرف اسکا زادراہ ہوگا (یعنی مال حرام کی کمائی مین کبھی برکت

نہ ہوگی اور اُسمین سے صدقہ ہرگز قبول نہوگا اور اگر ترکہ چھوڑیگا تو یہ اُسکا جہنم کی منزل کا توشہ ہوگا) اور اللہ تعالی بدی کو بدی سے نہین
مٹاتا ہے بلکہ بدی کو نیکی کرنے سے محو کر دیتا ہے اقول یعنی بدلیل قولہ ان الحسنات یذہبن السیآت۔ شیخ ابو عثمان النہدی سے روایت
ہے کہ ہم حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے تھے اُنھون نے اسکی سوکھی شاخ پکڑ کر ہلائی کہ پتے کھڑکھڑا کر گر پڑے
پھر کہا اے ابو عثمان تو پوچھتا نہین کہ آپ کیون ایسا کرتے ہین مین نے پوچھا تو فرمایا کہ آنحضرت صلعم نے بھی میرے ساتھ ایسا ہی
کیا تھا پھر فرمایا کہ مسلمان نے جب اچھی طرح وضو کیا پھر پانچون نمازین پڑھین تو اسکے گناہ اسطرح گر پڑتے ہین جیسے اس شاخ کے
پتے گر پڑے اور یہ آیت پڑھی اقم الصلوة طرفی النہار الآیة۔ رواہ احمد۔ اور معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ آنحضرت صلعم نے
فرمایا کہ کوئی خطا صادر ہو جاوے تو اُسکے پیچھے نیکی کر جس سے وہ محو ہو جائیگی اور لوگون کے ساتھ اچھی خصلت سے برتاؤ کر۔ رواہ احمد۔
اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلعم سے روایت کی کہ اگر کوئی خطا سرزد ہو جاوے تو اُسکے پیچھے نیکی کر جو اسکو محو کر دے گی
مین نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا نیکیون مین سے ہو کلمہ پڑھنا لا الٰہ الا اللہ تو فرمایا کہ یہ تو سب نیکیون سے افضل ہو۔ رواہ احمد۔ اور
حضرت انس رضہ سے مرفوع روایت ہو کہ جس بندہ نے رات یا دن مین کسی وقت لا الٰہ الا اللہ کہا تو ضرور اسکے نامۂ اعمال مین سے برائیان
محو کر دی جاینگی اور اُسکی جگہ بھلائیان برابر قائم ہونگی۔ رواہ ابو یعلی۔ اور حضرت انس رضہ سے روایت ہو کہ ایک مرد نے عرض کیا
کہ یا رسول اللہ مین نے کوئی خواہش دما لوف چیز نہین چھوڑی بغیر کئے ہوئے تو فرمایا کہ بھلا تو گواہی دیتا ہو کہ لا الٰہ الا اللہ و
محمد رسول اللہ اُسنے عرض کیا کہ مین دل سے یقین جانتا ہون فرمایا کہ تو یہ کلمہ ان سب پر حاوی ہوگا۔ رواہ البزار۔ مترجم کہتا ہے کہ
لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کا یہ طریقہ ہو کہ دل اسوقت اللہ تعالی کی عظمت و کبریائی سے تسکین پاوے اور سب چیز کی خواہش و اچھائی نکل جائے
اور اللہ تعالی کی وحدانیت و کمال صفات کا اثر دل پر پیدا ہو اور جو اچھے لوگ ہین وہ تو اس پاک کلمہ کے وقت سوائے اللہ تعالی کے
تمام مخلوقات کو دل سے محو کر دیتے ہین پھر اسکی عظمت و جلال کے سوائے خود اپنے آپ کو بھی نہین دیکھتے ہین خلاصہ یہ کہ پڑھنے سے
دو باتین ہین ایک یہ کہ زبان سے اچھی قرأت ان الفاظ کے ادا کرنے مین پیدا ہو جسکو کان خوشی سے سنین تو یہ جہالت کا خیال ہو اور دوسری
بات یہ ہو کہ اسکے مضمون سے دل کے کان کھلین اور جب یقین بھر جاوے کہ بس معبود وہی اللہ عزوجل ہے ماسوائے اسکے سب مخلوق
مجبور ہو کوئی بھی معبود نہین پس جو صفات اللہ تعالی مین ہین ان مین سے کوئی بھی کسی مین نہوگی اور جو حمد و ثنا و تعظیم اسکی شان عز و
جل کیواسطے ہو وہ ذرہ برابر بھی کسی کیلئے نہین ہے پھر یقین قطعی ہوگا کہ اسکے جلال و عظمت کو آسمان و زمین و پہاڑ نہین اُٹھا سکتے تو کون
اُٹھا سکتا ہے پھر خود اپنے آپ کو فانی اور ہیچ و ناچیز جان جائیگا پس جب اسطرح یہ کلمہ طیبہ پڑھے تو بڑی نیکی ہے ضرور بحکم حدیث اس کے
گناہ مٹ جاوینگے واللہ سبحانہ تعالی اعلم۔ پھر چونکہ اللہ تعالی کی فرمانبرداری ملائکہ کی طرح انسان کو بے روک ٹوک کے میسر نہین ہو
کیونکہ انسان ایسی جگہ مین پیدا ہوا ہو جو طرح طرح رنج و موذی چیزون سے بھری ہے اور اسطرح پیدا ہوا کہ اسکا پیٹ کھانے پینے کی خواہش
کو اور آنکھین سونے کو و بدن آرام طلبی کو متقاضی و ہر عضو اپنی خواہش کا طالب ہو اور نفس جبتک پاکیزہ نہ ہو طرح طرح کی خراب خواہشون پر
آمادہ کرتا ہے اور سب سے بڑھکر شیطان دشمن ہے جو دماغی قوی کو تخیلات و اوہام و بزدلی وغیرہ کے وسواس دلاتا ہو اور دل سے ذرہ
برابر غفلت ہونے پر یقین مٹاتا رہتا ہے اور آدمی دوسرون کو دیکھکر ہل جاتا اور عجائب دیکھکر جھک پڑتا ہو خصوص جبکہ شیطانی راہ سے
اسکی مطیع قوم کو ایسی ایسی صنعتین و کاریگری سوجھتی ہین جس سے دنیا مین خوب تجمل و آرائش میسر ہو اور تمام دنیا انھین کی سلطنت اور

لیے بہشت ہو جاوے تو جبتک آدمی خوب یقین کے ساتھ آراستہ آخرت ہی کو جنت ونعمت واپنا گھر نہ سمجھتا ہو تب تک ممکن نہیں کہ
س قوم کی طرف رجوع نہ ہو جاوے اور اگر یقین کامل سے اسکو دین ملا اور اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوا تو اسپر اپنے اعضاء کی خواہشیں وشہوات
لب ہوں گی اور حدیث صحیح میں مضمون وارد ہے کہ اگر آدمی سے منع کیا جاوے کہ ساہی کے بھٹ میں نہ گھسنا تو منع کرنے سے خواہ مخواہ
سکا دل لگا رہیگا کہ کسی طرح گھسکر دیکھوں تو کیا بات ہے اسوجہ سے دین ہر چند بہت آسان ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ نماز میں مشقت کیا ہے
لیکن پھر بھی اسپر بہت گراں ہو جاتی ہے جب تک مرتبہ احسان کو نہ پہونچے کیونکہ اس مرتبہ پر نماز نہایت ہی خوب ہے چنانچہ آنحضرت فرماتے کہ
قرۃ عینی فی الصلوٰۃ یعنی میری دونوں آنکھیں نماز میں ٹھنڈی ہوتی ہیں لہذا ابتدا میں آدمی ضرور اپنے نفس پر مشقت سمجھکر گوارا کرے اور شرع پر
مستقیم ہو یقین کے ساتھ آخر مرنا برحق ہے اور اسیواسطے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو خطاب فرما کر امت کو نصیحت فرمائی بقولہ۔ وَاصْبِرْ
اور تو صبر کر یعنی استقامت پر قائم رہنے کی مشقت میں صبر کر اور طغیان سرزد نہ ہونے پر اور ظالموں کی طرف مائل نہ ہونے سے نفس کی تنگدلی
پر صبر کر۔ بعض نے کہا کہ جس کام کے کرنیکا حکم ہے اسی کی مشقت پر صبر مراد ہے کیونکہ جس سے ممانعت ہے اس سے باز رہنے میں کچھ مشقت نہیں ہے
اقول یہ بالکل وہم ہے کیونکہ بسا اوقات ممنوعات سے باز رہنا نفس کو نماز ادا کرنے سے زیادہ شاق ہوتا ہے خصوص جبکہ ایسے سامان موجود ہوں جنکے
ذریعہ سے فسق وفجور کا اسباب بہ آسانی ممکن ہو یا زیادہ تر سامان مہیا ہوں تو جو کوئی خوف الٰہی کرتا ہے نفس کو مضمحل ومجبور کرکے باز رہے اور یہ
مامور کے ادا کرنے سے زیادہ شاق ہے اور ظاہر قائل مذکور نے اعمال قلب باطن کو دین نہیں سمجھا صرف ہاتھ پاؤں وغیرہ جوارح ظاہرہ پر
مدار رکھا اور یہی منشا غلطی کا واقع ہوا حالانکہ دین کا بڑا جزو اعمال قلبی سے متعلق ہے از انجملہ نیت تو ہر فعل کے ساتھ لازمی ہے جیسے خلوص وغیرہ
لطف فتامل۔ اور یہ خطاب بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مقصود امت ہیں پھر بطور دلیل کے اس صبر کے حسن وثواب کو فرمایا فَاِنَّ
اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ مرتبہ احسان پر عبادت کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا یا نیکوکاروں کا ثواب نہیں
کھوتا اور مراد اس سے واقعی نیکی ہے حتی کہ جو شخص دل سے بد اعتقاد ہو تو اسکی نماز واقعی کچھ نہیں اور جو دکھلانے کو پڑھے وہ بھی باطل اور
جو حرام کھانے وکپڑے کے ساتھ یا بغیر وضو یا بدون نیت وغیرہ پڑھے وہ بھی واقعی نہیں ہے اقول کبھی مسلمانوں کے ساتھ نماز کے شریک
ہونیوالے جنکو دنیا کا لالچ ہے انکو اسکا عوض دنیا میں مل جاتا ہے لیکن آخرت کے اجر والوں کے ساتھ کچھ بھی نسبت نہیں ہے ف
فی العرائس قولہ تعالیٰ واقم الصلوٰۃ طرفی النہار وزلفا من اللیل الآیۃ۔ اسکے اشارات سے یہ بات ثابت ہے کہ اہل مشاہدہ اپنی
اوقات کو ان پانچ وقتوں میں فریضہ طور پر محفوظ رکھیں تاکہ مراقبہ سے اعلیٰ درجات وقربات پر واصل ہوں پس دن کے دونوں طرف
مجلس ذکر ومراقبہ میں بیٹھنے سے سر باطن سے مشاہدہ ہوگا اسلئے کہ درمیان میں کثرت سے دن میں فتور وغفلت واقع ہوتی ہے تو دونوں
طرف دن میں عبادت سے یہ سب میل جاتا رہیگا اور صفائی حاصل ہوگی اور یہ سب بمقتضائے رحمت ہے اور رات میں سے اس کا
پہلا حصہ لیا تاکہ ذکر کی حلاوت وصفائی وولولہ عشق ومحبت کا اثر دن تک باقی رہے اور آدمی غافل نہ ہو اگرچہ نیند میں سو جاوے
پس جب ان کے اوقات رات سے اور رات کے دن سے مل گئے اسطرح کہ وسواس کی مجال بیچ میں نہ رہی تو دل سے خطرات واسکی
تاریکی وخواہش فانیہ وغیرہ سب دور ہوئے بقولہ ان الحسنات یذہبن السیاٰت پس مشاہدہ کے نور سے شیطانی معارضہ نہیں رہتا اور
کشف جمال کے آگے اوہام وخیال کو مجال نہ رہی اور حسنات توحید ومعرفت سے گمان ووہم جسکی مخلوق پابند ہے زائل ہوئے اور یہ امر
جو مذکور ہوا اہل ذکر واخلاص ومراقبہ ومعرفت کو خوب روشن ہے کیونکہ وہی یاد والے ہیں غافل نہیں ہیں قد قال تعالیٰ ذلک ذکریٰ

للذاکرین۔ شیخ ابوعثمان رح نے فرمایا کہ اوقات وساعات اللہ تعالیٰ کی یاد کیلئے علامات ہیں تاکہ غفلت سے بیدار و دنیا سے عبرت حاصل رہے تو جس شخص کے اوقات وساعات غفلت میں گزرجاویں وہ یقین کرے کہ اسکا دل مرگیا کیونکہ ہر وقت اسپر فرض لازم ہو یا سنت یا کوئی نفل اوران سب میں اسنے غفلت کی تو کرنیوالا یعنی دل مردہ ہے واسطی رح نے کہا طاعات کے انوار سے معاصی کی کدورت زائل ہوجاتی ہو اقول یہ اشارہ ہو ورنہ منصوص ہو کہ معاصی خود میٹ دیئے جاتے ہیں اور وجہ اشارت حدیث صحیح ہو کہ معصیت سے دل پہ سیاہ نقطہ پیدا ہوتا ہو اور توبہ نکرنے سے یہاں تک بڑھ جاتا ہو کہ تمام دل گھیر لیتا ہے پس وہ تختی اصلی جاتی رہتی ہے اور نیکی نہیں سماتی اور اگر توبہ کرلے تو رفتہ رفتہ سیاہی دور ہوتی جاتی ہے پس معلوم ہوگیا کہ نیکیوں کی روشنی سے گناہوں کی تاریکی زائل ہوجاتی ہو بعض نے کہا کہ جب بندہ اپنے اوپر ہر نعمت کو حتی کہ بندگی کی توفیق کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل جانتا ہے تو اسکو اپنا فعل کچھ بھی ملحوظ نہیں رہتا ہے۔ ابوعثمان نے فرمایا کہ مخلوق کے ساتھ نیک گمان کرنیسے کدورت اور غیبت جاتی رہتی ہو اور اُن پر شفقت نصیحت و ترس آجاتا ہو اور یہ اسکو نصیحت مفید ہوگی جو توفیق سے اس لائق کیا جاوے یحییٰ بن معاذ رح نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندۂ مومن کیلئے گناہ پر راضی نہ ہوا یہانتک کہ اسکو چھپا دیا اور چھپانے پر بھی خوش نہوا یہانتک کہ بخشدیا اور بخشنے پر بھی خوش نہ ہوا یہان تک کہ گناہ کی ماہیت بدل دی اور بدل دینے پر بھی راضی نہوا یہان تک کہ اسپر ثواب دیا چنانچہ مومن تو دہی تھا کہ اسکو نیکی و استغفار کی توفیق دی ہو پھر یہان فرمایا کہ ان الحسنات یذہبن السیآت۔ اور حدیث صحیح میں ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندۂ مومن کا گناہ ایکدفعہ مرتبہ چھپا دیتا ہے اور مغفرت مانگنے پر بخشدیتا ہے اور دوسری آیت میں فرمایا فاولئک یبدل اللہ سیآتہم حسنات۔ اور بعض نے فرمایا کہ توبہ کی نیکی سے خطاکاری کا گناہ مٹ جاتا ہے اور کہا گیا کہ عرفان حاصل ہونے سے عصیان کا گناہ مٹ جاتا ہے اور کہا گیا کہ رحمت الٰہی سے جرم بندہ زائل ہوتا ہے۔ پھر چونکہ حفظ اوقات و پاس انفاس اور ہجوم انوار عظمت سے اہل مشاہدہ و مجاہدہ کے نفس پر بار عظیم واقع ہوتا ہے باوجودیکہ اعضاء و جوارح کے کام دین حنیفیہ میں نہایت آسان ہیں مگر حق امانات و نعمتہائے مشاہدات کا بار نفس سرکش شہوت پرست پر ایسا شاق ہو جسکا نمونہ آسمان و زمین و پہاڑوں کی امانت اٹھانے کے انکار سے ظاہر ہے لہذا نفس کو صابر رکھنا فرض ہے چنانچہ صریح حکم فرمایا بقولہ واصبر فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین اور اُسکے اشارات میں سے یہ ہو کہ مجاہدہ و مکاشفہ میں مذموم خطرات ایسے زبردست وارد ہوتے ہیں کہ محض مذموم ہیں اُنکے دور رکھنے میں نفس کو صابر رکھنا چاہیئے اقول صحیح میں ہو کہ صحابہ رضنے عرض کیا تھا کہ ہم کو ایسے خطرات آتے ہیں کہ انکا زبان پر لاکر عرض کرنا ہم کو نہایت گران معلوم ہوتا ہے فرمایا کہ تم اُنکو برا و مذموم جانتے ہو تو یہی عین ایمان ہو پس معلوم ہوا کہ خیر الخلائق صحابہ ان خطرات سے محفوظ نہ تھے اور عوام تو خود ہی نفس و شیطان کی پیروی میں بسر کرتے ہیں ان پر ایسے خطرات و وساوس لانے کی شیطان کو ضرورت نہیں ہو اور شیخ نے دوسرا اشارہ لکھا کہ تجلی کبریا کی گرانی میں متحمل ہونا چاہیئے کہ بدلے وجود فانی سے حصول دیدار باقی عزوجل اور بقا بسبقا رحق ہو بعض نے کہا کہ جو طاعات پر مستقیم ہوا اور نفس کو مضبوط رکھا وہ گناہوں سے بچا رہتا ہو اقول بدلیل قولہ۔ ان الصلوٰۃ تنہی عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللہ اکبر۔ اور نیت صادق سے اجر عظیم کا امیدوار ہوگا بعض نے کہا کہ ذکر پر صبر کرنا چاہیئے کیونکہ جو کوئی سچے طور پر اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہو اسکو اللہ تعالیٰ یاد فرماتا ہے چنانچہ حدیث صحیح میں ہو کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہو کہ جب بندہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہو تو میں بھی اسکو اسی طرح اپنے ملائکہ سے مخفی یاد فرماتا ہوں اور یہ نعمت عظیم ہو۔ قال المترجم واضح رہو کہ اللہ تعالیٰ عزشانہ کی بارگاہ اعلیٰ و اجل ہے کہ تمام مخلوق بادشاہ سے فقیر تک اُس کے پیدا کیئے ہوئے ذلیل و خوار بندے ہیں تو اُس کے

کرنیوالے کو ادب ملحوظ رکھنا فرض ہو اور خود پاکیزہ ظاہر و باطن ہو کر حاضر ہوئے اور دل سے یاد کرے جس کے ساتھ زبان بھی جنبش کرے اور وسواس دخل نہ دیوے تو اس کرامت عظمیٰ کا مستحق ہوا اور اسطرح تھوڑی دیر بہت اچھی ہو بہ نسبت تسبیح لوٹنے کے۔ اور بعض اکابر سے منقول ہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ بنی اسرائیل کے فاسقوں و بدکاروں سے کہدے کہ مجھے یاد نہ کیا کریں اس حالت میں کہ غافل دل سے بدکاری کے خیال میں ہیں ورنہ میں اُن پر لعنت کرتا ہوں اور یہ بات ظاہر ہے کہ اگر دنیاوی بادشاہ کے روبرو بیٹھکر ایک شخص اس سے بکبک کرے اور نظر اپنی اسکے منقش دیواروں کی طرف اور منہ دوسرے کی طرف رکھے تو بادشاہ اس سے نہایت ناخوش بلکہ بے ادبی پر سخت سزا دیگا تو بھلا حضرت ذوالجلال والاکرام کی شان عظمت و کبریائی کی تو کیونکر تعظیم بجا لاتا ہے جسنے تمام آسمان و زمین پیدا کیئے و یہ بادشاہ اسکے ناچیز مجبور حقیر بندے ہیں۔ فافہم واللہ تعالیٰ ہو الموفق والہادی۔ حاصل اس مقام کی آیات کا یہ ہو کہ بندہ جب استقامت پر ہو اور حق تعالیٰ کے احکام میں طغیان نکرے اور جیسا خود ظلم نہ کرے ویسے ہی ظالموں کی طرف مائل نہوا اور طاعات پر مضبوطی کیساتھ امید ثواب عظیم قائم رہے کیونکہ یہ امیدواری بھی خود طاعت ہو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل حال رہتی ہے اور آنحضرت صلعم کو تمام امت کیلئے ہادی و مرشد قرار دیا اسکے بعد پھر اگلی اُمتوں کا تذکرہ فرمایا کہ ان میں کوئی ایسا نہ رہا کہ آپس میں ایک دوسرے کو ظلم و بدکاری سے منع کرے جن کا کہنا مانا گیا۔ لہٰذا اس طرح عذاب سے ہلاک ہوئے بقولہ تعالیٰ۔

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ

سو کیوں نہ ہوئے اُن سنگتوں میں　تم سے پہلے　کوئی لوگ جن میں اثر رہا ہو　کہ منع کرتے بگاڑنے سے　ملک میں

اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ○

مگر تھوڑے　جو ہم نے بچا لیئے اُنمیں سے　اور چلے وہ لوگ جو ظالم تھے　اسی راہ جسمیں عیش پایا اور تھے　گنہگار

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ○

اور تیرا رب　ایسا نہیں کہ ہلاک کرے بستیوں کو زبردستی سے　اور لوگ وہاں کے　نیک　ہوں

واضح ہو کہ نظام عالم دو طرح قائم ہے اول یہ کہ جو لوگ تمام روئے زمین پر آباد ہیں قانون عدل کے موافق اپنے اہل عقل و دانشمندوں کی رائے پر چلیں حتیٰ کہ جانوروں کے ساتھ بھی ترحم رکھیں۔ دوم نظام شریعت الٰہی ہو بس اعلیٰ طریقہ جو دونوں پر عامل ہو اور اگر فقط اول پر عمل کرے تو دنیاوی نظام قائم ہوگا اور فقط دوم ہو تو فساد برپا ہوگا پھر افسوس کہ اول و دوم دونوں میں فساد ہو۔ خلیل نحوی سے نقل ہو کہ قرآن مجید میں سوائے سورہ صافات کے جہاں کلمہ لولا آیا ہے اسکے معنی ہلّا ہیں یعنی کیوں نہیں۔ اور زمخشری نے کہا کہ یہ حکایت ٹھیک نہیں اُتری کیونکہ صافات کے سوائے دیگر آیات میں مثل قولہ لولا ان تدارکہ نعمۃ من ربہ اور قولہ لولا رجال مومنون و نساء مومنات اور قولہ لولا ان ثبتناک لقد کدت الآیۃ میں لولا بمعنی ہلّا نہیں ہو کذا فی السراج۔ اولو بقیۃ اے صاحبان خیر و فضل و تقوی۔ کیونکہ بقیہ بمعنی فضیلت و خیر ہے اور یہ اسلیئے ہوا کہ آدمی جو کچھ اپنے واسطے رکھ لیتا ہو وہ اچھا و عمدہ رکھکر باقی نکالتا ہو پھر عربی و محاورہ میں مثل ہوگیا چنانچہ کہنے لگے کہ فلان بقیۃ القوم ہے یعنی اس قوم کے سب ردی و قابل نکال باہر کرنے کے ہیں صرف فلاں اچھا و افضل ہو اور شاید بقیہ بمعنی تقوی ہو جیسے تقیہ بمعنی تقوی تو اولو البقیۃ بمعنی صاحبان بقا ہوا اور مراد یہ ہو کہ ایسے لوگ جو اپنی جان کو عذاب غضب الٰہی سے باقی و بچائے رہیں قولہ تعالیٰ۔ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ۔ یعنی یہ اُمتیں جن کے خبار ہم نے بیان کیئے اور عذاب سے

آخر ہلاک کردی گئیں نہیں تھے ان امتوں میں جو تم سے پہلے ہلاک ہوئیں صاحبان فضل و خیریت ایسے کہ ـ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ
فِي الْأَرْضِ ـ منع کرتے لوگوں کو زمین میں فساد کرنے سے ـ یعنی یہ امتیں جو تم سے پہلے عذاب سے ہلاک ہوئیں اُن کی یہ حالت تھی
کہ ان میں نیکی کرنیوالے اور علم و عمل والے لوگ ایسے نہ تھے جو ان لوگوں کو کفر و شرک و بداعمالی و گناہوں کے سبب زمین میں فساد
کرنے سے روکتے ـ اِلَّا قَلِيلًا ـ لیکن تھوڑے لوگ ایسے تھے جو منع کرتے تھے وہ ایسے مغلوب تھے کہ قوم کے لوگ انکو نہ مانتے اور یہ
بڑھکر نافرمانی تھی کہ سیدھی راہ بتلانے والے کو دشمن جانیں اور ذلیل و خوار کریں پھر اُن کا پتا بتلا دیا ـ بقولہ مِّمَّنْ أَنجَيْنَا مِنْهُمْ ـ
وہ لوگ ہیں کہ ہم نے اس قوم میں سے نجات دیدی وقت عذاب نازل کرنے کے کیونکہ وہ لوگ شرک و عصیان کے فساد سے منع
کرتے تھے تو وہ عذاب سے محفوظ رہے نظیر اُن کی اصحاب السبت کا قصہ ہے چنانچہ تین فریق میں سے منع کرنیوالے اور الگ ہو جانیوالے
بچ رہے اور نافرمان عذاب میں گرفتار ہوئے اور حاصل یہ ہے کہ اگلی امتوں پر جو عذاب آیا اسکا سبب دو امر تھے ایک یہ کہ انمیں
ایسے لوگ نہ تھے جو شرک و عصیان سے منع کرتے لیکن تھوڑے لوگ ایسے تھے جو حق پر قائم تھے انکو ہم نے نجات دیدی اور دوسرا سبب
عذاب یہ تھا کہ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ ـ اور پیروی کرتے رہے وہ لوگ جنھوں نے اپنی جانوں پر اور غیروں پر ظلم کیا تھا
اُن شہوات کی جو ان کو فراخی سے دی گئی تھیں ـ یعنی سب قوم ظالم اپنی خواہش نفس کی پیروی میں دنیاوی نعمتوں میں اترانے لگے وَكَانُوا
مُجْرِمِينَ ـ اور تھے مجرم یعنی دنیاوی چیزوں کی خواہش میں موافق شرع کے نہیں چلتے تھے بلکہ جو جی چاہتا تھا وہ شرک و معصیت کرتے
اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ساتھ رہتے تھے کیونکہ دنیا کی طیبات لذیذہ کھانا پینا وغیرہ شرع میں بالکل منع نہیں ہے بلکہ اُسکے استعمال
میں حلت و حرمت کے احکام متعلق ہیں پس اُنہیں موافق حکم الٰہی تصرف کرے اور اسکی طاعات ادا کرے ولیکن اُنھوں نے اپنی خواہشوں کے
موافق مجرم و نافرمان ہو کر اسراف کیا اور اترانے لگے تو اُن پر عذاب الٰہی آیا کہ بالکل نعمتوں سے ہمیشہ کیلئے محروم ہو گئے نعوذ باللہ
من عذابہ ـ اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ آدمی جہالت سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرکے اپنے آپ کو اچھا جانتا ہے اور نعمتوں دنیاوی
کے سبب یہ خیال دوڑاتا ہے کہ ہم لوگ بڑے نیک ہیں جبھی ہم کو سلطنت و بادشاہت و مال و متاع و دانائی و عقل دی گئی ہے ولیکن
فی الحقیقت انکو معرفت الٰہی سے خبر نہیں اور آخرت سے منکر اور شہوات نفس میں اتراتے ہیں اور ہلاک ہو کر ظلم کا وہم کرتے ہیں حالانکہ
اللہ تعالیٰ عزوجل کی شان میں ظلم متصور نہیں ہے قال تعالیٰ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ ـ یعنی جن شہر والے شرک و فساد
سے پاک صالح ہوں انکو اللہ تعالیٰ ہلاک نہیں کرتا ہے کہ ظلم کی صورت سمجھی جاوے بلکہ یہ لوگ درحقیقت بڑے مفسد تھے اور سراج میں
یہ معنی بیان کئے کہ اور نہ تھا تیرا رب کہ تباہ کردے ان شہروں کو ان کے شرک کے سبب سے ـ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ ـ درحالیکہ اُسکے
رہنے والے آپس میں اصلاح پر ہوں یعنی کوئی قوم خالی مشرک ہونے کی وجہ سے ہلاک نہیں کی جاتی ہے جبکہ وے آپس میں اصلاح
کرتے رہیں اور معاملات میں مصلح ہوں پس خالی شرک کے اعتقاد رکھنے سے ایسا عذاب نہیں آتا کہ بالکل تباہ کردیئے جاویں بلکہ ایسا عذاب
اسوقت نازل ہوتا ہے کہ جب انکا برتاؤ آپس میں ظلم و ایذا کا ہو چنانچہ جن قوموں کا قصہ عذاب سے ہلاکت کا نقل ہوا اُن سے
اللہ تعالیٰ نے معاملات میں ظلم و ایذا کا معاملہ بیان فرمایا ہے لہٰذا بعض نے کہا کہ حقوق الٰہی کا مبنی چشم پوشی و سہولت پر ہے اور
بندوں کے حقوق کا مبنی ضیق و بخل پر ہے اور اثر میں مروی ہے کہ بادشاہت کفر و شرک کے ساتھ باقی رہتی ہے اور ظلم کے ساتھ
نہیں رہتی ہے انتہی ـ حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ غنی ہے اسکو بندوں کی طاعت و معصیت سے پرواہ نہیں ہے اگرچہ شرک اسکو پسند نہیں ہے

توآخرت اسکو نہ ملیگی اور دنیا بھی اسکے نزدیک محض بے قدر و ناپسندیدہ ہے تو مشرک کو یہ دنیا دیدی گئی۔ بخلاف ظلم و ایذا رسی کے کہ اسمین بندون کے حقوق متعلق ہین اور وے سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہین تو جو کوئی ان پر ظلم کرے ہلاک ہو جیسے قوم شعیب لوگون کا مال مارتے اور ظلم کرتے تھے اور قوم لوط والے لوگون کی اولاد کو بے حیا و زنانہ بناتے تھے بالجملہ مشرک قوم جو خلاف راسے کے شہوات مین گرفتار ہو تو وہ ضرور ظلم کریگی جس سے لوگون کی جان و مال پر سخت خطرہ ہوتا ہے ورنہ جو قوم مشرک کہ ظلم و ایذا رسی سے بچے اور لوگون مین معاملات مین صلاح رکھے وہ دنیا کی بادشاہت پاویگی چنانچہ اس آیت کریمہ کی تصدیق اسوقت روبرو موجود ہے حتی کہ جو قومین اسلام کا دعوی کرتی ہین ظلم و اتباع شہوات مین گرفتار ہین انکو دنیاوی حکومت مخلوق سے زوال ہے اور بعض مشرک قومین صلاح و انصاف پر آمادہ ہین انکو روز بروز ترقی ہے حضرت جریر البجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر پوچھی جاتی تھی تو مین نے آپکو فرماتے سنا کہ اہلہا مصلحون کے معنی مین فرمایا کہ وے لوگ آپس مین ایک دوسرے کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرتے ہیں رواہ الطبرانی وابو الشیخ وابن مردویہ والدیلمی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ ایسا برتاؤ نہین کرتا جو ظلم کی صورت پر ہو جس حال مین وے صلاح پر ہون یا کسی قوم کو فقط ظلم یعنی شرک کی وجہ سے بالکل ہلاک و تباہ نہین کر دیتا درحالیکہ دنیاوی برتاؤ مین انصاف و اتفاق سے رہتے ہون ایذا و آزار خلق انکا شیوہ نہ ہو بلکہ دنیاوی زندگی بھر ان کو اسی حال پر چھوڑتا ہے اگرچہ وے مشرک کافر ہون تو اگلی قومین جن پر عذاب نازل فرمایا وہ صرف شرک و کفر کی وجہ سے نہ تھا بلکہ انھون نے اترانا شروع کیا اور شہوات نفس کی پیروی مین جو چاہا وہ کیا اور ان مین امن و انصاف جاتا رہا لوگ ظلم کرنے لگے اور ان مین کوئی ایسا نہ رہا جو دین حق پر ہو یا ایسے لوگ نہ رہے جو عوام کو راہ راست پر مصلحت کے موافق اپنی رائے و مشورہ سے چلا دین اور سب کو ایک صلاح پر رکھین مگر تھوڑے سے لوگ ایسے تھے جن کا کہنا نہین چلتا تھا تو عذاب آیا اور یہ لوگ بچائے گئے کہ انکو حیات دیدی گئی۔ قال المترجم۔ اسی طرح۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اس امت مرحومہ کے واسطے فرمایا ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر الآیہ یعنی تم مین سے ایک گروہ ایسا ہو جو نیکی کی طرف بلاوین اور معروف کا حکم کرین اور منکر سے روکین تا آخر۔ اور احادیث بکثرت وارد ہین کہ آنحضرت صلعم نے ان مین اہتمام تاکید فرمائی ہے کہ تم لوگ آپس مین نیکیون کے بجالانے کا حکم اور ممنوعات سے منع کرتے رہو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلون مین پھوٹ ڈالیگا کہ تمہارے نیکون کی دعا بھی قبول نہ ہوگی اور سب تفسیر اسکی قولہ واتقوا فتنة لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصة الآیہ۔ اور قولہ لکانوا لا ینتہون عن منکر فعلوہ الآیہ کی تفسیر مین گذر چکی ہے۔ ف۔ فی العرائس قولہ تعالیٰ وما کان ربک لیہلک القری بظلم واہلہا مصلحون۔ اس آیت کے اشارت مین شیخ نے لکھا کہ ظاہری تفسیر مصلحون مین کہا گیا کہ مصلحون بعضہم بعضا یعنی آپس مین ایک دوسرے سے برتاؤ و معاملات مین انصاف کرتے ہون کوئی کسی پر ظلم نہ کرنے پاوے اور یہی طبرانی وغیرہ کی حدیث جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ سے ہے جو اوپر مذکور ہوئی اور خاص اشارہ سے یہان یون لیا گیا کہ قری عارفون کے دل ہین اور اہل القری ارواح قدسیہ ہین اور معنی یہ ہوئے کہ جب یہ ارواح اپنے نفوس امارہ سے مخالفت کرتے ہین تاکہ ذکر الٰہی و طاعات مین نفس امارہ کچھ خلل نہ ڈال سکے تو یہ قلوب ہلاک و برباد نہین ہوتے یعنی برابر ان پر تجلیات قدسی وارد ہوتے ہین اور انوار مشاہدہ و قربت سے نورانی رہتے ہین اور ان کو قہریت کے نزول و خطرات و وساوس کے داخل ہونے سے ویران نہین فرماتا ہے اشارہ دوم یہ کہ جو لوگ پورا یقین رکھتے ہین اور اپنے پروردگار سے محبت صادقہ رکھتے ہین اور عارف بندے ہین اللہ تعالیٰ ان قلوب کو خراب نہین فرماتا جبکہ انکے نفوس امارہ مطمئن ہون یعنی بحکم قولہ تعالیٰ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب وہ یاد الٰہی مین مطمئن ہون پھر اگر بعض خواطر

ہو وساوس کا گزر بھی ہوا تو حق تعالے اُن کے اسرار کو مشاہدہ حال سے محجوب نہیں فرماتا فقولہ ظلم یعنی تھوڑے ظلم و بعض خطرات سے محروم نہیں کرتا ہو اور تیسرا اشارہ ہو کہ قلوب پر اللہ تعالی کی شان سے ظلم نہیں ہے کیونکہ وہ ظلم سے بالکل پاک ہے اور اگر بفرض محال اسکی طرف سے ظلم متصور بھی ہوتا تو بندگان مقبول و صالحین پر وہ ظلم نہیں فرماتا کیونکہ ازل میں اسنے انکو اپنی معرفت کیلئے منتخب فرمایا چنانچہ کشف صفات سے اُنکو ذات کی معرفت عطا فرمائی پس صلاحیت اُن میں برابر باقی رہی بعض نے کہا کہ جو عذاب میں گرفتار ہوا اور اپنے گناہوں ہی کے عوض پکڑا گیا اور جسنے طاعت الٰہی کو اپنے اوپر لازم کر لیا وہ دونوں جہان کی آفات سے محفوظ کر دیا گیا۔ شیخ ابو سعید القرشی رح نے کہا کہ عاجزی سے گڑگڑا کر ہر دم اللہ تعالی کی طرف رجوع لانا یہی صلاحیت ہو۔ انتہی۔ واضح ہو کہ اگر مشرک قوم اسوجہ سے کہ باہم تصفیہ کر کے معاملات کو صلاح کی صورت پر رکھتے ہیں دنیا میں دولت و مال بلکہ سلطنت پاوین تو یہ دنیا ایک ملعون چیز ہے جو ان کے اعمال کا عوض اُن کی خواہش پر انکو دیدی گئی اور دنیا میں عذاب نہ کیا گیا لیکن آخرت میں اُن کے لئے سوائے جہنم کے کوئی ٹھکانا نہیں ہے اسوجہ سے کہ اُنھوں نے وہاں کے واسطے توحید و معرفت و طاعات سے کوئی ذخیرہ نہیں جمع کیا۔ پھر اگر تجھکو یہ وہم ہو کہ اُن کو ہدایت کیوں نہیں دی گئی تو آگاہ ہو کہ اسکا جواب دو باتوں پر موقوف ہے اول یہ کہ تجھکو یہ معلوم ہو کہ صفات الٰہی تقدس و تعالی کی ماہیت و کنہ کیونکر ہے اور دوم یہ کہ تمام مخلوق کے پیدا کرنے میں اسکی حکمت کیونکر ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اسکی ماہیت سے آگاہی مخلوق کو محال ہے اور جبکہ اسکی صفت ہو تو حکمت سے آگاہی بھی محال ہے چنانچہ کوئی شخص یہ جواب نہیں دیسکتا کہ آسمان سات سے زائد یا ستارے اس سے کم یا زائد کیوں نہیں پیدا کئے اور زمین سے اسقدر دور کیوں ہیں ہاں اسقدر ضرور معلوم ہے کہ خالق عز و جل نے جبوقت کسی مخلوق کو پیدا کیا وہ جاہل نہ تھا کہ یہ کیسے کام کریگا پھر دنیا میں اس مخلوق سے علم الٰہی کے خلاف نہیں واقع ہو سکتا ورنہ نعوذ باللہ لازم آویگا کہ وہ علم دروغ تھا جب یہ یقینی بات ہو تو ہمکو اسی قدر پر اطمینان ہو اور یہی تقدیر اور یہی حکمت الٰہیہ ہو چنانچہ اللہ تعالی عز و جل نے اسی سے آگاہ فرمایا فقولہ تعالی

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۙ

اور اگر چاہتا تیرا رب کر ڈالتا لوگوں کو ایک راہ پر اور ہمیشہ رہتے ہیں اختلاف میں

اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ

مگر جن پر رحم کیا تیرے رب نے اور اسی واسطے اُن کو پیدا کیا ہے اور پورا ہوا لفظ تیرے رب کا کہ البتہ بھروں گا

جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝

دوزخ جنوں سے اور آدمیوں سے اکٹھے۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً۔ اور اگر تیرا رب چاہتا تو سب لوگوں کو ایک اُمت کر دیتا۔ یعنی اللہ تعالی قادر ہے کہ چاہتا تو سب کو ایک ہی ملت ایمان پر یا ملت کفر پر مجتمع و متفق کر دیتا۔ وفی السراج ایک ہی ملت کر دیتا اور وہ اسلام ہو اور یہی بیضاوی میں ہو اور اس آیت میں صریح دلالت ہو کہ ایمان پر ہونا اللہ تعالی کے چاہنے و کرنے سے ہوتا ہے اور اُسنے ہر ایک کا مومن ہونا نہیں چاہا اور جب آدمی سمجھ کے ساتھ غور کرے تو دنیا میں یہ عجب حال دیکھیگا کہ کسی تدبیر سے ان سب کا دل سے ایک راہ پر ہونا ممکن نہیں اور ہر فریق اپنے کو حق پر اور دوسرے کو باطل پر جانتا ہے اور آخر اسی ملت پہ مر جاتا ہے اور دوسرے کی بات نہیں مانتا اگرچہ وہ حق کہتا ہو پھر اگر اسکی سمجھ کا قصور ہے تو شاید معتزلہ کے قول پہ یہ وہم ہو کہ یہ رحمت کاملہ الٰہی سے دور ہی

کہ اس بیچارے کو دوسرے کی سی سمجھ کیون نہ دی اور اگر دی تھی اور اُس نے اپنے آپ علم نہ پڑھا اور سمجھ بگاڑی تو جس نے اُس کی ذات
کو پیدا کیا وہ ضرور قادر تھا کہ اُسکی صفت علم کو پورا کر دے اور تدبیر کر لے مین اگر اسکا قصور ہے تو خالق عزوجل قادر تھا کہ وہ تدبیر
مثل دوسرے کے پوری کرے بیشبہہ جب خالق علیم وخبیر نے اسکو پیدا کیا تو اس سے پہلے جانتا تھا کہ یہ کیا فعل و کیسی حرکتین کریگا
تو ضرور اسی کے موافق اس سے صادر ہوگا اور یہی مشیت آلٰہیہ ہے اسی واسطے فرمایا کہ ولو شاء ربک الخ یعنی اپنی حکمت و مشیت
سے جسکا علم مخلوق کو ممکن نہین ہے تیرا رب چاہتا تو سب کے سب لوگ ایک ملت پر متفق ہوتے ان مین کچھ اختلاف نہ ہوتا ولیکن
اُسنے نہین چاہا - وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ - اور برابر ان مین اختلاف و پھوٹ چلی جائیگی یعنی کوئی یہودی کوئی نصرانی کوئی مجوسی
کوئی ہندو کوئی مسلمان کوئی نانک شاہی کوئی آزاد اور ندا اور حال مین نئی قوم نیچری ہوئی اور یہ سب اپنے درمیان مختلف اور ضلع جدا طور
سے جدا ہوتے گئے جیسے مسلمانون مین معتزلہ و رافضی و خارجی وغیرہ خلاف سنت پھوٹ نکلے الغرض اسقدر برابر مختلف ہوتے گئے کہ
اُسکا انضباط ممکن نہین ہے - قال الحافظ عکرمہ رح نے کہا کہ مختلفین یعنی طریقہ دین مین یا دین حق مین یا اسلام مین - اور حسن نے کہا کہ
رزق مین چنانچہ غنی نے فقیر کو مسخر کر لیا ولیکن صحیح قول اول ہے کہ مراد دین مین اختلاف ہے یعنی برابر دین حق و ہدایت مین مختلف ہوتے
جاوینگے - اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ - باستثناء ان لوگون کے جن پر تیرے رب نے رحم کیا یعنی رسولون کے پیرو جو اسی طریقہ پر بغیر
چون و چرا قائم رہے جو رسول نے اللہ تعالی کی طرف سے خبر فرمائی اور برابر ہر زمانہ مین ہر رسول کے پیرو دین اسلام و توحید پر
متفق و مرحوم رہے یہان تک کہ حضرت خاتم المرسلین شفیع المذنبین محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالی نے مبعوث فرمایا پس
مرحوم فرقہ نے اسی طرح آپ کی پیروی کی اور جو کچھ آپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تعلیم فرمایا اور صحابہ سے تابعین نے پایا وہی کچلیون سے
مضبوط کر لیا اور کچھ مختلف نہ ہوئے اور یہی وہ فرقہ ہے جسکو عذاب اختلاف و جنگ سے نجات ہوئی فی الفتح حضرت ابوہریرہ سے
روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا افترقت الیہود علی احدی وسبعین الحدیث یعنی یہودی اکہتر فرقہ مین مختلف ہوئے اکہتر مین
اور نصاری بہتر فرقہ مین اور عنقریب میری اُمت تہتر فرقہ مین مختلف ہوگی - رواہ ابوداؤد و نحوہ الترمذی - اور معاویہ رض سے
مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے ہم مین کھڑے ہوکر خطبہ پڑھا اور اسمین ہے کہ آگاہ رہو کہ تم سے پہلے اہل کتاب تو بہتر فرقہ تک
مختلف ہوئے اور یہ اُمت تہتر فرقہ ہو جاویگی جنمین سے بہتر دوزخ مین ہین اور ایک فرقہ جنت مین ہے اور وہ فرقہ جماعت ہے
رواہ ابوداؤد - اور شیخ حافظ رح نے مستدرک سے یہ روایت نقل کی اسمین یون ہے کہ یہ امت تہتر فرقہ مین مختلف ہوگی وے سب
سوائے ایک کے جہنم مین ہین تو صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ ایک کس صفت پر ہوگا فرمایا کہ اسی حال پر جسپر مین اور میرے صحاب
ہین حافظ عماد رح نے فرمایا کہ یہ حدیث مسانید و سنن مین ایسی سندون سے مروی ہے کہ بعض سے بعض کو تقویت حاصل ہوتی
ہے یعنی یہ حدیث آخر قوی ہے اور خطابی رح نے شرح سنن ابوداؤد مین کہا کہ اس حدیث مین یہ دلالت موجود ہے کہ یہ سب
فرقے باوجود اختلاف کے دین اسلام سے خارج نہ ہونگے کیونکہ انکو اپنی امت فرمایا ہے قول اوپر کی روایت مذکورہ مین تو صرف
اسی قدر ہے کہ یہ اُمت تہتر فرقے ہو جاویگی اور اس سے یہ لازم نہین آتا کہ وہ ایمان پر ہونگے جیسے اگلی امت کے مختلف فرقے
ضرور نہین کہ راہ موسیؑ پر یا راہ عیسیؑ پر ہون دیکھو فرقہ نصاری جو حضرت عیسیؑ کے بیٹے ہونے کا قائل ہے یا انکی الوہیت کا قائل ہے بنص قرآنی
یعنی قولہ تعالی لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثۃ - اور قولہ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ہو المسیح ابن مریم - صریح کافر و مشرک ہین اسی طرح

اسلامیہ فرقون مین سے جنھون نے توحید کو چھوڑ دیا وے کافر ہین مثلاً رافضہ مین سے فرقہ نصیریہ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے الوہیت
کے قائل ہین صریح کافر ہین تامل اور علماء نے کہا کہ مراد ان فرقون سے مانند معتزلہ و قدریہ و رافضہ و خارجیہ وغیرہ کے ہین اور فرقہ
واحدہ ناجیہ وہ اہل السنۃ والجماعۃ ہین کیونکہ یہی اس اعتقاد و طریقہ پر ہین جو آنحضرتؐ نے صحابہ کو تعلیم فرمایا تھا اور یہ صریح ظاہر ہی اسلیئے کہ
مجموعۂ احادیث پر انھین کا عمل ہی اور یہ جو فرقہ شیعہ نے زعم کیا کہ ہماری احادیث کا بھی ائمہ اہل بیت علیہم السلام سے مروی ہونا قطعی ہے
تو جاہل ہی اسلیئے کہ خود اقرار ہی کہ اہل بیت کی روایات مخفی طریقہ سے ہین تو انکو اعلان و تواتر کا دعویٰ زیبا نہین ہے خصوص جبکہ اہل السنت
نے انھین ائمہ رضی اللہ عنہم سے صحیح روایات انکے بالکل خلاف روایت کین تو معارضہ سے انکا سقوط ہوا اب اہل شیعہ کے پاس کچھ باقی نہ رہا
اور اہل السنۃ سب صحابہؓ کو بحکم صریح قرآن یعنی رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کے عادل جانتے ہین تو باقی صحابہ کی روایات انکے پاس بلا معارضہ
ہین بہرحال ہم قطعی جانتے ہین کہ وہ فرقہ یہی ہی جسنے بالکل آنحضرت صلعم و صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ پر عمل کیا اور بحث یہان بیکار ہی۔ قال الحافظ
اور عطاءؒ نے کہا قولہ لا یزالون مختلفین یعنی یہود و نصاریٰ و مجوس۔ قولہ الا من رحم ربک یعنی فرقہ حنیفیہ اقول یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم اگرچہ
آخر زمانہ مین بعد تابعین کے اُن کے طریقہ سے بھی لوگ اپنی رائے کی پیروی مین مختلف ہوگئے جیسا کہ حدیث مین گزرا۔ قتادہؒ نے
کہا کہ الا من رحم ربک وہ جماعت ہین اگرچہ انکی بستیان دور ہون اور ظاہری جسم سے جدا جدا ہون اور مختلفین وہ ہین جنھون نے سنت
و جماعت سے اختلاف کیا اگرچہ سب ایک ہی جگہ مجتمع ہون۔ اقول مختلف فرقون سے تعجب ہی کہ جب دریافت کیئے جاوین کہ دے زمانہ
رسول اللہ صلعم مین تھے تو سچا اقرار کرینگے کہ نہین یہ فرقہ پیچھے پیدا ہوا ہے پھر وساوس شیطان سے بخوف ہو کر اپنی ہوس سے
ہٹ کیئے جاتے ہین کہ ہمین حق پر ہین جبکہ کسی دلیل سے ظاہر نہ ہوا کہ وے طریقہ رسول اللہ صلعم پر ہین مگر بیشک صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ
کی مشیت خود مختار اور حکمت بالغہ مین اُنکے حق مین یون ہی ہماری تھا وقد قال تعالیٰ و لذٰلک خلقھم۔ اور اسی کیلیئے اُن کو
پیدا کیا تھا۔ قال الحافظ علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے روایت کی کہ انھون نے اسکے معنی مین کہا کہ اسیواسطے اُن کو پیدا کیا
یعنی اُن کو دو فریق پیدا کیا ایک جنت کیلیئے اور دوسرا دوزخ کیلیئے بمانند قولہ فمنھم شقی و سعید۔ اقول اگر کہا جاوے کہ لذٰلک اشارہ
واحد ہے اسکا مشار الیہ دو چیز کیونکر ہونگی تو جواب یہ ہی کہ اسطرح اشارہ مجموعہ دو چیزون کی طرف جائز ہے جیسے قولہ تعالیٰ
عوان بین ذٰلک یعنی ان دو رنگون کے بیچ مین اسکا رنگ ہوگا اور قولہ وابتغ بین ذٰلک سبیلا یعنی ان دونون کے بیچ بیچ مین
راہ اختیار کر۔ مجاہدؒ نے کہا کہ قولہ لذٰلک خلقھم یعنی رحمت کیواسطے انکو پیدا کیا اور عکرمہ سے بھی اسی کے مانند مروی ہے۔ حسن و عطاءؒ نے کہا
کہ انکو اختلاف ہی کیواسطے پیدا کیا۔ ابن وہبؒ نے اپنے اسناد سے روایت کیا کہ عطاءؒ کے پاس دو شخص جھگڑتے آئے آخر عطاءؒ نے کہا کہ تم نے
بہت جھگڑا پھیلایا تو ایک بولا کہ ہم اسی کیواسطے پیدا کیئے گیئے آپنے کہا کہ تو جھوٹ بولا اسنے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہی و لذٰلک خلقھم۔ آپنے کہا
کہ اسواسطے نہین پیدا کیا کہ جھگڑین بلکہ ان کو جماعت و رحمت ہی کیلیئے پیدا کیا۔ عکرمہؒ نے ابن عباس سے روایت کی کہ لذٰلک خلقھم کہا
کہ رحمت کیلیئے ان کو پیدا کیا اور ان کو عذاب کیلیئے نہین پیدا کیا اور یہی قول مجاہد و ضحاک و قتادہ کا ہی بمانند قولہ و ما خلقت الجن
والانس الا لیعبدون۔ حافظؒ نے کہا کہ ایک معنی یہ ہین کہ انکو رحمت و اختلاف کیلیئے پیدا کیا جیسا کہ حسن و عطاء و اعمش سے روایت
کی گئی ہی۔ اشہبؒ نے کہا کہ مین نے مالک بن انس سے اس آیت کے معنی پوچھے تو فرمایا کہ ایک فریق جنت مین اور ایک فریق دوزخ
مین اور دوسری روایت مین امام رحمہ اللہ نے کہا کہ انکو رحمت و اختلاف کے لیئے پیدا کیا۔ قال المترجم میرے نزدیک قولہ خلقھم کی ضمیر کے

مرجع مین اختلاف کے سبب سے یہ اختلاف ہو چنانچہ اگر الا من رحم ربک کے واسطے ضمیر ہے تو معنی یہ ہوئے کہ ان مرحوم بندون کو اسی رحمت
ہی کیواسطے پیدا کیا اور اگر مرجع کل کی طرف ہو تو معنی یہ کہ اسی رحمت و اختلاف کیواسطے ان مجموع کو پیدا کیا اور اسی بنا پر ان اکابر سے
روایات تفسیری مختلف ہین ورنہ کچھ اختلاف نہین ہو کیونکہ احتمال دونون طرف ہو۔ فی البیضاوی وغیرہ اس آیت مین دلیل
ہے کہ ہدایت و ایمان نہین ملتا جبتک اللہ تعالی پیدا نہ فرماوے کیونکہ سمجھ و عقل دینا اور رسول بھیجدینا اور کتاب نازل کردینا اور عذر
دور کردینا تو سبکے حق مین یکسان ہو چنانچہ کافرون کو بھی یہ دیا گیا تھا تو اب یہی رہا کہ اللہ تعالے اپنے فضل سے ہدایت پیدا
کردے اور یہی وہ رحمت ہو جسکو ان بندون متقین کیساتھ خاص کیا۔ بالجملہ دو گروہ فرمائے ایک کے حق مین اختلاف کی معصیت قائم
ہوئی تو اُن کا انجام جہنم کی طرف ہوا اور دوسرے گروہ پر اتفاق و طاعت کا انعام ہوا اُن کا انجام جنت ہو۔ قد قال تعالی۔ وَتَمَّتْ
كَلِمَةُ رَبِّكَ۔ اور پورا ہو گیا کلمہ تیرے رب کا یعنی جیسا ازل مین مقدر فرمایا تھا جسمین تبدل و تغیر نہین ہو سکتا یا یہ کلمہ۔ لَأَمْلَأَنَّ
جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ۔ کہ بیشک بھر دونگا مین جہنم کو جنون سے جنت بمعنی جن اور تا مبالغہ کی ہو۔ وَالنَّاسِ اور آدمیون سے
أَجْمَعِينَ۔ سب سے یعنی دونون فریق کے کافرون و سرکشون مین سے اس کثرت سے ہونگے کہ ان سے جہنم بھر جائے گی قال الحافظ
اللہ تعالی آگاہ فرماتا ہو کہ اسکی قضا و مقدر مین یہ امر جاری ہو چکا کہ اسکے خلق مین سے بعضے مستحق جنت ہون اور بعضے مستحق دوزخ
ہون اور وہ پاک معبود ان دونون کو بھر دیگا اور حکمت اسکی پوری ہے اور رحمت اسکی سب مخلوق پر غالب ہے وہی جانتا ہے کہ
کن لوگون سے کس منزل کو بھریگا اور اگر چاہتا تو سب کو جنت مین یا سب کو دوزخ مین رکھتا ولیکن اسنے جسطرح چاہا اسطرح
واقع ہوا۔ صحیحین مین حضرت ابوہریرہ سے روایت ہو قال اختصمت الجنة والنار فقالت الجنة مالی لا یدخلنی الا ضعفاء الناس وسقطهم
یعنی جنت نے کہا کہ میری کیا حالت ہو کہ مجھ مین نہین داخل ہونگے مگر لوگون مین سے ضعیف و ناکارہ یعنی دنیا مین جو عروج و
ثروت والے مغرور و متکبر ہین وہ مجھ مین نہ آوینگے بلکہ جو دنیا مین ضعیف و خوار اور اللہ تعالی کی درگاہ مین امیدوار ہین وہی
آوینگے۔ وقالت النار اوثرت بالمتکبرین والمتجبرین یعنی دوزخ نے فخر کیا کہ اہل تکبر و تجبر سے مجھے تخصیص دی گئی ہو فقال اللہ
عزوجل للجنة انت رحمتی ارحم بک من اشاء پس اللہ عزوجل نے جنت کو فرمایا کہ تو میری رحمت ہو جسپر رحمت چاہونگا اسکو تجھی سے
سرفراز کرونگا کہ وہ تجھ مین داخل ہو۔ وقال للنار انت عذابی انتقم بک من اشاء اور دوزخ کو فرمایا کہ تو میرا عذاب ہو جس کو اسکے
گناہون کی سزا و بدلا دونگا وہ تجھ مین آویگا۔ ولکل واحدة منهما ملؤها۔ اور دونون مین سے ہر ایک کے لئے بھرپور ہے فاما الجنة فلا یزال
فیها فضل حتی ینشئ اللہ خلقا پس جنت مین برابر جگہ خالی رہتی جائیگی یہان تک کہ اللہ تعالی دوسری مخلوق اسکے لیے پیدا فرمادیگا
شاید یہ لوگ اہل جنت کے خدم و حشم ہون یا مستقل ہون واللہ اعلم۔ واما النار فلا یزال تقول هل من مزید حتی یضع علیها رب العزة قدمه
فتقول قط قط وعزتک۔ اور رہی دوزخ تو کہہ رہی ہوگی یا کہتی جائیگی کہ کچھ اور ہو کچھ زیادہ ہو یہانتک کہ اسمین رب العزة صفت خاص رکھیگا تو سمٹ کر کہنے لگیگی
کہ اے رب العزة بس بس ف قال العارف قدس سرہ ولو شاء ربک لجعل الناس امة واحدة یعنی ایک ہی امت توحید و معرفت و قرب مشاہدہ پر سب کو رکھتا لیکن اسکی حکمت
ازلیہ و علوم قدیمہ نے طرح طرح کے معارف مین متفرق کیا اقول اس اشارہ مین ظاہر عبارت سے تصرف یہ ہو کہ الناس سے مراد آدمی ہو اور درحقیقت آدمی وہی ہین
جو کان ناک آنکھ و دل رکھتے ہین تو ہمہ ایمان لائے ہین اور برخلاف انکے جو صورت کے آدمی ہین تو انکی نسبت فرمایا لهم قلوب لا یفقهون بها ولهم
اعین لا یبصرون بها الآیہ یہان تک کہ فرمایا اولئک کالانعام بل هم اضل الآیہ۔ تو جب یہ لوگ آدمی کی صفات سے خارج ہین

تو اُن کو الگ کر دیا اور صرف اہل الحق سے اشارہ یہ لیا کہ جملہ اولیاء معرفت کی راہ مین ایک ہی منزل پر نہین ہین بلکہ باعتبار صورت ظاہری کے اختلاف کے راہ معرفت مین بھی اسی طرح متمیز ہین چنانچہ جنید رح کا قول مذکور ہوا کہ ہر ایک کی معرفت خاص ہے اور حضرت شہاب الدین سہروردی سے عوارف مین ہے کہ الطرق الی اللہ بعدد انفاس الخلائق کلہا مسدودۃ لا یصل الیہا الا من اقتفی اثر الرسول یعنی صراط مستقیم مین ہر جان مثل اپنے تشخص کے اختلاف کے اللہ تعالیٰ سے واصل ہونے کی دوسرے سے جداگانہ راہ رکھتی ہے اور سب راہین مسدود ہین کوئی پہونچ نہین سکتا مگر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی مین صادق ہو پس اختلاف کے یہی معنی ہین ورنہ اُن مین بالکل اتفاق ہے۔ فافہم۔ شیخ نے کہا کہ اور اُسنے ہر ایک کو اپنی ذات کی معرفت وصفات کی معرفت مین علیحدہ علیحدہ راہ دی ہے پس ہر ایک اپنے مذاق و مشرب کے موافق اپنی راہ مین چلتا ہے اور یہ ہر ایک کیلئے ازلی توفیق و تقدیر ہے چنانچہ بعضے معرفت مین اور بعضے توحید مین اور بعضے محبت مین اور بعضے عشق مین اور بعضے شوق مین اور بعضے ارادت مین اور بعضے حالات مین اور بعضے معاملات مین واں ہین اور ابتدائی مریدان کا حال درمیانی درجہ والون سے نہین ملتا ہے اور درمیانی والون کا حال عارفون سے نہین ملتا ہے اور عارفون کا حال انبیاء و مرسلین سے نہین ملتا ہے۔ اقول انبیاء و مرسلین کا حال سید المرسلین و خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہین ملتا ہے بقولہ تعالیٰ تلک الرسل فضلنا بعضہم علی بعض۔ اور شیخ ابن العربی نے کہا کہ اس امت مرحومہ پر جو معارف منکشف فرمائے وہ سابق مین مطلقاً مسدود تھے اور وجہ انسداد یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور نہین کیا تھا اور اسی واسطے جو انبیاء کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب گذرے انکو سابقین سے اولوالعزمی ہے سوائے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے کہ ملت حنیفیہ کے سردار ہین اور یہ حال بجز ذات پاک باری تعالیٰ جل سلطانہ کے مخلوق نہین جانتی اور مترجم ان مقامات مین کلام نہین کر سکتا اسکو تو اپنی مغفرت کے لالے ہین اللہم اغفرلی بطفیلہم علیہم السلام۔ شیخ نے لکھا کہ ان سب کے علوم و معارف مقدر ہین اور اختلاف مرتفع نہین ہے قولہ تعالیٰ ولا یزالون مختلفین یعنی احوال و مقامات و افعال مین مختلف رہین گے۔ الا من رحم ربک سوائے اسکے جسپر اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا یعنی اسکو مقام غیبت و فناء مین داخل کر لیا تو وہ انوار قدم و سطوات ازل مین سرفراز ہے یا جسکو مقام سکر و تلوین سے نکالکر مقام ہوشیاری و تمکین مین داخل کر لیا تو وہ سب پر مطلع ہو جاتا ہے تو اس سے کسی کو مخالفت نہین ہو سکتی ہے اقول جملہ انبیاء اس شان سے موصوف ہین خصوصاً آنحضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اسی واسطے اکثر انبیاء کے احوال آپنے بیان فرمائے اور بسا اوقات حضرت یونس کو ترجیح دی اور کبھی لوط کو الغرض یہ اطلاع کامل کا سبب تھا اور شاید کہ یہ مرتبہ کسی دوسری نبی کو حاصل نہو واللہ تعالیٰ اعلم۔ شیخ نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ ولذلک خلقہم یعنی اُن کے جوہر اصلی اسی طرح پیدا فرمائے ہین کہ مقامات و درجات مین اسطرح مختلف ترقی کرین اور یہ طریقہ الٰہیہ سب اہل الحق مین برابر جاری ہے چنانچہ قولہ تعالیٰ قد علم کل اناس مشربہم الآیۃ کی اشارت سے ظاہر ہے اور شاید ایسا ہو کہ ابتداء مین سب کو مختلف وضاع سے ترقی کرنے کے لیئے مخلوق فرمایا اگرچہ آخر و انتہاء مین سب متفق ہین چنانچہ ان مقامات و درجات مین انکو رسوخ ہے اقول فیہ نظر کیونکہ کوئی اس حد تک نہین پہونچا جس حد پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واصل ہین اور علی ہذا کسی نبی کا صدیق اس حد تک نہین پہونچا کہ جس حد تک آنحضرت صلعم کی صدیق حضرت ابوبکر کو وصول ہوا کیا تو نہین دیکھتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے امتی ہونے کی تمنا فرمائی اور یہ نہ تھا مگر قرب منزلت واللہ تعالیٰ اعلم۔ شیخ نے کہا کہ ممکن ہے کہ سب کے سب رحمت کیلئے پیدا ہوے ہون یعنی بعد عبور احوال و اعمال کے انتہار مین موافقت ہوگی۔ شیخ نے اسکے معنی یہ بیان کئے کہ جب

مشاہدہ تک وصول ہوا تو وہان اونچے درجہ و نیچے درجہ کا امتیاز نہین رہتا ہے کیونکہ وہ منزل شرف و قربت ہے اور حق تعالیٰ ان سب پر رؤف رحیم ہے بقول ؎ اذا طلع الصباح لنجم راح ؛ تساوی فیہ سکران و صاحی یعنی صبح جب طلوع ہوئی تو مدہوش و ہوشیار سب پر یکسان طلوع ہوتی ہی۔ شیخ جنید رحمہ اللہ نے ظاہر کے موافق یون تفسیر کے اشارہ مین کہا کہ سب کو اختلاف کیلئے پیدا کیا کیونکہ اگر موافقت کے لئے پیدا کیا ہوتا تو اسکے سوائے غیر کی طرف رجوع نہ کرتے باستثناء ان لوگون کے جن پر رحمت فرمائی تو انکو انوار موافقت سے تائید فرمائی پس انھون نے اتباع رسول مین خوب استقامت و مضبوطی کی اور غیرون کی طرف کچھ التفات نہین کیا پھر حق تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو ان قصص کے فوائد سے آگاہ فرمایا بقولہ

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ وَجَاءَكَ فِي

اور سب بیان کرتے ہین ہم تیرے پاس رسولون کے احوال سے جس سے ثابت کرین تیرا دل اور آئی تجکو

هَٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝

اس صورت مین تحقیق بات اور نصیحت اور سمجھوتی ایمان والون کو

وَكُلًّا۔ اسے وکل بنا او رہر قصہ کہ نَّقُصُّ عَلَيْكَ جو تجکو ہم سناتے ہین۔ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ۔ رسولون کے اخبار سے یعنی رسولون کے معاملات جو ادائے رسالت و قوم کی سرکشی و ایذا کے اور رسول و مومنون کی نصیحت نہ ماننے اور ان کو ہاتھ و زبان سے ایذا دینے اور آخر رسول و مومنون کے غالب ہونے و قوم کافر کے ہلاک ہونے کے گذرے ہین ہم تجکو ان مین سے سناتے ہین دو فائدہ کیلئے۔ اول۔ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ۔ وہ قصہ کہ جس سے ہم تیرے فواد کو مستقل و ثابت رکھین یعنی تجکو اپنی قوم کے کفر کرنے اور دو زخ کیلئے ایندھن ہونے سے رنج و غم محزن نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انکو اسی واسطے پیدا کیا ہی یہ نہین ہوسکتا کہ سب تجھ پر ایمان لاوین اور تجکو ادائے رسالت پر طمانیت و صبر حاصل ہو اور قوم جاہل کی اذیت برداشت کرے کیونکہ اگلی قومین بھی گمراہی کرتی رہین آخر ہم نے اُن کو ہلاک کیا اور تیرے پروردگار کا کلمہ ٹھیک ہوا پس تو قوم پر ترحم کرکے مضطرب مت ہو کیونکہ حکمت الٰہیہ و اسکی حجت بالغہ و مشیت تامہ اور چیز ہے جس سے کسی کو ماہیت کی آگاہی نہین ہے وہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے جسکو اُسنے سعید کیا وہ رسول پر ضرور ایمان لائیگا اور اسکی آنکھون مین حق آئینہ کی طرح نظر آویگا اور جو شقی ہے وہ اُلٹا دیکھے گا پس تو ان حالات و قصص سے علوم الٰہیہ حاصل کرکے ثابت و متمکن ہوگا اور دوسرا فائدہ یہ کہ۔ وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ۔ اور تیرے پاس اس مین حق آیا۔ قولہ فی ہذہ یعنی اس سورہ مین یہ ابن عباس و جماعت نے کہا ہی۔ کذا فی تفسیر الحافظ اور سراج مین کہا کہ یہی اکثر کا قول ہی۔ قال الحافظ قتادہ نے کہا فی ہذہ اے فی ہذہ الدنیا۔ اس دنیا مین اور سراج مین اسکو حسن رح کا قول بیان کیا اور رازی رح نے کبیر مین کہا کہ یہ بعید ہے مقام کے لائق نہین ہے کیونکہ دنیا کا ذکر اوپر نہین آیا جس کی طرف ضمیر راجع ہو اگر کہا جاوے کہ حق تمام قرآن مین آیا ہے اس سورہ کی کیا تخصیص ہے تو جواب یہ ہی کہ ہان بیشک لیکن سورہ کی بزرگی کے لئے فرمایا ہے۔ اقول میرے نزدیک سوال و جواب دونون وارد نہین اسلئے کہ مقصود نقص علیک سے وحی فرمانا اور وہ تمام قرآن ہی کیونکہ وحی خالص ہی چنانچہ حدیث صحیح مین ہے کہ اور انبیاء کو معجزات و آیات دی گئین اور مجھے وحی خالص دی گئی تو مجھے اُمید ہی کہ قیامت مین میرے تابعین سب سے زیادہ ہون اقول یہی ظاہر ہوتا جاتا ہے اسلئے کہ اور اُمتین تحریف و تبدیل و خود رائی سے بہت قلیل رہین اور چند روز بعد وے برائے نام یہودی یا عیسائی رہ گئے

ان مین سے کوئی بھی اپنے پیغمبر کی راہ پر نہین رہا بخلاف مسلمین کے کہ ان مین ایسا نہین ہوا اور دوسرے فائدہ کا تتمہ فرمایا ۳ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ - اور نصیحت وذکر ہے مومنین کیلئے یعنی اسمین تیرے لیئے حق آیا اور مومنون کے لیئے نصیحت ہے اور برابر اور دن کے حال سے عبرت ہے اس شان مین مومنون کو اسواسطے مخصوص فرمایا کہ شقی وکفار اس سے منتفع نہین ہوتے بلکہ منہ موڑتے ہین - واضح ہو کہ یہ آیت صریح ہو کہ تمام قصص مین جو حالات مندرج ہین اور جن سے اگلی امتون کو عذاب ہوا وہ اس امت کے لیئے نصائح ہین کہ ویسا نہ کرین چنانچہ نحس و تطفیف جو مدین کا پیشہ تھا اس سے آنحضرت صلعم نے امت کو خوب منع فرمایا پس عوام یا خواص جوان قصص کو فقط کہانی کی طرح سنتے ہین محض جہالت ہی بالضرور اپنے آپ کو ظاہر و باطن ان قومون کی حرکات سے بچاوین اور ان قومون کے تذکرے جب سنین تو عبرت کرین اور اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگین کیونکہ آخر وے سب بھی اللہ تعالیٰ کے مخلوق تھے اور وہ پاک غنی وحمید ہے ہماری اسکو کچھ پرواہ نہین ہی اور رؤف رحیم ہے کہ عاجزی کرین تو ہم کو اللہ تعالیٰ مغفرت و نجات عطا فرمادے اللھم اغفر لنا وارحمنا وانت خیر الراحمین ف فی العرائس قولہ تعالیٰ وکلا نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت بہ فوادک - شیخ نے کہا کہ واضح ہو کہ عارف جب ازل کے مقام پر پہونچا اور وہان اسنے کشف سے صفات و ذات کے عجائب دیکھے تو اپنی شان سے متعجب ہو کر گمان کرتا ہے کہ یہ منزلت کسی اور کو نصیب نہین ہوئی خصوصاً ابتداے حال اور یکایک کشف مین متحیر ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مین اس کشف مین فرید ہون پس حق عزوجل نے آنحضرت صلعم کو اول انبیاء کا حال سنایا کہ جس سے معلوم ہو کہ یہ واقعہ عجیب آپ ہی کے ساتھ نہین ہی بلکہ عارفین کے ساتھ معروف ہی اور صدیقین و مرسلین کے ساتھ علی قدر مراتب واقع ہوا حتی کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ازل مین اپنے اولیاء کیلیئے جاری فرمایا اس سے آپ کو فرحت و سرور حاصل ہوا اور آپ معلوم فرماوین کہ اس قبولیت کو حوادث سے تغیر نہین ہوتا ہے وقد قال تعالیٰ سنۃ من قد ارسلنا قبلک من رسلنا ولا تجد لسنتنا تحویلا - اور جو چیز علما و اولیاء کے نزدیک معروف ہو اسمین معارضات وشبہات کو دخل نہین ہوتا ہے اقول شیخ رحمہ اللہ نے یہ نہایت نفیس قاعدہ ذکر کیا کہ اہل علم و متدین متقی لوگون کے نزدیک جو بات معروف ہو اگر کسی وقت مین کوئی جاہل اسکو اپنی راے کے خلاف سمجھے تو اسکا شبہہ و معارضہ باطل اور وہ خود جاہل ہی اور اس قاعدہ مین جملہ اہل عقل کا اتفاق ہے اسی واسطے جو امر کہ ہزار برس پہلے واقع ہو چکا اور اس کی تحریر ہزارون آدمیون کے ہاتھ سے ہاتھون ہاتھ ہم کو پہونچے تو قطعی یقین ہے کہ بیشک یہ خبر صحیح ہی اور یون ہی واقع ہوا اور کسی جاہل کا شبہہ کچھ معارض نہین اور اس مین اسکی ضرورت نہین ہی کہ مین بیان کرون کہ مجھ سے فلان شخص نے بیان کیا اور فلان شخص سے فلان دیگر نے بیان کیا اسی طرح ہزار برس تک سلسلہ پہونچاؤن مثلاً قرآن مجید مین کسی قوم کو کلام کرنے کی مجال نہین جبکہ اسکے حافظ آجتک ہزارون موجود ہین اور قاری بے انتہا ہین اور ہر مسلمان اسپر اپنی جان فدا کرتا ہی تو بلا شبہہ یہ وہی ہی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور صحابہ و تابعین و پچھلون نے اسی پر عمل کیا اسیواسطے رافضی فرقہ کا دھوکا دینا کہ اسمین کچھ اور بھی تھا محض کفر و جہالت ہی اور ہرگز اس قول کا کچھ اثر بمقابلہ حفاظ و قرا کے نہین ہی پس جب اسمین موجود ہی کہ قل للذین کفروا ستغلبون وتحشرون الی جہنم الآیہ - یعنی تو کافرون سے کہدے کہ تم عنقریب مغلوب ہو جاؤگے اور حشر کیئے جاؤگے جہنم کی طرف - یہ واقعی معجزہ ہے اور مراد اس سے کفار یہود ہین چنانچہ یون ہی واقع ہوا اور اسمین ہے کہ کانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاءہم ما عرفوا کفروا بہ الآیہ - اس سے قطعی ثابت ہوا کہ یہود سب کے سب منتظر بعثت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور کافرون بت پرستون پر آپکے ظہور کی دعائین مانگتے اور آپکے طفیل و واسطہ سے فتحمندی چاہتے تھے

پھر بعد ظہور آفتاب رسالت کے نہ پہچانا اور کافر ہو گئے اس سے ضرور ثابت ہو کہ تمام قوم یہود مین توریت کی بشارتسے آنحضرت صلعم
کی بزرگی و فضائل کا اشتہار قطعی تھا حتی کہ اپنے پیغمبر کے بجائے آنحضرت صلعم کے نام پاک سے استفتاح کرتے تھے - یہ حال ہم کو
قطعی معلوم ہو گیا اور یہ واقعہ ان یہودیون کے منہ پر انکا فعل مارا گیا اور بیچ صریح تھا تو سب یہودیون نے گردن جھکائی - پھر اب
اگر کوئی قوم ایک کتاب لا دے اور کہے کہ یہ توریت ہو اسمین کہین ذکر نہین ہو تو بالکل اسکا دعوی مسلم ہوگا کیونکہ جو بات قطعی معلوم
ہوئے اور اسطرح معروف و مشہور ہے اسکے مقابلہ مین کسی جاہل کا فریب دھوکا کچھ بھی نہین کر سکتا اسی طرح جو معجزات و واقعات حضرت
موسی علیہ السلام یا حضرت عیسی علیہ السلام کے قرآن پاک مین موجود ہین سب اعلان و اشتہار کے ساتھ قطعی ہین لیا سکے برخلاف
اگر کوئی شخص کہتا ہے یا کوئی کتاب دکھلاتا ہے تو اسکا کچھ اعتبار نہین ہے کیونکہ ہم قطعی یقینی چیز کو چھوڑ کر کیسے ایک جھوٹے آدمی کی بات
جسکا اسوقت وجود بھی نہ تھا مان لین گے اور ماننے والا کیسا بیوقوف جاہل ہوگا اسی طرح جو معجزات اس حد شہرت تک پہونچے اس
زمانہ مین اگر انکو کوئی نہ مانے تو وہ بالکل جاہل ہو جب اسطرح ایک کتاب سچائی مین عرش پر ہو اور نیکون کے سینہ مین محفوظ ہے
تو جو شخص اسکو سچ نہ مانے اور کسی مورخ کی تاریخ پوچ پھر ڈھونڈھے حالانکہ مورخون کا دروغ و تراش و خراش اور بے پر کی اڑانا خوب معلوم تو
اس شخص سے بڑھکر کون اجہل و احمق بیوقوف ہوگا گرچہ وہ دنیا ملعون کو بغل مین دبوچ کر خود بھی ملعون ہو گیا اور دنیا مین بڑا عزت والا
ہو کیونکہ محبت دین کی سمجھ مین ہو اور دین کو اللہ تعالی نہین دیتا مگر ایسے بندہ کو جو اسکو محبوب ہو اور دنیا تو محبوب کو اور مردود
کو بہت دیدیتا ہے یہ اصل شریف لطیف یاد رکھو تاکہ تم کو شیطانی آدمی فریب دین اور اب تم سمجھے کہ شیخ نے کہا کہ جو بات علماء
و اولیاء کے نزدیک معروف ہو وہ کسی شیطان کے وسوسہ دلانے سے نہین ہلتی ہے اور لکھا کہ شیخ ابوبکر الکتانی نے کہا کہ مین نے شیخ
جنید رح سے پوچھا کہ سچی حکایات جنکی سچائی یقینی ہے کس حکمت سے دنیا مین جاری ہین فرمایا کہ زمین مین یہ اللہ تعالی کے لشکرون
مین سے ایک لشکر ہین جن سے مریدون اور آخرت کے طلب کرنیوالون کو عبرت و تقویت حاصل ہوتی ہے مین نے کہا کہ اللہ تعالی کی
کتاب پاک سے اسپر دلیل ملتی ہے فرمایا کہ ہان قولہ تعالی وکلا نقص علیک من انباء الرسل الآیۃ - قولہ وجاءک فی ہذہ الحق مترجم
نے بزرگون کے کلام سے سمجھکر جا بجا کہنا یہ کیا ہو کہ جیسے نماز و دیگر اعمال و افعال ظاہر ہین کوئی جسم نہین رکھتے ہین لیکن فی نفسہ
حقائق ہین اور روح و جان و قوی ہے سوائے جاہل کے کوئی منکر نہین ہو سکتا کہ وہ حقیقت مین موجود ہین اگرچہ جسم نہین ہین
اسی طرح الفاظ و معانی مین سمجھو پس لفظ بحسب المعنی اپنے مقام سے متصل ہے حتی کہ جو کلام محض فحش و شہوت ہو وہ اپنی مستقر جہنم سے
واصل ہو لیکن جہنمی لوگ ہی اندھے بہرے ہونگے تو ان کو اتصال نہین سوجھتا بخلاف اہل جنت کے کہ خوب کلام کا اتصال انکو
مکشوف ہوتا ہے چنانچہ شیخ رحمہ اللہ نے یہان قولہ وجاءک فی ہذہ الحق - مین تصریح کر دی کہ ان خطابات مین ہر خطاب کے اثر
مین جمال حق کا انکشاف تجکو ہوتا ہے اور موافق خطاب کے صفت کا انکشاف ہوتا ہے چنانچہ جہان خطاب بشان کبریائی
ہے یعنی اس خطاب مے شان کبریائی سے خبر دی گئی وہان تجھے صفت کبریا منکشف ہوتی ہے اور یہی حال ان آیات کا ہو جنمین
عزت و جلال و عظمت و قدم و بقا سے خبر دی گئی ہے اور جہان ذات پاک سے اخبار ہے وہان تجھے ذات صرف کا انکشاف
ہوتا ہے اقول یہان اگر وہم ہو کہ یہی مراتب انکشاف کے امت کو بھی ہوتے ہین چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا تھا
کہ آپ مجھے تمام جہان سے سوائے اپنی ذات کے محبوب ہین اور آپنے خطاب فرمایا کہ کوئی مومن نہین جبتک مجھے اپنی جان سے

بھی زیادہ محبوب رکھے تو اس خطاب کے انکشاف ہوتے ہی فوراً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہین فرمایا کہ ہان اب ایمان کامل ہوا پس جب اُست کو یہ انکشاف ہی تو شان نبوت مین فرق کیونکر ہو جواب یہ ہی واللہ اعلم کہ یہان زمین و آسمان کا فرق ہی اور التباس مذکور صرف لفظ کے یکسان ہونے سے پیدا ہوا اور بات یہ ہی کہ مدارج نبوت کو کوئی شخص نہین پہونچ سکتا کیا تو نہین جانتا کہ نبوت تفضل آلہی ہی اسمین عبادت و طاعت وغیرہ کسی سبب کو دخل نہین ہے دیکھو بعض صحابہ جنھون نے ہمیشہ عبادت و روزے وغیرہ کا اور کھانے پانی و سونے و عورتون سے الگ رہنے کا قصد کیا تھا تو یہی کہا گیا تھا کہ آنحضرت صلعم کے واسطے اللہ تعالیٰ نے اول و آخر سب مغفرت فرمائی ہے ہم لوگ آپکا ہمسر کا نہین کر سکتے ہین اور مراد یہ تھی کہ آپ ازلی مغفور تھے اور ازل ہی سے تمام خلق آلہی سے اشرف و محبوب تھے اور دوسرون کو یہ مرتبہ حاصل نہین ہی پس تمام قرب انکشاف وغیرہ مین وہ درجہ خاص ہے جو تفضل نبوت و رسالت کا ہوتا ہی کسی نبی کو بھی مثل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حاصل نہ تھا اور دوسرون کو اپنی اپنی قدر کے لائق ہے اور ہر اُمت مین سے کوئی کیسا ہی مقرب ہو کسی درجہ نبوت سے مشابہ بھی نہین ہوتا اور اگر وہم ہو کہ مثلاً صحیح حدیث مین ہی کہ سچا خواب نبوت کے اجزاء مین سے چھیالیسوان جزو ہی تو سمجھو کہ اس سے مقصود انفتاح اغلاق قلب و سلامتی ہی نہ مشابہت ہان البتہ اُمت مین سے صدیق کا مرتبہ سب اعلیٰ و افضل ہوتا ہے اور ہر نبی کا صدیق اپنے نبی کے درجہ سے ملحق ہوتا ہے لیکن صدیق کا درجہ انتہائی متصل با بتداء درجہ نبوت ہی اور اس سے نبی کے ابتدائی درجہ کا بھی خیالی تصور آدمی کو ہوسکتا ہے فافہم واللہ تعالیٰ اعلم۔ شیخ نے لکھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابتدائی درجہ پر تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپکے بھائی دوسرے انبیاء کے احوال ذکر کرنے سے آپکو تقویت فرمائی تاکہ عجائب واردات کے متحمل ہون پس جب اسمین قوی ہوے تو کشف جمال و جلال مین ثابت و تمکن فرمایا جس سے بجبر قدم کے تنزلات سے عبور کرین اور کرامات و امتحانات سے متغیر نہ ہون اقول اگر کہا جاوے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کو انبیاء سابقین کے احوال سے تثبت فرمانے کا قول اور آنحضرت صلعم کے سب سے افضل ہونے کا قول ان دونون کی تطبیق کیونکر ہے تو جواب یہ ہی کہ جب کسی معزز کو یا جسپر شفقت زیادہ منظور ہو احسن الوجہ سے تعلیم کرنا منظور ہو تو کہتے ہین کہ فلان شخص نے ایسا کام کیا تھا اُسکو آخر عتاب کیا گیا اور فلان مرد نیکو کار نے ایسے طریقہ سے یون انعام حاصل کیا اور فلان شخص نے اسطرح نہ کیا اور نہ اسکو درجہ ملتا چنانچہ اس اُمت مرحومہ کو جو نہایت رحمت سے کمال ایمان و کمال قرب عطا فرمایا وہ قرآن پاک کے وقتاً فوقتاً نزول سے خوب ظاہر ہے چنانچہ مثلاً یہود و نصاری نے اپنے کو اللہ تعالیٰ کا محبوب دوست قرار دیا اسکو رد فرمایا تو اس اُمت مین کوئی شخص ایسی گستاخی نہ کریگا بلکہ ادب سے اپنے کو ہمیشہ قصوروار بندہ سمجھیگا اور یہود نے آخرت کو اپنے لیے خاص کیا تو اُنکو فرمایا کہ قل ان کانت لکم الدار الآخرۃ عند اللہ الآیۃ پس صلاحیت و حسن یقین پر بھی بندہ اسکی جرات نہ کریگا ولیکن حتمی وعدہ یا غالب اُمید پر موت کو محبوب رکھنے کا اشارہ ہی چنانکہ اگر حکم دیا جاوے تو شاید اکثر اسکی کراہیت کی وجہ سے منکر ہو جاوین حاصل کلام یہ ہی کہ اگلی اُمتون کے حسن و قبح سب اس کمال سے بیان فرمائے کہ نفس و شیطان کو اہل یقین کے دل مین خلاف راہ مستقیم بہکانے کا موقع نہ رہا اور یہ بات سوائے عالم الغیب خلاق علیم عز و جل کے کوئی نہین جانتا اور کسی کلام مین یہ بات ممکن نہین ہی اگر میرا مقصود کوئی سمجھ جاوے تو اسکو قرآن پاک کے نہایت عظیم معجزہ ہونے مین شک نہین ہوسکتا اور دوسرے یہ کہ اہل یقین کو عبرت و نصیحت جدید ہر مقام پر

وہان کے مکائد و مکر سے بچنے اور استقامت پر رہنے کے لیے اس طرح ہے کہ عمدہ باتون پر عمل کرین اور ناکارہ و مضر باتون سے
پرہیز رکھین اور رسالت مین تو یہ بھی ضرورت ہی کہ قوم کے ساتھ ایسے برتاؤ سے یہ نتیجہ اور اسطرح معاملت سے وہ نتیجہ ہوتا ہے
اور دونون کا انجام ثواب وغیرہ کا بھی معلوم ہوجاتا ہے پس آنحضرت صلعم کے واسطے اگلے انبیاء کے قصص سے یہ مراد ہے کہ حضرت
یونس علیہ السلام اسطرح مغاضب ہوکر مچھلی کے پیٹ مین اور حضرت یوسف علیہ السلام نے قیدخانہ خود دعا کرکے لیا پھر ایک رہا شدہ
قیدی سے اپنا حال بادشاہ تک پہونچانے کا تذکرہ کیا اور مترجم کو یہ مجال نہین ہے کہ حضرت حق جل شانہ اور اسکے مخلص محبوب
انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ کرے اور کچھ سمجھے مجھے اللہ تعالیٰ معاف فرما دے اس سے مراد یہ ہی کہ اسطرح تعلیم و تقویت فرمائی اسیواسطے
آنحضرت صلعم نے یونس علیہ السلام کی تعریف فرمائی اور حکم دیا کہ مجھے یونس بن متی پر فضیلت مت دو اور فرمایا کہ رحم اللہ لوطا ان کان
لیاوی الی رکن شدید الحدیث یعنی اگر مین یوسف کے برابر بہت مدت قیدخانہ مین پڑا رہتا تو بلانے والے کا کہنا مان لیتا۔ اگرچہ
کہا کہ یہ امتحانات اللہ تعالیٰ نے بزرگی بلحاظ عصمت الٰہی عز و جل ظاہر ہونے پر کئے ہین اور خود انبیاء علیہم السلام معصوم ہین پس
تثبیت نبوت ہو اور اسی طرح امت کو انکی قدر کے موافق اگلی امتون کے ذکر سے مستقیم و مضبوط فرمایا۔ شیخ رحمہ اللہ نے لکھا کہ اگلے
انبیاء کے قصص سے اور ان کے پیغمبرو اور دیسے آنحضرت صلعم کو تثبیت فرمائی اور امت مرحومہ کو آپکے احوال سے تثبیت فرمایا تو دیکھنا
چاہیے کہ سبحان اللہ تعالیٰ اس امت کا بھی کیا بڑا مرتبہ ہے جسکی تثبیت اسکے پیغمبر کے احوال سے منظور ہوئی اول اور نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کی وہ کہ تمام انبیاء کے سردار ہین اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی کبریائی کے صدقہ مین آپکی امت کو آپکے پسندیدہ طریقہ
مسلمون پر فدا کر دے کہ آپ کی اتباع مین حق سبحانہ تعالیٰ کو جانین و ودیعت سپرد کر دین اور شیخ نے لکھا کہ اس قول کی تصدیق
کیلیے میرے پاس دلیل یہ کلام پاک ہی کہ فرمایا وموعظۃ وذکری للمؤمنین۔ قرآن مجید کا ظاہر تو عمل کرنے والون اور ان کے
اعمال کی خوبی و نیکی کے لیے موعظت ہو اور قرآن کے حقائق ان لوگون کے لیے نصیحت ہین جنکو معائنہ سے عین الیقین حاصل
ہوا ہے سبحان اللہ تعالیٰ کیسا پاکیزہ کلام ہے کہ ہر شخص اس سے اپنی حالت و سمجھ و ادراک کے موافق معرفت حاصل کرتا ہی پس
عام لوگ تو قرآن مجید کے ظاہر سے لپٹے ہوئے ہین اور خواص اسکے باطن پر جان دیتے ہین اور جو لوگ کہ خاص الخاص ہین وہ
اسمین تجلی حق سبحانہ دیکھکر عجب نور مین ہین کہ آفتاب سے ہزار دن وہان ذرہ سے کمتر بلکہ بے مناسبت ہین اور واضح ہو کہ قرآن
کی حقیقت تو صفت ازلیہ ہی تو جب حقیقت قرآن کسی پر منکشف ہوئی تو صفت الحق عز و جل کی تجلی منکشف ہوئی چنانچہ
حضرت سیدنا امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندون کیواسطے قرآن مین تجلی فرماتا ہی شیخ ابو یزید رحمہ اللہ
نے کہا کہ بندہ مومن اپنی لیاقت کے اندازہ پر قرآن کے فوائد سے آگاہ ہوتا ہے تو جس نے دوسرے بندہ اپنے مثل سے سنا
تو گویا اسنے علم احکام کو موعظت نبوت سے سنا پس جس نے حکم یقین سے سُنا اسکا ظاہر منور و باطن نرم و خشوع و خضوع
کے ساتھ محبت مین گرم و سینہ کھل جائیگا اور جس نے اسکو زبان جبرئیل علیہ السلام سے سُنا گویا وہ وحی کو حضرت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم پر ادا کرتے ہین تو وہ غیب کا مطالعہ اور اسکے وعدہ و وعید کے معائنہ سے سرفراز ہوا جبکہ اپنے حواس ظاہرہ
سے بالکل بیخبر ہوگا اور جس نے اسکو حق سبحانہ تعالیٰ عز و جل سے سنا وہ فنا ہوکر تحقیقی صفات کیساتھ باقی ببقاء حق عز و جل
ہوگیا یعنی حق الیقین کے درجات مین علم الیقین و عین الیقین حاصل ہین کذا ترجمة ما فی العرائس اور سراج مین قولہ وجاءک

فی ہذہ الحق الآیۃ کے تحت مین لکھا کہ حق کے معنی سے اشارہ ہی قرآن مجید کے سچے صاف روشن دلائل کی طرف جو اسمین توحید وعدل ونبوت ودار الآخرت کی تحقیق پر مذکور ہین اور موعظت سے اشارہ ہے اس دنیا سے ضروری سفر کرنے پر اور یہان کے حالات کی قباحت وبرائی ورسوائی وخواری پر جس سے آدمی پرہیز کرے جیسے اندھا کسی آنکھون والے کے بتلانے پر یقین کرکے ہاتھ بڑھا کر نجاست کو نہین چھوتا ہے یا سانپ کو رسی سمجھکر نہین پکڑتا ایسے ہی رسول علیہ السلام کی موعظت سے مومنین کا حال ہے کہ آخر مین وے خود رسول رسول اور آنکھون والے ہوجاتے ہین اور ذکری سے ان اعمال کی طرف اشارہ ہی جو دار الآخرۃ مین نافع ہین اور لکھا کہ جب اس حد تک اللہ تعالیٰ نے عذاب سے ڈرسنایا اور ثواب کا وعدہ دیا اور ترغیب ونصیحت کو کامل فرمایا تو آخر مین حجت کو ختم فرمایا بکلام بابعد اور اسکے ضمن مین دلیل تحقیق وعدہ ووعید فرمائی کہ خالق خود غیب جاننے والا ہی تو سب حق ہے چنانچہ فرمایا۔

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ۙ

اور کہدے اُن کو جو یقین نہین کرتے کام کیے جاؤ اپنی جگہ ہم بھی کام کرتے ہین

وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۞ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

راہ دیکھو ہم بھی راہ دیکھتے ہین اور اللہ کے پاس ہے چھپی بات آسمانون اور زمین کی

وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ

اور اُسی کی طرف رجوع ہی کام سارا سو اُسکی بندگی کر اور اُس پر بھروسا رکھ اور تیرا رب

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۞

بیخبر نہین جو کام کرتے ہو

وَ قُلْ۔ اور کہدے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ ان لوگون کو جو ایمان نہین لاتے یعنی قرآن مجید واسکے احکام پر تیری رسالت کی تصدیق کرکے۔ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ۔ کام کیے جاؤ اپنی حالت پر۔ شعبہ کی قرأۃ مین مکانات بلفظ جمع ہی اور قتادہ رح نے کہا یعنی منازلکم اپنے ٹھکانون پر اور مقصود یہی ہے کہ جس حال پر ہٹ کرتے ہو اسی پہ چلے چلو اور یہ حکم دنیا ویساہی ہی جیسے اللہ تعالیٰ نے شیطان کو حکم دیا۔ واستفزز من استطعت منہم بصوتک واجلب علیہم بخیلک الآیۃ۔ اور مراد اس سے سخت تہدید ہے یعنی نصیحت سے راہ پر آنے سے مایوسی ہے تو عذاب آلہی کے منتظر ہو۔ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ہم بھی اپنے اعتقاد توحید وطاعت پر کام کرتے ہین جیسا ہمکو پروردگار نے حکم فرمایا ہے وَانْتَظِرُوْا اور انتظار کرو اُس سزا کا جو تم کو نافرمانی کرنے کی صورت پر وعید کی گئی ابن جریج نے کہا کہ ان وعدون کا جو دنیا کی زینت دکھلاکر تم کو شیطان وسوسہ دلاتا ہے اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ۔ ہم بھی منتظر ہین کہ پروردگار نے جو ہم کو نیک وعدہ دیا وہ اسکے فضل سے حاصل ہو اور تم خوار ہوجاؤ جیسے فرمایا قل للذین کفروا ستغلبون وتحشرون الی جہنم الآیۃ۔ یا ہم بھی تمہارے بد انجام وعذاب کے منتظر ہین پھر اللہ تعالیٰ نے اس سورۂ پاک کا خاتمہ تمام اسرار کا جامع مجموعہ ذکر فرمایا بقولہ۔ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہی جو مخلوق سے غائب ہے آسمانون وزمین مین اور مراد اس سے علم ہے یعنی غیب کا علم اللہ تعالیٰ ہی کیلیے مخصوص ہی از انجملہ مخلوق مین سے ہر ایک کا انجام کہ وہ سعید ہے یا شقی ہے اگرچہ بالفعل کافر وبدکار ہو اسیواسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار قریش وعرب کے حق مین موافق حکم کے انتظار کیا اور یون نہین کہا کہ تم بدبخت

جہنمی ہوا اور دیکھو جب بعض احیار عرب نے بعضے پرہیزگار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بڑی تکلیف کے ساتھ غدر و بدعہدی سے قتل
وشہید کیا تو آپ نے رنجیدہ ہو کر اُنکے حق میں لعنت فرمائی اور بددعا کی کہ ہمیشہ کیلئے رحمت الٰہی سے دور ہوں اور یہ اسطرح ہوگا
کہ وے کفر و شرک و نفاق پر مرین تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا لیس لک من الامر شیٔ الآیۃ اور وجہ یہی ہے کہ غیب کا علم اللہ تعالیٰ کو
ہے ابولہب و ابوجہل وغیرہ کو ارشاد و ہدایت کرنیکا حکم پیغمبر صلعم کو دیا ولیکن غیب کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے اور فائدہ اسمین یہ تھا کہ انپر
حجت پوری ہو اور مومنوں کے درجات اس کام مین بلند ہوں جو ان کافروں کی ایذا اُٹھاتے تھے اور کبھی اپنے حبیب مصطفےٰ
سید الانبیاء علیہم السلام کو بعض احوال غیب سے واقف کر دیا اسیواسطے ایک مرتبہ جب ابوجہل نے آنحضرت صلعم سے بیہودگی کے ساتھ
تمسخر کیا اور کہا کہ یہی کہتا ہے کہ جو مجھے نہ مانے وہ جہنمی ہوگا حالانکہ یہ فقیر و ذلیل ہے اور اپنے آپکو اس ملعون نے اللہ تعالیٰ کے نزدیک
معظم و مکرم سمجھا اس گمان سے کہ وہ سردار و رئیس بنایا گیا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں اسمین کچھ شک نہیں اور
تو بھی ایک جہنمی ہے پس یہ کلمہ آپنے بعد مطلع ہونیکے فرمایا اور اس مقام پر تمام نصیحت و پند و ترغیب و ترہیب و تعلیم و ارشاد فرماکر رسول
اکرم صلعم کو انتظار کا حکم دیا اور یہ سخت تخویف ہے پھر علم غیب اپنے واسطے مخصوص فرما دیا جس سے معلوم ہوگیا کہ اس ہدایت
کا مفید ہونا جنکے لیے ہوگا اُسکا علیم خالق عزوجل ہے اور انتظار عذاب جو کچھ واقع ہوگا اس سے حق عزوجل خبیر ہے چنانچہ بڑا
گروہ مسلمان ہوگیا اور کچھ لوگ عذاب مین تھوڑے انتظار کے بعد گرفتار ہوئے بحکم قولہ قل للذین کفروا ستغلبون الآیۃ - اگرچہ
شان نزول اسکا یہود کے حق مین بیان ہوا ہے اور اسیواسطے حضرت سید عالم صلعم نے واقعہ بدر کے روز کفار مقتولین ابوجہل وغیرہ کو
فرمایا تھا کہ ہل وجدتم ما وعد ربکم حقا کیوں تم نے وہ عذاب پایا جو تم کو تمھارے رب عزوجل نے فرمان قہر سے وعید فرمایا تھا پس وعید
انتظار مین یہی نہ تھا کہ اُن پر خواہ مخواہ عذاب استیصال آویگا جیسے قوم مدین کے ساتھ واقع ہوا تھا اور یہ بھی سمجھو کہ وعدۂ انتظار
سے یہ ضرور نہیں ہے کہ دنیا مین ظاہری عذاب ان پر نازل ہو جاوے جو کفر پر جمے رہین بلکہ انتظار کیلئے مہلت قلیل بھی زندگی ہے
اور عمر خفیف ہونیکا حکم حدیث صحیح مین ساٹھ برس تک خود مذکور ہے پس حاصل یہ ہوا کہ پہلے ترغیب و ترہیب فرمائی پھر سخت
خوفناک قطعی فیصلہ کر دیا کہ اے رسول حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کہدے کہ اچھا اگر میری ہدایت پر اپنے خالق عزوجل کی توحید
و اطاعت نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی وحی قرآن سے تم کو انکار ہے تو اپنی حالت پر کام کیئے جاؤ اور ظاہر ہے کہ اُن کا کام
مستوجب غضب الٰہی تھا کہ صریح شرک و ظلم کرتے تھے اور مین اور میرے اتباع صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہم سب اپنے اعتقاد
پر یعنی بوحی و حکم الٰہی عمل کرتے ہین اور دونوں کے انجام و نتیجہ کا تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کرتے ہین دیکھو کون سچا ہوتا ہے
اب یہ ہاکہ تک انتظار کرین تو اسکا وقت قطعی یہی چند روزہ زندگی کے بعد وقت موت ہے اور اللہ تعالیٰ کے غیب مین شاید
بعضوں کیلئے درمیان مین دقت ہو اب واضح ہو کہ آیات پاک کا حکم تا قیامت سب کے لیے جاری ہے تو اب اسوقت مین رسول اللہ
صلعم کا نصیحت کرنا عموماً ہر شخص پر ثابت ہے جبکہ قرآن پاک ناطق ہے اور احادیث صحیحہ ظاہر و باہر ہین پس اُسی طرح نرمی و دلجوئی
سے تمام اقوام کو عموماً نصیحت ہے خواہ وہ قوم یہودی ہوں یا نصرانی ہوں یا اہل ہنود ہوں یا اہل اسلام ہوں سب پر اللہ تعالیٰ کی
یہ رحمت نازل ہے ذرا تامل سے انصاف کی نگاہ سے انجام پر غور کرین اور پہلے ہی سے نفرت و کراہت کرکے آنکھین بند نہ کرین اور
دل سے جھگڑا ہو جانا چھوڑ دین کیونکہ کیسی کھلی اور سچی بات کو جب دشمنی کی نگاہ سے دیکھو تو آدمی پر خراب خیالات چھا جاتے ہین کیونکہ

(خوف دلانا ۱۲)

اُسنے پہلے ہی سے جھگڑالوپن کی خراب خصلت کو اپنے دل مین جگہ دیدی تھی اور دیکھو خالق عزوجل کی بندگی تو صاف صاف فرض ہی اور اُسی کی وحدانیت سب کے نزدیک مسلم ہے پھر ایسی بات جسپر سب متفق ہین کیون چھوڑتے ہو اور جب اُسنے پیدا کر دیا تو اسکو ضرور قدرت ہو کہ پھر جسطرح چاہے زندہ کرے اور آخرت مین بعد موت کے آرام دے یا سزا دے اور یاد رکھو کہ اگر نہ مانوگے اور اسی طرح ہٹ کر کے اپنے خالق کی نافرمانی کئے جاؤگے تو اچھا ہی چند روز انتظار کر لو دیکھو کیا خراب انجام ہوگا اور خالق عزوجل کا علم تو محیط ہی سب غیب اسپر اسطرح صاف حاضر روشن ہے کہ مخلوق کا وہم وہان نہین پہونچ سکتا ہے اور خود صحیح فرمایا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ۔ اور امر بالکل اسی کی طرف راجع ہوتا ہے اور فرق درمیان خلق وامر کے قولہ تعالیٰ الا لہ الخلق والامر کی تفسیر مین ہی۔ اور بعض نے لکھا کہ معنی یہ ہین کہ تمام مخلوق کا امر سب بالکل دنیا وآخرت میں اسی کی طرف رجوع ہوتا ہے یہ جمہور کی قرأت یرجع بصیغہ معروف پر ہی اور امام نافع وحفص کی قرأت بصیغہ مجہول یرجع بضم یا و فتحہ جیم مبنی راجع کیا جاتا ہے اور فاعل معنا حضرت خالق الخلق والامر ہی اور اشارت یہ ہی کہ مخلوق کو جس حکمت بالغہ سے اسنے اپنے امر سے مخلوق فرمایا اسکا مرجع اُسکی طرف ہی باوجود ان تمام ظاہری اسباب سامان کے وقوع اسی طور پر ہوگا جسکو اُسکا علم محیط ہی حتی کہ پیغمبر برحق کی تمام کوشش کمال شفقت سے اور واضح دلائل وحجت سے کافرون کے حق مین بیکار رہیگی اگرچہ کوشش کا ثواب عظیم پیغمبر کو ضرور ملیگا۔ اور ازل مین جو سعید ہے وہ سعادت پر کام کریگا اور انجام اسکا نیک ہوگا اور جو شقی ہی وہ کیسا ہی نیک بنے مگر انجام اُسکا شقاوت ہی ونعوذ باللہ من الکفر والشقاوۃ۔ لہذا آنحضرت صلعم کو اسمین تسلی فرمائی کہ کافرون ومشرکون ومنافقون کے انکار وہٹ سے کمال ترحم وشفقت کی وجہ سے غمناک نہون اور انکی ایذا پر بھی صابر رہین اور اگر وعدۂ عذاب دنیا مین بظاہر واقع نہ ہو تو اسکو علم آلہی پر حوالہ کرین اور خود فرمانبرداری پر قائم رہین لہذا فرمایا۔ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ۔ یعنی جب غیب کا جاننے والا وہی تیرا رب ہے اور امر کا مرجع اسی کی طرف ہی جسکے اعتقاد سے انتظام جزا وسزا کی طرف توجہ نہ کرنی چاہیئے تو تجھکو لازم ہے کہ اسکی عبادت پر قائم رہ یعنی جسطرح تجھکو حکم ہے اسپر مستقیم رہ اور مخلوق کو اچھی تدبیر وطریقہ سے ہدایت فرما اور اللہ تعالیٰ پر توکل کر یعنے تمام امور میں اسی پر بھروسا کر کہ وہ تجھے کافی ہی اُمید ہی کہ تیری ہدایت سے اہل سعادت خالص توحید پر عبادت کرنے کے واسطے امن پاوین اور اہل شقاوت خوار ہون کہ اہل طاعت کو ایذا نہ دینے پاوین۔ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ۔ قرأۃ نافع وابن عامر وحفص مین تعملون صیغہ خطاب بالتا ہے یعنی اور تیرا رب کبھی غافل نہین ہی ان اعمال سے جو تم کرتے ہو اگر مخاطبین فقط آنحضرت صلعم وآپکے صحابہ مومنین ہین تو انکو انکی استقامت واعمال خیر پر خوشنودی ظاہر فرمائی پس حسن الثواب کی بڑی اُمید ہوئی اور اگر مخاطبین عمومًا سب لوگ ہین تو مراد یہ کہ اُن مین سے نیکون کو نیک ثواب دیگا اور بدون کو عذاب مین گرفتار کریگا باقی ائمہ نے یعملون بیاء تحتیہ صیغۂ غائب پڑھا تو ظاہر یہ تہدید اہل کفر کو ہے یعنی اللہ تعالیٰ ورسول صلعم سے منکر ہو کر کافر لوگ جو کچھ دنیا کی خواہش وانکی کوشش مین کمال زینت کرتے ہین اور عاقبت واسکے سامان سے اعراض کئے ہوئے بالکل دنیا ہی پر جھکے ہوئے ہین اللہ تعالیٰ اُن کے اعمال سے غافل نہین ہی تنبیہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کیفیت دنیا بسر کرنے مین یہ تھی کہ سوائے ایک رسی وبدھنی کے اپنے پاس کچھ نہین رکھتے تھے ایک روز ایک شخص کو چلو سے پانی پیتے دیکھا تو اسکو بھی ایک فقیر کو دیدیا کہ کچھ حاجت نہین ہی اور ایک روز میدان مین ایک پتھر سر کے نیچے تکیہ کر کے سو رہے شیطان نے کہا کہ اے عیسیٰ تم دنیا کی آسائش کی طرف

جھکے تو سر کے نیچے سے نکال کر اسکی طرف پھینکا اور فرمایا کہ لے یہ مع دنیا تیرے لیئے ہے بالجملہ عیسائی ہرگز انکار نہین کر سکتے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس دنیا کی متاع مین سے کچھ نہ تھا اور انکا زہد و تقوی نہایت معروف و مشہور ہے کہ اگر کوئی انکار کرے تو جھوٹا ہے اب انکا یہ حال اسی جہت سے تھا کہ دنیا جملہ ملعون ہے انھون نے آخرت چاہی تو جو لوگ آخرت سے منکر اور محض دنیا کی خواہش و آرام و آسائش مین سرگرم اور اسی کا نام تہذیب کہتے ہین کیونکہ آنحضرت کی راہ پر ہو سکتے ہین اور شیطان نے انکو بہکا دیا کہ وہ تمہارے لئے کفارہ ہوگئے اور سارا عذاب تمہاری بداعمالیون کا اپنی گردن پر لے لیا لاحول ولا قوۃ اسقدر نا سمجھی کہ ایسا کر کے دنیا کا مبغوض الٰہی و ملعون ہونا بھی لوٹ دیا پس کچھ بھی شک نہین ہے کہ حقیقت مین حضرت عیسیٰ کے متبعین تو اہل اسلام ہین جو دنیا سے اسی طرح اعراض کرنے پر کوشش رکھتے ہین اور واضح رہے کہ جن لوگون نے یہ بہتان باندھا کہ اسلام مین تعلیم ہے کہ کوشش و تدبیر مت کرو اور فقیر و محتاج ہو جاؤ اور ذلیل بنو۔ یہ بالکل غلطی و محض نادانی ہے اسی آیت مین دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو توکل کا حکم ہے تو کیا آپ لوگون کو ہدایت کرنے سے باز رہے یا جہاد نہین کیا یا انتظام نہین کیا بلکہ توکل تو ہر حال مین اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھنے کا نام ہے اور کیا خلفاء راشدین مہدیین اتنی بڑی زبردست سلطنتون کے حاکم نہ تھے پھر کیا وے تجارت نہ کرتے یا انتظام نہین کرتے تھے ولیکن آخرت پر انکو پورا یقین تھا تو رعایا و مخلوق کو آرام دیتے اور بے کار دولت و مال و جواہرات کو کچھ نہین سمجھتے صرف بقدر کفاف اسمین سے لیتے اور برابر لشکرون کو آراستہ کرتے تھے لہذا یہ بہتان باندھنے والا محض جاہل ہے سچ یہ ہے کہ آدمی مین بدن و روح دونون کی صفات الگ الگ ہین بدن کا اقتضا تو کھانا طرح طرح کا مزے دار و لذیذ خوب پیٹ بھر کے موٹا ہونا سونا و کھیلنا و جماع کرنا و تصویرین بنانا اور گلاب کا پھول جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اسکو چھوڑ کر اپنی اوقات نقش بنانے مین ضائع کرنا اور اس سے حماقت کیساتھ خوش ہونا یہ سب بیوقوف جانورون کے کام ہین لہذا اسلام تعلیم کرتا ہے کہ بدن سے جانورون کے کام مت لو بلکہ کھاؤ پیو عبادت کرو اور فنون سپہگری سیکھو اور سمجھ لو کہ یہ بدن بعد چند روز کے ایک گڑھے مین ایسا سڑیگا کہ اسکی بدبو سے تابش ہوگی اور کیڑون سے دیکھنا دشوار ہوگا رونا آویگا تو اس بدن سے ایسے نیک کام لو کہ تمہارا ثواب باقی رہے مخلوق کو آرام دو مفلس محتاجون لنجے اپاہج لوگون کی خدمت کرو جانورون کی طرح کھانے پینے جماع کرنے مین عمر برباد مت کرو۔ ایسا ہی روح تو اسکی صفات علم و معرفت وغیرہ ہین لیکن عام مخلوق تو اسکو ایسے علم سکھلاتے ہین جس سے ایسی دولت ملے کہ خوب بدن کی ترتیب پرورش ہو اور اسلام سکھلاتا ہے کہ روح کے کمال ایسے صفات علم و معرفت سے پیدا کرو کہ باقی و دائم ہو اور روح اشرف ہے اسکو بدن کے تابع مت کرو بلکہ بدن کو روح کے تابع کرو حتی کہ بدن سے وہ کام لو جس سے روح کو تقویت و صفائی و کمال حاصل ہوتا ہے اور بدن کے نقصانات سے مت ڈرو کہ وہ آخر فنا ہونیوالا ہے اور اللہ تعالیٰ نے صریح وعدہ فرمادیا کہ وقت موت مقدر ہے اسمین کمی و زیادتی نہین ہوتی ہے۔ بالجملہ جو کوئی اسلام سے خارج ہوا اس سے بنص الٰہی عز و جل کچھ قبول نہ ہوگا اگرچہ وہ دنیا مین بڑا عقلمند ہوا اور آسمان و زمین بھر سونا و جواہرات خیرات کیا کرے اب مین اہل ایمان کو فائدہ آیت سے آگاہ کرتا ہون کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر مضبوط ہون اور دنیا کی زندگی پر فریفتہ نہ ہون اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر قائم ہون اور استقامت اختیار کرین اور اسی راہ پر تمام پیغمبر گذرے خواہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہون یا کوئی اور ہون سبھون نے اسلام تعلیم کیا اور جب یہ بات واضح ہوگئی کہ روح باقی اصل ہے

اور بدن تابع تو اب اس زمانہ مین مسلمانون نے بسبب ضعف یقین وضعف ایمان کے تمام اوصاف روحی ضائع کردیئے حتی کہ
ادنی اوصاف جو بدن کی شرکت سے ہین جیسے صدق وحیا وعفت وترحم وجوانمردی وشجاعت سب سے محروم ہوکر غیر قومون کے
مقتدی ہوگئے فاتقوا اللہ۔ ڈرو اللہ تعالی سے اور اپنے آپس مین اصلاح کرو۔ تنبیہ اسوقت مین کچھ اسباب ایسے جمع ہوگئے ہین
کہ اکثر مسلمانون کی نظر پھسلتی اور انکو وہم پیدا ہوتا ہے اور بہت سے لوگ جو کور باطن و دل سے کافر مگر ظاہر مین دنیا کے
عروج کے ساتھ مسلمانون کے بھیس مین ہوکر اہل اسلام کو بہکاتے ہین تو بدبخت لوگ بالکل ان کے ساتھ بے ایمان ہوتے
جاتے ہین اور اسکا علاج اسوجہ سے دشوار ہوگیا کہ طبیعت سرکش دنیا کی طرف خواہ مخواہ راغب ہوتی ہے اور علم دین مسلمانون
مین سے اٹھتا چلا جاتا ہے اور ایسے ضعف ایمان واس جہالت پر طرہ یہ ہے کہ عوام لوگ دین کی بات سننے سے گویا بہرے ہین اور علماء
اپنی معیشت کی فکر مین انکو صاف توحید سکھلانے سے گویا گونگے ہین پھر ایسی قوم مین یا تحت ہین کہ ان کو دنیا بھرپور دیدی
گئی ہے پس جو سعید کہ نصیحت سنے اور خلجان دور کرنا چاہے اسکو زیادہ خوض کی ضرورت نہین ہے صرف اس امر کو دیکھے کہ جس
قوم پر عقلمند ہونے کا گمان ہے اسنے اپنی عقل سے ایسی دانائی دکھلائی جو باقی و آخرت کیلئے مفید ہے یا فانی اور فقط بدن کی پرورش
مین مفید ہے پس صاف ظاہر ہے کہ ملک یورپ کی قومین معرفت وتوحید الٰہی و باقیات صالحات مین سے جو روح کے کمالات ہین
کچھ بھی نہین رکھتے ہین اور تجارت وریل وتار برقی وکلین وغیرہ یہ سب فانی بدن کے عیش وتنعم کیلئے ہین تو صاف معلوم ہوگیا
کہ انکو عقل نہین بلکہ حواس بدنی مین تیزی ہے پس آدمی اب خود اپنے نفس کے لئے راہ اختیار کرے اگر اسکو دنیائے فانی اور
بدن کی پرورش جو عنقریب سڑ کر مٹی ہو جائیگا منظور ہو تو انکی پیروی کرے اور اگر روح باقی اور دار الآخرۃ باقی ونعمتہائے باقی
کی خواہش منظور ہو تو جوانمردی کے ساتھ اللہ تعالی خلاق علیم کے رسولون وانبیاء علیہم السلام کی اتباع کرے اور خود حق تعالی
نے پارہ پانزدہم سورۂ بنی اسرائیل مین صاف یہ مضمون فرمادیا ہے کہ جو کوئی دنیا چاہے ہم اسکو دینگے مگر چند روز کے بعد
مرکر عذاب کے سوائے کچھ نہین پاویگا اور جو آخرت چاہے اور ایمان کے ساتھ نیک کام کرے جیسے کرنے چاہیئے ہین تو اسکی
کوشش کا شکریہ ہوگا اللھم اجعلنا مومنین وثبتنا علی الایمان ووفقنا لما تحب وترضی ربنا واللہ تعالی مجیب الدعا آمین وہو
ارحم الراحمین **فائدہ** عبداللہ بن امام احمد وابن الضریس وابن جریر وابو الشیخ نے اپنی اسانید کے ساتھ حضرت کعب احبار
رحمہ اللہ سے روایت کی کہ توریت کا شروع وہ ہے جو سورۂ انعام کا شروع ہے اور توریت کا خاتمہ یہ سورۂ ہود کا خاتمہ یعنی
وللہ غیب السموات والارض الآیۃ ہے۔ واضح رہے کہ کشاف نے اور اسکی تبعیت مین بیضاوی نے یہان ایک حدیث لکھی کہ جو کوئی
سورۂ ہود پڑھے اسکو دس گونہ ثواب ان لوگون کی تعداد پر ملیگا جو نوح پر ایمان لائے و دشمنون نے نہ مانا اور اسی طرح
ہود و صالح و شعیب و لوط و ابراہیم و موسی پر جو ایمان لائے اور جسکا فرح ہوسکے اور قیامت مین وہ اہل سعادت سے ہوگا
سراج مین کہا ہے کہ یہ علم حدیث سے ناواقفی ہے یہ حدیث نہین ہے بلکہ کسی نے بنا کر اسکو حدیث کہا ہے امام ابن الجوزی نے
کہا کہ موضوع یعنی بنائی و گڑھی ہوئی ہے۔ فاحفظہ واللہ تعالی اعلم۔ **ف فی العرائس** قولہ وللہ غیب السموات والارض۔
اشارت سے ثابت ہے کہ اللہ تعالی ارواح و ابدان کے غیب سے واقف ہے پس وہی خالق علیم ہے کہ اسنے کس روح و بدن
کو اسطرح مرکب کیا کہ روح مین علم ذات کے اسرار و قلب مین علم صفات کے اسرار ازل سے ودیعت فرمائے کہ جب دنیاوی

ظہور مین اس علم کا طلوع ہوا تو روح قوی وغالب بصیر ودانا ہوئی اور بدن اسکا تابع ہوکر معرفت مین کامل ہوا اور وہی مومن ہوا اور
پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع وسنت پر مستقیم ہوا اور وہی جانتا ہے کہ کس روح و بدن کو اسطرح مرکب کیا کہ روح تاریکی وجہالت
مین ہو اور بدن قوی ومضبوط وحواس کا تیز دنیا کی زینت مین کامل ہو تو روح مضمحل ہو گئی اور بدن غالب ہوا اور حواس کی
تیزی سے دنیا کی لذتین ومال ومتاع وشوکت وحشمت حاصل کرنے مین قوی ہوا اور روح وعقل بالکل بے نور وآخرت سے کور
ونابینا رہا۔ اور لکھا کہ غیب السموات وہ بھی ہین جو ملائکہ کے قلوب مین مقادیر کے علوم ہین کہ قضا وقدر کے نام سے بندون کے
افعال پر جاری ہوتے ہین اور غیب الارض وہ علوم ومعارف ہین جو اہل معرفت وصدق وایمان کے دلون مین مضمر وپیدا ہوتے
ہین قولہ والیہ یُرجع الامر کلہ۔ امر یا ان ارواح ہین جو اپنی سعادت کے اندازہ پر صفات وذات کی طرف راجع ہین۔ پھر اللہ تعالی
نے اپنی عبادت کی طرف راغب فرمایا بقولہ فاعبدہ۔ کیونکہ جب اسی کا بندہ ہوا تو ہر چیز سے آزاد ہوا اس سے توحید پیدا
ہو گئی جس سے تجرید پیدا ہوئی اور تجرید سے تفرید اور اس سے ذات وصفات مین محو ہوا اور اس مقام سے وہ مخلوق کبھی فنا نہوگا
اور برابر نعمتون وآرام مین باقی رہیگا قولہ وتوکل علیہ یعنی وہی تجھے کافی ہے اسکے قہر سے اسی کے لطف کی طرف اور اسی سے اسی کی
طرف راجع ہو۔ اسیواسطے آنحضرت صلعم نے فرمایا اعوذ بک منک۔ تجھ سے تیری ہی طرف پناہ لاتا ہون۔ شہر جوزی رحمہ نے کہا کہ قولہ
ﷲ غیب السموات یعنی اللہ تعالی ہی کیلئے ہے غیب تو جو بندے اپنے مولی کی قبولیت وقرب مین ہین وہ بھی جہان تک اللہ تعالی
چاہتا ہے اسرار ومغیبات سے واقف ہوتے ہین اور یہ وہ لوگ ہین جنہین اپنے شہوات وخواہش کچھ بھی باقی نہین رہی اور نہ ان مین
نفس وسواس کا مطالبہ ہے پس بلا وجود کے انکا وجود ہے اور بلا شہود کے انکا شہود ہے بلکہ قبضۂ قدرت الٰہیہ مین انکا انقلاب ہے
باشارۂ حدیث انا سمعہ الذی یسمع بی۔ اور اشارہ آیت تقلبک فی الساجدین پس نہ وے ہین اور نہ وے نہین ہین بلکہ
از راہ وجود کے وے ممکن ہین اور از راہ اتحاد کے انکا وجود دے نہین ہین۔ اقول یہ مقام بالکل عوام کی فہم سے باہر ہے صرف
اتنا فائدہ یاد رکھین کہ جو مقولہ صوفیہ فنا فی اللہ کا مشہور ہے اس سے یہ مراد ہے کہ وصول وقرب سے انکو خود سننا دیکھنا وغیرہ خود ہونا
نہین ہین اور وے عجب نعمت ومشاہدہ مین ہین کہ گویا تمام مخلوقات آسمان وزمین سب انکے قبضۂ قدرت مین ہے حالانکہ خود کچھ حرکت
نہین کر سکتے ہین بلکہ جو ارادت اللہ تعالی چاہے وہی ہوتا ہے مگر وے خود وہی بنائے ہین چنانچہ مولانا بحر العلوم نے شرح مثنوی
مین شیخ اکبر کے فصوص وفتوحات وغیرہ سے یہ مقام مشرح لکھدیا ہے کہ ممکن کبھی قدیم وواجب الوجود نہین ہوسکتا پس یہان
انقلاب الماہیۃ نہین جیسا کہ عوام کا زعم ہے۔ قال الشیخ اور یہی لوگ اہل غیب ہین کہ جو اپنی ذات سے غائب ہوگئے ہین نہ ان کو
اپنے نفس کیلئے کوئی حظ ہے اور نہ مخلوق کو انکی طرف کوئی راہ ہے کیونکہ وے تفرقہ سے نکلکر عین الجمع مین پہونچ گئے ہین جہان کسی
عبارت وکلام کو گنجائش بیان نہین ہے اور نہ اس حال کو زبان ادا کر سکتی ہے اور بعض نے کہا کہ قولہ الیہ یرجع الامر کلہ۔ سب کا
وہی مرجع ہے کیونکہ وہی سب کا مبدا تھا۔ فاعبدہ۔ اپنی خواہش نفس کو اپنی ذات سے ساقط کر اور ادب وطریقہ سنت
کے ساتھ حکم الٰہی بجا لانے پر قائم وثابت ہو۔ توکل علیہ جسکی کفایت ہماری طرف سے ہی ہے مین تو کچھ اہتمام مت کر اور جسکا تجھے حکم
ہے اسکا اہتمام کر وما ربک بغافل عما یعملون کیونکہ اسکو غفلت ہوگی جسنے مقدمہ کر دیا کہ تو بمقدر کام اسطرح کریگا کہ اس سے کم وبیش
آدمی کی مجال نہین ہے اور تو اس سے اپنی آخری سانس پر ملاقی ہوگا واللہ تعالی اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

سُورَةُ يُوسُفَ مَكِّيَّةٌ

اس سورۂ شریفہ کی خوبیاں وفضائل خود نص قرآنی سے ثابت ہیں ومقام نزول وشان نزول کا بیان یہ ہے کہ بعض کے قول
پر ہجرت کے وقت مکہ معظمہ ومدینہ منورہ کے درمیان نازل ہوئی اور اکثروں کے قول پر مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اور ابن عباس و قتادہ
سے ایک روایت ہے کہ چار آیات کے سوائے باقی سب مکی ہے اور ارجح واصح یہ ہے کہ پوری سورت مکیہ ہے اور اسی پر سراج وغیرہ
میں بھی جزم ہے اور شیخ امام حافظ نے کہا کہ وہ کہتے ہیں قرطبی رح نے علماء سے نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار انبیاء
وانکی قوم کے وقائع کو مکرر اسلوب ونظم سے بیان فرمایا کہ درجات بلاغت میں اعجاز ہر جگہ ہو اور سورۂ یوسف کو مکرر نہیں فرمایا۔
مگر کفار منکرین میں سے کسی نے مکرر وغیر مکرر کسی کے مقابلہ کی قدرت نہیں پائی۔ اس سورہ میں ایک سو گیارہ [۱۱۱] آیات ہیں اور
ایک ہزار نوسو چھیانوے [۱۹۹۶] کلمات ہیں اور سات ہزار ایک سو چہتر [۷۱۶۶] حروف ہیں قال الحافظ رح وروی الثعلبی وغیرہ من طریق سلام
بن سلیم ویقال سلیم المدائنی وهو متروک عن هارون بن کثیر وقد نص علی جهالته ابو حاتم عن زید بن اسلم عن ابیه عن ابی امامة عن
ابی بن کعب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علموا ارقاءکم الحدیث یعنی اپنے مملوکوں غلاموں وباندیوں کو سورۂ یوسف سکھلاؤ
کیونکہ جو کوئی مسلمان اسکو پڑھے یا اپنے اہل کو سکھلاوے یا اپنی مملوک کو سکھلاوے تو اللہ تعالیٰ اسپر موت کی سکرات کو آسان کر دیگا
اور اسکو ایسی قوت عطا فرما دیگا کہ کسی مسلمان پر حسد نہ کریگا اسکے اسناد میں سلام بن سلیم ایسا شخص ہے کہ اسپر اعتماد نہ تھا و [illegible] نے
اسکی روایت متروک کر دی تھی اور ہارون بن کثیر کو شیخ ابو حاتم نے صاف کہا کہ یہ مرد مجہول ہے قال الحافظ اسوجہ سے تو یہ روایت
صحیح نہیں ہے کیونکہ اسکی اسناد بالکلیہ ضعیف ہے اقول یعنی ابو امامہ وابی بن کعب تو صحابی ہیں انکے سوائے باقی راوی سب ضعیف
ہیں اور میرا خیال یہ ہے کہ شاید صحیح نسخہ میں یوں ہوگا عن ہارون بن کثیر عن عبد الرحمن بن زید بن اسلم عن ابیہ کیونکہ زید بن اسلم
کے ضعف میں تامل ہے کیونکہ انکی توثیق معروف ہے واللہ اعلم۔ پھر شیخ نے لکھا کہ حافظ ابن عساکر نے اس اسناد کا متابع ذکر کیا۔
کئی وجہ سے اول من طریق القاسم بن الحکم عن ہارون بن کثیر یعنی سلام بن سلیم کی تقویت ہوئی اور رہی تقویت ہارون بن کثیر
تو دوسرا طریق لکھا یعنی شبابہ عن محمد بن عبد الواحد النضری عن علی بن زید عن جدعان۔ اقول شبابہ یعنی ابن سوار اور قولہ علی
بن زید عن جدعان ایسا ہی اس نسخہ مطبوعہ مصر میں ہے اور میرے نزدیک خطائے کاتب ہے صواب علی بن زید بن جدعان ہے اور یہ
بھی منکر الحدیث ہے پھر تیسرے طریق کو لکھا عن عطاء بن ابی میمونہ عن زر بن حبیش عن ابی بن کعب۔ اقول مقصود اس سے تقویت زید
بن اسلم یا عبد الرحمن بن زید ہے اور زر بن حبیش اصحاب ابن مسعود رض سے معروف ثقہ ہیں اور ابو امامہ رض کی متابعت مقصود نہیں ہے
فافہم واللہ تعالیٰ اعلم۔ شیخ رح نے ان طرق کے بیان کے بعد لکھا کہ یہ روایت جملہ طرق سے منکر ہے اور لکھا کہ بیہقی نے دلائل النبوۃ
میں روایت کیا کہ یہود کے ایک گروہ نے جب آنحضرت صلعم سے سنا کہ یہ سورہ شریفہ آپ اپنی قوم پر تلاوت فرماتے ہیں تو سب مسلمان
ہو گئے کیونکہ جسطرح انکے پاس یہ قصہ تھا اسی کے موافق آنحضرت صلعم نے وحی سے سنایا تھا۔ شیخ نے کہا کہ یہ روایت کلبی عن ابی
صالح عن ابن عباس سے ہے۔ اقول یعنی کلبی ضعیف الحدیث ہیں ولیکن میزان میں ذہبی رح کے بیان سے ضعف میں بہت شدت
ظاہر ہوتی ہے واللہ اعلم۔ سراج میں معالم سے لایا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہود نے آنحضرت صلعم سے سوال کیا

کہ آپ ہم سے یعقوبؑ انکی اولاد و یوسف کا حال بیان فرماوین تو یہ سورہ نازل ہوا اقول روایت کی توجیہ آتی ہے کیونکہ سورہ کے مکیہ ہونے پر گویا اجماع ہو اور سعید بن جبیر رح سے روایت ہو کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوا تو آپ قوم پر تلاوت فرماتے تو قوم نے کہا کہ ہم امیدوار تھے کہ آپ ہم سے حدیث فرماتے تو نازل ہوا قولہ اللہ نزل احسن الحدیث کتابا متشابہا مثانی تقشعر منہ الآیۃ ۔ پھر قوم نے کہا کہ ہم امید رکھتے ہین کہ آپ ہمکو غفلت سے بیدار کرتے تو نازل ہوا قولہ الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبہم لذکر اللہ ۔ قوم نے عرض کیا تھا کہ آپ ہم سے مفید حالات سابقین بیان فرمایئے یعنی جس سے اللہ تعالیٰ کی محبت و ایمان کیواسطے نصیحت و عبرت ہو تو یہ سورہ شریف نازل ہوا ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا رحم والا مہربان ہے

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۞ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ
یہ آیتین ہین واضح کتاب کی ہم نے اس کو اُتارا ہے

قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ
قرآن عربی زبان کا شاید تم بوجھو ہم بیان کرتے ہین تیرے پاس بہتر بیان

بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ
اسواسطے کہ بھیجا ہم نے تیری طرف یہ قرآن اور تو تھا اس سے پہلے البتہ

الْغٰفِلِيْنَ ۞
بیخبروں مین

الٓرٰ ۔ الف لام را ۔ ابو علی فارسی نے کہا کہ ان حروف سے انکی مسمی مراد ہین یعنی اسم الف اور ل سے لام اور ر سے را مقصود ہے اور ہر ایک پر وقف ہو اور شیخ حافظ رح نے لکھا کہ ان حروف مقطعہ کے معنی مین اول سورہ بقرہ الٓم مین گفتگو ہوچکی ہو اور حق راجح و مختار براہ اصل معنی و مراد کے شیخ سیوطی مفسر رح کا یہ ہو کہ انکی مراد سے اللہ تعالیٰ ہی دانا ہے اور بعض نے کہا کہ یہ بھید ہے اللہ تعالیٰ و اسکے رسول علیہ السلام کے درمیان کہ سوائے رسول علیہ السلام کے کسی کو یہ مرتبہ نہین کہ ان اسرار کو سمجھے اور یہ قول بھی اچھا ہے اور مفصل کلام الٓم مین گزر چکا اور دونون قول میں اسطرح توفیق ممکن ہو کہ جیسے قیام جنت و اسکا آرام بالفعل آدمی کو محسوس نہین اگرچہ ایسا ہونے کا یقین ہو تو اس راہ سے اسکی تاویل کا علم بھی اللہ تعالیٰ کو ہی یا جیسے قیامت قائم ہونے کا وقت معین اگرچہ ہر مومن وقوع قیامت کا یقین کرتا ہو اور اس راہ سے کہ اسکے اسرار سے انکشاف و علم ہو جیسے قیامت کے آثار تو اسکا علم آنحضرت صلعم کو ہوا اور بعض علماء متقدمین و متاخرین نے زعم کیا کہ اہل بیان کو اسکا علم ہو سکتا ہے مگر دوسری وجہ مذکورہ کے طور پر چنانچہ شیخ ابن تیمیہ رح نے اسکو مفصل ذکر فرمایا ہو پس ائمہ حنفیہ نے جو کہا کہ انکا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہین ہو تو پہلے معنی کے موافق ہو اور امام شافعی رح نے جو کہا کہ مومنین راسخین کو ہوتا ہے تو دوسرے معنی کے موافق ہے

واللہ اعلم۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ۔ یہ آیتیں ایسی کتاب کی ہیں جو مبین ہے یعنی واضح روشن ہے جو مبہم امور کو صاف روشن کرتی ہو اور ان کو بیان سے ظاہر کردیتی ہے کذا قال الحافظ۔ مبین از آبانہ باب افعال ہے تو بعض نے اسکو متعدی کہا یعنی دوسرے امور کو بیان سے صاف جدا کرنیوالی اور شیخ مفسر وغیرہ نے لازمی معنی پر محمول کیا یعنی خود واضح و روشن اور شیخ حافظ نے گویا دونوں کو جمع کردیا کہ خود بھی واضح ہے اور حق و باطل میں فرق کرنیوالی بھی ہے۔ زجاج نے کہا کہ حق کو باطل سے اور حلال کو حرام سے جدا ظاہر کرنیوالی ہے اور ایسا ہی ابو اہد رحمہ سے مروی ہو۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۔ سراج میں کہا کہ تقدیر کلام یہ ہو۔ انا انزلنا ہذا الکتاب الذی فیہ قصۃ یوسف حال کونہ قرآنا عربیا لکی تعلموا وارادۃ ان تفہموا ما فیہ یعنی ہم نے اس کتاب کو جسمیں حضرت یوسف کا قصہ ہے نازل فرمایا درحالیکہ وہ قرآن عربی ہے تاکہ تم خوب سمجھو اور لکھا کہ قرآن کے ایک سورہ کو قرآن اسوجہ سے کہا کہ قرآن اسم جنس ہو جیسے کل پر بولا جاتا ہے ویسے ہی بعض پر بولا جاتا ہے۔ اقول صحیح یہ ہو کہ قولہ انا انزلنا یعنی انا انزلنا ہذا الکتاب حال کونہ قرآنا۔ میں اگر کتاب سے تمام قرآن مراد ہے تو اسکا قرآن عربی ہونا ظاہر ہے اور اگر فقط یہ سورہ مراد ہو تو وہ توجیہ ہو جو سراج میں لایا دیکن سراج کا یہ قول کہ ہذا الکتاب الذی فیہ قصۃ یوسف حال کونہ الخ پھر اسکے بعد توجیہ مذکور مناسب نہیں ہو۔ حاصل معنی یہ ہیں کہ یہ سورہ قرآن مبین کی آیات ہیں ہم نے قرآن کو عربی نازل فرمایا تاکہ تم خوب سمجھ حاصل کرو بیان وہم ہوتا تھا کہ شاید آنحضرت صلعم کی رسالت مخصوص بعرب ہے، تو شیخ امام حافظ رحمہ نے اسکو دور کردیا اسطرح کہ عربی زبان میں نزول کچھ عرب کے آدمیوں پر مخصوص لحاظ نہیں ہو بلکہ اسوجہ سے کہ تمام زبانوں سے عربی زبان بہت فصیح ہو اور اسمیں الفاظ ایسے وسیع ہیں کہ جو مضمون باریک کہ دل میں آوے اسکے لئے ایسے نفیس الفاظ ملتے ہیں کہ خوب ادا ہو سکتا ہے اور تھوڑے فرق کیلئے دوسرا لفظ موجود ہو اسواسطے اشرف کتاب کو اشرف زبان میں اشرف الرسل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اشرف الملائکہ جبرئیل علیہ السلام کی سفارت سے اشرف قطعہ زمین یعنی مکہ معظمہ میں اشرف زمانہ یعنی رمضان میں نازل فرمایا پس ہر وجہ سے اسکی بزرگی بڑھ گئی اور اول عرب میں نزول کی وجہ یہ بھی ہو کہ ابتدائی تعلیم و ہدایت اسکی عام لوگوں میں سے اشرف کو فرمائی یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم بحکم قولہ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس الآیۃ پس یہ بھی لاحق کرنا چاہیئے کہ اشرف لوگوں کی ہدایت کیلئے نازل فرمایا۔ اور یہ وہم نہ ہو کہ قرآن تو تمام روئے زمین کی ہدایت کیلئے ہو صحابہؓ کی ہدایت کیساتھ مخصوص ہوئی کیونکہ ابتدائی نزول اشرف لوگوں کیلئے واقع ہوا اگرچہ حکم و خطاب قیامت تک کیلئے عام روئے زمین کے لوگوں کیلئے ہو اور اسی سے ظاہر ہوگیا کہ قولہ لعلکم تعقلون میں خطاب ان حضرات سے بوجہ انکے اشرف ہونے کے ہو کیونکہ یہ بات بالیقین معلوم ہو کہ اہل عرب جو اسوقت موجود تھے انکی اولاد آخر تک اسمیں داخل ہیں حالانکہ وے وقت لعلکم خطاب کے پیدا بھی نہیں ہوئے تھے تو ضمیر خطاب سے انہیں موجودین کا انحصار مقصود نہیں بلکہ انکی اولاد اور تمام روئے زمین کے لوگ داخل ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ازلی خلقت سے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اشرف و اکمل اس شان ایمان و عبودیت میں مخلوق فرمایا تھا اسواسطے قرآن مجید میں اکثر خطاب انہیں حضرات کی طرف فرمایا ہو نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ۔ ہم تجھ پر نازل کرتے ہیں یا بیان کرتے ہیں قصص میں سے احسن و بہتر بوجہ ہمارے وحی فرمانے کے تیری جانب یہ قرآن یعنی ہم نے جو تجھ پر قرآن بوحی نازل فرمایا تو ہم تجھے قصص میں سے بہتر سناتے ہیں پس تمام قرآن نہایت بہتر ہے اسواسطے مروی ہو کہ قصص میں سے بہتر یہ قرآن ہو مقصود یہ کہ عوام جنکو معرفت ابتدا اور انجام نہیں اور نہ اپنی تہذیب نفس

وانسانی کمالات سے وقوف ہو سے بیہودہ دروغ و باطل یا بیفائدہ وبیحاصل باتون کو سنکر خوش ہوتے اور یہ نہین جانتے ہین کہ نفس وشیطان کے پھندسے مین گرفتار ہوکر ہلاک ہوئے تو اللہ تعالی نے قرآن مین بندگان صالحین انبیاء ومرسلین وانکی امتون وو قائع کو ایسے نفیس اسلوب معجز بیان سے وحی فرمایا کہ آدمی قصہ سنے اور اُس سے یہ فائدہ حاصل کرے کہ بُرے افعال جن سے اگلے ہلاک ہوئے ہین ترک کرے اور اچھے افعال جن سے اگلون کا انجام بخیر ہوا ہو اختیار کرین اور یہ دنیا بالکل بے ثبات ہو اس سے تعلق منقطع بہتر ہے ورنہ دنیادی فریب بھائی کا بھائی جانی دشمن ہوجاتا ہو حالانکہ خیال متخیل وحاصل ومحصول سب چند روزہ فانی ہو بعض نے کہا کہ احسن القصص سے یہی قصہ یوسف علیہ السلام مراد ہو یعنی ہم اپنی وحی سے تجھے احسن القصص قصہ یوسف سناتے ہین۔ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ اور بیشک تو ہمارے وحی فرمانے سے پہلے لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ۔ البتہ اس قرآن یا اس قصہ سے غافل تھا مقصود یہ کہ قرآن مین ہم پے در پے احسن قصص وحی فرماتے ہین تاکہ کسی کو شک ممکن نہو کہ اپنی طرف سے بیان کرتے ہین بلکہ یقین ہوجائے کہ یہ صحیح واقعات ایک اُمّی سے صرف بوحی ہین لہذا واثق یقین کرین کہ آنحضرت صلعم بیشک رسول ہین چنانچہ مروی ہو کہ یہود مدینہ جنھون نے بواسطہ سرداران قریش کے اس قصے کو دریافت کرایا تھا جب اپنے یہان کے روایات کو اس سورہ کے مطابق صحیح پایا تو ایک گروہ مسلمان ہوگیا قال المترجم آنحضرت صلعم کے صدق رسالت کیلئے منجملہ دلائل کثیرہ کی یہ دلیل ہو کہ آپنے گذرے ہوئے پیغمبرون وانکی اُمتون کا حال خصوص واقعات نبوت حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام کو صحیح صحیح بیان فرمایا اور باعلان کہ جن قصص سے عرب غافل تھے انکو بیان فرمایا تو ممکن نہین کہ کسی سے سنکر ایسے اعلان کے ساتھ دعوی کیا جائے خصوص جبکہ اہل کتاب یہود ونصاری دشمن ہو رہے تھے پس صریح ظاہر ہو کہ محض وحی الٰہی سے بیان فرماتے تھے اور یہ خصوصیت نہ تھی کہ جو آپ خود بیان فرمادین آپ کا مقصود ہو بلکہ جو پوچھا جاتا اسکو بیان فرماتے تھے اور چونکہ جملہ انبیاء کی تعلیم خالص توحید تھی جس سے نفس وشیطان سے نجات وا پنا کمال حاصل ہوتا ہے تو انمین سے خاصکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات کثرت سے بیان فرمائے کیونکہ حضرت موسیٰ کے امتی ہونے کے مدعی یہود بہت عرب مین موجود تھے اور سب دشمن تھے تو کبھی ممکن نہ تھا کہ کچھ حال ظاہر کرتے بلکہ آپکی وحی سے اپنی کتابون کی روایات صحیح پاکر تصدیق کرتے تھے اگرچہ حسد وعداوت سے بہتیرے ایمان نہین لاتے تھے چنانچہ یہ بات بھی صاف اُن سے کہدی گئی اور اللہ تعالی نے جابجا تنصیص فرمائی کہ حقیر دنیا کے لالچ سے وحی ورسالت کی تصدیق چھپاتے ہین اُس بیان سے یہ بھید بھی ظاہر ہوا کہ اللہ تعالی نے جملہ انبیاء مین سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات کو کیون زیادہ بیان فرمایا ہے۔ سراج وغیرہ مین ہو کہ اگر احسن القصص سے مراد یہی سورۂ یوسف ہو تو اسکا احسن ہونا اسوجہ سے ہو کہ اس قصہ مین دین ودنیا کے فائدے وعبرت واشارات وحکمت بہت ہین اور اسمین بادشاہون سے غلامون تک کے برتاؤ اور عورتون کے مکر ودشمنون کی ایذا پر صبر اور قدرت کے وقت عفو کرنا وغیرہ اخلاق واوصاف کا بیان ہو اور بعض نے کہا کہ اسمین حبیب ومحبوب کے حالات واشارات ہین اور منجملہ عزائم اخلاق کے اسمین عفت یوسف کا بیان ہو خالد بن معدان نے کہا کہ جنت مین اہل جنت اس سورۂ یوسف سے اور سورۂ مریم سے تفکہ کرینگے مترجم کہتا ہے کہ یہ اشارہ لطیف ہے اسکو مرد کامل سمجھتا ہو۔ ابن عطار رح نے کہا کہ جو شخص محزون ہو اگر دل لگا کر سورۂ یوسف سُنے تو اُسکو استطراف راحت ہوگی۔ شیخ امام حافظ رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر مین اس مقام مین فوائد سے توضیح کے ساتھ جو لکھا اسکا خلاصہ یہ ہو کہ ابن جریر وحاکم نے سعد بن ابی وقاص اور ابن جریر نے ابن عباس سے روایت کی کہ آنحضرت صلعم پر قرآن نازل ہوا تو ایک زمانہ تک آپ لوگون کو سناتے رہے صحابہ رض نے

عرض کیا کہ ہم امیدوار تھے کہ آپ ہم سے اگلون کے حالات بیان فرماتے (یعنی وحی خفی کے ساتھ تاکہ دلیری ہو) پس اللہ تعالیٰ نے اس اُمید کو وحی جلی سے پورا فرمایا، تو نازل ہوا قولہ الٓر تلک آیات الکتاب المبین الآیات۔ پھر اُنھون نے آرزو کی کہ آپ ہم سے حدیث فرماتے تو نازل ہوا قولہ اللہ نزل احسن الحدیث کتابا الآیۃ۔ اور ابن جریر رح نے اسکو عون بن عبداللہ سے مرسل روایت کیا اور آخر مین ہو کہ اُنھون نے حدیث چاہی تو اللہ تعالیٰ نے احسن الحدیث کی راہ انکو بتلائی اور اُنھون نے قصہ چاہا تو انکو احسن القصص کی راہ بتلائی۔ مترجم کہتا ہو کہ اس سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید کتاب عظیم کریم کافی شافی ہو اسکی فہم کے ساتھ کسی دوسری چیز کی ضرورت نہین رہتی اور رہی احادیث تو وے اسکی فہم کیلئے مستند ہین قال الحافظ الامام رح جب اس آیت سے ظاہر ہوا کہ قرآن مجید دوسری کتابون سے مستغنی کرتا ہے تو اسکی مؤید احادیث کا ذکر کرنا یہان مفید و مناسب ہے چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی اسناد سے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یہود سے ایک کتاب پائی اسکو آنحضرت صلعم کے پاس لائے اور آپکو پڑھ سنائی تو آپ غضب مین ہوگئے اور فرمایا کہ اے ابن الخطاب کیا تو اسمین متہوک[1] ہے حالانکہ قسم اس پاک کی جسکے قبضۂ قدرت مین میری جان ہو کہ مین اسکو تمہارے پاس پاکیزہ صاف لایا ہون تم یہودیون سے کچھ مت پوچھو ایسا نہو کہ یہ بیباک لوگ کبھی تم کو سچی بات بتلادین مگر تم انکو جھوٹا بتلاؤ[2] اور کبھی تمکو باطل بات بتلادین مگر تم اسکو سچ ان لو اور قسم اس پاک کی جس کے قبضۂ قدرت مین میری جان ہو کہ اگر موسیٰ زندہ ہوتا تو اسکو کوئی چارہ نہ ہوتا سوائے اسکے کہ میری پیروی اختیار کرے۔ امام احمد نے لکھا کہ حدثنا عبدالرزاق قال حدثنا سفیان عن جابر[3] عن الشعبی عن عبداللہ بن ثابت کہ اُنھون نے کہا کہ حضرت عمر بن الخطاب نے آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوکر عرض کیا کہ قریظہ مین سے ایک بھائی کے پاس میرا گذر ہوا اسنے میرے واسطے توریت مین سے ایک مجموعہ لکھدیا مجھے اجازت ہو کہ مین اسکو آپکی خدمت مین سناؤن پس آنحضرت صلعم کا چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا عبداللہ بن ثابت کہتے ہین کہ مین نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم آنحضرت صلعم کے چہرہ پر آثار نہین دیکھتے ہو پس حضرت عمر رض نے کہنا شروع کیا کہ رضینا باللہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد رسولا ہم دل سے راضی ہین کہ رب ہمارا اللہ تعالیٰ ہے اور دین ہمارا اسلام ہے اور محمد صلعم ہمارے لئے رسول ہین عبداللہ کہتے ہین کہ وہ غضب آنحضرت سے جاتا رہا اور فرمایا کہ قسم اس پاک کی جسکے قبضہ مین محمد کی جان ہو اگر موسیٰ تم مین زندہ ہوکر آوے پھر تم مجھے چھوڑ کر اسکی پیروی کرو تو بے شک گمراہ ہوجاؤ تم خلق مین سے میرا حصہ ہو اور نبیون مین سے مین تمہارا حصہ ہون ابویعلی الموصلی نے اپنی اسناد کے ساتھ خالد بن عرفطہ سے روایت کی کہ مین حضرت عمر کے پاس بیٹھا تھا کہ اتنے مین قبیلہ عبدالقیس کا ایک شخص آپکے پاس پہونچا آیا آپنے اسکو فرمایا کہ تو ہی فلان بن فلان العبدی ہے اُسنے کہا کہ ہان آپنے کہا کہ تو ہی مقام سوسن مین رہنے لگا اُسنے کہا کہ ہان پس خرما کی چھڑیون سے جو آپکے پاس تھین اسکو مارا اُسنے عرض کیا کہ اے مومنون کے سردار میرا کیا قصور ہے آپنے حکم دیا کہ بیٹھ وہ بیٹھ گیا پس آپنے اسکو پڑھکر سنایا بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الٓر تلک آیات الکتاب المبین۔ تا قولہ لمن الغافلین تین بار اُس کو پڑھکر سنایا اور تین بار اسکو مارا اُسنے کہا کہ امیر المومنین مجھ مین کیا خطا و قصور ہے فرمایا کہ تو ہی ہے جسنے دانیال پیغمبر کی کتاب کو لکھا ہے اُسنے کہا کہ آپ مجھے دین اسلام کا حکم دین مین اسکی پیروی کرون آپنے کہا کہ جا کر اسکو گرم پانی اور صوف سے مٹادے پھر مت پڑھ اور کسی کو مت پڑھا پھر اگر مجھے خبر پہونچی کہ تو نے اسکو کسی آدمی کو پڑھایا تو مین تجکو عبرتناک سزا دونگا پھر فرمایا کہ بیٹھ جا وہ بیٹھا تو فرمایا کہ مین نے جاکر یہود سے ایک کتاب نقل کی اور چمڑے کے قطعات لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہوا آپنے فرمایا کہ اے عمر یہ تیرے ہاتھ مین کیا ہو مین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مین ایک کتاب نقل کرلایا ہون تاکہ ہم اپنے علم کیساتھ اس کو

ملاکر پڑھا لیں پس آنحضرت صلعم غضبناک ہوگئے یہاں تک کہ آپکے رخسارہ مبارک سرخ ہوگئے پھر نماز کیواسطے آواز دی گئی کہ الصلوٰۃ
جامعۃ پس انصار رضی اللہ عنہم نے آپس میں کہا کہ دیکھو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غضبناک کردیا گیا ہے ہتھیار لاؤ ہتھیار لاؤ۔
پس سب مسلح ہوکر آئے اور آپکے منبر کو سب طرف سے حلقہ کرکے کھڑے ہوگئے اور آنحضرت صلعم نے منبر کے اوپر سے فرمایا کہ اے
لوگو مجھے جوامع الکلم و خواتیم عنایت ہوئے ہیں اور میرے واسطے نہایت بلیغ اقتصار فرمایا گیا ہو اور قسم ہے کہ میں ان کو تمہارے پاس
پاکیزہ صاف لایا ہوں پس تم تھوک نہ کرنا اور تھوک کرنے والے تمکو فریب میں نہ ڈالیں عمر رضہ نے کہا کہ میں خوف زدہ ہوکر کھڑا ہو گیا
اور کہنے لگا کہ رضیت باللہ ربا" بالاسلام دینا و بک نبیا پس آنحضرت صلعم منبر سے اتر آئے۔ قال الشیخ الحافظ اسکو ابن ابی حاتم نے
بھی مختصر روایت کیا و لیکن اسکی اسناد میں عبدالرحمن بن اسحاق ابو شیبہ الواسطی و اسکا شیخ خلیفہ بن قیس دونوں راوی ضعیف ہیں
چنانچہ امام بخاری نے کہا کہ اسکی حدیث صحیح نہیں ہو۔ شیخ ابن کثیر نے کہا کہ اس روایت کا شاہد دوسری اسنادوں سے ابوبکر احمد
بن ابراہیم اسماعیلی نے جبیر بن نفیر سے روایت کیا ہو پھر اسکو مطول ذکر کیا اور اسمیں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضہ کی خلافت میں شہر
حمص میں دو آدمیوں نے یہود سے کچھ کلمات لکھے تھے اور حضرت عمر رضہ سے پوچھنے آئے تھے کہ ہم یہاں اہل کتاب کے دیس میں ہیں تو وے
ہم سے اپنی باتیں بیان کرتے ہیں جن سے ہمارے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں تو ہم لیویں یا نہیں پس انکو سخت ملامت کی اور فرمایا
کہ مجھے معلوم ہوا کہ تم نے کچھ لکھا ہے تو میں تم کو اس امت کے لیے عبرتناک نمونہ عذاب کا بنا دونگا پھر اپنا قصہ نقل کیا اور اسمیں (یعنی خوف الٰہی سے)
ثابت ہو کہ خیبر کے کسی یہودی سے لکھ لائے تھے اور جب سنانے میں آنحضرت صلعم کے چہرہ کو غضبناک سرخ دیکھا تو مارے ڈر کے
زبان بند ہوگئی اور آگے ایک حرف نہ چلا پھر آنحضرت صلعم نے اس تحریر کو مٹا دیا اور فرماتے تھے کہ ارے ان لوگوں کی پیروی
مت کرو یہ لوگ متھوک ہوئے ایسے یہ لوگ متھوک ہوگئے ہیں پس ان دونوں نے جاکر جو کچھ لکھا تھا اسکو قد آدم گڑھا کھود کر گاڑ دیا
ابوداؤد نے مراسیل میں اسکے مانند روایت کیا۔ قال المترجم اس زمانہ میں لوگوں میں یہ شامت ہو کہ اگر کہا جاتا ہے کہ جو کوئی نماز
میں بیباکی کرے نہ پڑھے تو عذاب جہنم میں پڑے گا اگرچہ توبہ نہ کی ہو اور وہ عذاب سخت شدید ہے تو انکو کم اثر ہوتا ہے اور اگر کہا
جاوے کہ بے نمازی کو آگ کی زنجیروں میں کسکر اسکے ناخنوں میں آگ کی کیل میخیں ٹھونکی جاوینگی اور پیروں میں کیلیں کہ دماغ میں
پھوٹیں گی اور کھال چرلیوں عذاب ہوگا اعوذ باللہ سر پر اسطرح و پیٹ پر اسطرح الغرض ایسی باتیں کوئی واعظ کہے تو عوام اسی کیطرف
جھکتے و دوڑتے ہیں حالانکہ اسنے اپنی طرف سے باتیں گڑھ کر وعظ و نصیحت بنائیں جیسے یہود کرتے تھے اور یہ خود کبیرہ گناہ ہے اور
سچ واقع ہوا جو امام ابن الساعی وغیرہم نے قولہ تعالیٰ یا ایہا الذین آمنوا ان کثیرا من الاحبار والرہبان الآیۃ سے استفادہ کیا
کہ اس امت کا عالم بگڑکر یہودیوں سے مشابہ ہو جائیگا اور فقیر درویش بگڑا ہوا نصرانی درویش سے مشابہ ہوگا استغفر اللہ الذی
لا الٰہ الا ہو اللہم ثبت اقدامنا علی الاسلام والایمان ف فی العرائس قولہ تعالیٰ الٓر۔ الف اشارہ بجناب انانیت توحید ہی
اور لام اشارہ بجانب نکرت اہل تجرید ہے۔ اور راء اشارت بجانب اہل التفرید ہے اقول تحقیق الٓم میں گذری اور وہ ہیں
بیان ہوا کہ حقائق مراد سے سوائے حق تعالیٰ کے کوئی آگاہ نہیں اور خاصہ اسرار میں سے آنحضرت صلعم مثل اپنے مرتبہ
کے اخص علم سے مشرف ہیں اور دیگر راسخین فی العلم کو موافق اپنے اپنے مراتب کے وقوف ہو اور شیخ محدث مولانا شاہ
ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی فی الجملہ علم متشابہات کے حصول علم پر بعض کتب میں تصریح کردی ہے اور جو کچھ شیخ نے

ذکر کیا وہ ہماری نسبت کرکے خود بمنزلہ منشابہ کے ہو اور اس سے وہی آگاہ ہوگا جو اس مرتبہ تک حاصل ہو فانشاءاللہ تعالیٰ الم۔ قولہ تعالے تلک آیات الکتاب المبین یعنی اشارات ان تینون حروف مین علامات معارف ہین جن سے صفات قدیمہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے حالانکہ ان صفات کے انوار خود صدیقین کے دلون مین مبین و ظاہر ہین اور ملک و ملکوت مین انکے آثار مشاہدہ ہین اور ان حروف سے خطاب کرنے مین حکمت یہ ہو کہ اسرار خاصہ ایسے لوگون سے مخفی رہین جو ان اسرار کے لائق نہین ہین جیسے کفار یا ان مین بالفعل ایسی استعداد نہین ہو جیسے عوام مسلمین۔ قال المترجم ظاہرا استعداد کا مرتبہ وہ ہے کہ علم ہو اور رسوخ ہو اور امام مالک رحمہ اللہ سے مروی ہو کہ عالم باعمل کو راسخ فی العلم کہتے ہین اور بعض آثار مین وارد ہو کہ جو کوئی علم سیکھے اور اسپر عمل کرے تو اسکو اللہ تعالیٰ ایسا علم دیتا ہے جسکو وہ جانتا نہ تھا اور مراد یہ ہو کہ ان علوم ظاہری سے جو سیکھے جاتے ہین اور ہر کوئی جانتا ہے کہ علم فقہ و حدیث و تفسیر ہے اسکے سوا ئے بھی ایسی چیز کا علم دیتا ہو جو اسطرح معلوم نہ تھی اور یہی علم کشف و عیان ہو اور یہ ظاہر ہے کہ جو کوئی اس مرتبہ تک نہین پہونچا اگر اسپر علم کشفی ظاہر کیا جاوے تو وہ ضرور انکار کر جائیگا کیونکہ وہ اس قبیل سے نہین ہے اور بعض لوگون نے یہ زعم کیا کہ کشف سے نور بصیرت ہوتا ہے جس سے بعض دلائل و مسائل واضح معلوم ہوجاتے ہین اور یہ زعم بالکل غلط و وہم ہے اسنے موافق اصطلاح منطقین کے ایک کیفیت کو تصور کیا جسکو وہ لوگ علم کہتے ہین اور وجہ اسکی یہ واقع ہوئی کہ اسنے کشف کے لفظ سے ظاہری طور پر بحث کی کیونکہ علم انکے نزدیک انکشاف ہو یا انکشاف اسکو لازم ہے حالانکہ یہ علم کشف دیگر چیز ہے اسکو چاہو کشف وغیرہ کسی لفظ سے تعبیر کرو بدون اس مرتبہ کے حاصل ہونے کے کبھی اس سے آگاہی نہین ہوسکتی ہے اور یقین کرو کہ بندہ ضروری شرائع و اصلی عقائد سے آگاہ ہو کر عمل مین اخلاص و طاعت مین مجاہدہ سے درجہ قبولیت پاتا ہے اور اسکو علم کشفی حاصل ہوجاتا ہے حالانکہ اصول فقہ و دلائل و علم روایت وغیرہ سے ویسا ہی رہتا ہے جیسا پہلے تھا اور اکثر آدمی ان علوم ظاہری مین بڑا طاق شہرہ آفاق سحاث جدلی ہوتا ہے مگر علم کشف سے بے بہرہ محض اور کچھ شک نہین کہ مقصود و مراد یہی کشف ہو اور اس علم جدلی ظاہری کو اس سے اسقدر نسبت سمجھنا چاہیے جیسے تخت پر آرام و جلوس کیلئے کوئی شخص نجاری سیکھے بلکہ کثرت ایراد و دفع جو ظاہر مین محمود ہو در واقع بقول علامہ جلال دوانی رحمہ اللہ کے سخت مذموم و جہالت ہو وتمام البحث فی المقدمۃ یہان مقصود صرف اسی قدر ہے کہ عموماً ظاہری تعلیم قرآن پاک کی موافق فہم عوام ہو کیونکہ انھون نے ہنوز راہ ہی نہین اختیار کی تو مقصود تک واصل ہونا کیسا پھر جو کوئی راہ اختیار کرنے مین سخت مجاہدہ و دلائل کرکے ایک قدم بڑھانے کیلئے آمادہ ہو بھلا وہ کیا قدم بڑھاویگا اور کب اس منزل دور دراز کو طے کریگا وہ تو علامہ فہامہ ہو کر ابھی راہ ہی نہین چلا اور ہر قدم پر اسکو ہزارون وسوسے آتے ہین جنکے دفع کرنے مین عمر برباد کرتا جاتا ہو تو جب علما کا یہ حال ہے تو ابتدائی تعلیم جن کو کی جاتی ہے کیونکر اسرار سے واقف ہونگے تو خطاب مین اسرار کیلئے حروف ہین جن سے حضرت سید المرسلین افضل النبیین خیر الخلائق اجمعین کو آگاہ فرمایا اور پھر آپکے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جو امت امی تھے نہ حساب نہ کتاب کچھ نہین جانتے تھے واقف ہوے حالانکہ وہ بہترین الامم تھے تو اسرار سے وقوف مخصوص ہونا فہم شیخ نے کہا کہ یہ ایک خاص طریقہ بندون مین بھی معروف ہو کہ دوستون کے رموز سے دوست ہی واقف ہوتے ہین انکو حجاب در پردہ مین اظہار کیا جاتا ہے استاد نے کہا کہ یہان ایک لطافت ہو کہ ان حروف سے آدمی کبھی اپنے نفس پر مغرور نہ ہوگا

اگر اس نے ان حروف عجائب ملک و ملکوت و اسرار کثیرہ سمجھ لیئے تو وہ اسی حد تک باپس عوام سے اتنا امتیاز ہوا اور اگر کچھ نہیں
سمجھا اور منکشف نہوا تو وہ محض جاہل عامی ہے پس وہ ہنوز غائب پڑا ہے حضوری سے اسکو کچھ حصہ نہیں ہی اور یہ بھی کہا کہ
یہان کتاب مبین سے آنحضرت صلعم کو اشارت ہی کہ حکم سابق ازلی قدیم یون جاری ہوا ہے کہ ایسے مرتبہ پر پہونچائے جاوین
کہ کوئی اور اس مرتبہ کو نہین پہونچا۔ **قال المترجم** ابتدا مین آنحضرت صلعم نے جو شان توحید و معرفت مین مقام امتحان کے
مشاہدہ سے دیگر انبیا کو ایک نوع کی تفصیل دی اور آخر مین اپنے مرتبہ پر فائز ہو کر آگاہ فرمایا کہ ایک درجہ مقام محمود ہے
وہان ایک ہی بندہ واصل ہوگا اور مجھے اُمید ہی کہ وہ مین ہی ہون واضح ہو کہ یہ اُمید کا لفظ رعایت ادب ہے ورنہ
حق تعالیٰ نے قوله عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً ۔ مین منصوص فرمادیا ہی اللھم صل علی سیدنا محمد وابعثہ مقاما محمودا وعلی آلہ
واصحابہ وسلم کثیراً ۔ ثم قال الشیخ فی قوله تعالیٰ نحن نقص علیک احسن القصص بما اوحینا الیک جب حق سبحانہ تعالیٰ نے حبیب صلی اللہ
علیہ وسلم کو مقام التباس سے تجلی جمال فرمائی اور افعال قدس سے عشق مظاہر سے ظہور نا ہر چاہا حالانکہ آنحضرت صلعم کو
مشاہدہ ازل کا یہ معہد غیر نظر آیا تو اس قصہ سے تسلی فرمائی کہ عشق مرکب اہل الصدق ہے کیونکہ عشق انسانی آئینہ جمال حقیقی ہوتا ہے
قال المترجم شیخ کی ظاہر عبارت طولانی سے صاف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم عاشق و بعض ازواج مطہرات معشوق کرکے
التباس مین ظہور ہوا ولیکن مترجم نادان کو اس سے اعراض ہی بلکہ تمام مخلوق و مظاہر کیلئے آنحضرت صلعم محبوب تھے اور عشق آپکا
ظاہر نہین اور نہ امتحان سے کسی بزرگ کا مین نے قول دیکھا لہذا میرے نزدیک شیخ کی مراد شاید یہ ہو کہ اس قصے سے التباس
ظہور و امتحان زلیخا بعشق حضرت یوسف علیہ السلام سے وصول زلیخا کا بمنازل ازل ہونا آپ پر نازل فرمایا جس سے آپ کو
تحمل مشتاق عشق حق عز و جل مین تسلی ہوا اور حدیث مین بھی منصوص ہی کہ آپ نے فرمایا ولو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابا بکر خلیلا
یعنی سوائے پاک حق سبحانہ تعالیٰ کے اگر خلت کیلئے جگہ مجھ مین ہوتی تو کسی فرد بشر کیلئے سوائے ابوبکر کے نہ ہوتی اور خلت کو کمال عشق
سے ائمہ صوفیہ نے تفسیر فرمایا ہی پس کمال عشق آپ کو منحصر بحضرت عظمت حق سبحانہ جل شانہ سے تھا اور خود محبوب بھی تھے
اور باقی تمام مخلوق کیلئے سوائے ملائکہ و وحوش کے جنمین استعداد عشق نہین ہی سب اہل استعداد کیلئے آپ محبوب بمعنی عشقی تھے
اور یہی دیدار خاص تھا جو آپکی دنیاوی حیات مین مخصوص تھا اور وہ بدبخت کافرون کو حاصل نہوا لقوله تعالیٰ تریٰھم ینظرون الیک وھم
لا یبصرون بلکہ مخصوص صحابہ رضی اللہ عنہم مومنین صادقین کو اس اشرف و اعلیٰ کرامت سے مخصوص فرمایا گیا و ذلک فضل اللہ یوتیه
من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم پس حضرت یوسف پر زلیخا نے ہاتھ نہین کاٹا بلکہ زنان مصر نے ایسا کیا تھا اور یہان آنحضرت صلعم پر
صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہاتھ کیسا جان پر بہتر زخم برداشت کرتے اور تلوار و خنجر کھاتے اور آنکھون کے ڈھیلے نکل آتے اور پھر ویسے ہی پروانہ
کی طرح فدا ہوتے تھے چنانچہ احادیث و تفاسیر صحاح روایات سے مصرح ہین پس یہ مقام خوب غور سے دیکھنا چاہیئے اور شیخ عارف
سے مجھے مخالفت نہین مگر شاید مین شیخ کے کلام کو نہ سمجھا ہونگا اسی قدر مین کہہ سکتا ہون و اللہ تعالیٰ اعلم بمراد عبادہ۔ پھر شیخ نے
لکھا کہ اس قصہ کا احسن ہونا اس وجہ سے ہی کہ ارواح عاشقہ کے مراتب ہین ایک عشق انسانی کا بیان ہی کہ اس مرتبہ پر تھا اور
یہان سے عشق الوہیت پر بلند پرواز ہوا اور قصہ عاشق و معشوق کو احسن اس وجہ سے فرمایا کہ اسمین نظائر اور عبرت کثیر و ذوق
شوق و فراق و وصال اور سختی و مصیبت کا بیان ہے اول اور غیرت حسن ازل اور پستی ہمراہ بلندی اور فنا ہونا ہر حسن و کمال کا

اور بقاء حسن ازلی لایزال کا اور ارشاد خلائق بحسن ازل از نبوت حضرت یوسف علیہ السلام کہ باوجود اس حسن کمال کے عاشق حسن لایزال و بندہ خاشع و خاضع تھے ہر حال میں مطیع و صابر تھے اور ماسوائے اسکے بہت کثرت سے اشارات ہیں۔ قال الشیخ شان یوسف علیہ السلام ہمہ تن عشق تھی چنانچہ باپ عاشق ہوئے اور جس نے دیکھا عاشق ہوا کیونکہ جمال قدیم کا حسن انکے چہرہ سے عیان ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی خلقت میں آئینہ تھے۔ اقول اس مقام سے عشق کا اندازہ ظاہری صورت سے ہو سکتا ہے مولوی روم علیہ الرحمۃ نے کہا ؎ عشق من گرد زین سر و گر زان سر است ؛ عاقبت ما را بدان سر رہبر است ؛ عوام نے سمجھا کہ عشق حقیقی ہو یا مجازی ہو انجام اسی طرف ہی یہ محض غلط فہمی ہے مطلب یہ ہی کہ اگر بندہ مرید ہو یا مراد ہو یعنی قبولیت حاصل ہونے و وصول کیلئے خواہ بندہ ازل میں مرید ہوا جیسے اکثر اہل ارادت وجد وجہد ہوتے ہیں خواہ مراد ہو کہ وہ مقصود و داشرف ہوتا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام۔ اور مجازی عشق کی نسبت خود لکھا ؎ عاشق صنع خدا با فر بود ؛ عاشق مصنوع او کافر بود ؛ عشق آن بگزین کہ جملہ انبیا ؛ یافتند از عشق او کار و گیا ؛ ؎ عشق بر مردہ نباشد پایدار ؛ عشق را برحی و بر قیوم دار ؛ ؎ عشق آن نبود کہ در مردم بود ؛ این فساد خوردن گندم بود ؛ دیکھو شیخ نے اس مقام پر تصریح کر دی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا عشق حضرت یوسف علیہ السلام پر بجہت مشاہدہ حسن ازل تھا جو حق شہوات کی کیفیات نفسانیہ سے کروڑوں کوس دور ہے ولیکن عشق زلیخا و زنان مصر کا بمقتضائے شہوات تھا اور یہ مقام مشکل ہی امام غزالی علیہ الرحمۃ نے احیاء میں اور بعض متاخرین نے بھی فی الجملہ تشریح لکھی ہے مترجم کو صرف اسقدر تنبیہ مقصود ہے کہ عوام اپنی سمجھ پر حسب متعارف زمانہ غرہ ہو کر گمراہ نہ ہوں قال الشیخ اور یہ قصہ حسن قدیم کا آئینہ ہی احسن القصص ہونا ظاہر کہ ہر حسن کا معدن وہی قدیم ہے اور یہاں لطیف اشارت ہی کہ تمام قصہ میں امر و نہی افعال تکلیفی کا ذکر نہیں فرمایا گویا مرتبہ عشق کا وصل ان تکالیف عامہ سے بالا ہی اقول قال تعالیٰ عن نبیہ یوسف علیہ السلام انی ترکت ملة قوم لایؤمنون باللہ الآیۃ وقال یا صاحبی السجن الآیۃ پس اصل توحید کی طرف اشارت ہی جس سے مقام عشق خالی نہیں ہوتا بلکہ وہی توحید ہے فافہم بعض نے کہا کہ یوسف علیہ السلام کو بھائیوں سے جو مصیبت پہونچی وہ زیادہ تھی بہ نسبت اسکے جو آنحضرت صلعم کو اپنی قرابتیوں سے پہونچی تو آنحضرت صلعم کو اسمیں تسلی ہی اور ارشاد ہی کہ یوسفؑ نے ان سے انتقام نہ لیا تو آنحضرت صلعم بھی عفو فرماویں کیونکہ یہ موارد قضا و قدر ہیں اقول مروی ہے کہ حضرت ذی النورین امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ نماز فجر میں کثرت سے اس سورۂ شریف کو پڑھا کرتے تھے اور مروی ہی کہ آنحضرت صلعم نے حضرت عثمانؓ کی جانب اشارہ کیا ہے کہ اسکی شفاعت سے میری امت سے ستر ہزار یا مخلوق کثیر داخل جنت ہونگے دونوں کے مجموعہ سے اشارت سمجھ لینا چاہیئے علی بن موسیٰ الرضا عن ابیہ عن جعفر علیہم السلام سے کہا کہ عوام تو قصوں کے سننے میں مشغول ہوتے ہیں اور خواص بندے انسے عبرت حاصل کرتے ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا لقد کان فی قصصہم عبرۃ لاولی الالباب بعض نے کہا کہ اس قصہ میں یوں رہنمائی فرمائی ہی کہ مومنین کا احوال سچا ہوتا ہے اور متقین کے معنی کیا ہیں چنانچہ باوجود ہر طرح قدرت بلکہ زلیخا کی طرف سے اقتضا و جبر کے بخوف الٰہی تقویٰ فرمایا متوکلوں کی راہ اختیار کرنی چاہیئے ایسے زاہد کی پیروی کی جاتی ہی سب سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ پر اعتماد ہو سختیاں نازل ہونے کے وقت اسی کی طرف التجا ہو مکار کا فریب کھل جاتا ہی اور کذاب ہمیشہ آخر خائب ہے اعلیٰ درجہ پر پہونچنے والے طرح طرح کی محنتوں و مصیبتوں میں پھنستے ہیں لیکن انجام کو اعزاز و اکرام کے ساتھ چھوٹتے ہیں اقول ایک اشارہ ظاہر تھا وہ ذکر نہیں فرمایا یعنی [illegible]

ایک حسن فانی کیلیے یہ شدائد اٹھائے حالانکہ وہ خود مختار نہ تھا تو حسن ازلی حی القیوم کے مدعی کس قدر محنت اٹھا کر مدعی ہیں اللھم
غفرانک غفرانک لا الٰہ الا انت سبحانک ۔ بعض اہل تفسیر نے لکھا کہ حسن قصہ یہ کہ جو آیتیں مذکور ہیں سب کا انجام سعادت ہے قال تعالیٰ

اِذْ قَالَ يُوسُفُ لِاَبِيْهِ يٰاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

جسوقت کہا یوسف نے اپنے باپ کو اے باپ میں نے دیکھے گیارہ تارے اور سورج اور چاند

رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ۝

دیکھے میرے تئین سجدہ کرتے

اِذْ قَالَ يُوسُفُ ۔ جمہور کی قراۃ بضم سین اور بعض نے بکسر سین و ہمزہ پڑھا اور یہ اسم عبرانی غیر منصرف بوجہ علمیۃ و عجمہ
ہونے کے ہے اور بعض نے عربی خیال کیا حضرت یوسف کی عمر ایک سو بیس برس کی ہوئی اور باپ انکے یعقوب بن اسحاق
بن ابراہیم خلیل اللہ سب پیغمبر جلیل القدر ہیں ذکرہ الشیخ المفسر فی التحبیر ۔ اہل تفسیر نے کہا کہ حضرت یوسف کے گیارہ بھائی اور ہے جنکی
تفصیل آویگی ولیکن یعقوب علیہ السلام کو یوسف سے سخت محبت تھی اور انکے بھائی اسی وجہ سے ان سے حسد کرتے تھے اور کہا کہ
حضرت یوسف نے بارہ برس کی عمر میں اور بعض نے کہا کہ سات برس اور بعض نے سترہ برس کی عمر میں شب جمعہ لیلۃ القدر کو خواب
دیکھا کہ گویا گیارہ ستارے آسمان سے مع چاند و سورج اترے اور مجھکو سجدہ کیا پس انھوں نے یہ خواب اپنے باپ سے بیان کیا ۔ قال
الامام الحافظ ۔ انکے باپ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم نبی تھے چنانچہ امام احمد نے ابن عمرؓ سے روایت کی کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ان الکریم
ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم یعنی یوسف پیغمبر علیہ السلام وہ برگزیدہ ہیں کہ خود بزرگ و باپ بزرگ
و دادا بزرگ و پردادا بزرگ یعنی پدر بہ پدر بزرگی و شرافت حضرت یوسف کو حاصل تھی و رواہ البخاری فانفرد ۔ اور بخاریؒ نے
حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت کیا کہ آنحضرت صلعم سے دریافت کیا گیا کہ اکرم سب لوگوں میں سے کون ہے فرمایا اکرمھم عنداللہ
اتقاھم جو سب سے زیادہ متقی ہو وہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ بزرگ ہے یعنی اسمیں حسب و نسب کو دخل نہیں ہے تو پوچھنے
والوں نے عرض کیا کہ ہم اسکو نہیں پوچھتے ہیں فرمایا ۔ فاکرم الناس یوسف نبی اللہ بن نبی اللہ بن نبی اللہ بن خلیل اللہ یعنی
نسب کی راہ سے اکرم وہ یوسف نبی اللہ ہے جو نبی اللہ کا بیٹا اور نبی اللہ کا پوتا و خلیل اللہ کا پرپوتا تھا تب انھوں نے عرض کیا
یعقوب ۱۲ اسحق ۱۲ ابراہیم ۱۲
کہ ہم اسکو آپ سے نہیں پوچھتے تو فرمایا کہ کیا عرب کے معادن کو پوچھتے ہو انھوں نے عرض کیا کہ ہاں تو فرمایا کہ تم میں جو لوگ جاہلیت
کے زمانہ میں بہتر تھے وہی اسلام میں بہتر ہیں جبکہ وہ فقیہ ہو جاویں ۔ الحاصل اس سورہ میں اسی بزرگ پیغمبر علیٰ نبینا و علیہ السلام
کا قصہ حق عزوجل نے بیان فرمایا بقولہ ۔ اذ قال یوسف یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کو سنا دے یہ قصہ کہ جب یوسف
نے بیان کیا ۔ لِاَبِيْهِ ۔ اپنے باپ یعقوب علیہ السلام سے اسطرح کہ یٰاَبَتِ ۔ یا ابی و یا ابتی اے میرے پیارے باپ ۔ اِنِّيْ
رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۔ میں نے خواب میں دیکھے گیارہ ستارے اور سورج و چاند ۔ گویا باپ نے
خوب متوجہ ہو کر پوچھا کہ تو نے ان اجرام علویہ کو جنہیں عقل نہیں دی گئی ہے کیونکر دیکھا تو کہا ۔ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ۔
میں نے انکو عقلاء کی طرح اپنے آپکو سجدہ کرتے دیکھا ۔ مفسرین نے کہا کہ چونکہ یہ اجرام سجدہ کرتے دیکھے تھے اسواسطے راتھم
میں ضمیر ہم مثل عقلاء کے آئی ورنہ راتیہا آتا ۔ اور سجدہ سے مراد تعظیم ہو یا حقیقی سجدہ ہو اور یہی اولیٰ خیال کیا گیا اور کہا کہ جیسے

ہمارے یہان تحیۃ سلام بدون سر جھکانے کے ہے انکے یہان تحیہ سجدہ تھا اور بعض نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ سر ٹیک کے سجدہ
کبھی سوائے خدا کے دوسرے کو نہ تھا پس مراد تعظیم کے طور پر جھک جانا جیسے اس زمانہ مین لوگ جہالت سے یہ فعل ممنوع کیا کرتے
ہین کہ تسلیم و آداب کہکر رکوع کرتے ہین پھر اس خواب کی تعبیر بقول اکثر مفسرین چالیس برس بعد ظاہر ہوئی اور بقول حسن
بصری اسی برس بعد ظاہر ہوئی جبکہ والدین و بھائی سب مصر مین گئے کما فی قولہ وخروا لہ سجدا وقال یا ابت ہذا تاویل
رویای من قبل ۔ چنانچہ آخر سورہ مین آویگا ۔ قال الامام الحافظ ۔ اور ابن عباس رض نے کہا کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب ایک وحی
ہوتا ہے اقول خواب شرع مین تین طرح کا معلوم ہوتا ہے ایک خواب احلام ہین اور وہ شیطانی ہوتا ہے اور حدیث صحیح
مین آیا ہے کہ جب آدمی ایسا مکروہ معاملہ دیکھے تو بائین طرف تین بار تھوک دے اور کروٹ بدل لے اور اسکو کسی سے ذکر نہ کرے
انشاء اللہ تعالیٰ کچھ مضر نہوگا اور ایک شخص نے بیان کیا تھا کہ مین نے دیکھا کہ میرا سر کٹکر زمین پر غلطان چلا جاتا ہے اور مین اسکے
پیچھے دوڑا چلا جاتا ہون تو فرمایا کہ یہ شیطانی خیال ہے تم مین بعضون کو شیطان کیون مسخرہ بناتا ہے یعنی دل کو نورانی خیالات
سے صاف رکھو اور آمین دنیا کی شہوات کو جگہ نہ دو تو شیطان کو دل مین جگہ نہ ملیگی اور دوسرا خواب وہ ہے جسکی تعبیر کی
حاجت ہوتی ہے اور وہ کچھ ایمان و صلاح پر موقوف نہیں ہے ہان مرد ظالم تبہ کار مخلوق کو ایذا دینے والا نہ ہو ہان انوار
ملکوتی سے البتہ کافر ازلی محروم ہوگا اور دنیاوی واقعات مین وہ بھی دیکھ سکتا ہے چنانچہ بادشاہ مصر نے جو خواب دیکھا تھا
یا دونون قیدیون نے وہ عنقریب آویگا اور کہتے ہین کہ وہ آخر مین حضرت یوسف پر ایمان لایا تھا اور مومنون مین یا وہ
بندگان صالح جن کے پیٹ مین غذا کے ابخرات کم بھرے ہوتے ہین نورانی خواب سے مشرف ہوتے ہین اور حدیث مین تعریف
ہے کہ سچا خواب منجملہ چھتیس یا چھیالیس اجزائے نبوت مین سے ایک جزو ہے اور یہ مخصوص بسعادت ازلی ہے اور خواب
حضرت یوسف خود ماول تھا اور ان کو تعبیر خواب کا علم عطا ہوا تھا اور تیسرا خواب صریح صاف اور یہ اکثر مخصوص بنبوت
ہے جیسے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے پسر کو قربانی کرتے دیکھا اور یہ وحی ہے جیسا کہ ابن عباس رض نے فرمایا یعنی اسپر
عمل کرنا واجب ہے اسیواسطے حضرت خلیل علیہ السلام نے قربانی کرنا اختیار کیا چنانچہ قرآن مجید مین منصوص ہے بخلاف دیگر
امتیون کے خواب کے کہ جمہور علماء امت و تمام ائمہ حنفیہ متفق ہین کہ کسی آدمی کو خواب پر عمل کرنا مثل احکام شرع کے نہین
چاہیے اور اسکا اعتبار نہ ہوگا اگرچہ وہ ولی ہو لیکن حکم شرع کی تعمیل مین اگر تاکید ہو تو مضائقہ نہین ہے مثلاً اگر کسی نے خواب
دیکھا کہ مجھے ایک بزرگ صورت کہتے ہین کہ تو بڑی مجلس جمع کر کے الٹی سیفی پڑھ تو تعمیل حرام ہے بلکہ کفر ہے یا مجلس کر کے حضرت
عیسیٰ کے حالات بیان کر کے خیرات کر تو عمل کرنا ممنوع ہے یا دیکھا کہ کوئی مجھے جھڑکتا ہے کہ تو فرائض و سنن ادا کرنے مین
سستی و کوتاہی کرتا ہے تو چاہیے کہ بیدار ہو کر استغفار کرے اور خوب کوشش سے ادائے فرائض و سنن پر قائم ہو یہ مقدمہ
مختصر بیان اس مقام پر کافی ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ ۔ قال الامام الحافظ رح پھر علماء نے اس خواب یوسف کی تعبیر مین کلام کیا ہے
بعض نے کہا کہ گیارہ ستارے سے مراد گیارہ بھائی ہین اور شمس لفظ مؤنث سے مراد ماں اور قمر مذکر سے مراد باپ ہین اسیواسطے
رایتہم کی ضمیر اہل عقل کے مانند فرمائی تو حاصل یہ ہوگا کہ مین نے گیارہ بھائیون و مادر و پدر کو اپنے آپ کو سجدہ کرتے
دیکھا ہے اس صورت مین یہ خواب صریح ہوگا ماول و معبر نہ ہوگا جسکا وقوع بعد چالیس برس کے ہوا اور کہا کہ یہی ابن عباس

وقتادہ وضحاک وسفیان ثوری وعبدالرحمن بن زید سے مروی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ خواب میں ستارے و سورج و چاندہی کو دیکھا تھا تو جواب ماول ہوگا پھر ابن جریر نے اسناد سے روایت لکھی کہ عبدالرحمن بن سابط نے کہا کہ آنحضرت صلعم کے پاس ایک یہودی جسکو بستانہ الیہودی کہتے تھے آیا اور کہا کہ جن کواکب کو یوسف نے سجدہ کرتے دیکھا تھا آپ مجھے بتلا دیجئے کہ اُن کے کیا نام تھے پس آنحضرت صلعم خاموش رہے کچھ جواب نہ دیا حتیٰ کہ وہ شخص چلا گیا اتنے میں حضرت جبرئیلؑ نازل ہوئے اور ان ستاروں کے نام بتلائے تو آپ نے اسکو بلوا بھیجا اور فرمایا اگر میں تجھے اسکے نام بتلا دوں تو کیا تو مسلمان ہو جائیگا اُسنے اقرار کیا کہ ہاں تو فرمایا کہ جریان۔ طارق۔ ذیال۔ ذوالکتفین۔ قابس۔ وثاب۔ عمودان۔ فلیق۔ مصبح۔ ضروح۔ فرغ۔ یہ یہودی نے کہا کہ ہاں واللہ بیشک یہی نام ہیں۔ اسکو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اور ابویعلی الموصلی وابوبکر البزار وابن ابی حاتم نے بھی روایت کیا ہے اور ان سب کے اسانید میں شیخ سدی رح سے حکم بن ظہیر راوی ہے اور سدی رح کے شاگردان ثقات میں سے کوئی اس حدیث کو روایت نہیں کرتا ہے صرف تنہا یہ شخص حکم بن ظہیر روایت لاتا ہے حالانکہ یہ شخص ثقہ نہیں ہے ائمہ علماء حدیث نے بیان کیا ہے کہ وہ ضعیف ہے اور بہتوں نے اسکو متروک کر دیا ہے اور جوزجانی نے کہا کہ یہ شخص ساقط الاعتبار ہے اور اسی نے حسن یوسف کی حدیث روایت کی ہے مترجم کہتا ہے کہ شیخ کے نزدیک اس روایت کا ثبوت نہیں ہے اور بیضاوی و کشاف وغیرہ نے بھی جابر رضی کی ایسی ہی حدیث جسمیں یہی نام و قصہ مذکور ہے ذکر کی اور اسی سے دوسروں نے بیان کی اور خفاجی علامہ نے حاشیہ میں لکھدیا کہ یہ نجوم جو اس حدیث میں وارد ہوئے ہیں رصد سے دریافت نہیں ہوئے میں کہتا ہوں کہ پہلے یہ ثابت ہو کہ حدیث کو آپ نے فرمایا تھی اسکے بعد رصد وغیرہ کا ذکر مناسب ہوگا حالانکہ شیخ مفسر سیوطی رح نے درالمنثور میں اس روایت کو لکھا اور آیتین اولیین کا موضوع و متروکین ہونا ثابت ہے اور سراج میں بھی لکھا کہ شیخ ابن الجوزی نے کہا کہ یہ روایت بنائی ہوئی موضوع ہے پس جسقدر صحیح ثابت ہوا وہ یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے گیارہ ستارے جنکی صورت و نام کچھ مذکور نہیں ہے مع چاند و سورج کے اپنے آپ کو سجدہ کرتے دیکھے اور اُس کو اپنے باپ سے بیان کیا ف فی العرائس قولہ اذ قال یوسف لابیہ الآیۃ۔ اللہ تعالی نے یوسف کے نام میں دس حرف چار حروف جمع فرمائے آیسار ملک (یعنی آسمانی حکومت ۱۲)۔ وزوہ وفصاحت وجہ یعنی سر غیب پر اطلاع بطریق خواب و کشف۔ فا فوز بوفا عہد ازلی در اداء رسالت۔ پس انہیں اوصاف سے یوسف نام ہوا بعض نے کہا کہ اسیف غلام کو کہتے ہیں اور ظاہر میں ان پر عبودیت طاری ہوئی تھی اور اسف حزن واندوہ کو کہتے ہیں جیسا کہ ان پر واقع ہوا تھا تو یوسف نام ہوا مترجم کہتا ہے کہ یہ اشتقاق بطور عربی زبان کے ہے اور تجھے معلوم ہو چکا کہ یہ لفظ عبرانی ہے تو معانی سے تعلق بہتر ہوگا اب بیان خواب یہ ہے کہ اہل صدق و صفا و قبولیت و اصطفاء کا پہلا مرتبہ مکاشفہ یہی سچے خواب ہوتے ہیں پھر جب حالت تحمل قوی ہوتی جاتی ہے تو خواب سے کشف ہو جاتا ہے اور مکاشفہ کے درجات بہت ہیں جن کو میں نے کتاب المکاشفہ میں بیان کر دیا ہے اور ان معانی کے سمجھنے کے لیے سنو کہ حقیقتاً عالم ملکوت کی مثال ستارے و شمس و قمر سے فرمائی اور انھیں سے انبیاء و اولیاء کی تمثیل دی ہے پس شمس تو مثل ذات ہے اور قمر مثل صفات ہے اور کواکب بمثال اسماء و نعوت ہیں اور میں یہاں مکاشفہ کی اشکال نہیں بیان کرنا چاہتا بلکہ جو کچھ یوسفؑ کو کشف ہوا اسکا کچھ اشارہ کہتا ہوں کہ یوسف علیہ السلام آدم ثانی تھے کیونکہ جو جمال کہ بعینہٖ آدم پر تھا وہی یوسفؑ پر تھا پس ملائکہ نے وہی لباس دیکھکر جیسے آدمؑ کو تمام ملائکہ نے سجدہ کیا یہاں یوسفؑ کو اشرف انبیاء نے جو ملائکہ سے بہتر ہیں سجدہ کیا۔

اقول شاید برادران یوسف علیہ السلام کو انبیاء قرار دیا ہو اور قول یہی راجح معلوم ہوتا ہو واللہ تعالیٰ اعلم۔ یہاں ایک لطیف اشارہ ہے کہ خلیل علیہ السلام نے اس معنی کو چہرہ شمس و قمر و کواکب سے مشاہدہ کرکے ہذا ربی کہا تھا اور یہ ملائکہ و انبیاء کیلئے آدم و یوسف کو سجدہ کیلئے عذر ہی کیونکہ وہاں تجلی حق سبحانہ تو اجرام فلکی سے تھی کہ جنکا وجود از صفت فعلی یعنی افعال ہو اور یہاں تجلی حق ان دونوں سے تھی اور انکو مزیت ان اجرام فلکی پر ظاہر ہی تو نہیں دیکھتا کہ قولہ تعالیٰ خلقت بیدی۔ اور نفخت فیہ من روحی سے اختصاص خاص ظاہر ہے پس اجرام فلک کو لباس انوار ہیبت پہنایا تو بسا اوقات قوم کو انکی طرف ہیجان ہوا جیسے طور کو یہ انوار دیئے تو سر موسیٰ اسکی طرف مائل ہوا اور آدم و یوسف پر یہ انوار ظاہر کئے تو سر ملائکہ و انبیاء کو انکی طرف ہیجان ہوا پس اگر خلیل علیہ السلام حضرت آدم اپنے باپ کو یا یوسف اپنے فرزند کو دیکھتے تو اسرار ملکوت جو اجرام سماوی سے مشاہدہ کرتے تھے انمین بہت زیادہ پاتے کاش اگر یہ سب لوگ مع آدم و یوسف کے انوار جمال سید الانبیاء و المرسلین صلوات اللہ تعالیٰ علیہ و علیہم اجمعین کو دیکھتے تو دریائے حیرت مین غرق ہو جاتے اور ملائکہ آسمان سے اترتے کیونکہ آپکا نور معدن جمال قدم و ازل سے نہایت ہی انور و اشرق تھا اسمین ایک عجیب نکتہ توحید ہی کہ خلیل علیہ السلام نے جو کہا تھا کہ ہذا ربی بغیر اسکے کہ معبود و مسجود قرار دیا ہو تو صاف بیان کیا کہ جلال کبریا و ساحت عزت و بقا ہر اضداد و انداد سے پاک ہو وہاں کوئی مثل و شریک نہین ہو اس معنی کو خلیل نے نور نبوت سے ادراک کیا تھا چنانچہ قوم کو خطاب کیا کہ انی بری مما تشرکون۔ اسمین مرید کیلئے ادب ہے کہ جو مکاشفہ سے ظاہر ہوا اسکو استاد کے حضور مین عرض کرے تاکہ وہ کشف و خیال مین فرق کر دے۔ بعض مشائخ نے کہا کہ یوسف علیہ السلام کو اپنے خواب کی خوبصورتی اچھی معلوم ہوئی تو اپنے باپ سے اسکو بیان کر دیا اور یہی پہلا امتحان تھا جس سے بلا و مصیبت مین گرفتار ہوئے پھر جب یعقوب علیہ السلام نے اس خواب کی تاویل و اسرار کو دیکھا کہ بھائیون کا مع والدین کے اس کے لئے خضوع ہی تو منع کر دیا کہ اپنے بھائیون سے نہ کہے چنانچہ فرمایا۔

قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ

کہا اے بیٹے   مت بیان کر   خواب اپنا اپنے بھائیون پاس   پھر وہ بنا دین گے   تیرے واسطے کچھ فریب   البتہ شیطان ہے

لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝

انسان کا   صریح   دشمن

قَالَ يٰبُنَيَّ ۔ کہا یعقوب نے اے میرے بیٹے ۔ بُنَیّ تصغیر تصغیر جیسے طفلک وغیرہ اور یہ بنظر شفقت پدری ہو یا بنظر صغر سنی یعنی اے میرے بچے ۔ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ ۔ مت بیان کیجیو اپنا خواب اپنے بھائیون سے ۔ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۔ کہ وے تیرے حق مین کوئی مکر باندھین یعنی تیرے ہلاک یا ایذا و سختی کی تدبیر و حیلہ کرین ۔ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۔ بیشک شیطان تو انسان کا ظاہرا دشمن ہی چنانچہ انسان کی اصل ماں و باپ کو اپنے فضل و قرب کو منزلت مین دیکھکر دشمنی سے انکو جنت سے باہر اس محنت کے جنگل مین نکلوایا ۔ حاصل یہ ہی کہ جب حضرت یوسف نے اس خواب سے خوش ہو کر اپنے باپ کو آگاہ کیا تو انھون نے نور نبوت و فراست سے اسکی تعبیر ظاہرا اسقدر سمجھی کہ یہ منزلت عالی کی نشانی ہے جو یوسف علیہ السلام کو عطا ہوگی اور شاید یہ بھی جانا کہ ماں باپ و بھائی انکے لئے خضوع کرینگے چنانچہ بعض مفسرین کا گمان ہی اور شاید یہ تاویل بھی

مصرح ظاہر نہ ہوئی ہو واللہ اعلم مگر اسقدر ضرور ظاہر ہوا کہ سب بھائیون سے شرف مین ممتاز ہون گے تو یوسف کو منع کرنا
کہ اپنے بھائیون سے یہ خواب بیان نہ کرنا ایسا نہ ہو کہ انکو شیطان رشک حسد کا وسوسہ ڈالدے کہ وسے تجھ سے عداوت کرین اور
تیری ہلاکت کا حیلہ نکالین کیونکہ شیطان آدمی کا کھلا دشمن ہے نہین چاہتا کہ کوئی آدمی شرف قرب الٰہی پاوے اور جب شیطان
کو یہ قدرت نہین ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کے مطیع بندے کے دل مین اپنا وسوسہ دوڑاوے اسطرح کہ وہ معصیت مین مبتلا ہو کر منزلت
سے گر جاوے تو یہ کرتا ہے کہ دوسرے آدمیون کو جنمین گنجایش پاتا ہے اپنا وسوسہ ایسا دوڑاتا ہے کہ وے اس آدمی سے مکروفریب
کرین کیونکہ آدمی کو آدمی کی طرف بوجہ جنسیت کے التفات ہوتا ہے اسیواسطے حقیقی شیطان سے وہ آدمی زیادہ مضر ہوتا ہے جو شیطانی
باتون کو مانے اسیواسطے اکثر دیکھا گیا کہ اہل الخیر واولیاء الٰہی کے مقابل مین دشمن پیدا ہوتا ہے اور حضرت سفیان ثوری سے روایت
ہے کہ جب کسی عالم کی تعریف سنتے تو اسکے دوست اور دشمن دریافت کرتے اگر معلوم ہوتا کہ اسکے دشمن بہت ہین تو اسکو متقی
صالح جانتے تھے پس اس آیت سے ظاہر ہوا کہ جو کوئی اپنے خالق عزوجل کی طاعت واخلاص مین مستعد ہو کر تقرب چاہے لوگ اکثر
باغواء و وساوس شیطانی اسکے دشمن ہو جاتے ہین حتی کہ غیر تو درکنار اسکے بھائی برادر اسکے ساتھ حسد وعداوت کرکے اس کو ایذا
دینے کے درپے ہو جاتے ہین تاکہ یہ شخص طاعت سے باز رہے یا خلل پڑے پھر اگر وہ مستقیم رہا تو اس استقامت کا درجہ بلند ومنزلت
عالی ہے اور ضرور انجام کار وہی غالب ہوتا ہے اور دشمن خوار و ذلیل ہوتے ہین لیکن ابتدا مین علی قدر مراتب امتحان اخلاص
کی سنت الٰہیہ یون ہی جاری ہے اور وہی رب تبارک تعالیٰ حکمت والا ہے اسیواسطے حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف
کو بھائیون کے سامنے خواب بیان کرنے سے منع فرمادیا۔ قال الامام الحافظ رح یعقوب نے یہ خواب جسکی تعبیر یہ تھی کہ یوسف کے
سامنے انکے بھائی بطریق اکرام واحترام کے ساجد ہون گے یوسف سے سنا تو ڈرے کہ بھائی سنکر حسد سے اسکی ہلاکت کے حیلے
نکالین گے اور حقیقت مین یہ دشمنی از جانب شیطان ہوگی جو تقرب انسان نہین چاہتا لہذا بھائیون کے دل مین حسد کی آگ
بھڑکائی ورنہ بھائی تو بھائی تھے اور جو بات اللہ تعالیٰ چاہے وہ پوری ہوتی ہے کسی حاسد کا حسد کچھ نہین کرسکتا اور یہی وجہ تھی کہ
حضرت یوسف علیہ السلام نے شیطان کو دشمن جانا اور بھائیون کو معذور فرمایا جیسا کہ قصہ مین آویگا۔ سراج مین ہے کہ حضرت
ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مین ایسا خواب دیکھتا جو مجھے بیمار ڈالدیتا یعنی اسکو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھکر معاملہ
مکروہ سے خوف زدہ و بیمار رنجور ومغموم ہو جاتا تھا یہان تک کہ مین نے آنحضرت صلعم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ اچھا خواب
اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور حلم شیطان کی طرف سے ہے تو تم مین سے جو کوئی ایسی بات دیکھے جسکو وہ پسند کرتا ہے تو کسی سے
بیان نکرے مگر جسکو محبوب رکھتا ہو اس سے کہے اور جب ایسی بات دیکھے جو بری جانتا ہے تو اسکو بیان نکرے اور بائین جانب
تین مرتبہ تھوک دے اور اللہ تعالیٰ عزوجل سے پناہ چاہے شیطان رجیم واسکے شر وبدی سے تو وہ خواب اسکو مضر نہوگا واضح
ہو کہ خواب نیک و بد سب کا خالق اللہ تعالیٰ عزوجل ہے اور جو حکمت الٰہیہ تدبیر عالم مین جاری ہے وہی یہان مؤثر ہے اسکے
پیدا کرنے مین شیطان کو کچھ دخل نہین ہے پس حدیث مین جو نیک خواب کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا تو اسکی نعمت کا شکر
ادا کرنے کی جہت سے ہے چنانچہ دوسری صحیح حدیث مین صریح مذکور ہے کہ اسکے شکریہ مین اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرے اور مکروہ
خواب کو شیطان کی طرف نسبت بوجہ مناسبت کے ہے کہ شیطان بسبب عداوت کے موقع پاکر وسوسہ کے طور پر ایسے

مکروہ واقعہ کو حاضر کرکے آدمی کو ایذا اور دینے وغمگین کرنے سے خوش وراضی ہوتا ہے اسیواسطے اپنے قلب سے شیطانی اثر دور کرنے کیلئے حدیث مین استعاذہ کا حکم ہے کہ شیطان کی بدی سے پناہ مانگے تو اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا ذکر پاک دل مین آویگا پس شیطان کو جگہ نہ ملیگی کیونکہ شیطان کو اسی قلب مین جگہ ملتی ہی جو یاد آلٰہی سے خالی ہو یا قلب کا سویدا جو مثل آنکھ کی پتلی کے ہی وہ خالی ہو اسیواسطے اکثر آدمی نماز روزہ کرتا ہے مگر دل کے بیچ مین دنیا کی محبت وشہوات کی لذت رکھتا ہے تو یاد آلٰہی کا نور ادھر ادھر کنارون پر آتا ہے اور شیطان کو بیچون بیچ مین قابو ملتا ہی پس باوجود اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھنے کے وسوسہ دور نہین ہوتا پھر یہ جو فرمایا کہ استعاذہ پڑھے اور تین مرتبہ بائین طرف تھوکے اور دوسری روایت مین ہی کہ کروٹ بدل لے تو سراج وغیرہ مین لکھا کہ غیب بناسکے احوال سے اللہ تعالیٰ دانا ہے اور انبیاء وصالحین کو جہانتک ظاہر فرمایا انکو آگاہی ہے پس یہ اسباب اسنے سلامتی کے مقرر فرمائے ہین جیسے کپڑا اوڑھنا سردی سے بچاؤ کیلئے اگرچہ سردی آنکھون نہین دکھلائی دیتی لیکن حواس سے محسوس ہی اور یہ مقامات حواس سے اعلیٰ ہین ۔ قال الامام الحافظ اور حدیث مین آنحضرت صلعم سے ثابت ہے کہ جو کوئی تم مین سے ایسا خواب دیکھے جسکو پسند کرتا ہے تو اسکو بیان کرے اور اگر ایسا دیکھے جسکو مکروہ جانتا ہے تو کروٹ بدل لے اور بائین طرف تین مرتبہ تھتکال دے اور اللہ تعالیٰ کی جناب مین اسکی بدی سے پناہ مانگے اور کسی سے اسکو بیان نکرے تو وہ اسکو کبھی ضرر نہ کریگا ۔ امام احمد وبعض اہل السنن نے معاویہ بن حیدۃ القشیری سے روایت کی کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا الرؤیا علی رجل طائر الحدیث یعنی خواب مثل پرندے کے اسپر پرواز کرتا ہے جبتک تعبیر نہ دیا جائے پھر جب تعبیر دیا گیا تو گر پڑتا ہے ۔ قال الامام یہین سے یہ حکم دیا گیا کہ نعمت کو پوشیدہ رکھنا چاہیئے یہانتک کہ وہ موجود وظاہر ہوجاوے چنانچہ حدیث مین ہی استعینوا علی قضاء الحوائج بکتمانہا الحدیث اپنی حاجتین پوری ہونے پر انکی پوشیدگی کے ساتھ استعانت چاہو کیونکہ ہر نعمت والا محسود ہوتا ہے کوئی نہ کوئی اس سے حسد کرتا ہے ۔ سراج مین ہے کہ علماء ربانی نے کہا کہ رویٔ خواب کی تعبیر جلدی ظاہر ہوجاتی ہے اور نیک خواب کی تعبیر دیر مین کھلتی ہے اور فرمایا کہ اسکی حکمت یہ ہی کہ رحمت آلٰہی مقتضی ہوئی کہ بدی سے اسیوقت خبر ہو کہ اسکا ظہور قریب ہو تاکہ غم واندوہ کم ہو اور خیر سے آگاہی بہت پہلے سے ہوجاتی ہی تاکہ اسکی توقع حصول مین مدت سے خوشی مناتا رہے چنانچہ خواب یوسف علیہ السلام کی تعبیر چالیس برس بعد ظاہر ہوئی فافہم ف۔ فی العرائس قولہ یا بنی لا تقصص رؤیاک علی اخوتک الآیۃ ۔ اہل معرفت کی بھی ایسی ہی شان ہوتی ہی چنانچہ مرید کو روا نہین ہے کہ سر مکاشفہ کو افشا کرے لیکن استاد کے حضور مین بیان کرسکتا ہے اور اگر افشا کریگا تو حجاب مین پڑکر غیرت ازل مین گرفتار ہوگا اور یعقوبؑ اسوقت دیدار علم مین تھے ازلی حکم جاری ہونے سے نظر اسطرف تھی تو تدبیر سے اپنے فرزند کی نگہداشت چاہی مگر صورت تدبیر عین تقدیر ہوگئی بعض نے کہا کہ اسوقت یعقوب علیہ السلام نے اپنے فرزند پر خوف کرکے اسکی تدبیر چاہی ولیکن ہوا جو ہوا اور اگر تدبیر چھوڑکر رضا وتسلیم کی طرف راجع ہوتے تو محفوظ رہتا اقول حدیث مین منع ہے کہ اگر ایسا ہوتا اور اگر ویسا کرتے ان باتون کا دروازہ شیطان کیلئے مت کھولو پس اگر کوئی کہے کہ ان بعض حضرات کا یہ کہنا کہ اگر تدبیر چھوڑکر تسلیم کی طرف راجع ہوتے تو محفوظ رہتا عین تدبیر ہے جسکو بمقابلہ تقدیر کوئی قیام نہین ہی ہان اگر یہ ہوتا کہ بالکل خاموشی سے رضا بتقدیر بنظر ثواب ہو تو درجہ عالی کی امید ہی بالجملہ اس مقام مین ایک طرح کی فہمائش مقصود حضرات ہی کہ موافق ظاہر کے جو کام

ہاتھ و آنکھ و زبان وغیرہ سے مناسبت رکھتا ہو عمل میں لادے ولیکن ان جوارح کو کام میں لاتے وقت بھی قلبی نظر محض جریان قضا و قدر پر ہو تاکہ حسن تدبیر آلہیہ جو کائنات میں جاری ہو اُس سے مخالفت بھی نہو اور اصل حکم ازل جو بہ دۂ امتحان سے اعلیٰ ہو اُس سے موافقت بھی ہو۔ پھر شیخ نے بعض حضرات کا قول نقل کیا کہ جب آنحضرت علیہ السلام نے کہا کہ اخاف ان یاکلہ الذئب اور کہا کہ لاتقصص رویاک۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسمین وہی نتیجہ دکھلایا جس سے خوف کرتے تھے اسی واسطے کہا گیا ہے کہ تفویض و تسلیم بہتر ہوتی ہو تدبیر کے ساتھ چپٹے رہنے سے۔ اقول یعنی تدابیر مین دنی سے ادنیٰ طریقہ جس سے حکم تدبیر آلہیہ سے موافقت رکھنا ثابت ہو جائے اختیار کرنا چاہیئے اور اسمین مبالغہ و جد و جہد شدید سے احتراز رکھنا چاہیئے اسیواسطے حدیث مین فرمایا۔ اجملوا فی الطلب یعنی تدبیر کی جستجو مین ادنیٰ درجہ پر اکتفا کرو پھر مترجم کہتا ہو کہ جبتک ایمان مستقیم نہو اور انسان کو فی الجملہ نور معرفت نہو تب تک ان مقامات کی وضاحت عامی اندھے بہرے پر نہین ہوسکتی کیونکہ بسا اوقات وہ دیکھتا ہے کہ ایک مرد نصرانی مثلاً تمام جد و جہد سے بہت کچھ دنیا حاصل کر لیتا ہے اور خود مسلم اپنے اختصار سے اس سے ادنیٰ رہتا ہے پس شیطان موقع پاکر اسکے دل مین اوہام و شکوک ڈالتا ہو جس سے وہ دین آلہی سے گمراہ ہو کر شیطان کی اتباع مین خود بھی خراب حال سے نصرانی کیساتھ ہو جاتا ہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب پتھر رکھکر سوئے اور شیطان نے اس پتھر مین اپنا حصہ ظاہر کیا اور کہا کہ تم دنیا کی طرف مائل ہوئے تو پتھر نکالکر اسکی طرف پھینکا اور کہا کہ لے یہ بھی دنیا تیرے لیئے ہو پس جسکو دار الآخرۃ پر ایمان نہو وہ عام رحمت آلہیہ سے ہر جگہ محروم نہ ہوگا بلکہ شیطان کے ساتھ اسکو دنیا وی حصہ ہو پس اگر ظالم تبہ کار جاہل ہو تو اسنے شیطان کے کارندہ ہونے کی بھی لیاقت نہین پائی اور ظلم سے عذاب آلہی پہونچیگا اور اگر مصلح و مہوا خواہ دنیا کا حریص ہو تو بحکم قولہ نؤتہ منہا یعنی جو دنیا کی خواہش مین اسکے لیئے کوشش کرتا ہے ہم اس کو دنیا سے حصہ دیتے ہین وہ اپنا حصہ اسی حقیر فانی ادنیٰ اموال غلیظہ سے لیجائیگا پھر آخرت مین اسکے لئے کچھ نہین ہو اور جب خوض کرے تو اسکو معلوم ہو جائیگا کہ اُسنے تمام اقسام اموال و دولت فانیہ مین سے صرف اسی قدر پایا جس سے اپنا پیٹ بھر لیا اور باقی دوسرون کیلیئے ہو اور نام اگر رہا یا نہین اسکو کچھ فائدہ نہین ہو جب یہ معلوم ہوا تو اب ظاہر ہو گیا کہ تدبیر محض ایک تعمیل اُس طریقہ آلہیہ کی ہو جو اُسنے اس مقام امتحان مین چاہا ورنہ وہی واقع ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا اور جب ایسا ہو تو آخرت کا سعی کرنیوالا اتمام کوشش اسی طرف مصروف فرماتے ورنہ دنیا کی طرف رجوع کرنے سے اسلام و ایمان و معرفت مین قصور ظاہر ہے اور تدبیر کا اثر دونون مین سے ہر ایک فریق کیلیئے موافق اسکی تقدیر کے ظاہر ہوتا ہو والسلام۔ قائدہ قصہ لغت مین کسی چیز کے تتبع کو کہتے ہین چنانچہ قولہ تعالیٰ وقالت لاختہ قصیہ۔ مین یہی معنی مراد ہین یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے بالہام آلہی سبحانہ تعالیٰ موسیٰ کو صندوق مین بند کر کے دریائے نیل مین بہادیا اور اسکی بہن سے کہا کہ اسکے پیچھے پیچھے چل اور تتبع کر دیکھ کیا ہوتا ہے اور یہ لفظ مصدر ہو اور حکایت کو قصہ اسلیئے کہتے ہین کہ بیان کرنے والا تھوڑا تھوڑا لکھکے لاتا ہو کذا ذکرہ فی السراج وغیرہ اور مترجم کہتا ہے کہ میرے نزدیک قصہ مصدر بمعنی تتبع ہو یعنی کسی چیز کے نشان روانی پر پیچھے پیچھے چلنا جیسے قالت لاختہ قصیہ۔ مین مراد ہو کہ اس صندوق کی رفتار پر اسکے پیچھے پیچھے چلی جا۔ پھر حکایت کو قصہ اسلیئے کہتے ہین کہ اصل واقعہ تو گذر گیا اب قصہ بیان کرنیوالا اسکے اثر و نشان پر چلتا ہے اور اسکے تصویر کا خاکہ کھینچتا چلتا ہے اگرچہ اس معنی کو تھوڑا تھوڑا کر کے بیان کرنا بضرورت ادائے عبارت کے واقع ہوتا ہو کیونکہ تھوڑا تھوڑا بیان کچھ قصہ کی ضروریات سے نہین ہو بلکہ بیان کا یہی طریقہ ہو حتیٰ کہ اگر ممکن ہو

تو وہ ایک مرتبہ سب صورت دکھلا دے قولہ فیکیدوا لک سوال ہوا کہ فیکیدوک نہین فرمایا حالانکہ قولہ فیکیدونی جمیعًا الآیۃ ۔ مین بغیر لام متعدی ہوا جواب دیا گیا کہ یہ لام صلہ ہے جیسے قولہ لربہم یرہبون حالانکہ یرہبون ربہم بھی صحیح ہے بعض نے کہا کہ تاکید صلہ ہے جیسے ان کنتم للرؤیا تعبرون لیے تعبرون الرؤیا اور جیسے نصحتک و نصحت لک ۔ اور بعض نے کہا کہ کید یہان متضمن معنی احتیال ہے اور وہ متعدی بلام ہوتا ہے اور جب کسی کلمہ کو دوسرے فعل سے تضمین کرتے ہین تو اسی طرح اسکی مقتضیات مین سے لاتے ہین تاکہ تضمن ظاہر ہو پس قولہ فیکیدوا لک یعنی حیلہ ڈھونڈھکر تیرے لیئے ہلاکت کا جال پھیلاوین اور کیدًا مفعول مطلق بنا بر اظہار قوت کید ہو یا یہ کہ تیرے لیئے مکر ایسا کرین جو پوشیدہ و مضبوط ہو قولہ تعالیٰ ۔

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ

اور اسی طرح نوازے گا تجکو تیرا رب اور سکھا دیگا کل بٹھانی باتون کی اور پورا کریگا اپنا انعام

عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ كَمَا أَتَمَّهَا عَلَىٰ أَبَوَيْكَ مِن قَبْلُ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ

تجھ پر اور یعقوب کے گھر پر جیسا پورا کیا ہے تیرے دو باپ دادون پر پہلے سے ابراہیم اور اسحاق پر

إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ع

البتہ تیرا رب خبردار ہے حکمتون والا

اس آیت شریف مین یعقوب علیہ السلام کے علم و فراست کا ظہور ہے جسکو پہلے سے جانتے تھے باوجودیکہ ظاہری اسباب کی تعمیل مین برعایت ادب یون کہا فیقصوا لک علی اخوتک ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انکا قول بیان فرمایا ۔ وَكَذٰلِكَ یعنی جیسے تجکو اس خواب کی بشارت سے جو عزت و کمال نفس کی دلیل ہے برگزیدہ و مخصوص کیا ایسی ہی يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ ۔ تجکو برگزیدہ فرماویگا تیرا رب یعنی درجات عالیہ عطا فرماویگا ۔ فی السراج وغیرہ ۔ اجتبار الٰہی یہ ہے کہ کسی بندے کو خاص اپنے فیض سے سرفراز فرماوے کہ اس سے طرح طرح کی کرامات حاصل ہون درحالیکہ بندے کی کوشش طاعت وغیرہ کو اسمین کچھ دخل نہین ہے اور یہ بات مخصوص با نبیا علیہم السلام ہے اور ان کے اتباع مین بعض بندے صدیق و شہدا و صالحین جنکو انبیا سے قرب ہے قال المترجم کوشش و طاعت کے دخل نہ ہونیکے یہ معنی نہین ہین کہ یہ لوگ عبادت و زہد و طاعت نہین کرتے بلکہ مراد یہ ہے کہ یہ قرب و منزلت محض فضل الٰہی ہے اور طاعات تو جبھی ادا کرسکا کہ اللہ تعالیٰ نے ہاتھ کان ناک صحت و تندرستی رزق وغیرہ دیا پھر یہ طاعت تو ان نعمتون کا شکر یہ بھی پورا نہین ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ایسی قرب و منزلت والے نہایت خلوص ظاہری و باطنی سے خالص اپنے مولیٰ کی عبادت مین سرگرم رہتے ہین پس کوئی بندہ کبھی یہ نہین جانتا کہ اسکا انجام کیونکر ہے اور اللہ تعالیٰ نے قبول یا عدم قبول اسکے حق مین کیا مقدر فرمایا ہے لہٰذا ہر ایک پر یہ واجب ہے کہ تقدیر جو شان الٰہی ہے اس سے کچھ بحث نہ کرے بلکہ خود طاعت و عبادت مین کوشش کرے اور کوئی ارادہ کرنیوالا کبھی اپنی خواہش کے موافق قائم نہ رہیگا مگر جبھی کہ اللہ تعالیٰ چاہے چنانچہ یہ بات صاف ظاہر اور حجت قطعی ہے اسیواسطے حدیث مین آیا کہ ہر شخص پر وہی آسان کیا جاتا ہے جسکے لیئے وہ مخلوق ہوا یعنی وہی اسکو میسر آتا ہے پھر اس مقام پر ظاہر ہے کہ حضرت یوسف کو صغر سنی مین بغیر طاعت و عبادت کے اس خواب سے کرامت فرمائی پس یعقوب علیہ السلام نے آگاہ فرمایا کہ یون ہی تجھے تیرا رب درجات عالیہ کے لیئے مخصوص فرماویگا ۔ وَيُعَلِّمُكَ

اور سکھلاویگا تجکو تیرا رب ۔ مِنْ بعض تَأْوِيلِ الْاَحَادِيثِ ۔ خوابون کی تعبیر ۔ یہ مجاہدرح کا قول ہی اور خواب کو احادیث یعنی
باتین اسلیئے کہتے ہین کہ یا تو رویائے صادقہ ہوتی ہین تو فرشتہ کی باتین ہین یا شیطان کی احلام ہین جو اسکی باتین ہین قرطبی نے
لکھا کہ باجماع یہ تاویل احادیث بمعنی تعبیر خواب ہی اور یوسف علیہ السلام اسوقت اسمین سب سے زیادہ عالم تھے ۔ لیکن بعض متاخرین
نے احادیث کو عام لیا کہ خواب کی باتین ہون یا اگلی کتابون و امتون کے بیان ہون ۔ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ ۔ اور تجھ پر
اپنی نعمت پوری کریگا وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ ۔ اور اولاد یعقوب پر یعنی تجھ پر پہلے اور تیرے ساتھ اولاد یعقوب پر نسلاً بعد نسل
اپنی نعمت پوری کریگا یہانتک اسکو منظور ہو مفسرین نے کہا کہ اتمام نعمت سے مراد نبوت مع بادشاہت ہی چنانچہ حضرت موسیٰ
سے نبوت و بادشاہت ان مین رہی ۔ اور آل یعقوب سے مراد حضرت یوسف کے بھائی و قرابتی و انکی اولاد ہین اور یہ مؤید ہی کہ
برادران یوسف نبوت کو پہونچے ۔ اکثر مفسرین نے کہا کہ شاید ان نعمتون کا اشارہ ہو جو ملک مصر مین داخل ہونے کے بعد انکو
میسر ہوئین باوجودیکہ وے سب انبیاء پہلے سے تھے پھر ان مین بادشاہت بھی ہوئی ۔ سراج وغیرہ مین لکھا کہ نعمت سے مراد
نبوت ہی جیسا کہ ابن عباس کا قول ہی کیونکہ مخلوق کو جو مراتب حاصل ہوئے ان سب مین نبوت اعلیٰ و اشرف و دائم نعمت ہے
اور بعض نے کہا کہ یجتبیک ربک سے عطائے نبوت مراد ہی اور یتم نعمتہ علیک سے دنیا و آخرت کی خوبیان و بھلائیان مقصود ہین اور
لکھا کہ قولہ علی آل یعقوب سے اولاد یعقوب یعنی یوسف کے سب بھائی داخل ہین اور جب اس سے معلوم ہوا کہ اولاد یعقوب پر اتمام
نعمت ہوگا اور نعمت نبوت ہی جیسا کہ گذرا تو ظاہر ہوگیا کہ اولاد یعقوب سب انبیا تھے اور اس سے بڑھکر حجت یہ ہی کہ یوسف نے
بھائیون کو گیارہ ستارے دیکھا پس گیارہ آدمی نورانی جنمین داغ دھبا نہین اور ان کو فضل و علم ہے جنکی روشنی سے دنیا والے
راہ پاوین جیسے ستارون سے روشنی ہوتی ہے اور لوگ ان ستارون سے اپنا راستہ جنگلون و بیابان مین بھٹک کر سیدھا
کر لیتے ہین جیسے آنحضرت صلعم نے اصحابی کالنجوم فرمایا پس یہ اولاد یعقوب ہادی خلائق انبیاء و رسل ہوئے و اقول حدیث
مین قولہ منہم ظالم لنفسہ و منہم مقتصد الآیۃ ۔ مین سب کو خیر و ہدایت و منزلت پر فرمایا ہے اور اگر یہ وہم ہو کہ انھون نے حضرت یوسف
کی ایذاء و قتل کا اقدام کیا تو جواب یہ کہ قبل نبوت کے ایسا واقع ہوا باوجودیکہ وہ مغفور تھے و قد قال یوسف لا تثریب علیکم
الیوم الآیۃ ۔ اور یہ بنا بر اس قول کے کہ انبیاء سے قبل حصول نبوت کے ظہور بعض افعال کا بصورت معصیت ممکن ہی جیسے موسیٰ
علیہ السلام نے قبطی کو قتل کر ڈالا تھا پھر واضح ہو کہ یتم نعمتہ سے نبوت مراد ہونا اظہر ہے بدلیل مابعد یعنی تجھ پر نعمت نبوت پوری
کرے اور اولاد یعقوب پر كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ۔ جیسے پورا کیا اس نعمت کو تمھارے دونون
باپ پر پہلے اس سے وہ ابراہیم و اسحاق ہین یعنی جیسے ان دونون کو نبوت و رسالت عطا فرمائی یہان دادا و پردادا کو ابوین
فرمایا اور خود بھی پیغمبر تھے ظاہر التواضع و حسن خلق سے اپنا ذکر نہین کیا ۔ قال الامام الحافظ رحمہ اللہ حضرت مجاہد وغیرہم نے فرمایا
کہ قولہ و یعلمک من تاویل الاحادیث یعنی خواب کی تعبیر اور قولہ و یتم نعمتہ علیک یعنی تجھے رسول بناکر اور تجھ پر وحی فرماکر اپنی
نعمت تجھ پر پوری کریگا اسیواسطے فرمایا ۔ کما اتمہا علی ابویک من قبل ابراہیم و اسحاق جیسے ان دونون پر وحی کرنے و رسول
بنانے سے نعمت پوری کی ۔ قال الشیخ حضرت ابراہیم کیلیئے جس فرزند کے ذبح کا حکم تھا وہ مجاہدرح کے قول مین یہی اسحاق
ہین ولیکن یہ قول صحیح نہین ہی ۔ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۔ تیرا رب خوب دانا و حکمت الٰہی یعنی جو جس لائق ہی اُس کو

وہی دیتا ہے اگر وہم ہو کہ اس سے تو صاف معلوم ہو کہ جو چیز جسکو حاصل ہو وہ اسکے لائق تھا تو جب کا فرون کو نعمت و دولت سے مالا مال کیا تو وے اس سرفرازی کے لائق تھے تو جواب یہ ہو کہ دنیا تمام و کمال جب شیطان کو دیدی تو کافرون سے تجھے کیون تعجب ہوا اور یہ جو تیرا وہم ہو کہ اس سے بہت سرفرازی ہوئی تو محض غلط ہو دنیا کے اموال کی دو صورتین ہین ایک یہ کہ دنیا کو دنیا کی ناز نعمت و آرام و فخر و نام و دولتمندی کیلئے لیوے اور یہ ملعون و حقیر و فانی بقید رہو اور صحیح روایت ہو کہ اگر دنیا کی قدر اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی نہین ملتا - دوم صورت یہ کہ دنیا کو بقدر کفایت یا زائد واسطے ثواب آخرت کے لیوے یعنی مثلاً عبادت کی قوت کیلئے خود کھاوے اور دوسرون کو کھلاوے اور محتاجون کو اتنا آسودہ کردے کہ وے اپنی عبادت مین متفکر نہ ہون اور خیرات و صدقات سے دنیا کو آخرت کے لئے کھیتی بنا دے تو یہ مال بجذاتہ خود اسکی نظرون مین کچھ نہ تھا نہ اسکی کچھ محبت تھی صرف نیکی مین خرچ کرنے کا ثواب تھا تو اس راہ سے یہ مال وغیرہ نعمت ہو کیونکہ اسکے ذریعہ سے نعمت آخرت کسنے حاصل کی اسیواسطے حدیث صحیح مین آیا نعم المال الصالح للرجل الصالح الحدیث یعنی پاکیزہ مال نیک مرد کیلئے بھلا ہوتا ہے - دیکھو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مالدار تھے جب آنحضرت صلعم کو فرماتے سنا کہ جیش العسرۃ کیلئے جو سامان کر دے جنتی ہو تو آپنے فوراً سامان کیا اور تین مرتبہ اشرفیان آنحضرت صلعم کی گود شریف مین ڈالین جیسا کہ یہ قصہ حدیث صحیح و سیر مین مفصل ہو پس ہر ایک کو اللہ تعالیٰ اپنے علم و حکمت سے اُسکے لائق عطا فرماتا ہے لہذا اولاد یعقوب علیہم السلام مین سے نبوت کبری حضرت یوسف علیہ السلام کو عطا فرمائی - تنبیہ قولہ من قبل سراج وغیرہ مین کہا کہ من قبل ہذا الزمان - اس زمانے سے پہلے مترجم کہتا ہے کہ خود یعقوب علیہ السلام پر اتمام نعمت تھا اسکو بطریق تواضع نہین فرمایا اور اگر تقدیر کلام من قبلہ ہووے یعنی مجھ سے پہلے تو بھی یہی تاویل ہو گی لیکن تحذف مین تخفیف ظاہر ہو - فت فی العرائس قولہ وکذلک یجتبیک ربک الآیۃ - اجتبا و اصطفا یہ تھا کہ نور جمال سے لباس دیا اور پاکیزگی مین پرورش فرمایا - و یعلمک من تاویل الاحادیث سے علوم آلہیہ و کشف و وحی سے سرفراز کیا او یتم نعمتہ علیک الآیۃ سے رسالت نصیب کی اور اتمام نعمت سے ہو کہ مرتبہ تمکین و تحقیق کو پہونچایا اور تلوین سے مقام استقامت تک فائز فرمایا اور مقام امتحان زلیخا سے پاکیزہ و طاہر رکھا جیسے انبیاء و صدیقین کی شان ہوتی ہو اور درجہ حضرت ذبیح و خلیل تک بلندی قرب و منزلت حاصل ہوئی - اقول شیخ کی عبارت صریح ہو کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام تھے اور سابق ایک مقام مین فی الجملہ اسکا مرتین کلام مذکور ہو چکا ہے اور آیندہ انشاء اللہ تعالیٰ قولہ فدیناہ بذبح عظیم کے تحت مین اپنے مقام پر تحقیق آوے گی ابن عطا رح نے کہا کہ اجتبا حسن خلق و دشمن و دوست سے عمدہ برتاو اور اپنی ذات کا انتقام بھائیون سے چھوڑنا بعض نے کہا کہ اجتبا یہ تھا کہ عورتون کا مکران سے دور کیا ورنہ مبتلا ہو جاتے - یحیی بن معاذ رحمہ اللہ نے کہا کہ اتمام نعمت سے یہ بھی تھا کہ بھائیون کو اُنکے سامنے خضوع و لاچاری سے انکساری کی نوبت پہونچی اور خود ان پر انعام فرمایا - سہل رح نے کہا کہ اتمام نعمت یہ کہ جو خواب دکھلایا اسکو تحقیق واقع کردے استاد رحمہ اللہ نے کہا کہ اتمام نعمت سے یہ ہو کہ نعمت پر شکر کی توفیق ہو اور نعمت کو مشاہدہ نہ کرے بلکہ منعم حقیقی کو دیکھے تو شان یوسف علیہ السلام حسن و جمال و پاکیزگی و طہارت و بھائیون سے ایذا اُٹھا کر ان سے حسن سلوک و مغفرت مانگنے مین بہت بڑھی ہوئی تھی اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اسکو آیات و عبرت قرار دے کر فرمایا -

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِلسَّائِلِينَ ۝ إِذْ قَالُوا لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ

البتہ ہیں یوسف کے مذکور مین اور اسکے بھائیون کی نشانیان پوچھنے والون کو جب کہنے لگے البتہ یوسف اور اُسکا بھائی

أَحَبُّ إِلَىٰ أَبِينَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ۚ إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝ اقْتُلُوا

زیادہ پیارا ہے ہمارے باپ کو ہم سے اور ہم قوت کے لوگ ہیں البتہ ہمارا باپ خطا میں ہے صریح مار ڈالو

يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا

یوسف کو یا پھینکدو کسی ملک مین کہ اکیلی رہے تم پر توجہ تمہارے باپ کی اور ہو رہیو اُس کے پیچھے

صَالِحِينَ ۝ قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ

نیک لوگ بولا ایک بولنے والا ان مین مت مار ڈالو یوسف کو اور پھینکدو گمنام کنوئین مین کہ اُٹھا لیجاوین اسکو

بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ۝

کوئی مسافر اگر تم کو کرنا ہے

لَقَدْ كَانَ فِي خبر يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِلسَّائِلِينَ - بیشک ہین یوسف علیہ السلام واسکے بھائیون کے قصہ مین نشانیان واسطے پوچھنے والون کے یعنی جو لوگ اس قصہ کو پوچھتے ہین انکے لیے یوسف وان کے بھائیون کے قصہ مین آیات ہین یعنی ایسی نشانیان ہین جو اللہ تعالیٰ کی توحید عظیم قدرت و بدیع حکمت و عجیب صنعت پر دلالت کرتی ہین۔ امام رازی نے کہا کہ اور جو نہین پوچھتے ہین اُنکے لئے بھی یہ آیات موجود ہین تو سائلین کا ذکر بمانند قولہ تعالیٰ اربعة ایام سواء للسائلین الآیۃ ہے۔ پس حاصل یہ ہوا کہ سائلون کا ذکر فقط انکے پوچھنے و توجہ کرنے کی وجہ سے ہے ورنہ آیات جیسے سائلون کے لیے ویسے ہی دوسرون کیلئے یکسان ہین۔ قال الامام الحافظ۔ آیات للسائلین یعنی عبرت و نصائح ہین ان لوگون کیلئے جو اس قصہ کو دریافت کرتے ہین کیونکہ یہ عجیب قصہ اس لائق ہے کہ ضرور اسکی خبر دریافت کی جاوے مترجم کہتا ہے کہ امام نے شان نزول کی روایت کہ یہود وغیرہ نے دریافت کیا تھا اس روایت پر معنی کو موقوف نہین رکھا بلکہ یہ معنی بیان کئے کہ اس قصہ مین عجیب اخبار ہین ہر شخص کو چاہیئے کہ اسکے دریافت کیواسطے سوال کرے پس سائل کو بہت نصائح و عبرت حاصل ہونگے یہ تقریر نفیس ہے اور واضح ہو کہ لقد کان مین معنی ماضی مراد نہین ہین چنانچہ کثرت سے عرب اس لفظ کو استمرار و ثبوت کے معنی مین لاتے ہین پس اب بھی وہ آیات موجود ہین اور مترجم کہتا ہے کہ اگر یہود کے سوال کرنے کی روایت سے معنی کا ارتباط لیا جاوے تو شاید یہ تعریض ہو یہود پر کہ ان کے لئے اس قصہ مین بہت علامات و نصائح و عبرت تھین گویا انھون نے انکو حاصل نہ کیا ولیکن احسن وہی ہے جو علماء تفسیر سے مذکور ہوا پھر آیات سے بعض نے تو اللہ تعالیٰ کی توحید و قدرت و صنعت پر علامات مراد لیا اور بعض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صدق رسالت پر حجت مراد لیا کیونکہ آیت حجت قطعی و ظنی دونون کو شامل ہے کما صرح بہ البیضاوی فی غیر ہذا الموضع۔ اور آنحضرت صلعم کی نبوت پر حجت ہونے کی یہ توجیہ بیان فرمائی کہ یہود نے مدینہ رؤسا قریش کے پاس آدمی بھیجے کہ محمد صلعم سے دریافت کرو کہ ہم سے ایک نبی کا حال بتلاوین جو شام مین رہتا تھا اور اسکا بیٹا مصر کو نکالا گیا وہ اسکے غم مین یہانتک رویا کہ اندھا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ یوسف پوری یکبارگی نازل فرمائی اور یہ بالکل اُسکے

مطابق واقع ہوئی جو توریت مین تھا تو ضرور انکے واسطے حجت قطعی ہوئی کہ آنحضرت صلعم رسول ہین کیونکہ آپنے اگلی کتابین نہین
پڑھین اور نہ عالمون کے پاس بیٹھے اور نہ اخبار والون سے سنا اور نہ ملک حجاز مین کبھی اسکا ذکر ہوا تو ضرور وحی آلہی تعالی
سے آپکو معلوم ہوا اور بعض نے کہا کہ آیات یعنی عجب ہین اور مراد عجب سے وہ ہے جسکو ہندی مین اچنبھا اور فارسی مین شگرف و شگفت
بولتے ہین اور بعض نے آیات للسائلین کے معنی مین کہا کہ عبرت حاصل کرنیوالون کیلیے عبرت ہین کیونکہ اس قصہ مین کئی طرح کی
نصیحت و عبرت و حکمت موجود ہے ازانجملہ حضرت یوسف ؑ کا خواب اور اسکا تحقیقی واقع ہونا اور کیسی کیسی گردش سوانح و
وقائع کے بعد کس طریقہ سے اسکا ظہور ہوا۔ ازانجملہ بھائی ہوکر حسد کرنا اور اس حسد کا انکو قتل کر ڈالنے پر آمادہ کر دینا اس
زعم پر کہ اسکے بعد ہم اپنی سعی سے قوم صالح یعنی برگزیدہ ہوجاوینگے اور آخر حسد کا انجام کیا ہوا اور یوسف علیہ السلام
کی راستی و تواضع وصبر کرنا اور ظاہر و باطن اللہ تعالی کے ساتھ صدق و عفت کا برتاؤ اور آخر وہ کس مرتبہ پر فائز ہوئے ازانجملہ
یعقوب علیہ السلام کا فرزند سے اسقدر تعلق کہ روتے روتے اندھے ہوگئے اور باوجود نبوت کے مرضی آلہی یہی ہے کہ پیغمبر اس حال
کو پہونچے اور آنحضرت علیہ السلام کا صابر رہنا اور کچھ دعا نہ کرنا اور کنعان کے کنوین مین یوسف کا پڑا رہنا معلوم نہ ہوا اور مصر سے پیراہن
یوسف ؑ کی خوشبو معلوم ہوئی باوجود اسکے یہ کہا کہ مین اللہ تعالی کی طرف سے وہ جانتا ہون جو تم نہین جانتے ہو اور آخر اپنی مراد
کو پہونچنا اور ازانجملہ وقائع زلیخا کہ مثل دنیا کی زینت کے مزین ہوکر انکو اپنی طرف مائل کرنا چاہتی اور اسکے لیے کیسے فریب و جال
پھیلائے مگر آنحضرت علیہ السلام پاک ہے اور آخر رضائے آلہی و عروج کے ساتھ اس سے بہتر حالت مین وہ بھی مل گئین ازانجملہ حکم قولہ
فالذین آمنوا اشد حبا للّٰہ۔ ایمان والے جو سب سے زیادہ اللہ تعالی کو چاہتے ہین انکو اپنی محبت کا اندازہ کرنا کہ زلیخا کے مقابلہ مین
انکا کیا حال ہے۔ ازانجملہ حکمت اسکی کہ یوسف علیہ السلام نے عورتون کے پاس رہنے سے قید ہونا بخوف آلہی پسند کیا اور وہین سے ایک قیدی
نے رہا ہوکر بادشاہ سے تعریف کی جس سے مملوکیت کے داغ سے بالکل پاک ہوگئے کیونکہ بادشاہ نے اپنے واسطے استخلاص کیا تو
آقا ہوگئے اور وہ ان کے دین پر ہولیا اور عورتون سے بالکل نجات ہوگئی اور سوائے اسکے بکثرت نصائح ہین کہ اگر ہر ایک
اشارہ لکھا جاوے تو غالبا ایک ضخیم مجلد کتاب ہوجائیگی کیونکہ باریک اشارات سمجھانے کیلیے سب متعلقات بیان کرنا درکار ہوگا
وانما الفہم من توفیق اللہ عز وجل وہو الہادی الملہم ولہ الحمد فی الاولی والآخرۃ والیہ یصعد الکلم الطیب۔ اگر کوئی آیات للسائلین
کے جمیع معانی کو بوجوہ جمع کرے تو بھی ممکن ہے پس کہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام وانکے بھائیون کے قصہ مین سائلین
کیلیے آیات ہین یعنی اہل عبرت واہل عقل کیلیے اللہ تعالی کی وحدانیت پر نشانیان اور آنحضرت صلعم کے صدق رسالت
پر قطعی حجتین و دلیلین اور انسانی اصل و انجام و حیات دنیا کیلیے نصیحتین و عبرتین موجود ہین اور جنکے پاس توریت تھی انکے پاس پہلے
سے آیات وحدانیت و عجیب صنعت آلہی و نصائح و عبرت و حکمت موجود تھین مگر اکثرون نے انسے نفع نہین پایا پھر اس قصہ مین زلیخا
کا تذکرہ بتبعیت واقع ہوا اور اصل لئے بھائیون کا حسد ہی تھا لہذا صرف یوسف و اخوتہ کا قصہ فرمایا علاوہ برین تہذیب سکھلائی
کہ عورتون کے تذکرہ سے تعلق کم کرین اور واضح ہو کہ حسد کرنیوالے صرف دس بھائی تھے اور گیارہوان بھائی انمین
شامل نہ تھا پھر معالم و بیضاوی و سراج وغیرہ مین انکے بھائیون کے نام اسطرح لکھے کہ حضرت یعقوب کی پہلی بی بی انکے ماموں
لیان کی دختر لیا نام سے یہودا۔ روبیل۔ شمعون۔ لاوی۔ زبلون۔ یشجر چھ بیٹے تھے اور سراج مین مذکور ہے کہ سب سے بڑا

بدال ۱۲   بدون نون ۱۲   ہنون در آخر ۱۲

روبیل تھا اور ایسا ہی مؤلف الفتح نے قرطبی سے نقل کیا اور زبلون کو زبولون لکھا۔ پھر معالم میں کہا کہ دو لونڈیوں سے چار اولاد
تھے ان دونوں کا نام زلفی و بلہم لکھا اور امام رازی و قرطبی نے بلقیم کی جگہ بلہہ لکھا ہے اور ان چاروں کے نام۔ دان نفتالی۔
جاد۔ اشر۔ بیان کئے۔ لیقاحی نے کہا کہ نفتالی بنون و فا و تا فوقیہ و الف و لام و یا اور فتح میں قرطبی سے نفتالی کی جگہ نفتونا
یعنی تا فوقیہ و فا و تا فوقیہ و واو و نون الف لکھا اور ظاہرا غلطی ہے۔ اور اشر کی جگہ اوشیر لکھا ہے پھر لیابنت لیان کا انتقال
ہوگیا تو آنحضرت نے اسکی بہن سے جسکا نام راحیل تھا نکاح کیا اس سے یوسف علیہ السلام و بنیامین پیدا ہوئے۔ سہیلی نے کہا
کہ راحیل سے فقط بنیامین ہوئے اور اسی نفاس میں وہ مر گئیں پھر حضرت یعقوبؑ نے وقفا سے نکاح کیا اس سے حضرت
یوسفؑ پیدا ہوئے پس بنیامین حضرت یوسفؑ سے بڑے تھے ولیکن یہ قول غریب معلوم ہوتا ہے ظاہرا صحیح وہی قول ہے اور
سراج وغیرہ میں لکھا ہے کہ بعض کا قول یہ ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے لیا کی حیات ہی میں راحیل سے نکاح کر لیا تھا اور اسوقت
میں دو بہنوں کو نکاح کر کے جمع کرنا حرام نہیں کیا گیا تھا۔ محمد بن اسحاق بن یسار سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلعم کو نبوت
ہوئی اور قرابتیوں نے اپنے آپ کو نبوت کے لائق و فائق زیادہ سمجھ کر آنحضرت صلعم سے حسد کیا اور آپ کی ایذا کے درپے
ہوئے اور بہت کچھ تکلیف پہنچائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر قصہ حضرت یوسف و اخوہ نازل فرمایا تاکہ آپکو تسلی ہو اور مثل
یوسفؑ کے ایذا و قرابت پر صبر اور انکے حق میں استغفار فرماویں اور انتقام کا قصد نہ فرماویں اقول یہ بھی اس سورۂ شریفہ
کی حکمت میں سے ہے تاکہ قوم والے خود حاسد کا انجام دیکھ کر لغو خیالات سے باز رہیں کیونکہ رسالت اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور وہ علیم
حکیم ہے خوب جانتا ہے کہ بار رسالت کا تاج رکھا جاوے بقولہ تعالیٰ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ۔ یہ کسی مخلوق کے گمان پر نہیں ہے
قتادہ رح و ضحاک وغیرہم نے اس آیت میں کہا کہ جو کوئی اس قصہ سے سوال کرے تو وہ یوں ہی ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے تم پر بوحی سنایا
اور آگاہ فرمایا ہے۔ اقول ظاہر یہ تفسیر قولہ آیات للسائلین کے متعلق ہے یعنی جو کوئی سائل ہو اور سب عقلاء کو ہونا چاہیئے تو سطر
ہے جیسا بیان ہوا اس سے وہ سائل عبرت و نصائح حاصل کریں اسکا بیان یہ ہے۔ اِذْ قَالُوْا یعنی سائلین کیلئے آیات اُن کے
اس قصہ میں ہیں کہ جب یوسفؑ کے بھائی سوائے بنیامین کے کہنے لگے آپس میں کہ لَيُوْسُفُ قسم ہے کہ یوسف وَاَخُوْہُ یعنی اس کے
بھائی چھوٹے یعنی باپ اور ماں دونوں کی طرف والے بھائی بنیامین کے۔ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا۔ زیادہ محبوب ہیں ہمارے باپ کو
بہ نسبت ہمارے۔ سراج میں لکھا کہ جب بھائیوں کو حضرت یوسفؑ کے خواب کی خبر پہنچی تو کہنے لگے کہ بھائیوں سے سجدے
کرانیکا خیال دماغ میں سمایا ہے اور اتنے ہی پر بس نہیں کیا بلکہ ماں باپ سے بھی سجدے چاہتا ہے اور حضرت یعقوبؑ کو بسبب علم نبوت
و فراست کاملہ کے حضرت یوسفؑ کی طرف التفات بہت تھا خصوصا اس خواب کے باوجودیکہ نور نبوت انکی پیشانی سے ظاہر تھا
اور حسن کا آفتاب ایسا چمکتا تھا کہ شمس و قمر ان کے سامنے سر جھکاتے تھے پس شیطان نے بھائیوں کے دلوں میں حسد کی آگ
بھڑکائی اور باہم مشورہ کیا کہ واللہ یوسف و اسکا بھائی دونوں ہماری بہ نسبت ہمارے باپ کو زیادہ محبوب ہیں وَنَحْنُ عُصْبَةٌ
حالانکہ ہم ایک گروہ زبردست ہیں یعنی یہ دونوں حقیر لونڈے نہ کام کے نہ کاج کے اُن سے کیا مال و دولت و منفعت
ملنے والی ہے اور ہم البتہ قوی گروہ کا گروہ ہیں ہر طرح کا آرام ہماری ذات سے متصور ہے پھر بھی ہمارے باپ کو انہیں دونوں سے
زیادہ محبت ہے۔ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ بیشک ہمارا باپ کھلی ہوئی خطا میں پڑ گیا ہے۔ سراج وغیرہ میں کہا کہ مراد اس کی

یہ تھی کہ ہماری محبت پر انکی محبت کو ترجیح دینے میں اس سے صادر ہوئی ہے کیونکہ اگر دلیل سے دیکھا جاوے تو ہم سب فرزند
ہونے میں یکساں ہیں تو محبت برابر ہوتی لیکن ہم کو ان دونوں پر اسوجہ سے ترجیح ہے کہ ہم ایک جماعت قوی بردست ہیں کہ باپ کو
ہر طرح نفع پہونچا سکتے ہیں اور کوئی برائی آوے اسکو دور کر سکتے ہیں اور ہر کام کیلئے کافی ہیں اور ان دونوں سے یہ بات ممکن نہیں ہے
تو ہماری محبت زیادہ چاہیئے ہے پھر اگر زیادہ نہ ہوتی تو خیر برابر ہوتی پھر برابر بھی نہیں بلکہ انکے لئے زیادہ ہے تو یہ صاف خطا ہے۔ تنبیہ قولہ
لیوسف و اخوہ احب۔ لام ابتدائیہ ہے تو معنی یہ ہوئے کہ یوسف و اسکا بھائی زیادہ محبوب ہیں۔ بعض نے کہا کہ لام قسم ہے یعنی واللہ
یوسف الخ اور شاید قسم بوقت تعجب ہے یا باپ کی خطا ثابت کرنے کیلئے قطعی توطیہ ہے۔ پھر یوسف و اخوہ دونوں کی خبر میں احب
صیغہ واحد اسوجہ سے ہے کہ جب اسم تفضیل بحرف من ہو یا اضافت نہ ہو تو اسمیں واحد و تثنیہ و تذکیر و تانیث یکساں ہوتا ہے اور شاید کہ
و اخوہ بمعنی مع اخیہ ہو۔ بہ سے تو اس توجیہ کی ضرورت نہ ہوگی اور مع اخیہ کے معنی انکو مقصود ہونا اسوجہ سے ظاہر ہے کہ درحقیقت
خواب فقط حضرت یوسف نے دیکھا اور آثار نبوت و نجابت صرف انکے چہرہ سے ہویدا تھے اور شطر الحسن یعنی نصف حسن یا قریب
نصف کے انھیں کو ملا تھا اور یہ وجہ سے خاص اختیاری محبت کی ظاہر تھی مگر انھوں نے بھائی کو بھی ساتھ ملا کر اس محبت کو دوسرے معنی پر
محمول کر دیا اگرچہ یوسف علیہ السلام اصلی محبوب تھے تو انکا ایک بیٹے کا بھائی بھی فی الجملہ انکی نسبت سے محبوب ہوگا۔ سراج و کبیر وغیرہ
میں کہا کہ یہاں چند اوہام پیدا ہوتے ہیں تو انکا جواب دیکھا جانا ہے اول یہ کہ اولاد میں سے اگر بعض کو بعض پر فضیلت دیا جائے
تو دوسروں کو اس سے حقد و حسد پیدا ہو جاتا ہے تو احضرت علیہ السلام نے ایسا کیوں کیا جواب یہ ہے کہ یہ فقط محبت کی وجہ سے تھا اور محبت آدمی کی
اختیاری چیز نہیں ہے اقول یہیں کہا جائیگا کہ اگر کوئی آدمی اپنی چند دن کی باری و نان نفقہ وغیرہ امور اختیاری میں کسی کو دوسرے
پر فضیلت دے تو گنہگار ہوگا اور اگر محبت ایک سے بہ نسبت دوسرے کے زیادہ ہو تو وہ معذور ہے کیونکہ اسکے اختیار سے باہر ہے دوم
یہ کہ اولاد نے باپ پر کیونکر اعتراض کیا حالانکہ جانتے تھے کہ وہ نبی ہیں اور یہ لوگ ان پر ایمان رکھتے تھے۔ جواب یہ کہ بیشک پیغمبر برحق
جانتے تھے لیکن انھوں نے بمقتضائے بشریت یہ خیال کیا کہ باپ کا یہ فعل مبنی بر رائے سے ہے اور جب خود دلیل سے دیکھا تو ان کی
رائے میں آیا کہ باپ کی رائے میں خطا کرتی ہے پس انھوں نے اعتراض کیا اور یہ نہیں سمجھے کہ باپ کا ان دونوں سے زیادہ محبت کرنا کسی وجہ
سے واقع ہوا ہے اول یہ کہ ان دونوں کی والدہ کا انتقال ہو چکا تھا اقول یہ غلط ہے بلکہ خود ان کی والدہ البتہ مر چکی تھیں اور ان دونوں
کی والدہ مدت تک زندہ رہیں ظاہرا توجیہ کی فکر میں یہ یاد نہیں رہا کہ خواب کی تعبیر واقع ہوئی اسطرح کہ ماں باپ نے سجدہ کیا اور یہ تو
آخر سورہ میں منصوص ہے عجیب کہ سراج میں بھی کبیر سے اسیطرح نقل کر دیا غیر یہ زلت قلم مقتضائے انسانی ہے اللہم اغفرلی ولعموم جمیع
المؤمنین اور دوم یہ کہ یوسف میں آثار نبوت و نجابت ایسے ظاہر تھے کہ باقی اولاد میں نہ تھے اقول آخر یہی ہے یہ مناقشہ ہے کہ پھر بنیامین
سے کیوں زیادہ الفت تھی فافہم۔ اور سوم یہ کہ یوسف اگرچہ صغیر تھے مگر باپ کی ایسی خدمت کرتے تھے جو اوروں سے نہیں
ہوتی تھی اقول یہ کہاں سے معلوم ہوا اسکی کوئی روایت نہیں آئی علاوہ بریں بنیامین کا اختلال باقی رہیگا۔ الحاصل پیغمبر کا اجتہادی
تھا اور اسمیں نفسانی خواہش یعنی یوسف سے حسد کا بھی دخل تھا تو اس سے دین میں اعتراض لازم نہیں آتا اقول محصول یہ ہے کہ
انھوں نے اس لئے کو دنیاوی معاملہ کی رائے سمجھکر اعتراض کیا ورنہ اگر باپ اسمیں کوئی حکم شرعی ظاہر کرتا اور میں کہتا ہوں کہ اس
جواب کی تقویت ایک حدیث سے ہو سکتی ہے جبکہ صحابہ نے مدینہ میں درختان خرما میں نر مادہ لگانی اور آنحضرت صلعم سے

لغو فرمایا تو انھون نے نہین لگائی تو پھل نہ آئے تب آپنے فرمایا انتم اعلم بامور دنیاکم۔ دنیاوی معاملات تم ہی خوب جانتے ہو پس جب مین
دین کے معاملہ مین تم کو حکم دون تو تم پر تسلیم کرنا واجب ہے اور دنیاوی مشورہ مین تم جانو تمھارا کام جانے علی ہذا انھون نے اس واقعہ محبت
کو دنیاوی معاملہ پر محمول کر کے اعتراض کیا چنانچہ اپنے آپ کو عصبہ قرار دیکر مستحق فضیلت جاننا اسپر دلالت کرتا ہے تیسرا سوال
یہ ہے کہ باپ کو ضلال کی طرف نسبت دی اور ضلال گمراہی ہے۔ جواب یہ ہے کہ دین مین ضلال نہین کہا تھا بلکہ دنیاوی مصلحتون کی جو راہ
ہوتی ہے اسکی طرف التفات نہ کرنا مقصود تھا۔ چوتھا سوال یہ ہے کہ یہ کیسے معصوم نبی ہونگے جبکہ انسے چند کبیرہ گناہ سرزد ہوئے
ازانجملہ ایک حسد ہے جو کبیرہ کی جڑ کہنا چاہیئے دوم قتل یوسف بیگناہ کا قصد۔ سوم باپ کو دوام ملال مین ڈالنا۔ چہارم صریح جھوٹ
بولنا۔ اسکا جواب یہ دیا کہ انسے یہ جرائم نبوت حاصل ہونے سے پہلے سرزد ہوئین اور یہان دو قول ہین ایک یہ کہ نبوت کے بعد یہ شرط ہے
کہ نبی سے گناہ کبیرہ سرزد نہو اور اسی قول کے مطابق یہ جواب ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ نبی سے کبھی گناہ کبیرہ واقع نہ ہونا شرط ہے تو اسکے
مطابق یہ جواب نہین ہوسکتا۔ واضح ہو کہ یہان دو قول ہین ایک یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی سب نبیا تھے اور
دوسرا قول یہ ہے کہ وے نہین تھے پس چوتھا سوال اسی صورت پر وارد ہے کہ ان کو انبیا مان لیا جاوے اور اسمین زیادہ گفتگو انشاء اللہ تعالیٰ
آگے آویگی۔ یہان تو اسی قدر بیان تھا کہ انھون نے پہلے مشورہ کیا اور اپنی رائے سے یہ نتیجہ نکالا کہ ہم سے زیادہ یوسف و اسکے بھائی
سے باپ کا محبت کرنا ہمارے باپ کی طرف سے چوک ہے لیکن اصلی مقصود یہ نہین تھا کہ باپ کی غلطی ثابت کرین بلکہ مقصود یہ تھا کہ حسد
یوسف پر اپنی فضیلت ظاہر کرین لہذا باپ کو ایذا رد آزار دینا نہین ٹھہرایا بلکہ یوسف کے حق مین یہ نتیجہ نکالا کہ اگر یہ باپ کی نظر سے دور
ہوجاوے تو پھر ہم باپ کے منظور نظر ہو کر صلاحیت و کمال کو پہونچین گویا انکو یہ یقین تھا کہ باپ کے منظور نظر ہونے سے کمال شرف حاصل ہوتا ہے
اسی سبب سے جب یوسف کو منظور فرمایا تو اسکو خواب خیرہ کا شرف ملا اور اسی طرح ملتا جائیگا اگرچہ باپ کی ان دونون سے محبت
کرنے مین خطا کی ہے اور محبت کے سزاوار ہم جماعت تھے پس جب یوسف زندہ نہ رہا تو خواہ مخواہ ہم ہی منظور نظر ہو کر قوم صالح یعنی انبیا
ہوجائینگے لہذا یہ رائے ٹھہرائی کہ۔ اُقْتُلُوْا یُوْسُفَ اَوِاطْرَحُوْہُ اَرْضًا یَّخْلُ لَکُمْ وَجْهُ اَبِیْکُمْ۔ مار ڈالو یعنی ہم تم
سب ملکر مار ڈالو۔ یوسف کو یا پھینک بہاؤ اسکو کسی زمین مین یعنی دور دراز کسی ملک مین تو پھر تمھارے ہی لئے خالی ہوجائیگا
تمھارے باپ کا چہرہ یعنی ہنیا مین تو بذات خود منظور نظر نہین ہے یوسف اصلی محبوب ہے اسکو مار ڈالو یا کہین دور بہادو تو پھر
باپ کی نظرون مین خالی تم ہی تم رہجاؤگے اور ان کا چہرہ خالص تمھارے ہی لئے ہوگا تو تم ہی انکے منظور نظر ہوجاؤگے
وَتَکُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِیْنَ۔ اور یوسف کے بعد یا اس واقعہ کے بعد تم ہوجاؤگے ایک قوم صالح یعنی باپ کے منظور
نظر ہو کر تم سب درجہ نبوت و ولایت سے سرفراز ہوجاؤگے ؎ آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند ٭ آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند
امام مظہر نے لکھا کہ گناہ کرنے سے پہلے ہی انھون نے توبہ اپنے دل مین رکھ چھوڑی تھی چنانچہ دل مین ٹھان لیا
کہ یوسف کو اسطرح گم کر کے توبہ کر کے قوم صالح ہوجاوینگے۔ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا یُوْسُفَ ان مین سے ایک کہنے والے
نے کہا کہ یوسف کو قتل مت کرو۔ قتادہ و محمد بن اسحاق نے کہا کہ یہ کہنے والا بڑا بھائی روبیل تھا۔ سدی رحمہ اللہ نے
کہا کہ وہ یہودا تھا۔ قال الامام مراد اسکی یہ تھی کہ حسد و عداوت کو یہان تک ترقی مت دو کہ قتل کر کے جان لو۔ اور
وے کبھی ایسا کر نہین سکتے تھے کیونکہ حق تعالیٰ نے جو چاہا تھا اسکا پورا ہونا ضروری تھا کہ وہ مصر مین پیغمبر بادشاہ ہون۔

اقول شاید یہی حسن طویت ہو داکے مقبول ہوئی کہ اسباط و اولاد میں خلافت و مملکت کا استحقاق اولاد یہودا میں رہا جیسا کہ بعض
مفسرین نے لکھا ہے واللہ اعلم۔ بہرحال اس قائل نے جب مار ڈالنے سے منع کیا تو اشارہ کیا کہ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ
اور ڈالدو اسکو غیابت جب میں۔ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ ۔ اُٹھا لیجائیگا اسکو کوئی مسافر۔ غیابت ہر ایسی جگہ کو بولتے
ہیں جو کسی چیز کو ڈھانک کی نظر سے غائب کر دے اور جب گڑھا یا بے حکمت کا کنواں واسکے مانند ہیں مراد کنویں کی تہ جسمیں نظر
نہیں پڑتا احتمال ہے کہ کوئی خاص کنواں مقصود نہ تھا اور قتادہ رح سے روایت ہے کہ مشہور کنواں بیت المقدس کا تھا اسپر کثرت
سے مسافر وارد ہوتے تھے۔ امام حافظ رح نے فقط قول قتادہ رح ذکر کیا اور دوسروں نے لکھا کہ وہب نے کہا کہ وہ اردن کی زمین میں تھا
اور مقاتل نے کہا کہ حضرت یعقوب کے مسکن سے تین فرسخ دور تھا۔ اقول اتنی دور ہونا چاہیئے کہ صبح کو بھائی ساتھ لیگئے اور آخر وقت
یا رات تک واپس آئے اور وہاں بکری وغیرہ ذبح بھی کی اور کنعان سے بیت المقدس سے بہت فاصلہ ہے واللہ تعالیٰ اعلم بعض اہل علم
نے کہا کہ ان لوگوں نے حضرت یوسف ع کے قتل کا عزم کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے جو اسکو بچا لیا تو یہ ان لوگوں پر بھی رحمت تھی ورنہ
اگر قتل کرتے تو سب ہلاک ہوکر عذاب میں پڑتے۔ حاصل یہ کہ اس کہنے والے نے انکو سمجھایا کہ تم حسد کو یہاں تک نہ بڑھاؤ کہ یوسف
بھائی ہے اسکی جان مار ڈالو بلکہ تمہارا مقصود تو صرف یہ ہے کہ اسکو باپ کی نظر سے معدوم کردو تو یہ یوں حاصل ہے کہ اسکو جب کی تہ
میں ڈالدو وہاں سے بعضے مسافر اسکو دور اُٹھا لیجاوینگے اور تمہارا مقصود حاصل ہوجائے گا۔ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۔ اگر تم کرنیوالے
ہی ہو یعنی اگر تم خواہ مخواہ ایسے فعل پر آمادہ ہو۔ ظاہر یہ کہنے والا ایسی سخت حرکت کو ناپسند کرتا تھا مگر خراب مصاحبوں کی صحبت میں
اتفاق کرنا پڑا واللہ اعلم۔ محمد بن اسحاق نے کہا کہ مشہور وے لوگ بڑے سخت کام پر متفق ہوئے تھے ایک تو ناتا قطع کرنا یعنی علاتی
بھائی اور ایسے نیک کو اس بیرحمی سے ارادہ قتل کرنا دوسرے باپ کی نافرمانی وعاق ہونا تیسرے اس صغیر بے گناہ پر رحم نہ کرنا
چوتھے اس پیرمرد بزرگ کی بیقراری پر ترس نہ کھانا جسکا رتبہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑا تھا پنجم اس حق کا لحاظ نہ کرنا کہ والد و فرزند صغیر
کے درمیان جدائی نہ چاہیئے خصوص جبکہ بڑھاپے سے اس بزرگ کی ہڈیاں اس قلق کی آنچ سے گھلی جاتی ہوں اور یہ فرزند صغیر سنی
سے اپنے باپ کی لطف و پرورش و اسکی گود میں آرام کا محتاج ہو بیشک یہ سخت بات تھی اللہ تعالیٰ ہمکو اور انکو بخشدے
وہ ارحم الراحمین ہے۔ رواہ ابن ابی حاتم عنہ۔ امام حافظ رحمہ اللہ نے لکھا کہ جاننا چاہیئے کہ کوئی دلیل اس بات پر قائم نہیں ہوئی
کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی نبی تھے بلکہ ظاہر سیاق قرآن مجید اسکے برخلاف دلالت فرماتا ہے یعنی سیاق سے بلکہ یہ
ثابت ہوتا ہے کہ یہ لوگ نبی نہیں تھے اور لوگوں میں بعض یہ گمان کرتا ہے کہ اسکے بعد انکو وحی بھیجی گئی اور وے نبی ہوگئے مگر مجھے اسمین
تامل ہے کیونکہ ایسی بات کے کہنے کیلیئے دلیل کی ضرورت ہے اسلیئے کہ صرف رائے سے کسیکو نبی نہیں بنا سکتے ہیں پھر اسکی دلیل بعضوں
نے کوئی ذکر نہیں کی سوائے اس قول اللہ تعالیٰ کے کہ قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب
والاسباط۔ پس معلوم ہوا کہ اسباط پر حیثیت نازل ہوا جسپر ایمان لائے ہیں تو وے ضرور پیغمبر ہوئے۔ امام حافظ رح نے کہا کہ یہ کوئی
دلیل یقینی نہیں ہے اسلیئے کہ اسباط تو اولاد اسرائیل کے سب بطون کہلاتے تھے جیسے عرب میں قبائل و عجم والے شاخیں بولتے ہیں
پس فرزندان یعقوب میں سے ہر فرزند کی اولاد و نسلاً بعد نسل سبط تھے اور مجموعہ اسباط ہیں اور ان اسباط میں انبیاء کثیر گذرے ہیں
مانند موسیٰ و ہارون و داؤد و سلیمان و عیسیٰ وغیرہم تو انکی کتب و صحف پر ایمان لانا مقصود تھا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسباط کے

باپ یعنی اول فرزندان یعقوبؑ جنہین کلام ہو وے بھی انبیا رہتے ان یوسف علیہ السلام بیشک بنص قرآنی پیغمبر تھے - اقول ظاہرا مراد
شیخ حافظ رح کے اس قول سے کہ بلکہ سیاق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ لوگ نبی نہین تھے - یہی امور ہین جنکی طرف محمد بن اسحاق رح
نے اشارہ کیا ہو اور سابق مین تفسیر کبیر سے سوال چہارم مین منقول ہوئے اور حاصل یہ ہو کہ جسقدر افعال مذکور ہوئے اکثر انمین سے
کبیرہ اور مہلک کبیرہ ہین از انجملہ عقوق والدین ہو چنانچہ حدیث صحیح مین اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنیکے بعد دوسرے درجہ پر
عقوق والدین شمار فرمایا ہو اور از انجملہ قطع رحم ہو اور قتل مسلم بےگناہ اگرچہ واقع نہین ہوا مگر انھون نے اسپر اتفاق کر لیا تھا
اور ایسے ہی حسد اور باپ پر اس امر سے کہ پیغمبر تھے اعتراض کرنا اور عمداً جھوٹ بولنا اور فریب کرنا اور امانت و عہد مین خیانت
و غدر کرنا سب از قسم کبیرہ ہین پھر مصنف رحمہ کہتا ہو کہ اہل الحق نے زعم کیا کہ قبولیت ازلیہ کو کوئی فعل ضرر نہین کرتا یعنی انجام
وہی قبولیت ہوتا ہو اور یہ قول صحیح ہو بلکہ اکمل ہو کہ انکے واسطے شان ہو اگرچہ بڑا دلیل انکی نبوت پر جزم نہین ہو سکتا لیکن
جس طرح بعضے شعرا نے اس قصہ مین انپر زبان درازی کی ہو وہ روا نہین ہو خصوص جبکہ انکے صالحین ہونے پر جزم ہو اگرچہ
نبی نہون اور ان افعال سے حضرت یوسف و حضرت یعقوبؑ نے عفو و استغفار فرمایا ہو اگر کہا جائے کہ قتل نفس تو حضرت موسیٰؑ سے
بھی سرزد ہوا کہ انھون نے قبطی کو مار ڈالا حالانکہ اسکا نفس مضمون تھا اور یہ جواب نہین ہو سکتا کہ انھون نے ایک کافر قبطی
کو قتل کیا کیونکہ جب اسکے مالک ہین بوجہ ذمی تھے تو اسکا نفس بھی مثل مسلم کے قتل سے محفوظ تھا آیا تو نہین دیکھتا کہ سلطان اسلام کو
روا نہین ہو کہ اپنی رعیت مین سے کسی ذمی کافر کو قتل کرے اور جیسے یہ روا نہین ہو کہ کسی کافر کی بادشاہت مین آباد ہو کر
کوئی مسلمان جاوے کہ بہانے سے انمین سے کسی کو مار ڈالے اور خود موسیٰ علیہ السلام نے اقرار کیا کہ یہ شیطانی فعل تھا ان جواب
صحیح یہ ہو کہ قبطی مذکور سخت ظلم کر رہا تھا اسکو انھون نے مارا اور یہ قصد نہ تھا کہ جان سے مار ڈالون مگر وہ مر ہی گیا پس یہ
چونکہ ہو نہ قتل عمد اور اللہ تعالیٰ خالق حاکم مالک مختار ہو اسنے بخشدیا بقولہ فغفرلی ربی الآیۃ - علاوہ ازین ایسے ظالم کو جو مخلوق
کو ناحق ایذا پہونچاتے ہین قتل کرنا روا ہو جبکہ سوا اسکے نجات کی راہ نہو چنانچہ ذخیرہ و محیط وغیرہ مین سید امام کبیر ابی [illegible]
سے پوچھا گیا کہ سلطانی سرہنگ جو لوگون سے از راہ ظلم مال لیتے ہین یا حاکم اسطرح ظلم کرتا ہو اسکا کیا حکم ہو فرمایا کہ اسکا قتل
کر دینا روا ہو اور فرمایا کہ قاتل کو ثواب ملیگا چنانچہ عالمگیریہ فتاوی وغیرہ مین بصرح منقول ہو اور دیگر ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے
اگرچہ اسپر فتوی نہین دیا لیکن سکوت کیا ہو اور یہان قبطی مذکور زبردستی اس سبطی بیچارہ کی جان پر بار بار اپنے ظلم شدید کرتا تھا
پھر بھی انھون نے قتل کا قصد نہین کیا پھر بھی یہ قصہ مؤید قول اہل الحق ہو کہ اسرار حکمت الٰہیہ کسی کو نہین معلوم وہی جانتا ہو اور
مقبول ازلی کبھی مردود نہین ہوتا اور سورۂ فاطر کی آیت قولہ تعالیٰ منہم ظالم لنفسہ ومنہم مقتصد ومنہم سابق بالخیرات باذن اللہ
کی تفسیر مین صحیح حدیث وارد ہو کہ کلہم علی منزلۃ واحدۃ فی الجنۃ او کما قال یعنی اپنے نفس پر ظلم کرنیوالے اور درمیانی درجہ پر
رہنے والے اور بازیادہ الٰہی نیکیون پر سبقت کرنیوالے سب کو اہل جنت مین سے فرمایا پس اگر یہ گفتگو کہ یہان قتل ہو تو
نفس کا ظالم انکو وہی معلوم ہو جو ترک معاصی ہوا اور یہ ہرگز مراد نہین ہو اور بعض علما کا قول کہ نیکوکارون کیواسطے جو کام نیک ہین
وہ اہل قرب منزلت کے حق مین گویا گناہ ہین اسکی مثال یہ ہو کہ اگر بادشاہ کا وزیر صرف خدمتگار کے برابر پنکھا جھلنے کا کام کر دیا
کرے تو جو کام خدمتگار کے حق مین اسکی خوبی تھی وہ وزیر سے نازیبا ہوگا حتی کہ وہ نالائق قرار دیا جائیگا الحاصل برادران یوسف علیہ السلام

کی نسبت صلاحیت کا گمان لازم ہو اور جو کچھ اُن سے واقع ہوا خواہ باپ کی ایذا تو اسکو خود باپ نے عفو کر کے اللہ تعالیٰ سے انکے لیے
استغفار کیا اور خواہ حضرت یوسف کے حق میں تو اُنھوں نے خود فرمایا لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم پس کسی کو مجال نہیں کہ کچھ
گستاخی کرے اگرچہ بوجہ قطعی دلیل نہ ہونے کے یقین نہیں ہو سکتا کہ وے ایسے پیغمبر تھے کہ اُنکو وحی ہوتی تھی اور مترجم کہتا ہے
کہ ایک بڑی جماعت مفسرین وغیرہ جو انکی نبوت کے قائل ہیں شاید اُنکی مراد تبعی نبوت ہو تو ضرور ہوگا کہ انکو وحی ہوتی ہو بلکہ
وحی مخصوص بحضرت یوسف علیہ السلام تھی اور وے رسول کے سبل تھے اور یہ صحیح ہوا ہے کہ ایک رسول کے بھی رسول تابعین ہوتے
ہیں اور خود قرآن مجید میں لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تابع اور یحییٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ ع کے تابع تھے اور بنی اسرائیل
میں بہت ایسے پیغمبر گذرے جنکو توریت پر عمل کرنے اور اسی پر مخلوق کی ہدایت کرنے کا کام تھا اور عوام اس امر سے ممنوع ہیں کہ
شان نبوت یا اسرار الٰہی میں کلام کریں کیونکہ ناسمجھی سے انکو شیطان کے وساوس دور کرنے کی طاقت نہ ہوگی تو اُنکا دشمن
اُن پر غالب ہو جائیگا ایسی طرح کہ خود خبردار نہ ہونگے چنانچہ اس ملنے میں نیچر وغیرہ کتنے گمراہ لوگ ایسے ہی خیالات پر اسلام
سے خارج ہو گئے اور منہ سے اسلام کا دعویٰ کرنے سے اور لوگ ان کے دھوکے میں اعتقاد کا ضرر اُٹھاتے اور دنیا کے
لالچ سے گمراہ ہوتے ہیں جیسے فاحشہ کسبیوں کے دعوے سے کہ ہم مسلمان ہیں تمام عوام یہ سمجھے کہ بد اعتقادی محض بیباکی اسے
ایسے کبیرہ گناہوں کے ارتکاب سے کچھ اسلام میں تو فرق آتا نہیں لہذا عموماً بدکاریوں و فحش فجور کو بیباک ہو کر علانیہ کرنے لگے
اور کسی نے نہ روکا تو سب عذاب خواری میں گرفتار ہوئے اسواسطے لازم و فرض ہے کہ عوام جب انکو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت
اور حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر دار الآخرۃ کے وعدہ و وعید کا یقین اور اپنی موت کا یقین ہے تو سے
ہر حکم کی جو قرآن مجید و حدیث میں ہے اور بھی قطعی اتباع کریں اور ہی تفسیر کی ایسی باتیں کہ حضرت یوسفؑ کے بھائی نبی تھے
یا نہیں تھے تو اسکا انکو صریح حکم قرآن یا حدیث میں نہیں ہے پس اُنکے واسطے نیک گمان کریں اور جو افعال مذکور ہوئے اُن سے
بحث نہ کریں کیونکہ جن پر ظلم سمجھا گیا انھوں نے خود معاف کیا اور استغفار کیا تو دوسرا اپنی عاقبت کیوں خراب کرے اور اسکا
کیا حق اور کیا اختیار ہے۔ فافہم۔ واللہ تعالیٰ اعلم وھو ارحم الراحمین ف کچھ اشارات لاہل الحق کے طور پر مترجم اوپر اشارہ
کر چکا ہے کہ جس سے برادران یوسفؑ کی ایک خاص نیت ظاہر ہوتی ہے اور بیان عرائس سے سننا چاہیئے قولہ لقد کان فی یوسف واخوتہ
الآیۃ۔ یہاں کثرت سے علامات و آیات ہیں جیسے یوسف کے چہرہ سے ظہور نور و انکے قلب سے ظہور علم غیب معرفت بذات وصفات
اور وقائع سے لطائف افعال صنائع عجیبہ و بیان اس عظیم قہر کا جو اللہ تعالیٰ نے نفس امارہ میں رکھا ہے کہ اپنی شہوات وخواہشوں و
حرص کیلئے آدمی کو فتنہ میں مبتلا کرتا ہے اور اسمیں ایک عجیب فریب مکر ہے کہ کبھی کچھ مضبوط آدمی کو نیک بات کی تصویر دکھلا کر ایک ایسے
کام پر آمادہ کرتی ہے کہ اسکے ضمن میں بکثرت معاصی میں گرفتار ہو جاتا ہے حالانکہ وہ بات حاصل بھی نہیں ہوتی اور اسی اداسے
اس نفس امارہ و طبیعت شیطانیہ میں قوی ارتباط ہے پھر صدق وصبر کا انجام نیک در بکر بدی کا بد انجام اور ظہور قبولیت
ازلیہ الٰہیہ کہ وہ کسی طرح تبدیل نہیں ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے خوف وادب سے مصیبت و ذلت گوارا کرنے میں ایسی اداسے
راحت و عزت کا گمان نہیں ہوتا اور مانند اسکے وقال المترجم اکثر اوپر مذکور ہوئیں شیخ نے کہا کہ اس قصہ میں مریدوں کیلئے اچھے درجہ
وفہم کے مناسب آیات ہیں اور متوسطین عارفین کیلئے اپنے اپنے مراتب کے موافق آیات لطیفہ ہیں اور قصص میں سے اسمیں بڑے بڑے

معارف توحید موجود ہین - سمرقندی رح نے کہا کہ مخلوق کے لیے حضرت یوسف مین آیات ہین اور حضرت یوسف کو خود ہی اپنی ذات مین
بڑی معرفت حاصل ہوئی کہ کہا - ما ابری نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء - اور بعض نے کہا کہ یہان سے ایک دانائی قیافہ پہچانی ہی
کہ اللہ تعالی جسکی صورت و سیرت اچھی کرتا ہے وہ ظاہر و باطن کسی ناپاکی سے مخلوط نہین ہوتا ہی اقول یہ دانائی تو علم الہی عزوجل
ہی کو مفوض ہی وہی خوب جانتا ہی کہ کس کو اسنے کیسا پیدا فرمایا ہی - ابن عطا رح نے کہا کہ شان اس قصہ کی یہ ہی کہ جو محزون اسکو سنے
وہ اس سے استراحت پاتا ہی قلت جب ان سب بھائیون کو حسد ہوا اور دور کرنے پر مشورہ کرکے عزم کیا تو اسپر عمل کرنیکا مکر باندھا گیا قال تعالی

قَالُوا يَا أَبَانَا مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَىٰ يُوسُفَ وَإِنَّا لَهُ لَنَاصِحُونَ ۝ أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ

بولے اے باپ کیا ہی کہ تو اعتبار نہین کرتا ہمارا یوسف پر اور ہم تو اسکے خیر خواہ ہین — بھیج اسکو ہمارے ساتھ کل کہ کچھ چرے اور کھیلے

وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝

اور ہم تو اسکے نگہبان ہین

جب اس بات پر عزم کر لیا کہ یوسف علیہ السلام کو باپ سے جدا کر دین تو اسکے لیے حیلہ چاہا اور اس حیلہ کو پورا کرنے کیلئے باپ کی خدمت مین
حاضر ہوے - قالوا - اور کہنے لگے بطور تعجب کے - یا ابانا - اے ہمارے باپ - مالک لا تامنا علی یوسف - آپکو کیا ہی کہ آپ ہمکو
برادر یوسف پر امین نہین ٹھہراتے ہین - وانا لہ لناصحون - اور ہم تو اسکی بہتری و بھلائی چاہنے والے ہین اسطرح تعجب
کرنا صرف حیلہ تھا ورنہ دل مین یوسف سے حسد اسکے قتل تک کا عزم رکھتے تھے اور چونکہ باپ بھی انکی طرف سے یوسف
کے ساتھ مکر و حسد کو سمجھ لیا تھا اسیواسطے اپنا نیک خواہ بننا اس شد و مد سے ظاہر کیا کہ بطور تعجب کے بیان کیا کہ ہم تو اسقدر
دل و جان سے اسکے خیر خواہ ہین تو تعجب ہے کہ آپ ہمکو یوسف پر امین نہین ٹھہراتے ہین تنبیہ اگر فراست سے آدمی کو کسی کی
طرف سے کوئی بدی محسوس ہو تو اس سے احتیاط کرنا روا ہی اور ایسی بدگمانی درحقیقت گمان بد نہین یا ممنوع نہین ہی اور منع یہ ہی
کہ کسی کی طرف سے گمان بد پیدا کرکے اسکے آزار کی فکر کرے مثلاً زید کو اپنا دشمن گمان کرکے اسکے مار ڈالنے کی فکر کرے تو منع ہی
اور اگر وجہ عداوت معلوم ہو تو اپنے آپکو اس سے محفوظ رکھنے مین احتیاط ہی اور یہ تمام کلام فی قولہ ان بعض الظن اثم مین انشاء اللہ
مع تحقیق آویگا جب اپنا امین ہونا بیان کر چکے تو درخواست کی - ارسلہ معنا غدا - یوسف کو ہمارے ساتھ بھیجدیجئے
کل کے روز یعنی جنگل کو ہم کل صبح کے روز مویشی چرانے یا تیر اندازی وغیرہ کیلئے جاوینگے ہمارے ساتھ یوسف کو بھی بھیجدیجئے
یرتع و یلعب - کہ چھوٹے چند کھاوے و کھیلے - رتع پھل پھلاری میوے مزے سے کھانا - رتع الانسان اپنے جی کے خوشی کے
موافق جیسے چاہا فواکہ وغیرہ سے تمتع اٹھایا پس مراد یہ ہی کہ دل کھول کر جنگل کے پھل و میوے کھاویگا اور لعب کریگا یعنی
کھیل کود کریگا - ابن عباس نے کہا کہ خوش دل ہوگا اور کود پھاند کریگا - یہ تو ایک قرأۃ کے موافق ہی جسمین یرتع و یلعب بیاء
تحتیہ صیغہ غائب ہے اور فاعل حضرت یوسف ہین دوسری قرأۃ ابن کثیر و ابو عمرو اور ابن عامر کی نرتع و نلعب بنون صیغہ
جمع متکلم ہی تو معنی یہ ہین کہ کل ہمارے ساتھ یوسف کو بھیجدیجئے ہم خوشدلی کے ساتھ پھل میوے کھاوینگے اور کھیل کود کرینگے
یعنی ہمارے ساتھ وہ بھی خوشی سے کھیلے کودیگا اس قرأۃ پر یہ سوال وارد ہوتا ہی کہ لہو و لعب تو ممنوع ہی یہ کیسے انبیاء تھے
جو کہتے تھے کہ ہم لہو و لعب کرینگے اسکا جواب امام قرأۃ ابو عمرو بن العلاء رح سے یون مروی ہی کہ سائل کو جواب دیا کہ اسوقت تک لوگ

انبیا نہیں تھے یعنی نبوت انکو اس زمانہ کے بعد حاصل ہوئی ہے۔ قال المترجم اگر روایت صحیح ہے تو شیخ ابو عمرو بھی انکے نبی ہونے کے
قائل تھے اور نیز یہ جواب اسی تقدیر پر ہے کہ قبل نبوت کے نبی ایسے فعل سے جو بظاہر گناہ ہو وسے محفوظ نہیں ہوتا ہے جائز ہے کہ
اس سے ایسا فعل سرزد ہو جاوے مگر جن لوگوں نے کہا کہ نہیں بلکہ نبی ہمیشہ سے محفوظ ہوتا ہے تو اسکے موافق یہاں جواب یہ ہے کہ
سائل نے جو یہ گمان کیا کہ لعب سب ممنوع ہے یہ غلطی ہے بلکہ بعض اقسام کے لعب جائز ہیں چنانچہ حدیث میں عورتوں سے ملاعبت
اور گھوڑے کی سواری و اسکے کرتب سیکھنا اور مشق کرنا اور تیراندازی کا کھیل جائز ہے اور یہ اگرچہ حقیقت میں لعب نہیں ہے مگر چونکہ
لعب کی صورت میں ہے اور یاد الٰہی و ذکر و تسبیح و قراءۃ وغیرہ کی صورت اس سے ظاہر نہیں ہوتی ہے اسواسطے لعب کہلایا پس ممکن
ہے کہ انھوں نے ایسا ہی کوئی مباح فعل مثل سیر درختان و صحرا کو لعب کہا ہو۔ بلکہ سواری دوڑ اسپ و آگے نکل جانے و تیراندازی
و نشانہ بازی کا کھیل تھا کیونکہ خود بیان کیا تھا۔ انا ذہبنا نستبق یعنی ہم دوڑ یا سواری کی دھاپ میں کہ کون آگے نکل جاتا ہے کا
کپڑوں و اسباب کے پاس سے چلے گئے تھے اور یوسف کو یہاں بٹھلا گئے تھے لیکن مقام یہ چاہتا ہے کہ سوائے نشانہ بازی وغیرہ کے
اور کھیل بھی ہو جسمیں یوسف کی شرکت ظاہر ہووے۔ اور وہ بھی از قسم مباح ہو سکتا ہے الغرض ایسا جائز کوئی کھیل مقصود
تھا جس سے حضرت یعقوب علیہ السلام نے انکار و منع نہیں فرمایا اور انکا یہ قول مان لیا کہ ہم کھیل کود کرینگے ہمارے ساتھ یوسف
بھی خوش ہوگا۔ وانا لہ لحافظون اور ہم ہر حال میں یوسف کے خوب محافظ رہیں گے یعنی کسی طرح کا اندیشہ آپ نہ فرما دیں
ہم اسکو خوش و خرم کھلا کود کر آپکے پاس واپس لاوینگے۔ ف فی العرائس فی قولہ قالوا یا ابانا مالک لا تامنا الآیۃ۔ اللہ تعالیٰ
نے اپنے امتحان کا حال بیان فرمایا کہ جب حق سبحانہ تعالیٰ بندوں کو امتحان میں ڈالتا ہے تو اسکی باریکی و حکمت بالغہ و قدرت کاملہ کو
عقلیں حیران و حواس عاجز ہو جاتے ہیں کوئی نجات نہیں پاتا مگر جسکو خود چاہے یہاں تک کہ انبیاء بھی نہیں پہنچتے کیونکہ وہ عقول
سے بالاتر ہے اور یوسف علیہ السلام کے بھائی تو اس حال میں نبوت کے درجہ تک نہیں پہونچے تھے۔ شیخ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی
شان قہاری سے میں حیرت میں ہوں کہ جب اسنے تجلی قہر فرمائی تو دیکھو ان لوگوں کے نام دفتر ازل میں نبوت و رسالت
کے خانہ میں درج تھے انکی فطرتیں کسطرح متغیر فرمائیں وہ جو چاہے کرے اسپر کوئی حاکم نہیں ہے اسی نے سب کو پیدا کیا
وہی سب کا مالک ہے اور اسکی حکمت و شان کو کوئی شعور و ادراک نہیں کر سکتا ہے جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے وہی واقع ہوتا ہے۔ یہاں سے
حق تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہے کہ اسنے ہم سب گنہگاروں کیلئے عذر بتلا دیا اور اس سے ظاہر کیا گیا کہ صدق و راستی کے مقام پر
جو کھڑا ہوتا ہے اسکے دل پر خطرات کسقدر ہجوم کرتے ہیں اور وہ سب نفس امارہ کی طرف سے آتے ہیں ادنیٰ یہ ہے کہ حسد و مکر
ستاتا ہے چنانچہ برادران یوسف نے کیسے کہا کہ مالک لا تامنا علی یوسف وانا لہ لناصحون۔ حالانکہ اپنے دل میں غلطی کا موقع خوب
پہچانتے تھے کیونکہ انہیں کے دلوں میں حسد بھر گیا تھا اور دل میں یوسف کا آزار دینا چھپائے ہوئے تھا ظاہر میں اسطرح بیان
کرتے تھے پھر بھی کچھ متنبہ نہیں ہوئے پاک ہے وہ خلاق علیم جو بندے کو اسکے نفس سے حجاب میں ڈال دیتا ہے اور یہ صفائی و
مودت کو دم بھر میں مکدر کر دیتا ہے دیکھو اس پردہ کی موٹائی کہ اپنے باپ پیغمبر برحق کی فراست سے بیباک ہوگئے اور نہ جانا
کہ پیغمبر برحق کو اللہ تعالیٰ نے یہ علم دیا ہے کہ ہمارے دلی مکر و مضمر ارادہ کو نور فراست سے پہچان جاوینگے بعض نے کہا کہ سبب یہ ہے
یعقوب علیہ السلام انکو یوسف پر مامون نہیں سمجھتے تھے کیونکہ نور فراست سے ان کے دلی حسد و بغض کو پہچانتے تھے قولہ تعالیٰ ارسلہ

معنا غدا یرتع ویلعب۔ یہان لہو ولعب کی اجازت دینا صرف اسوجہ سے تھی کہ حضرت یعقوبؑ نے یوسف کی لطافت خاطر کو ملاحظہ فرمایا کہ نبوت کا بوجھ ان پر گران ہوگیا اور انقباض نے سینہ مین اثر کیا تو انکو لہو ولعب کی اجازت دی تاکہ ایک دم حزن محبت کے پیاپے وارد اور اثقال محبت ومعرفت کے ہجوم سے باہر ہوکر آیات وعلامات الٰہی کو مخلوقات مین ملاحظہ کرین لہذا اس حرکت سے چشم پوشی فرمائی ورنہ وہ غافل نہ تھے کہ لہو ولعب اُن کو زجر وتوبیخ فرماتے اور دیکھا کہ اُن کے دلون مین ایک لطیف مکر دآثار قدر کا ظہور رہا اور رہا کہ یہ مقام ابتلا ور امتحان ہو تو انھین پر اسکا مدار رکھا اور تقدیر الٰہیہ ہر تدبیر سے سابق ہے اور غیرت الٰہیہ نے حجاب دوری اُنکے و یوسفؑ کے درمیان مقدر فرمائی تھی۔ محمد بن علیؒ نے فرمایا کہ جب انکو زجر سے منع نہ کیا اور خاموش رہے تو اس لعب سے متصل وہ بُرا نتیجہ نکلی جس سے برابر غم متصل ہوگیا۔ ابن عطا رنے کہا کہ اگر حفظ الٰہی کے سپرد کردیتے اور جانے دیتے تو محفوظ رہتا ولیکن انھون نے حفاظت کی تدبیر کی اور انکے اس عہد پر کہ انا لہ لحافظون۔ اعتماد کیا تو انھون نے امانت مین خیانت اور عہد مین بدعہدی کی چنانچہ دوسری مرتبہ بنیامین کے بارہ مین کہا کہ اللہ خیر حافظا۔ تو محفوظ رہا بلکہ سب مل گئے بعض نے کہ کہا کہ حضرت یعقوبؑ نے تین مرتبہ اپنے نفس کی طرف رجوع کیا اور اسی مین مبتلا ہوئے اول تو یوسف سے کہا کہ لاتقصص رؤیاک علی اخوتک فیکیدوا لک کیدا اسپر آخر انھون نے کید کیا اور دوسری مرتبہ جب اُنھون نے کہا کہ ہمارے ساتھ بھیجدو تو کہا کہ اخاف ان یاکلہ الذئب۔ آخر انھون نے کہا کہ اسکو بھیڑیا کھا گیا تیسری مرتبہ کہا کہ لاتدخلوا من باب واحد۔ آخر ان لوگون کو وہی پہونچا جس سے پرہیز چاہا تھا۔ انتہی۔ جب برادران یوسف علیہ السلام نے درخواست کی تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے جواب دیا۔

قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ
بولا مجکو غم پکڑتا ہے اس سے کہ لیجاؤ اُسکو اور ڈرتا ہون کہ کھا جاوے اسکو بھیڑیا اور تم

عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ۝ قَالُوْا لَىِٕنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ
اس سے بیخبر رہو۔ بولے اگر کھا گیا اُسکو بھیڑیا اور ہم یہ جماعت ہین قوت ور تو تو ہم نے

اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝
سب کچھ گنوا دیا

اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان سے یہ عذر بیان فرمائے۔ قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْٓ - کہا کہ ضرور مجھے غمگین کرتا ہے اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ یہ امر کہ تم یوسف کو لیجاؤ یعنی شدت الفت سے ایک دم کی جدائی ناگوار ہے تو اتنی دیر تک تمہارے ساتھ بھیجنا مجھے بیشبہہ غمگین کریگا اور دوسرا عذر یہ کیا کہ وَاَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ - اور مجکو خوف ہے کہ اسکو بھیڑیا کھا جاوے وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ - درحالیکہ تم اس سے غافل ہو یعنی مویشی چرانے اور سبقت وتیراندازی وغیرہ مین تم اس سے غافل ہو اور تمہاری غفلت مین اسکو بھیڑیا کھاجائے۔ سراج مین لایا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے خواب دیکھا تھا کہ یوسف علیہ السلام پر بھیڑیئے نے حملہ کیا لہذا اعتیاط وپرہیز رکھتے تھے اور اسی خیال سے ان سے یہ بات ذکر فرمائی اور آخر اسی بات کو اُنھون نے بہانہ پکڑ لیا تھا اسی واسطے ابن عمرؓ سے حدیث مروی ہے کہ ان لوگون کو خراب باتین مت سکھلاؤ کہ وے جھوٹ بولین چنانچہ

یعقوبؑ کے بیٹون کو یہ حیلہ نہین معلوم تھا کہ آدمی کو بھیڑیا کھا گیا تا جب باپ نے انکو بتلایا تو جھوٹ باندھا اور کہنے لگے کہ اسکو بھیڑیا کھا گیا
رواہ السلفی وابوالشیخ وابن مردویہ۔ اب جاننا چاہیے کہ پہلا عذر جو حضرت یعقوبؑ نے بیان فرمایا اگرچہ اس سے اپنی بیقراری پر
ترحم کا اظہار چاہا کہ جب اتنی دیر صبر نہین ہوسکتا تو مدت تک بیقرار رہ وغمگین کرنے کی تدبیر نہ کرنی چاہیے مگر برخلاف اسکے
یہ کلمہ زیادہ حسد کو بھڑکانیوالا ہوگیا ادنی یہ کہ اسکی ایکدم کی جدائی ایسی ناگوار ہے اور ہماری ہر روز کچھ پروا نہین ہے اور اتنا
جسقدر غم حضرت یعقوبؑ کو ہوا اسقدر انکے خیال مین بھی نہ تھا بلکہ جانتے تھے کہ چندروز مین دفع ہوکر ہماری طرف متوجہ ہونگے
لہذا انھون نے اس سے حسد کو زیادہ بھڑکایا اور اسکا کچھ جواب نہین دیا بلکہ دوسری بات کا جواب دیا۔ قَالُوْا دوسری بات
کے جواب مین کہنے لگے کہ لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ اگر یہ تصور کیا جاوے کہ اسکو بھیڑیے نے کھا لیا۔ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ۔ حالانکہ ہم لوگ
ایک جماعت ہین جیسے سر کے گرد عصابہ محیط ہوتا ہے ہم اسکو گھیرے ہوے رہین گے اور ایسی حالت مین کھا لیا تو۔ اِنَّا اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ
ایسی صورت مین ہم لوگ بیشبہہ خاسرین ہونگے یعنی کمزوری وعاجزی کی وجہ سے گویا ہمارا عدم و وجود برابر ہوگا اور ہم کسی شمار
مین نہونگے۔ فائدہ حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب بیان کیا تو مارے حسد ہجوم کرگئی اور یعقوبؑ نے کہا کہ بھیڑیا کھا جاے
تو اسی مکر سے غمگین ہوئے۔ عرب کی مثل صادق آئی کہ البلاء موکل بالنطق۔ باتون پر بلا موقوف ہے اور یہان سے زبان
کے آفات سمجھنا چاہیے۔ بعض تابعین سے مذکور ہے کہ اگر بات خالص چاندی ہے تو اس سے خاموش رہنا بالکل سونا ہے اور بیشک
حدیث صحیح ہے کہ من صمت نجا جو خاموش رہا وہ سالم رہا۔ ف۔ فی العرائس فی قولہ واخاف ان یاکلہ الذئب۔ حضرت یعقوب
علیہ السلام نے سچ فرمایا تھا انکے حسد کے بھیڑیے سے خوف کیا اور اسکو بھیڑیا دیکھنا حقیقت تھا یعنی حسد کی صورت بھیڑیے
کی ہے اور ان واقعات مین جو کچھ حضرت یعقوبؑ نے دیکھا اسمین انکی نظر باطنی سابقہ تقدیر پر واقع ہوئی اور فرزندون سے
دربارۂ یوسف علیہ السلام کے جو کچھ نور نبوت سے دیکھکر بیان کیا وہ آئندہ زمانے کے واقعات ہونیوالے تھے اور یہ تدبیر وغیرہ
کچھ حقیقت توحید کے منافی نہین ہے کیونکہ عقل وعادت وحواس کو بمقتضائے بشریت استعمال کرنا کبھی انبیا وصدیقین کے لیے
حقائق تقدیر کے معائنہ سے پردہ نہین ہوسکتا کیونکہ انکا یقین ہماری محسوسات کے دیکھنے سے بھی بہت بڑھا ہوا ہوتا ہے وے
خوب جانتے ہین کہ عرش سے فرش تک جو کچھ حرکات وسکنات واقع ہوتے ہین وہ حرف کن اور حکم الٰہیہ مین مسخر ومقہور ہین
نیز معلوم کرلیا کہ تقدیر مین میرے واسکے درمیان فراق ہے لہذا لیجانے ہی پر حزن پیدا ہوا اور فرزندون کو غافل اسی معنی
مین کہا کہ جو میرے علم مین ہے اس سے تم آگاہی نہین ہو۔ اقول یہ اشارہ ہے کہ شہود وحدت مین تکلم بظاہر غیر سے اور
بباطن حضرت حق سبحانہ تعالی سے ہے بسبب اظہار اندوہ وملال کسی دوسرے سے نہین ہوتا۔ فافہم فانہ دقیق واللہ تعالی اعلم۔ انھون
نے دیکھا کہ غیرت حق کسی غیر پر نظر کرنا نقص شان نبوت قرار دیتی ہے حتی کہ وسائط پر بھی نظر نہ ہو صرف شہود حقیقت ہو۔
اور اسکی تصدیق یہ ہے کہ بھیڑیے نے یوسفؑ کو نہین کھایا تو معلوم ہوا کہ وہی حسد کا بھیڑیا مشتمل ہوا اور فراست نبوت مین خطا کا
احتمال خطا ہے اور خود انکو فراست سے یوسفؑ کے آخر عمر تک کے واقعات معلوم تھے چاہے یہ کہو کہ خواب وغیرہ سے ظاہر ہوے
لیکن انھون نے مراد الٰہی تعالی سے موافقت کی کہ یوسفؑ سے جدائی وشہود حقیقت پر نظر ہو تو اپنی مراد چھوڑ دی ابو علی جرجانی
نے کہا کہ بھیڑیے سے خوف کیا تھا وہی مسلط کیا گیا اور اگر اللہ تعالی کا خوف کرتے تو بھائیون کو مجال نہین ہوتی اقول یعنی بان

سے بھی نہ کہتے کہ بھیڑیئے کا خوف ہے۔ جنیدؒ نے کہا کہ ان کا حسد اسی شفقت کے کلمہ سے اور زیادہ بڑھا کہ قصد کو خواہ مخواہ پورا کیا۔ قولہ تعالیٰ قالوا لئن اکلہ الذئب ونحن عصبۃ الآیۃ ۔ تقدیر ازلی کو قوت تدبیر دفع نہیں کرسکتی ہے اور قولہ کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ۔ اور قولہ وما النصر الا من عند اللہ ان اللہ عزیز حکیم وغیرہ آیات سے اسطرف اشارات ہیں لیکن نظر توحید کبھی بعض اسباب سے ساکن ہوجاتی ہے پس انکے اس خیال پر کہ ہم ایک جماعت قوی ہیں فاموش ہوئے پس اللہ تعالیٰ نے اسکو قطع کردیا اور ان عہد وامانت والوں نے اسکو لیجا کر جب میں ڈالدیا اور بنیامین کو ساتھ کرتے وقت اللہ خیر حافظا۔ کہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حفظ سے اسکو یوسف تک پہونچایا اور یوسفؑ کے ساتھ ان سب کو یعقوبؑ کے پاس جمع کردیا۔ یہی عبرت و نصیحت ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنیکا مآل و غیر پر اعتماد کا نتیجہ کیسا ہوتا ہے۔ القصہ جب بیٹوں نے باپ کو اطمینان دیا تو آگے یہ حال ہوا۔

فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَأَجْمَعُوا أَن يَجْعَلُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ ۚ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُم

پھر جب لیکر چلے اُسکو اور متفق ہوئے کہ ڈالیں اُس کو گمنام کنوئیں میں اور ہم نے اشارت کی اُسکو کہ تو جتادیگا اُن کو

بِأَمْرِهِمْ هَٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝

اُنکا یہ کام اور وہ نہ جانیں گے

شیخ وہب بن منبہ و دیگر اہل اخبار و قصص نے ذکر کیا کہ بھائیوں نے حضرت یوسفؑ کو لبھایا اور پھسلایا کہ ہم ایسے ایسے کھیل تماشے میں خوشی کرتے ہیں تمہارا جی ہمارے ساتھ چلنے کو نہیں چاہتا ہے یوسفؑ نے کہا کہ ہاں میں بھی چلونگا تو بولے کہ اچھا باپ سے چل کر اجازت مانگو تو سب نے جاکر کہا کہ یوسف کا بہت جی چاہتا ہے حضرت یعقوبؑ نے پوچھا کہ بیٹا تیری کیا مرضی ہے کہا کہ ہاں بابا مجھ سے میرے بھائی پیار و محبت کرتے ہیں اب آپ اجازت دیجیے حضرت یعقوبؑ نے پیار سے اُن کے عہد پر اُن کے ساتھ کردیا۔ فلما ذهبوا به ۔ پھر جب اسکو لے گئے تو جبتک نظر کے سامنے رہے ہر ایک باری باری سے کندھے پر بٹھاتا اور گود میں لیتا تھا جب نظروں سے غائب ہوکر دور جنگل میں جہاں کوئی نہ تھا پہونچے تو غیظ و غضب ظاہر کیا اور اس صغیر بیگناہ بچہ کو تھپڑوں و لاتوں سے مارنا شروع کیا وہ رو رو کر فریاد کرتا اور ایک کے طمانچہ سے بلبلا کر دوسرے کی طرف پناہ لینے دوڑتا وہ بھی جب مارتا تو تیسرے کی طرف جاتا مگر یہی آفت پاتا اور جس سے فریاد کرتا وہی ترس کی جگہ اسکو طمانچہ مارتا آخر مایوس ہوکر باپ کا نام لے کر رونے لگا کہ اے پدر مہربان تیرے یوسف کا یہ حال ہے بابا اگر تم دیکھتے تو تم سے صبر نہ ہوتا اے باپ اُنھوں نے کتنی جلدی تمہارا عہد بھلادیا آخر اس صدمہ جانکاہ سے قریب مرگ نوبت پہونچی اور بڑے بھائی روبیل نے زمین پر پٹک دیا اور سینہ پر چڑھ کر چاہا کہ قتل کردے حضرت یوسفؑ نے اس چوٹ و صدمہ کے بعد اپنے قتل کا سامنا دیکھکر اُس سے فریاد کی کہ مجھ پر رحم کر۔ و مجھے چھوڑ دو اُسنے کہا کہ اے راحیل کے بچہ اب تیرا وہ جھوٹا خواب کہاں ہے اُنھیں چاند سورج سے کہو کہ تجھے چھڑادے اور گردن مروڑ کر مار ڈالنا چاہا حضرت یوسفؑ نے یہودا سے فریاد کی اسکو رحم آگیا اُسنے روبیل کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ تم نے یہ کچھ عہد نہیں کیا تھا آخر یہ طے کیا کہ جب میں ڈالدیں۔ کما قال تعالیٰ ۔ واجمعوا ان يجعلوه في غيابت الجب ۔ اور سب متفق ہوئے کہ اسکو جب کے کوئیں میں ڈالدیں جب وہاں پہونچے تو حضرت یوسفؑ اُسکو دیکھکر ڈرے مگر اُن لوگوں نے اس اندھیرے کنوئیں میں جسکا پانی کھاری تھا لٹکا دیا اور یوسفؑ کے ہاتھ کناروں سے جھٹک کر ہٹا دئے

بندھا ہوا اندر اُتارا اور بیچ کنوین سے رسی کاٹ دی۔ آنحضرت اندر گرے اور پانی سے اُبھر کر ایک پتھر جسمین تھا اسکو پکڑ کر
اسپر آرام پایا اور اس حال مین جب لٹکاتے تھے ان کی قمیص ان لوگون نے اُتار لی تھی روایت ہی کہ جب بیچ مین سے رسی کاٹ دی
تو بحکم الٰہی حضرت جبرئیل نے بیچ مین سے آپکو بغیر تکلیف کے اس پتھر پر بٹھا دیا اور جب ابراہیم خلیل علیہ السلام کو نمرود نے قمیص
اُتار کر کپڑون کے ذریعہ سے آگ مین پھینکا تھا تو بحکم الٰہی تعالیٰ حضرت جبرئیل نے حلہ جنت انکو پہنایا تھا وہ قمیص حضرت اسحاقؑ
سے حضرت یعقوب تک وراثت پہونچی تھی حضرت جبرئیل نے اسوقت حضرت یوسفؑ کو پہنائی اور وحی الٰہی سنائی وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْہِ
اور ہم نے وحی بھیجی یوسف کو یعنی اُسی جُب کے اندر کہ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا تو ان لوگون کو ان کے اس قول سے آگاہ
کریگا۔ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۔ حالانکہ وے نہ جانتے ہون گے کہ تو یوسف ہی یعنی کسی ہلاکت وغیرہ کا خوف مت کر ہم تجکو ایسے
رتبہ پر پہونچادینگے کہ یہ لوگ تیرے آگے ذلیل کھڑے ہونگے اور تو ان کو اس فعل سے آگاہ کردیگا اور یہ تیرے بلندی درجہ
کی وجہ سے یہ گمان بھی نہ کرینگے کہ یوسف ہی بلکہ ان کو یہ خیال ہی کہ یہین ہلاک ہوجائیگا چنانچہ جب حضرت یوسف کنوین مین
ٹھہرے تو بھائیون نے آواز دی اور حضرت یوسفؑ کی عمر چونکہ بارہ برس یا کم تھی تو ان کو اس اُمید پر جواب دیا کہ شاید
مجھے نکال لین گے پر ان لوگون نے پتھر جمع کیے کہ ابھی جیتا ہے اسکو پتھرون سے ہلاک کرین مگر یہودا نے روکا اور نہ مانا کہ کوئی
مارے اور روایت ہی کہ تین روز آنحضرت اس کنوین مین رہے اور یہودا انکو کسی ترکیب سے کھانا پہونچاتا تھا اور کنوین کا پانی بحکم
الٰہی شیرین ہوگیا ؎ ترے قدم کے تلے خاک کیمیا ہوجائے ؛ ترے نہانے کو ہر خار شکل گل بنجائے ؛ ابن جریرؒ نے اپنے استاد
سے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ قحط مین جب یوسف کے پاس انکے بھائی اناج لینے پہونچے تو موافق قولہ تعالیٰ فعرفہم وہم
لہ منکرون۔ یوسفؑ نے اُن کو پہچانا اور وے نہین پہچانتے تھے پس حکم دیا کہ صواع لاؤ یعنی وہ پیمانہ جس سے اناج ناپا جاتا
تھا اسکو ہاتھ پر رکھکر ٹھونکا تو اس سے جھنجھناہٹ کی آواز نکلی فرمایا کہ مجھے یہ پیالہ آگاہ کرتا ہی کہ تم ایسے لوگ ہو کہ باپ
کی طرف سے تمھارا ایک بھائی یوسفؑ تھا اسکو باپ تم سے زیادہ چاہتا تھا اسکو تم نے لیجا کر غیابت الجب مین ڈالدیا۔ پھر
دوبارہ اس جام کو جھنکارا اور کہا کہ پھر تم اپنے باپ پاس آئے اور تم نے کہا کہ اسکو بھیڑیا کھاگیا اور اسکی قمیص دروغ خون مین
لتھاڑ لائے یہ سنکر اُنھون نے آپس مین کہا کہ عجیب ہی یہ جام تو ٹھیک تمھاری خبر بیان کرتا ہی۔ ابن عباس نے کہا کہ ہمارے
علم مین یہ آیت لتنبئنہم بامرہم ہذا الآیۃ۔ اسی بارہ مین ہی بعض مفسرین نے کہا کہ قولہ وہم لا یشعرون کے معنی یہ ہین کہ ہم نے
اسکو جُب مین وحی فرمائی درحالیکہ ان لوگون کو وحی ہونے سے خبر نہ تھی۔ سراج مین کہا کہ اخفا کا فائدہ یہ تھا کہ خالی خواہ
حسد تھا تو اس کرامت سے بالکل دشمن ہوجاتے۔ اقول اس اخفا کی توجیہ محول بعلم الٰہی ہونی چاہیے کیونکہ اگر اُن کو وحی الٰہی
یا حضرت جبرئیلؑ کی صورت سے آگاہی ہوجاتی تو مارے خوف کے جان نکل جاتی وبحکم قولہ ولوشاء ربک ما فعلوہ۔ اگر تیرا
پروردگار چاہتا تو وہ ایسا نہین کرسکتے تھے ہرگز کسی کو مقابلہ حق عزوجل کی طاقت نہین ہی۔ فافہم۔ پھر اگر کہا جاوے کہ
حضرت یوسف بالکل صغیر تھے ایسی حالت مین وحی فرمانے کے کیا معنی ہین تو جواب اسکا کئی وجہ سے دیا گیا اول یہ کہ شان
نبوت کے استقرار حالات سے دریافت ہوا کہ وحی اسرار واحکام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی تو سخت وشدید
تھی کہ سخت سردی مین آپکی پیشانی سے پسینہ ٹپکنے لگتا اور اُسکے بوجھ کو سوائے آپکے کون سنبھالتا کیونکہ بڑے قوی جوان

کی ران پر آپ کا سر مبارک ہوتا تھا تو وہ اسقدر بیتاب ہو جاتا کہ گویا اسکی ران پھٹی جاتی ہے پس یہ وحی تو اسوقت بھی اقسام حضرت یوسف پر نازل نہیں ہوئی بلکہ جملہ اقسام میں سے صرف ایک قسم یہ تھی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت یوسف کے پاس ایک بزرگوار شفیق جس سے یوسف کو تسکین ہو بہت شفقت کے ساتھ آئے اور اس غم والم سے انکو تسکین دی کیونکہ جو صدمات اسوقت اس صغر سنی میں آپ پر پیش آئے اگر کسی بالغ پر ہوں تو شاید اسکی روح فنا ہو جاوے تو صغیر بچہ کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ خلاصہ اسکا یہ ہے کہ ایک صغیر بچہ جو ہمیشہ شفقت و ناز و نعمت کی گود میں پالا گیا تھا ایک ہولناک جنگل میں دس مرد زبردست کے ہاتھوں قتل کی دہشت و چوٹ کی صدمات میں گرفتار ہو کر ایک ہولناک کنوین میں ڈھکیل دیا گیا پس خیر الملائکہ اچھی صورت میں اسکی تسکین و پیار کیلئے آدمی کی صورت میں آئے اور بشارت دی کہ تم نجات پاکر بڑے عالی درجہ کو پہونچوگے - دوم وجہ یہ کہ ایحار مذکور ویسا ہی تھا جیسا حضرت یحیی و عیسی علیہما السلام کو صغر سنی میں وحی فرمائی اور اسی سے استدلال کیا گیا کہ یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالی صغیر کو نبوت دے اور وحی سے سرفراز کرے اور بعض فرقہ معتزلہ وغیرہ نے جب اس سے انکار کیا تو یہاں یہ دعوی کیا کہ حضرت یوسف کی عمر ستر۱۷ہ سال کی تھی اور پورے مرد ہو چکے تھے ولیکن یہ قول صریح مردود ہے اسلئے کہ اتنے بڑے آدمی پر یہ خوف نہیں ہوتا کہ اسکو بھیڑیا کھا جائیگا جیسے اور بھائیوں میں سے کسی پر یہ خوف نہیں ہوا - وجہ سوم بعض نے کہا کہ یہ وحی بطریق الہام تھی جیسے قولہ اوحی ربک الی النحل - اور قولہ اوحینا الی ام موسی - وغیرہ میں ہے ولیکن صحیح قول اول ہی ہے پھر اگر سوال کیا جاوے کہ آیت میں فلما کا جواب مذکور نہیں ہے تو کہا جائے کہ ہاں اسوجہ سے کہ وہ خود ظاہر ہے اور شاید وہ افعال جو ان سے سرزد ہوے کہ ایسے باپ کی نافرمانی میں ایسے پیارے بھائی کو اسطرح ایسی بیرحمی سے تڑپا کر مارا کہ رقیق القلب آدمی سنکر تڑپ جاتا ہے اور چونکہ یہ صدمہ خالی جسم پر ہے اور مقصود تعلیم روحانی ہے لہذا اسطرف توجہ نہیں چاہیئے اسیواسطے جو کوئی جہاد وغیرہ حکم الہی کی تعمیل میں اپنے بچون کی طرف دیکھکر باز رہتا ہے اسنے وسوسہ شیطانی قبول کیا پس تقدیر کلام یہ ہے فلما ذہبوا بہ لم یلبثوا ان فعلوا بہ ما فعلوا و اجمعوا ان یجعلوہ فی غیابت الجب یعنی لیجانے کے بعد اسکے ساتھ پہلے بہت بیرحمی کا برتاو کرکے پھر اس بات پر اتفاق کیا کہ اسکو جب میں ڈالدین پھر مترجم کہتا ہے کہ جو کچھ صدمات و ضرب دشنام و انتہا بیرحمی کا برتاو مذکور ہوا ہے یہ قرآن مجید میں بصریح ذکر نہ یہ مذکور نہیں اور نہ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے صحت کو پہونچا بلکہ طبقہ تابعین و اتباع میں سے بعض نے ذکر کیا ہے تو اسکی راہ سوائے اسکے اور کوئی نہیں ہے کہ انھوں نے اہل کتاب سے لیا ہوا اور غالباً یہودیوں سے لیا ہے پھر جب یہودیوں کے روایات کو دیکھا جاتا ہے تو وے بالکل بیباکی سے کتاب الہی کے حکم تک بدل ڈالتے تھے تو بھلا قصوں میں کیا اعتبار رہا لہذا نہ ہم تصدیق کرتے ہیں اور نہ جھٹلاتے ہیں اور اسیواسطے ہم کہتے ہیں کہ تقدیر کلام میرے نزدیک اسطرح مناسب ہے فلما ذہبوا بہ و اجمعوا ان یجعلوہ فی غیابت الجب فعلوا یعنی جب لیگئے اور اتفاق کیا کہ اسکو کنوین میں ڈالدین تو اسکو کر گزرے پھر جو کچھ افعال سختی و بیرحمی کے قصص سے مذکور ہوے ہیں بہت بعید ہیں پھر اگر صحیح نہ ہوں تو ناحق ایک سخت تہمت کا دنیا میں پھیلانا ہو جائیگا لہذا جسقدر کلام الہی و قرآن مجید سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ بھائیوں نے حضرت یوسف پر حسد کرکے چاہا کہ اسکو باپ سے جدا کرکے خود انکی نظروں میں محبوب ہوں تو بعض نے کہا کہ جان سے مارڈالو کوئی بولا کہ نہیں ہم جان سے بھلا کیا مارین اسکو فلان کنوین میں شاید وہ باؤلی ہو گی اتار دو وہاں سے کوئی مسافر لیجائیگا پس بہانہ سے باپ کی اجازت سے لیگئے اور اگر مار ڈالنا چاہتے تو ممکن تھا کہ ہمین کسی حیلہ سے مار ڈالتے اور لیجاکر شاید بیچ مین

بعض نے اختلاف کیا) اتفاق کرکے کنوین مین اتار دیا اسوقت اللہ تعالی نے وحی بھیجی کہ تو پریشان مت ہو تو انکو انکے ایسے
افعال سے خبردار کریگا اور وے بیشعور ہونگے مترجم کہتا ہو کہ اس سے زیادہ ہم نہین جانتے اور نہ ہم کو تہمت لگانا بغیر
یقینی طریقہ کے جائز ہو لہذا مفسرین مین سے جتنے بزرگون کی روایات ذکر کیے یہ نتیجہ نکالا کہ انبیاء کے یہ افعال تو ہو نہین سکتے ہین
یہ تو مرد صالح کے بھی افعال نہین ہین تو یہ لوگ صالح بھی نہ تھے مین کہتا ہون کہ اسنے یہ نتیجہ خراب تہمت کا کس دلیل سے نکالا
ہے اگر قرآن مجید وحدیث صحیح سے نکالا تو غلط ہو کیونکہ سوا ے قصد قتل کے جو بعض کا خیال تھا یا حسد کے اور کچھ ثابت نہین ہے
اور اگر یہودیون کے بیان سے نکالا تو ہم کو آنحضرت صلعم نے منع کردیا ہو کہ ہم انکی باتون پر اقرار یا انکار کچھ نہ کرین اسلیے کہ اس قصہ کے
معاینہ کرنیوالے راوی تک ثقہ نقل کرنیوالے کہ جو متقی ہون نہین ملتے ہین تو بھلا ایسی روایات پر ہم کو ہرگز روا نہین ہو کہ ہم
برادران یوسف کے نسبت جنکو باپنے معاف کیا اور خود حضرت یوسف نے معاف کیا ایسا الزام لگادین اور یہ وہم نہ کرنا کہ مسلمانون
کے شاعرون وقصہ کی کتابون اور عموماً لوگون کی زبان پر جاری ہو گیا ہو کیونکہ اصل حال تو معلوم ہو گیا اب اس شہرت کا کیا
اعتبار ہو دیکھو جہان بھر مین مشہور ہو کہ فرعون دریاے نیل مین ڈوبا حالانکہ محققین مفسرین بلکہ جماہیر مصروفین نے لکھدیا کہ نہین بلکہ
قلزم مین ڈوبا اور قرآن وحدیث مین بحر کے اندر ڈوبنا مذکور ہو اور یہی صحیح ہو اور مترجم نے سراج وغیرہ سے جو یہ روایات
لکھدین تو ان لوگون نے خود لکھدیا ہو کہ قصص وسیر واخبار کی روایتین ہین اور ان مین سے کسی نے برادران یوسف پر
یہ اعتراض نہین کیا کہ اسکے نتیجہ سے وے صالح بھی نہین معلوم ہوتے ہین بلکہ سراج وغیرہ مین انکے انبیاء ہونے پر جزم کیا ہو اگرچہ
ہے کہ وے ہر قول کو اسکے رتبہ پر رکھتے ہین یہ اعتراض صرف بعضے ابناے زمانہ نے کیا جن کو تفسیر لکھنے مین شاید یہ امتیاز
نہین ہا اللھم اغفرلنا وارحمنا وانت ارحم الراحمین **فی العرائس** جب حضرت یوسف امتحان مین پڑے اور بھائیون
کے ہاتھون عاجز ہو کر مصیبت اٹھائی تو غیب سے انکی تسلی خاطر فرمائی کما قال تعالی واوحینا الیہ لتنبئنہم بامرہم ہذا وہم لا یشعرون
اشارہ ہو کہ جب رتبہ رسالت ونبوت وتمکین کو پہونچین گے تو زبان نبوت سے انکو اخبار ولیت سے انکے قول وفعل کے برکات
کو بیان کرینگے اور یہ حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کو کمال تسلی ہو اول اسلیے کہ تمام مصائب دنیا در واقع آسان ہین جبکہ انجام
بخیر ورضوان الہی ہونا معلوم ہو جاوے اور ایسے شخص کو مصائب کی حالت مین بھی قوت آئینہ ایسی پہونچتی ہو کہ وہ استقامت پر
رہتا ہو کیونکہ وہ مقبول ہو واللہ اعلم۔ استاد رح نے فرمایا کہ اشارہ یہ ہو کہ جب بلا مین پھنسایا تو رضوان کا مژدہ معمولی وقت سے
پہلے سنایا جس سے یہ بلا ظاہر ہو جاوے کہ رحمت ہو عذاب نہین ہو۔ کہا گیا ہو کہ جب یوسف علیہ السلام سے شفقت پدری منقطع کیگئی
تو رحمت مولی عطا فرمائی گئی اقول سبحان اللہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے لطف کے عوض حضرت حق عزوجل خالق ومالک
یعقوب کا لطف محض فضل وانعام ہو قال تعالی۔

وَجَآءُوۡ اَبَاهُمۡ عِشَآءً يَّبۡكُوۡنَؕ‏ قَالُوۡا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّا ذَهَبۡنَا نَسۡتَبِقُ وَتَرَكۡنَا يُوۡسُفَ

اور آئے اپنے باپ پاس اندھیرا پڑے روتے کہنے لگے اے باپ ہم لگے دوڑتے آگے نکلنے کو اور چھوڑا یوسف کو

عِنۡدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئۡبُ‌ۚ وَمَاۤ اَنۡتَ بِمُؤۡمِنٍ لَّنَا وَلَوۡ كُنَّا صٰدِقِيۡنَ‏ ۰ وَجَآءُوۡ

اپنے اسباب پاس پھر اسکو کھا گیا بھیڑیا اور تو باور نہ کریگا ہمارا کہنا اگرچہ ہم سچے ہون اور لائے اس کے

عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ

کرتے پر لوہو لگا جھوٹھ بولا کوئی نہین بلکہ بنا دی ہے تم کو تمہارے جیون نے ایک بات اب صبر ہی اچھا ہے اور اللہ سے مدد مانگتا ہون

عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۝

اس بات پر جو بتاتے ہو۔

جب حضرت یوسفؑ کو قمیص اتار کر غیابت الجب مین ڈال چکے تو اُسی قمیص کو خون مین لتھاڑ کر گھر کو روانہ ہوئے۔ وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ۔ اور آئے اپنے باپ پاس وقت عشا کے درحالیکہ روتے تھے۔ قال الامام یہ بندش پہلے سے باندھ رکھی تھی جب یوسف کو اس اندھیرے مین اُس پاس کے ساتھ اکیلا چھوڑ چکے تو اندھیری رات مین باپ پاس آئے روتے تھے اور بڑا ماتم و غم ظاہر کرتے تھے۔ فی السراج وغیرہ عشا کے وقت رات مین اسوجہ سے آئے کہ ان کے چہرہ کو دن کی روشنی مین دیکھکر حضرت یعقوب علیہ السلام فراست سے اس حیلہ کے برخلاف نہ دریافت کر لین اسیواسطے بعض علمار کا قول ہے کہ کسی سے اپنی حاجت رات کے وقت نہ مانگے کیونکہ مروت وحیا آنکھون مین ہوتی ہے وہ روشنی مین چار ہون گے اور دن مین کسی گناہ کا عذر نہ کرے کیونکہ خیارت سے عذر تابت کرنے مین زبان لغزش کریگی۔ قولہ یبکون حال ہے اور رونا فقط آنکھون سے آنسو جاری ہونے کو کہتے ہین اور اسکے واسطے درد دل ضرور نہین ہے پس آیت مین صاف دلیل ہے کہ رونا کچھ سچائی کی دلیل نہین ہے کیونکہ بناوٹ بھی ہوتی ہے اور روایت ہے کہ حضرت شریح قاضی کے پاس ایک عورت نے نالش کی اور روتی تھی آپنے موافق اصول شرع کے گواہ مانگے وہان شعبی رح بیٹھے تھے کہنے لگے کہ اے ابوامیہ تم نہین دیکھتے کہ وہ رو رہی ہے تو فرمایا کہ یوسف کے بھائی نہین روتے آئے تھے حالانکہ وہ ظالم جھوٹے تھے (یعنی شریح رح) کسی قاضی کو روا نہین ہے کہ ایسی باتون پر حکم دیدے سوائے طریقہ حق وعدل کے۔ الغرض یہ حالت دیکھکر حضرت یعقوب علیہ السلام گھبرا کر پوچھنے لگے کہ کیا ہوا کیا تمہارے مویشی کو کوئی آفت پہنچی بولے کہ نہین پھر فرمایا کہ یوسف کا کیا حال ہے۔ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ ۔ بولے کہ اے ہمارے باپ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ ۔ ہم جا کر دوڑ کی مشق یا تیراندازی کی مشق کرنے لگے وفی الحدیث لاسبق الا فی خف او نصل او حافر۔ حدیث مین ہے کہ سبقت معتبر نہین مگر گھوڑ دوڑ مین یا تیراندازی یا اونٹ دوڑ مین۔ اور بعض نے کہا کہ پاؤن کی دوڑ تھی کہ کون آگے نکل جاتا ہے کیونکہ سواری پر نہین گئے تھے اور اسمین کلام ہے کہ اس مشق کی ضرورت بنظر جہاد تھی (یا بندوق بازی) اور روایت نہین ہے کہ اسوقت جہاد فرض تھا ہان حضرت موسیٰ علیہ السلام پر شریعت توریت مین فرض ہوا اور برابر فرض رہا یہان تک کہ حضرت عیسیٰؑ کی انجیل مین منسوخ ہوا لہٰذا استباق کو لہو ولعب قرار دیا ہے اور مترجم کہتا ہے کہ عدم مفروضیت کا یقین نہین ہو سکتا تھا تو اس سے ممنوع نہین ہو سکتا اور حدیث صحیح مین ہے کہ ارموا فان اباکم کان رامیا ۔ لڑکون کو تیر سے چاندماری کرتے دیکھکر فرمایا کہ ہان تیراندازی کی مشق کرو کہ تمہارا باپ تیرانداز تھا۔ شارحین ومفسرین نے کہا کہ باپ سے عرب حجاز کے باپ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام مراد ہین اور محتمل ہے کہ حضرت ابراہیم مراد ہون پس ظاہر ہوا کہ اُسوقت بھی مستحسن تھا تو لہو ممنوع نہین ٹھہرا۔ الحاصل اُنھون نے بیان کیا کہ ہم استباق مین گئے۔ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا ۔ اور ہم یوسف کو اپنی متاع یعنی کپڑون وغیرہ کے پاس چھوڑ گئے تھے فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۔ پس اسکو بھیڑیا کھا گیا یعنی کھیل مین ہم سے غفلت ہو گئی اس سبب سے اسکو بھیڑیا کھا گیا ف جو لوگ عبرت حاصل کرتے ہین اُنھون نے یہان دیکھا کہ آدمی اگر اپنے دل کو یاد الٰہی سے غفلت مین ڈال دے تو دشمن جان سے بڑھکر دشمن شیطان اسکو مردہ کر دیتا ہے پھر عام مسئلا سو فہام پر

یہ ہو کہ اشتباق اگر لہو ممنوع تھا تو غفلت وحرمان ظاہر ہی لیکن ظاہر تفسیر پر اعتراض ہوگا کہ برادران یوسف کیونکر مرتکب ہوئے اور
اگر ایسا لہو تھا جو شرع مین مباح ہو تو اس سے یہ خانہ بربادی کیونکر ہوئی کیونکہ لازم آتا ہو کہ بعض شرعی مباح سے بھی یہ نوبت
پہونچتی ہو بلکہ جب لہو سے یہ نوبت پہنچتی ہو تو مباح کیون رکھا گیا اسکا جواب یہ ہو کہ ان کا لہو وہی لہو مباح تھا لیکن مباح وہین تک جائز ہو کہ غفلت نہ آئے
ورنہ حرام ہو جائیگا اور اسیواسطے جو کھانا پینا مباح اس حد تک پہونچے کہ آدمی نیند کے جوش مین ایسا غافل سووے کہ نماز جاتی
رہے تو مکروہ ہو اور صریح نص اس کے قصۂ حضرت سلیمانؑ مین صافنات الجیاد کا معائنہ ہو کہ جہاد کی گھوڑیان ملاحظہ کرنے مین وقت
نماز سے غفلت ہوگئی باوجودیکہ جہاد کی نیت سے یہ کام ثواب کا تھا مگر پھر بھی اُنھون نے کہا۔ انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی
حتی توارت بالحجاب۔ اور سب گھوڑیان جو غفلت مین ڈالنے والی تھین ذبح کردین اور یہان سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ غفلت مین ڈالنے
والی چیز دور کردینا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب عظیم وثنا حاصل کرتا ہو پس جب خیر سے غفلت کا یہ حال ہو تو مباح کا کیا
حال ہوگا اور بعید یہ ہو کہ تیراندازی وگھوڑدوڑ وغیرہ خود امر آخرت نہین ہین بلکہ واسطہ ہین اور ذکر الٰہی ونماز وغیرہ خود آخرت
سے ہین اب جانو کہ دنیا لہو ولعب ہو بحکم صریح قولہ تعالیٰ انما الحیوۃ الدنیا لہو ولعب۔ اور جو لہو ولعب مباح غفلت مین ڈالے
وہ مکروہ ہو تو دنیا بالکل مکروہ وحرام ہے الا اسی قدر کہ غفلت مین نہ ڈالے اسیواسطے حدیث سے ثابت ہو کہ ما قل وکفی خیر
مما کثر والہی۔ اگر زیادت سے غفلت ولہو مین پڑے تو قلیل کفایت پر قناعت واجب ہو۔ یہ مختصر تنبیہ اسلیے بڑھائی گئی کہ
قرآن پاک ہمہ تن نصائح وعبرت وعلوم واصلاح قلب طریق دار الآخرۃ دائم وباقی وموصل رضوان الٰہی جل شانہ ہو پڑھو اور دل
سے صاف کرو اور اللہ تعالیٰ سے توفیق چاہو واللہ الہادی الی سواء الصراط۔ القصہ برادران یوسف علیہ السلام نے یہ عذر کیا کہ لہو
ولعب مین ہمارے ہاتھ پاؤن مشغول ہوگئے اور ہمارے حواس غافل ہوگئے تو یوسف کو ہمارا دشمن بھیڑیا کھا گیا۔ بھلا یعقوب علیہ السلام
کی فراست کے آگے انکو کب فروغ ہوتا یہ خود جانتے تھے لہٰذا کہا۔ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا۔ اور آپ تو کبھی ہم کو سچا ماننے والے
نہین ہین۔ وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ۔ اگرچہ ہم درواقع اس بات مین سچے ہون تو بھلا جب آپ کو ہماری طرف سے حضرت یوسفؑ
کے بارہ مین شبہہ تھا تو آپ کب سچ مانین گے اور پہلے آپ نے کہدیا تھا کہ شاید تم غافل ہو جاؤ اور اسکو بھیڑیا کھا جاوے اتفاق
سے ویسا ہی واقع ہوا بعض نے کہا یعنی آپ بلا دلیل ہم کو سچا نہ مانین گے اگرچہ ہم حقیقت مین سچے ہون۔ وَجَآءُوْ عَلٰى
قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ۔ اور لائے تھے اسکی قمیص پر دروغ خون یعنی ایسا خون جسمین جھوٹ باندھا تھا کیونکہ اُنھون نے دعویٰ کیا
تھا کہ یہ خون حضرت یوسفؑ کا ہو مگر اصل مین جب کنوین مین ڈالا تو قمیص زبردستی اُتار لیا تھا اور بکری کا بچہ ذبح کرکے
اس کے خون مین یہ قمیص لتھاڑ کر حضرت یعقوبؑ کو اپنے قول کی نشانی دکھلانے لائے۔ روایت ہو کہ حضرت یعقوبؑ نے یہ قمیص انکے
ہاتھون سے لیکر اپنے چہرۂ مبارک پر ڈالی اور یہان تک روئے کہ داڑھی اس خون سے مانند خضاب کے رنگین ہوگئی اور فرمایا کہ اللہ
میسر مین نے آج کا سا بھیڑیا نہین دیکھا ایسا ہوشیار کہ میرا بچہ کھا گیا اور قمیص کہین سے نہ پھاڑی۔ شعبی رح نے کہا کہ یوسف
کی قمیص مین عجیب واقعات ہین بھائیون نے قمیص اُتار کر خون مین ڈبو لیا مگر قمیص نے ان کو جھٹلایا کہ سب صحیح سالم تھی۔ زلیخا نے
ان پر الزام رکھا تو ننھے بچے نے گواہی دی کہ ان کان قمیصہ قد من قبل الآیۃ۔ اس قمیص نے زلیخا کا مکر چاک کردیا۔ آخر وہ قمیص
آئی اور اُن کے باپ کی آنکھین روشن کردین بقولہ والقاہ علی وجہہ فارتد بصیراً۔ وہ لباس نوری جو کسی عیب نجاست سے

پیدا نہین ہوتا اور آخر یعنی اصل سے متصل ہوتا ہی القصہ حضرت یعقوب نے فرمایا ۔ قال بل سولت لکم انفسکم امرا ۔ فرمایا کہ
نہین بلکہ تمھارے نفس نے تسویل سے کوئی امر کیا ہی یعنی تم لوگ اپنے نفوس کے پھندے مین مبتلا ہوئے اُسنے تم کو بُرا کام بھلا
دکھلایا وہ تم کرکے آئے ہو بھیڑیئے وغیرہ نے نہین کھایا ۔ ذکرہ الحافظ رح ابن عباس رض نے کہا کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اگر بھیڑیا
کھاتا تو قمیص پھاڑتا ۔ یہی شعبی رح و حسن و قتادہ وغیرہم سے مروی ہی ۔ بعض علما نے کہا کہ آنحضرت علیہ السلام تو پہلے ہی اپنے فرزند دلبند
ہو کر سمجھے تھے کہ کذلک یجتبیک ربک ویعلمک من تاویل الاحادیث ۔ ولیکن تقدیر الٰہی تھا جب جاری ہوتی ہی تو حسن تدبیر حکمت الٰہیہ
پردہ غیب طاری ہوتا ہی ۔ و لقد قال تعالیٰ واللہ غالب علی امرہ ۔ اور خود حضرت یعقوب نے آخر کہا کہ انی اعلم من اللہ ما لا تعلمون ۔
پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُنکو جو علم تھا اس سے جانتے تھے کہ یوسف زندہ ہین ۔ بعض نے لکھا کہ علم الٰہی سے یہ کچھ منزلت تھی کہ مصر سے
قمیص کی خوشبو سونگھ لی لیکن بھائیون نے کنعان کے پاس کنوین مین ڈالا وہ نہ جانا تو یہ پردہ تقدیر ہی اور علانیہ دلیل اس امر کی ہے
کہ اللہ تعالیٰ غالب قوی عزیز حکیم ہی جو چاہتا ہے ہوتا ہے جب چاہا علم دیا جب نہ چاہا کچھ نہین پس حمد و ثنا اُسی قادر حی القیوم
کیلئے ہی ۔ بالجملہ کسی خاص علم سے آنحضرت علیہ السلام نے انکے قول کو جھٹلایا اور اسپر یہ بھی زیادہ کیا کہ تمھارے نفوس نے
کسی حرکت پر تم کو آمادہ کیا جو تم سے سرزد ہوئی ۔ فصبر جمیل ۔ اے فصبر جمیل اولی من الجزع ۔ وقیل فصبری صبر جمیل ۔ وقیل
فہو صبر جمیل والاولی ہو الاول ۔ پس صبر جمیل خوب ہی شکایت و جزع و فزع سے ۔ علما نے کہا کہ صبر دو طرح کا ہی ایک جمیل
جو خالص اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی ہونے کیلئے ہو یہ اسکو ایک نور مشاہدہ ہوگا کہ یہ امر حق تعالیٰ ہی اسکے استغراق سے کسی سے
شکایت نہین کریگا اسی لئے کہا گیا کہ پوری محبت و صدق مؤدت سے دوستی بڑھے اور جفا سے گھٹے اور دوسرا صبر جو جمیل نہ ہو اور
وہ کسی غرض وغیرہ سے سوائے خالص رضا الٰہی کے ہوتا ہے ۔ وفی التیسیر الحافظ ۔ مجاہد رح نے کہا کہ فصبر جمیل یعنی جزع نہین ہے
ثوری رح نے اپنے بعض شاگردون سے نقل کیا کہ اُسنے کہا کہ صبر مین سے یہ ہی کہ اپنے درد و مصیبت کو کسی سے بیان نہ کرے اور اس
اپنے نفس کی خوبی نہ سمجھے اور حبان بن ابی جبلہ سے مرسل روایت ہی کہ صبر جمیل کی تفسیر مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صبر
لا شکوی فیہ ۔ ایسا صبر ہی کہ جسمین شکوی نہو ۔ اور بعض اہل تفسیر نے اتنا اور زیادہ ذکر کیا کہ جس نے بیان کیا اُس نے صبر نہ کیا اور نہ
امام حافظ رح نے کہا کہ امام بخاری رح نے اس مقام پر حدیث عائشہ رض جو دربارہ افک حضرت صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا تھی وہ
بیان کی چنانچہ اسکے آخر مین جب آنحضرت صلعم نے خود حضرت ام المومنین صدیقہ رض سے پوچھا اور آخر انھون نے خود جواب دیا تو یہ کہا
کہ جھوٹے بہتان باندھنے والون نے جو کہا وہ تم لوگون کے خیال مین جم گیا ہے اب اگر مین قسم کھاؤن تو تم میری تصدیق نہ کروگے
اور اعتذار کرون تو نہ مانوگے (حضرت صدیقہ نے کہا کہ مین قرآن کم پڑھتی تھی اسوقت مجھے یعقوب تو یاد نہ آیا مین نے یوسف کا باپ
کہدیا) میری اور تمھاری مثل وہ ہی جو ابو یوسف نے کہا تھا فصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون ۔ اُسیوقت اللہ تعالیٰ نے انکا
عذر نازل فرمایا اور پاکیزگی ظاہر فرمائی اور بہتانیون پر غضبناک جھڑکی اُتاری اور ایسا ہی سراج مین بھی اسکو یہان ذکر کیا ہے
مترجم کہتا ہی کہ شاید امام بخاری کا یہان یہ حدیث لانا صرف روایت پر محمول ہو اور تفسیر سے اسکا ربط کچھ ظاہر نہین ہوا
اسواسطے اس سے کچھ استفادہ بیان نہین ہوا اور مترجم ضعیف اپنے مالک مولی حق سبحانہ تعالیٰ کی توفیق سے جو کچھ سمجھتا ہی ظاہر کرتا
ہے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی خطا سے پناہ مانگتا ہے ۔ واضح ہو کہ اس حدیث سے اس آیت کریمہ کی تفسیر مین بہت مدد ملتی ہے

کیونکہ حضرت یعقوبؑ نے دو جملہ فرمائے ایک تو قولہ فصبر جمیل ۔ اور دوسرا قولہ ۔ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ یعنی امر یوسف مین جو تم
کہتے ہو اسپر اللہ تعالیٰ ہی مستعان ہو یعنی اُسی سے استعانت مین بھی چاہتا ہون اور ہمیشہ چاہونگا اور ہر ایک اُسی سے چاہے اور وہی لائق
و مستحق ہو کہ سب مخلوق اُسی سے استعانت چاہے پس صبر جمیل تو طاعت و تسلیم ہو بمنزلہ قولہ ایاک نعبد ۔ اور یہ کلام بمنزلہ ایاک نستعین ہو کہ پس
حدیث موصوف سے یہان کئی باتین معلوم ہوئین اول یہ کہ حضرت ام المومنین صدیقہؓ کئی دن رات برابر روئین اور آخر مین صبر جمیل فرمایا تو
جب نظر بجانب خوف الٰہی ہو اور رونا کچھ شکایت قضاء الٰہی سے نہ ہو تو صبر جمیل زائل نہ ہوگا چنانچہ اولاد وغیرہ کے مرنے مین مطلقاً رونا ممنوع
نہین ہو جبکہ طپش دل سے آنسو جاری ہون یا بشفقت یا بخوف الٰہی مگر قضاء مقدر سے شکایت کسی مخلوق کے سامنے نہ ہو کیونکہ حضرت یعقوبؑ نے
کہا تھا کہ انما اشکو بثی و حزنی الی اللّٰہ ۔ تو اللہ تعالیٰ کی درگاہ مین تضرع اُس سے اُسی کی طرف ممنوع نہین ہو ۔ دوم یہ کہ صبر جمیل یہ ہو اگر
باوجود تمام صدق کے قسم کھانا بے سود تھا و اعتذار بے فائدہ تھا تو صبر جمیل مین قسم نہ کھاوے نہ اعتذار کرے جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام
نے نہ اُنسے مواخذہ کیا اور نہ اوروں سے در بارہ تفتیش وغیرہ کی استعانت لی اور نہ تحقیقات کی اگرچہ کید و فریب اس قمیص سے ظاہر
ہوگیا تھا بلکہ صبر جمیل کیا اور اللہ تعالیٰ سے استعانت چاہی اور اسی سے یہ بھی ظاہر ہوگیا اخیر کلام کے معنی اور ربط کس طرح ہے
اور یہان فوائد بھرپور ہین مین گنجائش نہین پاتا واللہ الموفق اور شاید کہ صبر جمیل مین اللہ تعالیٰ سے استعانت عین عبادت ہے
تو اب یہ سوال بھی وارد نہین ہوتا جو سراج وغیرہ مین مذکور ہو کہ قضاء الٰہی پر صبر کرنا واجب ہو مگر ظالمون کے ظلم پر صبر کرنا ضروری نہین ہو
تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس معاملہ مین اچھی طرح تفتیش کیون نہ کی اور دوسرون سے استعانت کیون نہ لی اسلئے کہ خاندان شرافت
مین سے تھے اور لوگ اُنکو مانتے تھے اور جواب یہ دیا کہ شاید برادران یوسفؑ اسرار سے مانع ہوتے اور شاید وحی سے منع کئے گئے ہون
تاکہ مشقت سے ثواب زیادہ ہو اور مترجم کے نزدیک حدیث موصوف سے استفادہ اقوی ہو اس لئے کہ اگر ملنے والے ہون گے
تو بغیر کسی جستجو کے مل جاوینگے اور اگر نہین تو یہ اضطراب بے فائدہ ہو پھر اگر وہم ہو کہ رزق حلال کی جستجو بھی بیکار ہو کیونکہ جو مقدر ہوگا ملے گا
ورنہ نہین تو جواب یہ ہو کہ بیشک جسقدر رزق مقدر ہوگا ملیگا اور جسطرح مقدر ہوگا وہ اس بندے سے ضرور واقع ہوگا اور شاید
یہ مقدر ہو کہ مشقت سے اسقدر اور بے محنت بہت قلیل ملے بہرحال اُسنے یہ کہان سے جانا کہ میرے حق مین یہ مقدر ہو کہ ہاتھ پاؤن توڑ
کے بیٹھ رہون اور فرق یہان یہ ہو کہ رزق کے واسطے تلاش کا حیلہ مقرر ہو تو جب اُسنے یہ حیلہ نہ کیا تو عادت الٰہیہ سے اُسنے برخلاف کیا
اور یہ معصیت ہو اگر ایسی نیت ہو اور ظاہر ہو کہ گناہ کرنے سے رزق مین کمی ہو جاتی ہے جیسا کہ حدیث صحیح مسلم سے ثابت ہو جیسے گھبراہٹ
کے ساتھ حرص مین طمع کا پاؤن پھیلانا معصیت سخت ہو اس سے کچھ مقدر سے زیادہ نہین ملتا اور گناہ شدید کے بعد جو ملا وہ رزق
کیا بلکہ عذاب ہو جہین سے سمجھو کہ جو بعض سرکش گناہ گار بہت کچھ مال پاتے ہین وہ ان کے حق مین رزق حلال نہین بلکہ عذاب شدید ہے
کہ فوراً مرتے ہی پردہ اُٹھ جائیگا پس حاصل یہ کہ حدیث مین اجملوا فی الطلب کا حکم اسی معنی مین ہو یعنی طلب جمیل کرو رزق کی تلاش
مین پس طلب جمیل یہی ہو کہ آخرت کے کام مقدم کرکے تبعاً اسکے طالب ہو اور یہ نہ چاہیے کہ طلب کو مقدم کرکے پھر جو کچھ وقت نکلے اُسمین
عبادت کرے اور قصہ مین صبر جمیل یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ سے استعانت چاہی اور ایسی جستجو مین پڑنا جو خلاف طریقہ قضا و قدر ہو خلاف
جمیل جانا فافہم واللہ تعالیٰ اعلم ف ۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام سے باپ کی شفقت توڑ دی گئی اور اس حالت نے رضائے
حق تعالیٰ کی طرف جگہ ڈھونڈھی تو ارحم الراحمین سے وحی تسلی پہنچی اور ہزار ناز و نعمت مین ہوگئے ۔ رہا بھائیون کا حا

تو فرمایا حق تعالیٰ نے وجاءوا اباہم عشاءً یبکون۔ اسمین منجملہ اسرار کے یہ ہو کہ آدمی مین جو طبیعت رکھی گئی ہو اسکی کیفیت یہ ہو کہ جب اسکی مراد
حاصل ہو جاتی ہے تو بہت نرم بنجاتی ہو اور رونے کو چاہو تو رونا آجاتا ہے اور یہ فقط دنیا کی خواہش و لذت و شہوات کے حصول سے مکر ہوتا
ہے جو عقل پر پوشیدہ نہین ہو اور اکثر یہ رونا خالی بناوٹ ہوتی ہو کسی حسرت و قلق آخرت سے د موجب ثواب و کمال نہین ہوتا ہو اور
عشاء کو اسی وجہ سے آئے کہ باپ کے رعب سے حالت سے دہشت نہو اور بناوٹ ظاہر نہ ہو جائے اور اندھیرے مین عذر کی بناوٹ ٹھیک ہو
قولہ وجاءو علی قمیصہ بدم کذب الآیۃ - اسمین منجملہ اشارات کے یہ ہو کہ فریب و مکر اہل بیان ونو. فراست والون پر پوشیدہ نہین ہوتا حالانکہ
لئے قرب مقامات اور اولیاء کے مقالات سے مدعی ہوتے ہین اور یہ لوگ سچے ہین اور ظاہر یا باطن راہ حق مین شہید ہین اُن کے
خون سے شہادت ٹپکتی ہو اور حدیث صحیح مین آیا لہ المتشبع بما لم یعط الحدیث جو ایسی چیز سے سیر ہو بیٹھے کہ حقیقت مین اسکو نہین ملی تو
ایسا ہی جیسے کوئی مکر کا لباس پہنے ہو یعنی بناوٹ سے خلعت پہنکر شاہزادہ نہین ہو جاتا اگرچہ اسکو اسوقت خلعت بھی حاصل ہو تو بھلا
جو کوئی فریب سے خلعت کی قطع بناوے وہ ضرور دانا آنکھون والون پر مکار ظاہر ہو جائیگا عجب ہے کہ جس کے دل مین ایمان کا نور ہو اگرچہ وہ ولی
نہ ہو وہ آخر ضرور ولی و مکار مین امتیاز کر لیتا ہو تو بھلا گمراہ ہونے والے کسطرح پر مطلع نہین ہوتے ہین طبیعت مین جب حسد چھایا تو اس سے
دروغ و گناہ پیدا ہوتے ہین اور عالم مین آگ لگا دیتے ہین حسین بن الفضل رح نے کہا کہ آخر مین برادران یوسف نے کہا تھا کہ ان یسرق
فقد سرق اخ لہ من قبل۔ اور یہ دروغ کلمہ تھا تو آخر دروغ بھی اسی اول حسد کے دروغ سے ہوا جب کہا کہ اسکو بھیڑیا کھا گیا۔ قولہ
بل سولت لکم انفسکم امرا۔ اس سے فراست یعقوب علیہ السلام ظاہر ہے اور انکو نفوس کے کید و فریب سے آگاہ کر دیا اور اشارہ ہے کہ
تم اپنے فریب مین خود گرفتار ہو اور مین تو درمیان مین سوائے سابقہ تقدیر کے کچھ نہین دیکھتا ہون پس قولہ فصبر جمیل سے حق عزوجل
نے لباس پہنایا اور صبر جمیل وہ ہو کہ مصیبت مین گرفتار ہو کر تقدیر ازل و مراد الٰہی کو مشاہدہ کرکے اس سے صابر ہو اور اپنے نفس سے تکلف
کا صبر نہو۔ ولقد قال تعالیٰ وما صبرک الا باللہ۔ وقال تعالیٰ واصبر لحکم ربک فانک باعیننا اور تحقیق اسمین یہ ہو کہ دل پر جو کچھ اللہ تعالیٰ
جاری فرمائے اُسپر آسودہ ہو اسطرح کہ یاد الٰہی صاف اور ذوق مشاہدہ منور رہو ہمدا فرمایا۔ واللہ المستعان علی ما تصفون میری
استعانت صبر بلا مین اُسی سے ہو کسی اور چیز سے نہین، ہو شیخ حسین نے فرمایا کہ موارد قضا پر ظاہر و باطن کی آسودگی کو صبر جمیل
کہتے ہین۔ یحییٰ بن معاذ رح نے فرمایا کہ صبر جمیل یہ ہو کہ بلا کو دل خوش و لب خندان قبول کرے۔ قال تعالیٰ

وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ ۖ قَالَ يَا بُشْرَىٰ هَٰذَا غُلَامٌ ۚ

اور آیا ایک قافلہ پھر بھیجا اپنا پنھارا اُسنے لٹکایا اپنا ڈول بولا کیا خوشی کی بات ہو یہ ہے ایک لڑکا

وَأَسَرُّوهُ بِضَاعَةً ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ۝ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ

اور چھپا لیا اُسکو پونجی سمجھکر اور اللہ خوب جانتا ہو جو کچھ وہ کرتے ہین اور بیچ آئے اُسکو ناقص مول کو گنتی کی کی

مَعْدُودَةٍ ۚ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ۝

پاؤلیان اور ہو رہے تھے اُس سے بیزار

جب حضرت یوسفؑ بنا بر بعض روایات کے تین روز اُس جب مین رہے کہ یہودا اُن کو کھانا پہونچاتا رہا اور بنا بر بعض روایات کے ایک
ہی روز رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس اندھیرے کنوین سے جسکا پانی کھاری تھا اپنے بندہ مخلص کو خلاص فرمایا اس طرح کہ

وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ اور آگئے کچھ مسافر۔ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ۔ سو اُنھون نے اپنے وارد کو بھیجا۔ سراج وغیرہ مین لکھا کہ سیارہ در اصل سیر
کرنیوالے جو زمین مین پھرتے رہتے ہین پس مسافرون کو اسی وجہ سے سیارہ کہتے ہین اور یہ لوگ جو بئر الجب پر وارد ہوئے تھے مدین سے یا شام
سے روانہ ہو کر مصر کو جاتے تھے وے راستہ بھول کر بھٹکتے ہوئے اس جنگل مین آئے جہان یہ کنوان تھا اور یہ کنوان آبادی سے دور ایک
جنگل مین تھا جس سے پانی پینے سوائے چرواہون کے کوئی نہین آتا تھا اور مترجم کہتا ہے کہ پہلے ایک روایت یہ بھی مذکور ہوئی کہ اس پر
اکثر لوگ اترا کرتے تھے تو ظاہر اس قول پر بعض نے زعم کیا کہ وہ بیت المقدس کا کنوان تھا یا مراد یہ ہو کہ چرواہے بہت آتے تھے لیکن
مناسب مقام یہی قول ہو جو یہان مذکور ہوا بہرحال روایت ہو کہ اس کنوین کا پانی کھاری تھا حضرت یوسفؑ کی برکت سے شیرین ہو گیا تھا
یہ لوگ بھٹکے ہوئے وہان اترے اور آگے آگے اپنا وارد پہلے بھیجدیا تھا اور وارد اسکو کہتے ہین جس کو مسافرون کی جماعت اپنے مین سے
منزل پر پہلے بھیجدے تاکہ وہان پانی کا بندوبست کردے تو وہ اپنی جماعت سے پہلے منزل پر پہونچ جاتا ہو اور پانی بھر کر جمع کرتا ہو
تاکہ ساتھی لوگ آتے ہی جانورون کو پلا دین اور کھانے پکانے کا سامان کرین اور اہل التفسیر نے لکھا ہو کہ یہان ان کے وارد کا نام
مالک بن ذعر الخزاعی عرب کا بدوی تھا جسنے پہونچکر یہی کنوان پایا جسمین آنحضرت علیہ السلام اس بیکسی سے ڈالے گئے تھے۔ فَأَدْلَىٰ
دَلْوَهُ۔ پس وارد نے اپنا ڈول کنوین مین لٹکایا اور ظاہر ہے کہ یہ بچہ بیچارے ایک نکلنے کا وسیلہ و سبب پاکر اوسمین بیٹھ گئے چنانچہ اُسنے
نکالا تو یہ عجب دیکھا کہ نہایت خوبصورت لڑکا نکل آیا۔ خوبصورتی کی تفصیل بعض راویون نے بیان کی کہ گھونگروالے بال بڑی بڑی
آنکھین چہرہ خوبصورت رنگ گورا باہین اور ٹانگین گداز بھری ہوئین سینہ چوڑا کمر پتلی ناف باریک چھوٹی تمام اعضا نہایت متناسب
کوئی تعریف کر نہین سکتا جب بولتے تو دانتون سے نور برستا گویا کہ موتی جھڑتے اندھیری رات مین چاند تھے بلکہ دن ہو جاتا اور ابتدائے
خلقت حضرت آدمؑ سے مشابہ تھے خلاصہ بیان کافی وہ ہو جو حدیث کی روایت مین آیا کہ یوسف کو آدھا حصہ حسن کا دیا گیا تھا اور بعضے
کہتے ہین کہ آپ کی پردادی حضرت سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا کو چھٹا حصہ حسن کا دیدیا گیا تھا اور مراد اُس حسن سے یہ ہو کہ ظاہری دیدار نہایت
خوبصورت تھا۔ القصہ جب اُسنے ایسا لڑکا دیکھا جسکو نصف حسن دیا گیا تھا تو۔ قَالَ يَا بُشْرَىٰ هَٰذَا غُلَامٌ۔ بول اُٹھا کہ اے بشارت یہ تو
غلام ہے۔ عرب کا قاعدہ ہو کہ خوشی کے وقت بشارت کو پکارتے ہین اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ وقت وہ ہو کہ اے بشارت تو حاضر ہو
جیسے غم کے وقت ویل وہلاکت کو پکارتے ہین چونکہ خوشی کا وقت تھا اسنے اپنے لیے بشری یعنی بشارت کو پکارا اور بعض قراءۃ مین
بشری بکسر الراء وسکون یا آیا تو اصح یہ ہو کہ اسکے معنی بھی یہی ہین صرف اتنا ہوا کہ اسنے میری بشارت کہا۔ یہی ابن کثیرؒ نے ارجح قرار
دیا اور بعض نے زعم کیا کہ اسکے ساتھ بشری کوئی عورت تھی اور بعض نے کوئی دوسرا مرد گمان کیا واللہ اعلم اولی وہی اول ہو پھر غلام
سے مراد یا تو لڑکا ہے کیونکہ آنحضرتؑ بچہ تھے یا غلام مملوک یعنی اُسنے آپ کو غلام شاید اسوجہ سے گمان کیا کہ ننگے بدن بے لباس خستہ حالت
مین تھے بھلا کوئی فرزند کے ساتھ ایسا کیون کرتا خصوصاً ایسا خوبصورت بیٹا۔ اور یا اس قرینہ سے کہ کنوین مین پانی بھرنے کو غلام آیا
کرتا ہو اور ظاہرا غلام بمعنی مملوک اُسنے مراد لیا بقرینہ قولہ۔ وَأَسَرُّوهُ بِضَاعَةً۔ اور اُنھون نے اسکو پوشیدہ رکھا ایک نفیس اسباب یا
اصطلاحی بضاعت قرار دیکر۔ یا بعد قرار دیکر دونون تخالف باہین ہوتے ہین کہ اسروہ کی ضمیر فاعل کی طرف راجع ہو پس دو احتمال ہین
اول یہ کہ وارد مع ساتھیون کی طرف ہو یعنی اسر الوارد واصحابہ یوسف بضاعۃ۔ یعنی وارد خزاعی نے اپنے لوگون سمیت جو اسوقت
کنوین پر اسکے ساتھ تھے یہ مشورہ کیا کہ باقی لوگون سے جو آج منزل پر آتے ہون گے اسکو خفیہ کرلو کہ یہ ہمارے لئے خاص ایک بضاعت

نیسرا سباب ہوگا اسکو ہم مصر میں پہونچکر بیچکر با لامال ہو جائینگے (چھپانا مشکل امر تھا واللہ اعلم) یا یہ مشورہ کیا کہ اس راز کو پوشیدہ کر دو
ہم نے کنوئیں سے پایا بلکہ ساتھیوں سے کہہ دو کہ راستہ میں کسی مقام پر ہمارے عزیز ملے تھے اُنھوں نے یہ غلام اپنا مال ہم کو بضاعت
یا ہے کہ مصر میں اُنکے لئے فروخت کر دیں اور بضاعت وہ مال ہوتا ہے جو آدمی کسی دوسرے عزیز یا ملاقاتی کو اس غرض سے دیتا ہے کہ
تم تجارت کو کیسی کام کو جاتے ہو ہم پر احسان ہوگا کہ ہمارے اس مال کو تجارت کرتے لاؤ تمھاری بدولت ہم کو کچھ نفع ملجائیگا اور اگر
شاید خود بخود تلف ہو یا چور لیجاوین یا لٹ کشتی پڑے تو خیر ہماری قسمت ہے پس حاصل یہ ہوا کہ وارد اور اسکے ساتھیوں نے بضاعت
کے اسکو چھپا ڈالا - احتمال دوم یہ کہ ضمیر مذکور آنحضرتؑ کے بھائیوں کی طرف راجع ہے اور بات یہ تھی کہ یہودا ہر روز یوسفؑ کو طعام
تا پہونچاتے تیسرے روز کنوئیں میں نہ پایا تو بھائیوں کو آگاہ کیا اور ان کو خیال ہوا کہ شاید اسی دیس کا کوئی نکال لایا ہو تب تلاش
کی تو مالک بن ذعر الخزاعی وغیرہ کو اُترا پایا اور وہین یوسف کو دیکھا تو عبرانی زبان میں قتل سے ڈرایا اور مسافروں سے کہا کہ
یہ ہمارا غلام بھاگ کر کنوئیں میں گر گیا تھا تم کو مفت نہیں ملیگا ہان ہم کو اسکی زیادہ خواہش نہیں ہے تم کو ہم سستا دینگے انتہٰی حاصل
یعنی قوله واسروه بضاعة یعنی یوسفؑ کے بھائیوں نے اسکو مخفی کیا کہ انکا بھائی ہے اور یوسف نے قتل کے خوف سے چھپایا
اور بیچ ہونا گوارا کیا پس وارد خزاعی نے ساتھیوں کو آواز دی کہ یا بشری ہذا غلام یعنی اے ساتھیو خوشی کا مقام ہے کہ یہ
حسین غلام سستا بکتا ہے قال تعالی - وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ - اور اللہ تعالی جانتا ہے جو یہ لوگ حرکت کرتے تھے کہ ایسے کریم بن الکریم
بن الکریم بن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام کو اسطرح غلام بضاعت بناکر فروخت کرتے تھے جب یہ گفتگو ہوئی تو
معاملہ ٹھہرا - وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ - اور بیچ ڈالا اسکو بعوض دامون بخس یعنی حرام کے قول ضحاک ہے اسلئے کہ آزاد کے دام حرام ہیں یا
بمعنی زیوف کے قول ابن مسعود روایت کیا جاتا ہے یعنی بعوض کھوٹے دامون کے - یا بقول عکرمہ بعوض قلیل دامون کے جیسا کہ اللہ تعالی
نے فرمایا - دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ - یعنی کچھ گنتی کے درہمون کے بدلے اور یہ عرب کا محاورہ ہے مراد بہت تھوڑے درم ہوتے ہیں کیونکہ
چالیس درم ہوتے تو اسکا حساب تول سے ایک اوقیہ ہوتا ہے اور اس سے کم گنتی کے ہیں اور مروی ہے کہ بیس۲۰ کو بیچکر دو دو درم بانٹ
لئے تھے کیونکہ وے تو چاہتے ہی تھے کہ کوئی لیجاوے انکو مال عزیز نہ تھا لہذا فرمایا - وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ - اور یوسفؑ کے
حق میں اُنکے بھائی لوگ بالکل بے پروا اور بے رغبت تھے مفت بہا دیا واضح ہو کہ شیخ حافظ نے لکھا کہ قوله اسروه بضاعة یعنی خزاعی
وغیرہ نے باقی مسافروں سے چھپایا اور کہا کہ ہم نے اسکو خریدا یا بضاعت لیا ہے اس خوف سے کہ ساتھی اسمین ساجھا مانگینگے
جب اُنکو صحیح بات معلوم ہو جائے - یہ مجاہد وسدی وابن جریر کا قول ہے اور عوفی نے ابن عباس سے روایت کیا کہ اسروه بضاعة
یعنی بھائیوں نے یوسف کا حال پوشیدہ کر کے غلام بتلایا اور آخر تک موافق مذکورہ بالا کے تفسیر ذکر کی اور لکھا کہ قوله وشروه
بثمن یعنی بیع کیا اسکو بھائیوں نے یہ ابن عباس ومجاہد وضحاک کا قول ہے پس شرا بمعنی بیع بھی بسبب لغت ہے اور قتادہ نے کہا کہ یعنی
خریدا اسکو مسافروں نے لیکن کہا کہ قول اول اصح ہے کیونکہ مسافروں نے خوشی سے خریدا تھا اگر جواب یہ ہے کہ انھوں نے دھوکا کھایا
کہ یہ بھگوڑا ہے اسلئے کم دامون کو بے رغبت ہو کر خریدا تھا اور لکھا کہ ابن مسعودؓ نے کہا کہ بیس درم کو اور ابن عباس ونوف البکالی
وسدی وقتادہ وعطیہ نے بڑھایا کہ دو دو درم بانٹ لئے اور مجاہد نے کہا کہ بائیس۲۲ کو بیچا مترجم کہتا ہے کہ دو دو درم بانٹنے سے
گیارہ بھائی کے حساب سے بائیس ہوئے لیکن بنیامین قطعاً شریک نہ تھے تو یہ وہم ہوگا اور لکھا کہ محمد بن اسحاق وعکرمہ نے چالیس درم

بیان کئے مترجم کہتا ہے کہ پھر معدود درہم نہ ہون گے لہذا الم ہونا چاہیئے۔ سراج وغیرہ مین محمد بن اسحاق کا یہ قول اچھا معلوم ہوتا ہے کہ
اللہ تعالیٰ جانے کہ بھائیون نے بیچا یا مسافرون نے خرید الیعنی مقصود تو ظاہر ہے اس سے زیادہ بحث کی کچھ ضرورت نہین ہو اور
سراج مین لایا کہ اسروہ بضاعۃ کے دونون قول مین سے خزاعی وغیرہ کا خفیہ کرنا اقوی ہے کیونکہ بضاعۃ حال اُس وقت سے لاحق ہے
کہ جب خفیہ کیا اور مترجم کہتا ہے کہ اظہار اس مقام پر یون ہو کہ اسروہ بجملہ بضاعۃ۔ تو حال نہ ہوا یعنی چھپانا اس پیرایہ سے تھا کہ اس کو
بضاعت ظاہر کر دیا۔ روایت ہو کہ جب آنحضرتؑ کنوین سے نکالے گئے تو اسکی دیوارین آپکے فراق پر روتی تھین اقول سبحان اللہ
تعالیٰ یہ اسرار عجیب مخفی و مضبوط صنعت آلہی تعالیٰ ہو کہ دیوارون کا یہ شعور دیکھو اور ادھر برادران یوسف یا مسافرون کی یہ بے شعوری
دیکھو کہ کسی نے نور نبوت و ظہور کرامت کبریائی کو نہ دیکھا بلکہ غلام قرار دیا اور بیچا اور اسقدر زاہد و بے رغبت ہوئے اور قصہ مین
مذکور ہے کہ بھائیون نے مسافرون کے پیچھے پیچھے چلانا شروع کیا کہ یار و خوب مضبوط گھیرے رہو وہ بڑا بھاری بھگوڑا ہے آخر
بہت دور تک پہونچا کر مصر کی منزل پر چھوڑا اور بالکل بے کھٹکے ہوگئے ف۔ فی العرائس قولہ تعالیٰ وجاءت سیارۃ فارسلوا واردہم
مترجم کہتا ہے کہ اشارت مین اگر قلب روحانی سے کنایہ ہو تو موافق حدیث کے ملائکہ سیارہ کا اشارہ ان سیارہ سے ظاہر ہو لیکن
اہل دنیا اسکو بعوض حقیر دنیا کے فروخت کر ڈالتے ہین اسیواسطے روایت صحیح مین آیا کہ کافرون مین قلب نہین ہوتا اور خود قرآن
مین افئدتہم ہوی یعنی خالیۃ سے تصریح ہو کیونکہ جب انھون نے بعوض دنیا کے بیچا تو سیارہ نے بے لیاوے خالی رہ گئے اور وہ مصر
کبریائی مین درجہ عروج کو پہونچا اور بیان ایسی باتون کو متحمل نہین ہو سکتا اور افہام بیان قصور کرتے ہین بلکہ خوف ہو کہ نا سمجھی
سے منکر ہون۔ لہذا نادان مترجم اپنے نادان بھائیون کے سامنے اہل الحق کے اقوال نہین بیان کرتا ہے بلکہ مجبوری شیخ کا
قول نقل کرتا ہے تاکہ سمجھنے والے سمجھین یا خاموش رہین۔ کہا کہ جب ارواح عدم سے نکلکر فضائے قدرت مین سائر ہوئین اور
موارد قدم کو ڈھونڈھا تو بحر ناپیدا کنار پایا اور دلو ہمت سے مشاہدہ آفتاب یا ماہتاب حاصل ہوا تو فرحت سے بزبان عشق بشارت
دی اور اپنی بقا پر نازان ہوئین و قولہ تعالیٰ واسروہ بضاعۃ۔ اسمین بضاعت توحید و معرفت کو اغیار سے چھپایا اور اس سفر سے
یہ رتبہ پایا اگرچہ نفوس جو ظالم ہین بحکم قولہ اخلد الی الارض و اتبع ہواہ۔ اسی دلیل سے مانوس ہو کر بہرحال ذلت و خواری مین رہے
لکھا کہ اگر یوسفؑ اسلئے مسافرون کو انوار حسن ازل اس آفتاب نبوت سے ظاہر ہوتے تو آدم کو سجدہ ملائکہ کی طرح عشق و
محبت سے سجدہ کرتے۔ اور یہ عبودیت کا سجدہ نہین ہو بلکہ مشاہدہ انوار آلہی بیچون و بیچگونہ ہو اور یہ گمان مت کرو کہ وہان حلول
یا خفا تھا بلکہ مخلوق سے صنعت صفات صانع کا ظہور بیچون و چرا ہوتا ہے حالانکہ وہان صانع اندر سمایا نہین اور نہ کچھ ملازم ہو
تعالیٰ اللہ علوا کبیرا۔ شیخ جعفرؒ نے کہا کہ یوسف مین اللہ تعالیٰ جلشانہ کا ایک بھید تھا پس مقام ستر کو انکی نظرون سے پوشیدہ کر دیا اور اگر
اس بھید کو ان پر ظاہر فرماتا تو مر جاتے دیکھو کیسے اُنھون نے کہا کہ ہذا غلام اور اگر آثار قدرت سے واقف ہوتے تو کہتے کہ ہذا
نبی صدیق۔ چنانچہ زنان مصر پر جب بعض اُمور کا انکشاف ہوا تو بولین کہ ہذا ملک کریم اور جب اُن کو اسرار قدرت و کرامت
نہ سوجھے تو اُنھون نے اسکو ثمن بخس کے عوض بیچ ڈالا۔ کما قال تعالیٰ وشروہ بثمن بخس دراہم معدودۃ۔ اگر ان مین وہ عشق و محبت
بمشاہدہ آثار قدرت ہوتی جو حضرت یعقوبؑ مین اسرار باری تعالیٰ معائنہ کرنے سے تھی تو کبھی اسکو دونون جہان کے عوض نہ بیچتے کیونکہ
جس جمال باطن کا پر تو جمال ظاہری تھا یہ ظہور اُن کو کہین جہان مین نہ ملتا اگرچہ عین دیدار باطن کا معائنہ اُن کے مانند انبیاء

وصدیقین سے مشاہدہ ہے لیکن جمال باطنی کا مشاہدہ بغیر فضل آلہی ممکن نہین تو نہین دیکھتا کہ کیسے حضرت سید المرسلین صلوات اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وعلی جمیع الانبیاء اجمعین کے دیدار سے کفار کی نفی فرمائی بقولہ تراہم ینظرون الیک وہم لایبصرون کیونکہ اصل بصیرت ہے نہ بصارت کیونکہ بالاتفاق اندھا عالم کے سامنے آنکھون والا جاہل اندھا ہے جعفرؒ نے فرمایا کہ حضرت یوسفؑ کی قدر نہ پہچانی تو قلیل دامون کو بیچ ڈالا ابن عطاء رحمہ اللہ نے نہایت لطیف اشارہ فرمایا کہ اے شخص تجھے تعجب ہوتا ہے کہ برادران یوسف نے اپنے یوسفؑ سے بھائی کو ایسے حقیر دام کو بیچ ڈالا - ارے تو نے تو بڑا غضب کیا ہے کہ اپنے قلب نفس کو ذرا سی شہوت کے عوض بیچا - تیرا نفس ذرا سے مزے کے ہاتھ بک گیا - ارے تو نے اس سے بھی زیادہ ظلم کیا کہ پہلے اپنے مالک خالق مولی رحیم کریم کے ہاتھون بھاری دامون کو بیچا بحکم قولہ ان اللہ اشتری من المومنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنۃ - ایسی تیری جان حقیر کو اسنے اتنے بھاری دامون جنت کے عوض خریدا اور تو نے یہ خیانت کی کہ چیز حقیر کو اپنے دشمن شیطان کے حوالہ کیا اور اسکو اپنے اوپر بالکل قابو دیدیا اور ذرا سے مزے کے عوض بیچ ڈالا بھلا بکی ہوئی چیز کو دوبارہ بیچنا کہین جائز ہے بھلا یہ دوسرے دام بالکل حرام ہوئے یا حلال ہوئے ارے تو بڑا سخت بیوقوف ظالم ہے تیرا گمان ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیون نے اُن پر ظلم کیا مگر یہ نجانا کہ تو اُن سے کہین بڑھا ہوا ظالم ہے تیرے و اُنکے ظلم مین زمین و آسمان کا فرق ہے دیکھ تو یوسفؑ کو اُن کے دشمن بھائیون نے بیچا اور نیت یہ تھی کہ پیغمبر جلیل القدر پدر کی شفقت ہمین پر رہے اور تیرا یہ حال ہے کہ تو نے اپنے یوسف کو خود ہی اپنے دشمن کے ہاتھ بیچا اور تجھے حدیث صحیح مین معلوم کہ سب سے بڑا تیرا دشمن خود تیرا نفس ہے جس کو تو اپنے دونون پہلو مین پیار سے دبائے ہوئے ہے اور اسکو اسکی شہوات کی غذا سے خوب موٹا تازہ کرتا ہے کہ دن مین ہزار بار تجھکو قعر جہنم مین ایسی آگ کے کنوین مین بُری طرح ڈھکیلتا ہے کہ کبھی وہان سے تیرا چھٹکارا نہ ہوگا اگر ایمان نہو اور یوسف کو تو اُن کے دشمنون نے پانی ہی کے کنوین مین ڈالا تھا جہان سے وہ تین ہی روز مین نکلے - تجھے کہان تک بتلایا جاوے تو احسن القصص کو کہانی مت سمجھ غور کر دیکھ تو یہان ایسے اعلیٰ مقامات ہین کہ ہم ابھی ان کا اشارہ بھی نہین کرسکتے ارے جاہل وسوسہ چھوڑ دے خیانت چھوڑ دے - دشمن سے الگ ہو تب تیری آنکھین جنت کی ہوا سے ٹھنڈی ہون اور ابھی تو جہنم کے دھوین سے تو چوندھایا ہوا اندھا ہے - اللہم اہدنا اللہم انت الہادی ثم قال الشیخ - اور ابن عطاء و جنید وغیرہ نے کہا کہ قدرت آلہیہ نہ دیکھی تو ہلکے دامون کو بیچا اور اگر تمام دنیا و مافیہا بلکہ آخرت کے عوض بیچتے تو یہ بھی معدود چیز تھی ثمن بخس ہوتا لہذا تجھکو عبرت چاہیئے کہ ثمن بخس کو ہمیشہ احتیاط رکھ - قال تعالیٰ

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِن مِّصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ

اور کہا جس شخص نے خرید کیا اسکو مصر سے اپنی عورت کو آبرو سے رکھ اسکو شاید ہمارے کام آوے یا ہم کرلین اسکو

وَلَدًا ۚ وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِن تَأْوِيلِ

بیٹا اور اسطرح جگہ دی ہم نے یوسف کو اُس ملک مین اور واسطے کہ اسکو سکھاوین کچھ کل

الْأَحَادِيثِ ۚ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَلَمَّا بَلَغَ

بٹھانی باتون کی اور اللہ جیت رہتا ہے اپنا کام اور لیکن اکثر لوگ نہین جانتے اور جب پہونچا

أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝

قوت کو دیا ہم نے اسکو حکم اور علم اور ایسا ہی بدلا دیتے ہین ہم نیکی والون کو

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے زعم مین مسافرون کے ہاتھ فروخت کرکے بھگوڑا ہونے کے فریب سے مشتری کی حراست مین کردیا تو بے فکر ہوگئے اور سمجھے تھے کہ باپ کو ہم پر التفات ہوگا لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام کو فراق یوسف مین رونا تھا اس دردجدائی سے آہ کرتے رہتے تھے بھائیون نے خالی خیال وگمان کی پابندی پر ایسی حرکت کی اور کچھ مراد حاصل نہوئی پس ہر جو کوئی یقینی بات کو چھوڑکر خیالی وگمانی باتون کی پیروی کرے اُسکا احمق ہونا ظاہر ہے اور یہان یہ یقینی بات تھی کہ صلاحیت و باپ کی شفقت و حسن اخلاق وعدل وانصاف وخدمت سے جسقدر مقدر ہوگی حاصل ہوگی اور ظلم وجور ومعصیت وایذا ونافرمانی وغیرہ تدبیرون سے کچھ فائدہ نہین ہوسکتا بلکہ ایسے معاصی موجب خواری ہین اور اگر یوسفؑ کے حق مین عروج بمنزلت نبوت وغیرہ مقدر ہو تو اُس کا انسداد نہین ہوسکتا پھر وہمی تدبیر سے کسی معصیت کا ارتکاب روا نہین ہے۔ آخر یہی ہوا کہ کنعان مقام سلطنت حکومت نہ تھا وہان سے حق عزوجل نے یوسفؑ کو بھائیون کی حرکت سے بذریعہ مسافرون کے مصر پہونچایا وہان اسوقت مین عمالقہ مین سے ریان بن الولید بادشاہ تھا ان بادشاہون کا لقب فرعون ہوتا تھا اور بعضون نے کہا کہ وہی حضرت موسیؑ والا فرعون تھا و لیکن صحیح اول ہے وابن جریرؒ کے نزدیک بعد ریان کے قابوس فرعون ہوا اور اسکے بعد مصعب بن الولید فرعون موسیؑ ہوا ہے غرضکہ اس فرعون کا وزیر خزانہ عزیز نام تھا اور یہ تو قرآن مجید مین مذکور ہے لیکن شاید یہ لقب ہو کیونکہ ابن عباسؓ سے عوفی نے روایت کی کہ نام اسکا قطفیر تھا اور محمد بن اسحاق امام سیر ومغازی نے کہا کہ اطفیر بن روحیب نام تھا اور بعض نسخ مین روحیب لکھا ہے اور کہا کہ یہی وہ عزیز ہے جو وزیر خزانہ تھا اور شیخ حافظ رحؒ نے جزم کیا کہ بادشاہ اسوقت عمالقہ مین سے ریان بن الولید تھا اور شیخ نے حضرت مجاہدؒ سے روایت نقل کی کہ بھائیون نے جب یوسف کو مسافرون کے ہاتھ بیچا تو ان کے پیچھے دور تک کہتے جاتے کہ بھگوڑا ہے خوب مضبوطی رکھو کہ بھاگ نہ جاوے یہان تک کہ مصر کی منزل پر پہونچے پھر مسافرون نے مصر مین لاکر بازار مین منادی کی کہ بشارت ہو جو اسکو خرید سے پس اسکو بادشاہ نے خریدا اور وہ مسلمان تھا مترجم کہتا ہے کہ حضرت مجاہدؒ سے شاید کسی نے ایسا سوال کیا ہو جسکے جواب مین اُنھون نے اس طور پر اختصار سے جواب دیا ورنہ مشہور ہے کہ خریدنے والا عزیز مصر تھا اور کہا گیا ہے کہ بادشاہ مذکور آخر حضرت یوسف پر ایمان لایا تھا پہلے سے مسلمان نہ تھا پھر عزیز مذکور جسکا نام قطفیر یا اطفیر بیان ہوا ہے لاولد تھا اور کہتے ہین کہ عنین محض تھا اور اسکی جورو کا نام محمد بن اسحاق نے راعیل بنت رعاییل بیان کیا اور کہا کہ وہ فرعون ریان بن الولید کی بہن کی بیٹی تھی ذکرہ الحافظ اور دوسرون نے زلیخا بیان کیا ہے۔ قاموس مین کہا کہ زلیخاء بفتح اول وکسر ثانی آخر ممدود۔ اور خفاجی وغیرہ نے بضم اول وفتح ثانی لکھا اور بعض نے کہا کہ ایک نام دوسرا لقب ہے اور عزیز نے اسکو اپنی جورو کیلئے خرید اتھا اور قیافہ وفراست سے ہونہار دیکھکر اکرام کے ساتھ رکھنے کی تاکید کی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یوسفؑ کا حال بیان فرمایا کہ۔ وَقَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ۔ اور کہا یعنی تاکید کی اپنی جورو سے اس شخص نے جس نے یوسف کو مصر مین خرید اتھا کہ اسکا ٹھکانا ومرتبہ اکرام کے ساتھ رکھیو۔ کہتے ہین کہ جب مالک خزاعی نے بازار مین پیش کیا تو بیس اشرفیان دام لگے اتنے مین زلیخا کی فرمائش سے عزیز مصر نے لینا چاہا اور دام بڑھتے بڑھتے آخر یہ نوبت ہوئی کہ حضرت یوسف کے برابر سونا وچاندی وکپڑے وجواہر ومشک وعنبر وغیرہ اقسام اموال نفیسہ دیے جاوین اور حضرت یوسف کا وزن چارسو رطل تھا اور اسپر بھی ایک دوسرے سے بڑھاتا گیا یہانتک کہ اُن کے وزن سے بھی دونا یا زیادہ بڑھ گیا آخر عزیز نے اس بے بہا جوہر کو لیکر اپنا جوہری ہونا ظاہر کیا خصوص جبکہ

اپنی جورو سے کہا کہ اسکو غلامون کی طرح نہین بلکہ اکرام و منزلت سے رکھیو یہ ہونہار ہے۔ عَسٰى اَنْ يَّنْفَعَنَا۔ شاید ہم کو نفع پہونچاوے یعنی ہمارا کارپرداز ہوجاوے کہ مثل فرزندون کے مہمات خانہ داری و انتظام کرے اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا۔ یا ہم اسکو حقیقت مین بیٹا بناوین۔ شاید یہ مطلب تھا کہ اگر ہمارے اولاد ہوئی تو اسکو بیٹا نہ بناوینگے بلکہ بیٹون کی طرح حسن سلوک سے ہمارا منتظم و کارپرداز ہوجاویگا اور ہمارے مال و دولت کو نفع ہوگا اور اگر اولاد نہ ہوئی تو اسکو متبنی کرلینگے بس اگر اسوقت اسکے ساتھ غلامون کا برتاؤ ہوا تو آیندہ یہ بات نازیبا و غیر مناسب ہوگی یہ عزیز مصر کی فراست تھی و فی تفسیر الحافظ قال ابو اسحٰق عن ابی عبیدۃ عن عبداللہ بن مسعود رض انہ قال افرس الناس ثلثۃ آلخ۔ قال المترجم ابو عبیدہ ہذا ہو ابن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حاصل آنکہ حضرت ابن مسعود رض نے فراست مین تین آدمیون کو سب سے زیادہ بیان فرمایا اول وہ شخص جس نے یوسف کو اپنی جورو کیلئے خرید کر اس سے تاکید کی کہ اکرمی مثواہ عسیٰ ان ینفعنا الآیۃ۔ اور دوم وہ عورت جس نے موسیٰ کی نسبت اپنے باپ سے کہا تھا یا ابت استاجرہ ان خیر من استاجرت القوی الامین۔ اور سوم حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کہ فراست سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کردیا۔ قال المترجم اس اثر مین ایک فائدہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رض نے سوائے حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے کسی نام کی تصریح نہین فرمائی حالانکہ سیر و تواریخ کی روایات سے اوپر مذکور ہوا کہ قطفیر یا اطفیر خریدنیوالا اور زلیخا کہنے والا تھا۔ اور صفورا حضرت موسیٰ کی پاک بی بی تھین انھین نے اپنے باپ حضرت شعیب سے کہا تھا لیکن چونکہ ان اخبار کی تحقیق بدون تنصیص الٰہی تعالیٰ کے قطعی نہین ہے لہذا احتراز کیا اور مترجم کہتا ہے کہ اسی طور سے کلام الٰہی تعالیٰ کی تفسیر کرنے مین ان روایات اخبار وغیرہ سے احتراز چاہیئے اور مراد میری یہ ہے کہ ان روایات پر معنی و احکام کا مدار نہین ہے ہان جو حکم و نصیحت کہ صریح نص الٰہی سے نکلے وہ عین صواب ہے اسیواسطے مین نے پہلے بہت تنبیہ کردی کہ کلام الٰہی مین حضرت یوسف کے بھائیون کی نسبت انبیا ہونے یا فساق ہونے کا کچھ ذکر نہین ہے ہان حضرت یوسف کے ساتھ جو معاملہ ہوا اُس سے معاف ہونا منصوص ہے تو زبان درازی کرنا بڑا خطرہ عظیم ہے اور کلام الٰہی مین صرف کنوین مین ڈالنا مذکور ہے باقی مارپیٹ و بیرحمی وغیرہ کا ثبوت کسی آیت یا حدیث سے نہین ہے۔ سراج مین تفسیر امام رازی سے نقل کیا کہ امام رازی نے کہا کہ جاننا چاہیئے کہ ان روایات قصص و سیر مین جو کچھ مذکور ہے وہ قرآن مجید سے کچھ ثابت نہین ہوتا اور کوئی حدیث صحیح بھی وارد نہین ہوئی جسمین اسکا کچھ بیان ہو اور قرآن مجید کی تفسیر کرنا ان روایات مین سے کسی روایت پر موقوف نہین ہے تو عاقل پر فرض ہے کہ ان روایات کے بیان کرنے سے بھی احتراز کرے انتہی کلامہ مترجم کہتا ہے کہ رازی نے اشارہ فرمایا کہ ان روایات پر یقین کرنا تو درکنار انکو ذکر بھی نہ کرنا چاہیئے پھر خطیب نے کہا کہ ان روایات کو شیخ بغوی رحمہ اللہ نے معالم مین ذکر کرنا شروع کیا پس دیگر جماعت مفسرین نے انھین کی پیروی مین اپنی اپنی توالیف مین ذکر کیا ہے مترجم کہتا ہے کہ امام بغوی محدث مفسر ہین وہ خوب جانتے تھے کہ یہ روایات اس قسم کے اخبار ہین جیسے سنن ابو داؤد وغیرہ مین ہر حدیث کو صاحب السنۃ خوب جانتا تھا کہ یہ روایت صحیح ہے یا ضعیف ہے لیکن یہ افسوس ہے کہ پچھلے لوگ جنکو اسماء الرجال مین تمیز نہین ہے اکثر بھٹک گئے اسی طرح ان روایات کا حال ہے جنکو امام بغوی رح نے ذکر کیا چنانچہ پچھلے لوگون نے انکو مثل اقوال صحابہ یا حدیث کے تصور کرلیا اور تعجب یہ ہے کہ ہمارے زمانہ کے بعض مدعیون سلف نے انھین روایات سے یہ حکم نکالا کہ ایسے بیرحم و فاسق لوگ تو مومن صالح نہین ہوسکتے پھر نبی کہان ہوسکتے ہین حالانکہ اس شخص کو یہ سمجھ

نہ آئی کہ ان روایات کا ذکر کرنا صرف اس غرض سے ہوسکتا ہے کہ یہود وغیرہ نے یون بیان کیا ہے ورنہ ذکر کرنا بہتر ہے پھر ان روایات سے کوئی حکم نکالنا حلال نہیں ہے پھر ایسا حکم نکالنا جو صریح نص کے خلاف ہو اعوذ باللہ من ذلک ۔ اب مین تفسیر کی طرف رجوع کرتا ہون ۔ القصہ حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ اسطرح پوری فرمائی کہ جس نے مصر مین اپنی جورو کے لیے حضرت یوسف کو خریدا تھا اپنی جورو سے تاکید کی کہ اسکو اکرام سے جگہ دے شاید ہم کو نفع پہونچاوے یا ہم اسکو بیٹا بنا دین ۔ پس معلوم ہوا کہ آنحضرت علیہ السلام غلامی کی ذلت مین نہین رہے پھر فرمایا ۔ وَكَذَٰلِكَ اور ایسے ہی یعنی جیسے ہم نے یوسف کو قتل سے اور کنوین سے نجات دیکر عزیز مصر کو اُسپر مہربان کیا اور اُس سے باوجود اسکا مملوک ہونے کے اکرام کا برتاؤ لیا ویسے ہی مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ ۔ تمکین وقابو دیا یوسف کیلئے زمین مین ۔ مراد زمین سے ملک مصر ہے ۔ بقاعی رح نے کہا کہ سرسبز و شاداب وکثیر المنافع اسقدر ہے کہ گویا یہی سب زمین ہے اور مین کہتا ہون کہ تمام زمین ایک سرائے مسافرانہ ہے کوئی ٹھکانا ہو آئین جسکو بتوفیق الٰہی تعالیٰ نیکیون کیلئے قابو ملا وہ خوب ہا ۔ پس اللہ تعالیٰ نے تمام واقعات گردش مین آنحضرت علیہ السلام کے صبر و رضا سے ثواب دیکر آخر مصر مین ٹھکانا دیا وَلِنُعَلِّمَهُ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۔ اور تاکہ ہم اُس کو سکھلا دین احادیث کی تاویل یعنی خوابون کی تعبیر ۔ اس عبارت کی ترکیب مین بعض نے کہا کہ مکنا سے متعلق ایک فعل مقدر ہے جسپر یہ عطف ہے یعنی لنمکنہ ولنعلمہ من الخ یا واؤ یہان زائدہ ہے ۔ اور حاصل یہ ہے کہ ہم نے یوسف کو حیات دنیا مین اسجگہ تمکین دی تاکہ مقرب و مؤدب باداب رسالت بنا دین اور تاکہ اسکو خوابون کی تعبیر سکھلا دین اور ان دونون باتون کا فائدہ تمام مخلوق کے لیے عام ہے وفضل عام ہے کیونکہ نبوت سے عوام کو تقرب و معرفت ملے جس سے وہ درجہ جانورے آدمیت کے عروج پر پہونچکر صاف منزلت دیکھتے و شکر کرتے ہین اور ایسے ہی خواب کی تعبیر سے اسرار آلہیہ وعلوم غیبیہ کیواسطے طاعت و عبادت و صلاح و تقویٰ سے آراستہ ہوتے ہین ۔ پھر واضح ہو کہ برادران یوسف نے چاہا کہ ہم یوسف سے بڑھکر مقرب صالح ہون اور ہم درجہ نبوت پر فائز ہون جو باپ کی طرف سے ملنے کا یقین رکھتے تھے بدلیل قولہ تعالیٰ لقد آثرک اللہ علینا ۔ اور بدلیل قولہ یخل لکم وجہ ابیکم وتکونوا من بعدہ قوما صالحین ۔ پس اُن سے دو طرح غلط فہمی ہوئی اول تو یہ سمجھے کہ نبوت اور ولایت ایک ایسی چیز ہے جو تدبیر و کوشش و کمائی سے حاصل ہو جاتی ہے حالانکہ یہ محض فضل الٰہی ہے لیکن جو کوئی ولی ہوتا ہے وہ ظاہر و باطن اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور خلق خدا پر رحم کرنے اور اُن کو عذاب دنیا و آخرت سے بچانے مین اپنی جان کی طرح کوشش کرتا ہے خواہ وہ سب کافر ہون یا مشرک ہون اور سب کو آرام سے رکھنا چاہتا ہے اور اب کوئی نبی نہین ہوسکتا ہان ولی انشاء اللہ تعالیٰ بہت ہون گے ۔ دوم یہ غلطی کی کہ نبوت کو باپ کی طرف سے بطور میراث سمجھے حتیٰ کہ بعد یوسف کے انبیا رہون ولیکن تدبیر کچھ مفید نہ ہوئی اور وہی ہوا جو اللہ تعالیٰ نے چاہا ۔ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ ۔ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے اپنے حکم پر اسکا حکم کوئی روک نہین سکتا ۔ یا غالب ہے اپنے امر پر یعنی جس امر کا ارادہ فرماتا ہے وہی ہوتا ہے اور بعض نے امر اور ارادہ کو ایک سمجھا ولیکن ہم فرق پہلے بیان کر چکے ہین اور بعض نے امرہ کی ضمیر حضرت یوسف کی طرف راجع قرار دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے یوسف کے امر پر یعنی شان یوسف مین جو اللہ تعالیٰ نے چاہا وہی ہوا چنانچہ بھائیون نے قتل چاہا پس امر الٰہی اُن پر غالب ہوا پھر چاہا کہ مسافر اسکو لیجا دین تاکہ اسکا نام مٹ جائے پس اسکا نام مشہور ہوگیا اور فروخت کرکے ذلیل بنانا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اسکا امر غالب کیا کہ وہ بادشاہ ہوا اور یہ لوگ اُسکے سامنے سجدہ مین جھکے اور

چاہا تھا کہ اب کو اس طرح تکلیف دیکر مدہوش کریں کہ انھین کی جانب راجع ہو تو امر آلہی غالب ہوا کہ اُن کے مکر سے آگاہ ہو کر ہمیشہ ناخوش ہوئے اور عزیز کی جورو نے یوسفؑ سے مراودت کی مگر با مر آلہی وہ بالکل پاک ہے پھر اسنے قید وغیرہ سے ذلت چاہی مگر وہ تہمت سے پاک اور معزز رہے پھر یوسفؑ نے ساقی کے ذریعہ سے بادشاہ کو اپنے حال سے آگاہی دلانی چاہی مگر امر آلہی غالب ہوا وہ بھول گیا یہان تک کہ جو مدت مقرر تھی وہ پوری ہوئی اور اس قصہ مین اکثر ایسے امور ہین جن سے صاف ظاہر ہے کہ حکم وامر فقط اللہ تعالیٰ کے لیئے ہی کسی غیر کی شرکت نہین ہی۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ - ولیکن بہتیرے آدمی یعنی کافر و مشرک لوگ اس بات کو جانتے نہین ہین کہ کل امر بقبضہ قدرت آلہی تعالیٰ ہے۔ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ - اور جب پہونچ گیا یوسف اپنی مضبوطی کو یعنی اتنے سِن پر پہونچے کہ وحی نبوت و رسالت کو برداشت کریں یا علم وحکمت کو اٹھا وین۔ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا - تب ہم نے اسکو حکم اور علم دیدیا۔ سراج وغیرہ مین لکھا کہ اشدہ یعنی شباب کی انتہا اور قوت و شدت پر پہونچے عرب بولتے ہین کہ بلغ فلان اشدہ یعنی فلانا انتہائے شباب کو پہونچ گیا۔ وبلغوا اشدہم - وے لوگ اپنی منتہائے شباب کو پہونچ گئے شیخ حافظؒ نے لکھا کہ اس مقدار مین کئی اقوال مروی ہین۔ ابن عباس۔ مجاہد۔ قتادہ نے کہا کہ تینتیس۳۳ سال کی عمر ہوئی تھی ضحاکؒ نے بیس سال وعکرمہ نے پچیس۲۵ وحسنؒ نے چالیس سال وسدیؒ نے تیس۳۰ بیان کیئے۔ امام مالکؒ وربیعہ اور زید بن اسلم وشعبی نے کہا کہ اشد احتلام کا سن ہوا انتہی یعنی اہل لغت نے کہا کہ انتہار اسکی ستئیس برس ہوتی ہے اور سراج مین یہان اطبار کا قول تزاید و انحطاط کا مجمل نقل کیا اور مترجم کہتا ہے کہ اطبار کے نزدیک وقوف کا سن آخری چھتیس۳۶ سال ہو اور شاید کہ مرتبہ نبوت کا چالیسوان سال ہو جیسا کہ حسنؒ کا قول ہو اور مواہب کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سن سے پہلے نبوت نہین ہوئی ہے واللہ اعلم بالجملہ قرآن مجید مین جو منصوص ہے اسی قدر ہم کو کافی ہے کہ جب وے اپنی مضبوطی کو پہونچ گئے خواہ کوئی سن ہو تب ان کو حکم وعلم عطا ہوا۔ سراج مین کہا کہ سابق مین قولہ تعالیٰ اوحینا الیہ لتنبئنہم بامرہم - مین بیان ہو چکا کہ وحی انکو پہلے ہو چکی تھی اب یہ حکم وعلم خالی وحی نہین ہی بلکہ حکم سے مراد علم بعمل ہی مترجم کہتا ہے یعنی خاصہ درجہ فقہ کہ متفرق علوم پر عمل کرنا جس سے ظاہر و باطن ہر حال مین موافق رضائے آلہی ہے یہ حکمت ہی کیونکہ باوجود علم کے اسپر عمل کا طریقہ اکثر لوگون کو نہین آتا ہی اسی واسطے کسی شیخ عارف کامل کے مرید ہوجاتے ہین جو خود یہ درجہ طے کر چکا ہو مصرعہ کہ - سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا ؛ اور بعض نے کہا کہ حکم سے مراد لوگون کے درمیان حکومت ہی لیکن حکومت ان کو عرصہ کے بعد جب قید خانہ سے نکلے ہین تب حاصل ہوئی تھی اور تاویل الاحادیث کا علم پہلے ہو چکا تھا چونکہ علوم آلہی عجیب اعلیٰ ہین کہ جو اس مرتبہ تک نہین پہونچا اس سے اگر بیان کیا جاوے تو وہ جہالت سے انکار کر جاوے اسکو تو ابھی ایمان کی تصدیق پوری نہین ہوئی ہی لہذا ہم کو اسقدر کافی ہی کہ مرتبہ بلوغ و قوت کے وقت اللہ تعالیٰ نے ایک قسم کا علم وحکمت انکو عطا فرمایا جو نہایت عظیم الشان وقابل قدر ہی۔ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِيْنَ - اور یون ہی ہم محسنین کو نیک عوض دیتے ہین جیسے یوسفؑ کو ایذا پر صبر و ثبات کے عوض یہ علم ربانی عطا فرمایا اور محسن وہ شخص ہی جو صدق وخلوص کیساتھ حضوری سے عبادت وطاعت ادا کرے اور حدیث سے اسکی تفسیر کئی مقام پر گذر چکی ہی اور طبرانی وغیرہ کی روایت مین ہی کہ جو شخص اپنے علم کے موافق عمل کرتا ہے اُسکو اللہ تعالیٰ ایسا علم دیتا ہی جو وہ نہین جانتا تھا پس شدائد و مصائب پر صبر کرنا اور جان لینا کہ بغیر تقدیر آلہی واقع نہین ہوا پس مستقیم رہنا منجملہ ایمان کے ہے ف فی العرائس قولہ اکرمی

مثواہ عسیٰ ان ینفعنا الآیۃ۔ اسمین آخرت کیلئے خریداری بہتر ثابت ہو اور اکرام منزلت سے تھا کہ یوسف کو بنظر شہوت نہ دیکھے کیونکہ اگر عارف
باطن ہو تو چہرہ اس عالم میں آئینۂ تجلی حق ہو اور یہ آئینہ سب سے افضل ہو کیونکہ طور سینا کی تجلی تو پہاڑ سے تھی اور یہ آدم سے ہے
اسواسطے عالم الغیب کے دیکھنے والے مثل یعقوب علیہ السلام کے وہاں کچھ اور دیکھتے تھے۔ عمل اکرام قلب ہو تب معرفت و طاعت
ملتی ہو اور اگر نفس کو قرار دے تو فتنہ و شہوت جوش کریگی۔ نفع اکرام قلبی کا معرفت مرتبہ صدیق ہے اور مشاہدۂ حضرت
رب العالمین ہو۔ قولہ وکذلک مکنا لیوسف فی الارض الآیۃ۔ تمکین یہاں مرتبۂ صبر میں ہو حتی کہ معرفت میں چہ رس قائم ہو اور مشاہدۂ
غیب کی داشت کرے اور اسکو تکوین و تغیر احوال سے باہر کر دیا تاکہ ضعیف و غریب لوگ اُس سے فیض و ہدایت پاویں اور اسواسطے
کہ حقائق مکاشفہ و لطائف خواب و اسرار ملائکہ سے آگاہ و خبردار رہو۔ قولہ واللہ غالب علی امرہ۔ اگر ضمیر امرہ راجع بجانب یوسف
ہے تو یہ امور اوپر مذکور ہوئے اُن سے یوسف کا خلاص ہونا بتقلبہ آلہیہ ہو اور اگر ضمیر راجع بجانب الٰہی عزوجل ہو تو لطیف
اشارہ ہو کہ امر الٰہی از عالم فعل ہو اور عقول مکلف الشریعت و طریقت میں لیل مر تو از راہ رسم ہے اور غلبہ از راہ قہر پس تقدیر
ہر حال میں غالب ہو ولیکن انسان موافق تدبیر کے کام کرنے پر معذور ہو اور وہ اس تدبیر پر بھی غالب ہو۔ قولہ ولکن اکثر الناس
لا یعلمون۔ امور مخلوقات منوط بتدبیر ہیں اکثر لوگ نہیں جانتے کہ تقدیر ازلی کا موقع کیا ہو۔ ابن عطاء رح نے کہا کہ اللہ تعالیٰ
اپنے امر پر غالب ہے جو چاہا جس مخلوق کی طرف چاہا جسطرح چاہا اسکی طرف جاری کر دیا اور جس سے چاہا پھیر دیا ولیکن اکثر لوگ
یہ جانتے و دیکھتے نہیں کہ امر الٰہی اسطرح غالب ہو آپنے بندوں کو طاعت کا حکم دیا مگر جسکے لیئے چاہا آسان کر دیا اور جسکے لیئے
چاہا اسکو اداۓ طاعت سے عاجز کر دیا۔ واسطی رح نے کہا کہ تدبیر میں انکو مصروف فرماتا ہے اور اُن کے تصرف میں خود تدبیر فرماتا
اُن میں گم موجود ہوتا اور موجود گم ہوتا ہے پس کسی بات کو کسی مخلوق کی طرف نسبت کرنا ایک طرح کا شرک ہے۔ قولہ ولما بلغ اشدہ
الآیۃ اشد مرتبۂ تمکین ہو کہ معاملات میں بھی مستقیم ہوا و رحال و آداب میں کوئی تلون صادر نہ ہو پس مکاشفہ میں۔ ربوبیت کا تصرف
ظاہر فرمایا پس حکم عبودیت اور علم ربوبیت اور حکم طریقت و علم حقیقت حکم ملک دنیا و علم ملک آخرت عنایت کیا وکذلک نجزی
المحسنین۔ جو کوئی ظاہر و باطن اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جانکر اپنی کوشش و طاقت کو فی اللہ و باللہ خیرات کرے وہ محسن ہے
اور بعض آدمی نے اس مقام سے اشارہ لیا کہ جو کوئی علوم سنت حاصل کرنے ادب کے ساتھ امر و نہی پر قائم رہے اسکو علم غیب کا حصہ
ملتا ہو اور ہواۓ نفس سے مخالفت کا علم جان لیتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام مرتبۂ احسان میں آزمائے گئے اور محسن
تھے کہ اس علم سے فائز ہوئے چنانچہ فرمایا۔

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ط قَالَ

اور پھسلایا اسکو عورت نے جسکے گھر میں تھا اپنا جی تھامنے سے اور بند کئے دروازے اور بولی شتابی کر کہا

مَعَاذَ اللّٰهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ ط إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُونَ ○

خدا کی پناہ وہ عزیز مالک ہو میرا اچھی طرح رکھا ہے مجکو البتہ بھلا نہیں پاتے جو لوگ بے انصاف ہوں

یہاں سے اُن وقائع کا بیان ہو جو حضرت یوسف علیہ السلام پر عزیز مصر کے گھر میں گزرے اور پہلے اس کا ایک نمونہ یعنی قولہ
وقال الذی اشتراہ من مصر لامرأتہ اکرمی مثواہ الآیۃ ذکر کر دیا اور درمیان میں قولہ کذلک مکنا لیوسف فی الارض الی قولہ نجزی

المحسنین ۔ سب جملہ معترضہ درمیان مین اسواسطے بیان فرمادیا کہ سننے والا آگے سنیگا کہ حضرت یوسف علیہ السلام پر بہت سے فتنے پیش آئے
تو جب پہلے سے اسکو معلوم ہوگا کہ ان سب سے نجات پاکر انجام کو بڑے مرتبہ پر پہونچے تو غور سے دیکھتا رہیگا کہ ایسے فتنے سے کس طرح اللہ تعالیٰ نے
نکالکر اس منزل کرامت پر پہونچے ہین۔ مراودت نرمی وآہستگی کے ساتھ خواہش کرنا اور چاہنا پس رود اسکا مادہ ہے جسکے معنی نرمی
وآہستگی کے ہین اور بعض نے کہا کہ راد یرود سے ماخوذ ہے جسکے معنی کسی چیز کے طلب مین آنا جانا گویا مطلب یہ ہے کہ ایسا فعل کرنا جیسے
دھوکا دینے والا کرتا ہے اور کبھی خاص کرکے جماع کے حیلہ کرنے مین بولتے ہین۔ القصہ جب عزیز مصر نے اپنی جورو سے دربارہ
اکرام منزلت یوسف کے تاکید کی تو آنحضرت اسکے گھر مین اچھی طرح پرورش پانے لگے یہان تک کہ بالغ ہوئے اور اسکی جورو
ہر وقت ان کے کمال حسن کو دیکھتی آخر ان پر فریفتہ ہوگئی اور ان کو اپنی طرف لبھانا چاہا چنانچہ فرمایا۔ وَرَاوَدَتْهُ۔ اور لبھایا
اسکو۔ الَّتِي اس عورت نے هُوَ کہ یوسف۔ فِي بَيْتِهَا جسکے گھر مین تھے۔ عَن نَّفْسِهِ۔ یوسف کی ذات سے یعنی چاہا کہ یوسف
اپنی ذات کو اسے دیدین اسکے لئے اسنے انکے ساتھ مراودت کی۔ اور مراودت اگرچہ از باب مفاعلہ ہے جسکے معنی دونون طرف
سے یہ کام ہونے کے آتے ہین جیسے مکالمہ دونون طرف سے باہم باتین کرنا اور معانقہ دونون طرف سے باہم گلے ملنا وغیرہ
لیکن یہان یہ باب ایک ہی طرف سے ہے یعنی خالی عورت نے انکو چاہا تھا جیسے قرضدار کا مماطلہ کرنا یعنی ادا کرنے مین تاخیر کرنا
اور جیسے طبیب کا مداواۃ کرنا یعنی علاج کرنا اور جیسے چور کا معاقبہ یعنی پیچھا کرنا۔ اور بعض نے کہا کہ عورت کی طرف سے طلب تھی
اور آنحضرت کی طرف سے دفع تھا پھر یون نہین فرمایا کہ راودتہ زلیخا یعنی زلیخا نے اسکو اپنی طرف لبھایا اور اگر یہ کہا جاوے کہ
اللہ تعالیٰ نے سوائے مریم کے کسی عورت کا نام نہین فرمایا اسی سے ادب سکھایا گیا کہ عورتون کا نام نہ لیا جاوے اور مریم کی
نسبت کافرون نے نعوذ باللہ تعالیٰ جورو اور بیٹا ہونے کا کفر بکا تھا تو باندیون کی طرح نام ذکر کردیا اور تمام مخلوقات تو شان
حضرت خالق عزوجل کے سامنے غلام وباندی سے کمتر ہین بہرحال اگر نام لیا تو یون بھی نہین فرمایا کہ راودتہ امراۃ العزیز۔ عزیز
کی جورو نے اسکو لبھایا تو اسمین نکتہ یہ ہے کہ اس خواہش کا باعث یہ ہوا کہ وہ اسکے گھر مین ہر وقت رہتا تھا اور حال یہ تھا کہ
اسکو آدھا حسن ملا تھا اور بقول مشہور ما فی الوجود شیء من شقۃ الشجن نہ مخلوقات مین جو ہے عشق کا زخم اٹھائے ہوئے ہے اور
بعض حکمانے تمام موجودات مین محبت ثابت کردی ہے یعنی جو چیز ہے اسکو کسی دوسری چیز سے خواہش ومحبت ہے پھر جو مخلوق کسی
اپنے مثل مخلوق کے طلب مین ہے وہ کافر باد ہے جبکہ اسکو عقل ہو اور اسمین ایک اشارہ آنحضرت علیہ السلام کے کمال پاکیزگی پر
ہے کیونکہ زلیخا خود حسن مین مشہور تھی اور باوجودیکہ ہر وقت اسکے گھر مین ہر طرح قدرت رکھتے تھے اور خود وہی دل وجان سے
طالب تھی پھر بھی کمال منزہ وپاک رہے اور دل مین خواہش بھی نہین آئی اور یہ بہت اعلیٰ مرتبہ ہے قتادہ رحمہ نے کہا کہ یہ عورت عزیز مصر
کی جورو تھی۔ ابن زید رحمہ نے فرمایا کہ جب آنحضرت پورے مرد ہوگئے تھے تب اس عورت نے ایسی خواہش کی۔ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ ۔
اور سب دروازے بند کردیئے۔ اغلق الباب اغلاق سے نہین بلکہ تغلیق سے غلقت فرمایا جس سے زبان عربی مین دلالت ہوتی ہے کہ خوب
مضبوط بند کیا تھا اسی سے گمان کیا گیا کہ قفل دیدیئے تھے واللہ اعلم اور ابواب سے دلالت ہے کہ آگے پیچھے کئی دروازے تھے اور شاید یہ مراد
ہو کہ سب طرف کے دروازے بند کئے ولیکن سیاق ما بعد سے قول اول کو ترجیح ہوتی ہے بہرحال اسنے سب دروازے خوب بند کردیئے
وَقَالَتْ۔ اور اسکے بعد آنحضرت سے بولی۔ هَيْتَ لَكَ۔ ابو عمرو اور عاصم واعمش وکسائی نے ہَیتَ بفتح اول وسکون دوم وفتح سوم

پس مشتری نے خریدا اور اسکو ام ولد بنایا یعنی اپنے تصرف مین لایا جس سے اولاد ہوئی پھر باندی نے اقرار کیا کہ مین آزادہ ہون تو اس سے کچھ نہ ہوگا اور مرد پر حرام کرنے کا الزام نہ ہوگا بلکہ جو اولاد ہوئی وہ صحیح النسب ہوگی اور اگر مشتری نے اسکی تصدیق کی تو بھی اولاد کے حق مین کچھ مضر نہین ہے ہان آیندہ اُس سے اجتناب کریگا اور اس کی نظیر بکثرت مسائل ہین جنمین یہ تصریح موجود ہے کہ اس کا یعنی ظاہر پر پہر اور جو کچھ احکام متعلق ہوچکے وے سب صحیح ہین مثلاً مشتری نے کسی دوسرے سے اسکا نکاح کرادیا تو مشتری کو مہر کھانا حلال رہا اور یہی اہل شرع مین اثر دسائر ہے چنانچہ مثلاً ایک شخص زید نے ایک عورت ہندہ سے نکاح کیا اور وہ پہلے کہہ چکا تھا کہ اگر مین اس سے نکاح کرون تو اسکو طلاق ہے پھر مرد نے ایک عالم سے فتویٰ پوچھا وہ ایسی طلاق کو واقع نہین جانتے تھے اُنھون نے حلت کا فتویٰ دیا پس مرد مدت تک اسکے ساتھ رہا اور کئی اولاد ہوئین پھر عورت کو خبر ہوئی تو اُسنے قاضی سے نالش کی اور قاضی کی راے مین اسمین حنفی مذہب حق تھا اُسنے وقوع طلاق کا فتویٰ دیا تو اولاد حلال ہوگی اور مرد پر زناکاری وغیرہ کی حد واجب ہوگی اور نظائر اسکے بکثرت کتاب القضاء اور کتاب المحاضر والسجلات اور بکثرت کتاب الشروط مین بیان ہین اسکو فتاوی ہندیہ ترجمہ عالمگیریہ سے تحقیق کرو جب یہ بات تحقیق ہوگئی تو حضرت یوسف کا یہ کہنا کہ انہ ربی احسن مثوای یعنی عزیز مصر میرا سید و آقا ہے مجھے اچھی طرح پرورش کیا ہے یہ قول صحیح ہے اسمین کچھ مضائقہ نہین ہے۔ اور بعض مفسرین نے کہا کہ پیغمبر سے یہ بعید ہے کہ اسکو اپنا مربی فرماوے بلکہ معنی یہ ہین کہ انہ یعنی بیشک وہ اللہ تعالیٰ۔ ربی میرا رب ہے احسن مثوای اُسنے مجھے اچھا ٹھکانا دیا یعنی بھائیون کی شر اور جب کی آفت سے نجات دیکر اس منزلت پر پہونچایا پھر اسکی نافرمانی مین زنا و حرامکاری نہین کرسکتا ہون۔ اِنَّہٗ لَا یُفۡلِحُ الظّٰلِمُوۡنَ بیشک جو ظلم کرتے ہین یعنی نیکی کی جگہ بدی کرتے ہین اور حکم الٰہی کے برخلاف کرتے ہین سو ظالم ہین تو اُن کو فلاح نہین ہوتی اگر مین ایسا کرون تو مین بھی ظالم ہوجاؤنگا اور فلاح نہ پاؤنگا ف و فی العرائس قولہ تعالیٰ وراودتہ التی ہو فی بیتہا الآیۃ سر باطنی پہلے عشق کی کشش سے اپنے معدن کی طرف چلا لیکن درمیان مین طبیعت آلودہ ہوگئی پس بسبب لاعلمی وبے تمیزی کے بھٹک کر شہوت کی طرف جھکا اور دروازے بند کیے۔ چاہا کہ عشق چھپا رہے اور کبھی غیرت عشق اُسکو مقتضی ہوتی ہے لیکن عشق مثل مشک کے چھپتا نہین ہے وہ کس قدر فاش ہوگیا اور شبلی نے کہا کہ سب دروازے بند کردے اور سب لگاؤ کاٹ دیئے اور پوری ہمت اپنے مقصود کی طرف پھیری اور چاہا جو چاہا ولیکن یوسف علیہ السلام پر قدس نبوت غالب ہوئی وقال معاذ اللہ انہ ربی احسن مثوای۔ اشارت ہے کہ رب تبارک تعالیٰ نے آدمی کو احسن تقویم پر پیدا کیا اور ازل مین اسکو برگزیدہ فرمایا جیسے یوسف کو نبوت و رسالت سے ممتاز کیا اور تاویل الاحادیث کا علم دیا۔ روایات کثیرہ ہین کہ پہلے حضرت یوسف پر حسن تمام عورتون کیلیے فتنہ ہوگیا تھا آخر جب نبوت و رسالت عطا ہوئی تو ہیبت و جلال کا لباس پہنایا۔ اقول اسکو اکثر مفسرین نے لکھا ہے۔ قال الشیخ۔ اور بعض نے کہا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے چھوٹے ولی نعمت کا خیال کیا یعنی عزیز مصر کا اکرام دیکھکر اس خیانت سے انکار کیا اور حضرت ولی نعمت حقیقی یعنی رب تبارک و تعالیٰ کا خیال نہ کیا تھا اسی سبب سے قصہ کے فتنہ مین پڑے کما قال تعالیٰ ولقد ہمت بہ وہم بہا یعنی فی الجملہ زلیخا کی طرف میلان ہوا۔ اور مترجم کہتا ہے کہ یہ تقریر کچھ بھی نہین ہے کیونکہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا خیال نہ تھا کیا یہ نہین دیکھا کہ پہلے ہی فرمایا معاذ اللہ ولیکن عورت مذکورہ اُسوقت کافرہ تھی اُس سے ایسا عذر کیا جسکو وہ بھی تسلیم کرتی تھی اور یہ جو بیان کیا کہ آنحضرت نے اُسکی طرف میلان کیا تھا یہ صریح نہین ہے بلکہ صحیح نہین ہے چنانچہ بیان ہوگا قال الشیخ اور حضرت اُستاد رحمہ اللہ نے کہا کہ انہ ربی احسن مثوای یعنی میرے رب تبارک تعالیٰ نے مجھ پر احسان کیا کہ مجھے اس حال پر

مفلوق کرکے عزیز مصر کا دل مجھ پر مہربان کیا حتی کہ اُسنے اکرمی مثواہ کا حکم دیا تو مجھے عصیان نہین لائق ہے پھر شیخ رحؒ نے کہا کہ اسمین اشارہ ہے کہ
فطرت بشری و نفس امارہ سے ہر وقت نبی و پیغمبر تک ہوشیار رہتے ہین۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۭ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْۗءَ

اور البتہ عورت نے فکر کیا اُسکا اور اُسنے فکر کیا عورت کا اگر نہوتا یہ کہ دیکھے قدرت اپنے رب کی　یونہی ہوا اسواسطے کہ ہٹادین اُس سے بُرائی

وَالْفَحْشَاۗءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۝

اور بیحیائی　البتہ وہ ہے ہمارے چنے بندون مین

اسمین آنحضرت علیہ السلام کے کمال عفت کا بیان ہے درحقیقت نعمت حسن عفیف ہو ورنہ اکثر لوگ جن کی ظاہری صورت مرغوب باطنی اوصاف قبیح ہوتے ہین انکو بھی نظر سے دیکھو تو ایسا سبزہ ہین جو ایسے گھورے پر لگا ہو جہان نجاست ڈالی جاتی ہو ہمیشہ مرد پاکیزہ مزاج ایسون کو اسی نظر سے دیکھتا ہے اور قابل تعظیم و اجلال وہ ہین جنمین اوصاف یوسفی ہین سے ہو چنانچہ جب نے لیجا نے دروازے مضبوط بند کر دیئے اور تمام آرائش سے انکو اپنی طرف بلایا تو اُنھون نے اپنی پاکیزگی سے صاف کہا کہ معاذ اللہ یعنی مین ہرگز ایسی حرکت نکرونگا مگر اپنے اوپر بھروسا نہ کیا کیونکہ نفس تو بدی کا امارہ ہوتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگی کیونکہ بشریت مقتضی ہے کہ مبتلا ہو جائے چنانچہ قولہ اصب الیہن سے یہ خوف ظاہر ہے پس جب پناہ مانگی تو ظاہر ہے کہ وہ عورت زبردستی پر آمادہ ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا۔ اس آیت کی تفسیر مین اقوال بہت ہین اور اکثر ان مین سے ائمہ سلف سے روایت کیے جاتے ہین ولیکن سراج المنیر مین خطیب نے اور کبیر مین رازی رحمہ نے و دیگر مؤلفین نے ان روایات کے ثبوت سے بالکل انکار کیا ہے اور شیخ ابن کثیر رحمہ اللہ نے جو فن حدیث مین امام حافظ ہین اسطرح انکار نہین کیا لہذا مین بعض روایات نقل کرنے مین مضائقہ نہین دیکھتا علاوہ اسکے مؤلفین نے جو وجہ انکار بیان کی وہ کچھ نہین ہے۔ واضح ہو کہ بالاجماع والاتفاق سب کے نزدیک صحیح ہے کہ آنحضرت علیہ السلام کسی قول فاحشہ کے مرتکب نہین ہوئے تھے ولیکن اختلاف اسمین ہو کہ آیا قصد فرمایا تھا یا نہین تو یہان تین قسم کے اقوال ہین اول یہ کہ ہان قصد کیا یہان تک کہ اوپری باتون سے تجاوز کرکے قربت کی بیٹھک بیٹھے تھے پھر برہان الٰہی سے الگ ہو کر بھاگے اور یہ قول حد سے افراط ہے دوم یہ کہ خالی قصد کیا تھا سوم یہ کہ دل ہی دل مین باتین بنائین اور ایک جماعت نے کہا کہ نہین بلکہ برخلاف اسکے قصد بھاگنے کا کیا تھا اور بیان اقوال سے پہلے لفظ ہمّ کے معنی معلوم کرنا چاہیئے۔ عرب بولتے ہین کہ ہمّ بالامر جب اس کام کا قصد و اسکے کرنے کا عزم کیا ہو۔ حدیث مین ہو لقد ہممت ان آمر فتیتی۔ مین نے ارادہ کیا تھا کہ اپنے غلامون کو حکم دون الحدیث فی تخلفہم الجماعۃ ہم بمعنی عزم و اندوہ و منہ قولہ ان قریشا اہمہم شان المرأۃ المخزومیۃ۔ یعنی قریش کو اندوہ مین ڈالدیا تھا بنی مخزوم کی عورت کے واقعہ نے کیونکہ اُسکی چوری ظاہر ہو گئی تھی۔ و منہ الحدیث و کفاہ اللہ ما اہمہ۔ بالجملہ یہان ہمّ سے مراد قصد ہو پس یہ معنی ہین قولہ ولقد ہمت بہ۔ اور البتہ قصد کیا عورت نے اسکا و ہم بہا۔ اور قصد کیا اُسنے عورت کا پس بعض نے کہا کہ عورت نے اس سے اختلاط کا قصد کیا یعنی دھینگا مشتی سے اور اُسنے قصد کیا عورت کو مارنے کا۔ اور بعض نے کہا کہ عورت سے بھاگنے کا ولیکن زبان عربیہ سے خلاف ہو اور گویا اتفاق اس بات پر ہے کہ آنحضرت علیہ السلام نے عورت کا قصد کیا جیسا کہ نص ظاہر ہے پھر ان لوگون مین اقوال ہین کہ یہ قصد بجانب عورت کے کس طرح تھا کیونکہ حرام طور پر قصد کرنا دل کا زنا ہو اور خفاجی رح نے سبب

وجوہ سے یہ پسند کیا کہ عورت نے اسکی خواہش کی اور اسنے عورت کی خواہش کی مگر یہ اشتہار رغبت بدین معنی نہ تھی کہ بالفعل اسکا اثر مترتب ہو
اور یہ قول امام رازی نے ذکر کیا ہے جیسا کہ آگے آتا ہے۔ اب میں سب اقوال مذکورہ بالا کو تلخیص مناسب ذکر کرتا اور صحیح و ضعیف کو علیحدہ
کرتا ہوں ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ معلوم ہو کہ بعض نے اس مقام پر علمائے سلف سے عجیب الٹی پلٹی باتیں روایت کیں
کہ مثلاً انہوں نے کہا کہ عورت مذکورہ نے جب خوب آراستہ ہو کر اسکو بلا کر الحاح کیا اور قصد کیا تو اسنے بھی عورت کا قصد کیا یہانتک کہ
کمر بند کھولا اور عورت کیساتھ ایسی بیٹھک پر بیٹھے جیسے مرد بیٹھتا ہے تب آواز آئی خبردار اس عورت سے دور رہو مگر کچھ فائدہ نہ ہوا پھر دوبارہ
سنی و تیسری بار مگر اثر نہوا پھر یعقوب علیہ السلام کی صورت دانتوں میں انگلی دبائے ظاہر ہوئی تو بھاگے۔ اور بعض نے کہا کہ سینہ پر ہاتھ مارا تو شہوت
جاتی رہی اسی وجہ سے اور بھائیوں کے بارہ بارہ بیٹے ہوئے اور آپ کے صرف گیارہ ہوئے اور بعض نے کہا کہ چھت میں زنا کی مذمت کی آیات
نظر آئیں اور بعض نے کہا کہ اس سے بھی اثر نہوا آخر اللہ تعالیٰ نے جبرئیل سے فرمایا کہ جا کر خبر لے میرا بندہ ڈوبتا ہے تو انہوں نے آواز دی کہ
اے یوسف یہ کیا کرتے ہو وغیرہ۔ اس طرح کے اقوال مروی ہوئے اور ہرگز ان بزرگوں میں سے کسی سے کچھ صحیح نہیں ہوا اور باہم یہ اقوال
خود متناقض ہیں اور یہ سب امام رازی نے بھی تطویل کے ساتھ نقل کر کے سب کو رد کر دیا۔ اور شیخ ابن کثیر رح نے کہا کہ یہاں لوگوں
کے اقوال مختلف ہیں اور ابن عباس و مجاہد و سعید و ایک جماعت سلف سے یہاں وہ کچھ مروی ہے جو ابن جریر وغیرہ نے روایت
کیا مگر اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ان اخبار کا کیا حال ہے۔ مترجم کہتا ہے کہ شیخ نے ان روایات کو بالکل متروک کر دیا کچھ نقل نہیں فرمایا
اشارہ ہو کہ ان میں سے کچھ ثبوت نہیں ہے اور شیخ نے ان کو قابل ذکر بھی نہیں سمجھا اور بیشک یہ قابل ذکر بھی نہیں ہیں لیکن چونکہ
بعض جماعت فارسی تفسیر والوں اور قصص الانبیاء والوں نے جنکو صحیح وسقیم کی تمیز نہیں ہوتی ایسی روایات کو لکھکر شائع کر دیا ہے لہذا میں نے بطور تلخیص
لکھکر عموماً آگاہ کر دیا کہ ان مفسرین سلف سے موافق ان مؤلفین علما کے قول کے کچھ ثابت نہیں ہے پس کسی کو حلال نہیں ہے
کہ ان روایات پر اعتقاد کرے یا غرہ ہو کر وعظ وغیرہ میں بیان کرے۔ بالجملہ لفظ ہم سے اگرچہ لغوی معنی یعنی قصد کرنا مراد
ہے لیکن بالیقین وہ قصد ایسا نہ تھا جیسا ان جھوٹی روایتوں نے سمجھا اور اسکو سلف صالحین کی طرف منسوب کر دیا اور ظاہرا
معلوم ہوتا ہے کہ یہودی ہونگے کیونکہ حدیث صحیح ایک قوم ہوتا ان اندھے والی جیسا کہ ہوا ان میں سے بعض نے یہ حرکت کی ہو واللہ اعلم
اب یہاں اس بات کا قصد سے صحیح مراد کیا ہو تو اکثر سلف و خلف سے صحیح روایات یہی مذکور ہیں کہ بمقتضائے طبیعت بشری
آنحضرت علیہ السلام نے بھی اس عورت کی خواہش کی۔ مترجم کہتا ہے کہ یہ بھی مجمل بیان ہے اسکی توضیح کرنے سے اصلی مقصود ظاہر ہوگا
اور توضیح یہ کہ قصد و خواہش دو طرح کی ہوتی ہے ایک یہ کہ آدمی اپنے اختیار سے کسی چیز کی طرف قصد کرے جیسے بھوکا آدمی
اپنی خواہش کے موافق طعام کا قصد کرتا ہے اور دوم قصد بے اختیار ہے کہ اور وہ اسطرح ہوتا ہے کہ دل میں خود بخود ہی چاہنے والی
کوئی بات آ جاتی ہے یا طبیعت بشری خود بخود کسی طرف جھک جاتی ہے۔ ابن کثیر رح نے لکھا کہ امام بغوی یعنی معالم التنزیل کے مصنف نے
بعض اہل تحقیق سے نقل کیا کہ حضرت یوسف کے قصد سے مراد خطرات نفس ہیں۔ امام رازی رح نے کہا کہ جیسے سخت گرمی میں
روزہ دار آدمی سرد ٹھنڈا پانی دیکھے اور اسکی طبیعت خود بخود اسکے پینے کی طرف مائل قصد کرے ولیکن وہ اپنے اختیار سے اپنے
دین کے خیال سے اسکو روک بیٹھا ہو یا جیسے نوجوان تندرست قوی آدمی کے سامنے ایک خوبصورت نوجوان عورت آراستہ
و پیراستہ ہو کر تعرض و آمادہ ہو تو اسکی طبیعت بے اختیار ہو کر اسکی طرف رغبت کرتی ہے مگر وہ اپنی عقل کے اختیار سے خیال

کرتا ہے کہ اس فحش و حرام ایک دم کی لذت و دائمی غضب آلٰہی مین پڑنا روا نہین ہے تو دل ہی دل مین جھگڑے و کشمکش مین پڑجاتا ہی
پس جب اسنے بخوف آلٰہی اپنے آپکو روکا تو اسکی بندگی کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا ہے اسی مضمون کو بیضاوی ؒ نے
اس طرح بیان کیا کہ آنحضرت علیہ السلام کے قصد سے مراد بے اختیاری قصد ہی کہ طبیعت کا میل کرنا اور شہوت و عقل مین
جھگڑا ہونا اور یہ اختیاری قصد نہین ہی اور بالاتفاق جو چیز کہ انسان کے اختیار مین نہین ہی اُسپر اللہ تعالیٰ نے حکم امر و نہی کا
نہین دیا ہے اور اختیاری بات یہان یہ ہی کہ ایسے میل و خواہش کے آنے پر اس فعل کو نہ کرے تو اس سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے
ثواب کا سزاوار ہو جاتا ہے۔ ثعلب رحمہ اللہ نے کہا کہ زلیخا نے قصد کیا تو وہ چاہتی تھی کہ اسکو واقع کرے اور اصرار کرتی تھی اور
آنحضرت علیہ السلام نے جو قصد کیا وہ بغیر عزم تھا اسکو واقع کرنا نہین چاہتے تھے بس یہ قصد محض نفس کے خطرات و باتین ہوئین
بالجملہ انبیا علیہم السلام کی شان سے ایسا قصد البتہ نہین ہوتا جسکو واقع کرنے کا عزم ہو اور ایسا قصد جو خطرات کے قسم سے ہی
وہ معصوم ہونے مین مضر نہین ہی آیا نہین دیکھتے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے خود تنصیص کی بقولہ وما أبرئ نفسي إن النفس لأمارة
بالسوء یعنی نفس اندر ہی اندر بُرے خطرات لاتا ہے اور اس سے بڑھکر حضرت سرور عالم سید المرسلین و خاتم الانبیاء اجمعین کا ایک مرتبہ
کا ذکر جو بعض سنن مین مروی ہی اگرچہ اسناد بہت قوی نہو لیکن خطرات نفس کے ثبوت مین جو نص سے ثابت ہین کافی ہی کہ ایک مرتبہ
اچانک ایک عورت پر نظر پڑی تو اُسی وقت اُٹھکر حضرت ام المومنین زینب کے حجرۂ پاک مین تشریف لیگئے اور جب باہر آئے تو بالون
سے پانی کے موتی ٹپکتے تھے اور ارشاد فرمایا کہ عورت امتحان و فتنہ ہین اُنکے آگے پیچھے شیطان چلتا ہی تو جب کوئی تم سے خطرہ پاوے
تو اپنی عورت سے جو اسکے نکاح مین ہو قربت کرلے کہ وہ خطرہ دل پر رہنے نہ پاویگا پس درحقیقت زنا سے بچنے کا ثواب انہین
مردون کیلئے ہی جو خواہش کے باوجود بخوف آلٰہی و تعظیم حکم اللہ عزوجل ممنوع فعل سے باز رہتے ہین ورنہ جو مجبور ہو
وہ خواہش ہی کیا کریگا پھر ہم اور وقوع مین صاف فرق ہی اور دونون کا ثواب علٰحدہ ہی چنانچہ صحاح مین حضرت ابوہریرہ ؓ
سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بدین معنی مروی ہی کہ اللہ تعالیٰ عزوجل فرماتا ہی کہ اذا ہم عبدی بحسنۃ الحدیث
جب میرا بندہ قصد کرے کسی نیکی کا تو اسکے لیے ایک نیکی لکھو پھر اگر اسکو کرے تو اسکے لئے دس گونہ ثواب لکھو اور اگر کسی بدی
کا قصد کرے مگر اسکو نہ کرے تو اسکے لئے ایک نیکی لکھو کیونکہ اس نے میرے ہی خوف و طاعت سے چھوڑی ہی اور اگر اسکو کرگذرے
تب اسکے لئے ایک بدی لکھو۔ کما فی روایۃ من الصحیحین اور یہ خاص واقعہ جو حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے پیش آیا تھا وہ
بڑے مرتبہ کا تھا کیونکہ اُنھون نے قصد نہین کیا مگر جبکہ ایک نہایت خوبصورت عورت نے جو اس ملک مین بے مثیل تھی کمال زینت
و طمانیت کے ساتھ در پردہ اور بے حجاب ان سے خواہش بعمد تمنا اظہار کی۔ اور انکار کی صورت مین اپنے اوپر صدمات کا خوف
تھا پھر بھی عفت کے ساتھ رہے اور یہ سب فضل آلٰہی ہی لَوْلَا أَن رَّأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ ۔ اگر یہ ہوتا کہ اسنے دیکھا اپنے رب کے برہان کو
یعنی رب تبارک تعالیٰ کی طرف سے یقینی روشن دلیل کو اگر وہ نہ دیکھتا تو جو اسکے دل مین خواہش ہوئی تھی اسکو پوری کرتا۔ مگر
اُس نے اپنے رب کی توحید و عظمت وغیرہ کمالات کبریائی پر روشن دلیل دیکھ لی پس باز رہا۔ اور ابو عبیدہ سے ابو حاتم نے روایت
کی کہ اس آیت پر ابو عبیدہ رحمہ نے مجھ سے کہا کہ یہان تقدیم و تاخیر ہے یعنی ولقد ہمت بہ ولولا ان رای برہان ربہ لہم بہا یعنی عورت
نے تو انکا قصد کیا اور اُسنے اگر برہان رب تبارک تعالیٰ نہ دیکھا ہوتا تو عورت کا قصد کرتا یعنی اُسنے عورت کا قصد ہی نہین کیا۔

شیخ ابن کثیرؒ نے اسکو ابن عربی کی راہ سے اس قول میں تامل ہو واللہ اعلم اور لکھا کہ اس برہان میں بھی اقوال ہیں جسکو آنحضرتؑ
نے دیکھا چنانچہ ابن عباس وسعید ومجاہد وسعید بن جبیر ومحمد بن سیرین وحسن وقتادہ وابوصالح وضحاک وابن اسحٰق وغیرہم
نے کہا کہ وقت قصد کے حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت دیکھی کہ دانتوں تلے انگلی دابے منع فرماتے ہیں اور ایک روایت میں
سینہ پر ہاتھ مارا کہ شہوت ان کے ناخنوں سے باہر ہو گئی اور ایک روایت میں قطفیر یعنی عزیز کا خیال دیکھا اور محمد بن کعب القرظی
نے کہا کہ چھت میں تین آیات لکھی دیکھیں۔ ان علیکم لحافظین کراما کاتبین۔ وما تکون فی شان وما تتلو منہ من قرآن ولا تعملون من عمل
الآیۃ۔ افمن ہو قائم علی کل نفس بما کسبت الآیۃ۔ اور کہا گیا کہ چوتھی آیت۔ ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ ومقتا وساء سبیلا۔ اوزاعی نے کہا کہ کتاب الٰہی کی ایک آیت
دیوار پر دیکھی جو اس کام سے روکتی تھی ابن جریرؒ نے کہا کہ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات ونشانیوں میں سے کوئی نشانی دیکھی اور قطعی دلیل نہیں کہ وہ کون آیت تھی
شاید یعقوب کی صورت ہو اور شاید فرشتہ جبرئیل کی صورت ہو اور شاید لکھی آیت ہو پس مطلقاً چھوڑنا ٹھیک ہے۔ مترجم کہتا ہے کہ علمائے سلفؒ سے جو اقوال مذکور ہوئے سے
عجیب ہیں اور ان میں سے بعض اقوال اسپر مبنی ہیں کہ قصد خلاف الٰہی کیا تھا تو آیت دیکھکر باز رہے اور شان نبوت جدا اعلیٰ واکرم ہے کہ یہاں سے
تعالیٰ اس پر نور بصیرت کے سامنے اندھے ہیں اس سے ان اقوال کو مناسبت بہت ہی کم ہے اور ان اقوال کے حق میں جو کچھ
رازی وخطیب وغیرہ نے کہا وہ اقرب بصواب ہے اور خفاجی نے حاشیہ بیضاوی میں لکھا کہ ان اقوال وقصص کی باتوں میں ایسی
باتیں ہیں کہ انکا بیان کرنا شان نبوت کے لائق نہیں ہے اور چھوڑ دینا بہتر ہے باوجودیکہ یہ سب اقوال محض بے اصل ہیں اور
اسپر طرہ یہ ہے کہ نص قطعی واسکے اشارات سے بالکل خلاف ہیں اور یوں کیوں نہیں کہتے کہ برہان رب تبارک وتعالیٰ وہ علم نبوت تھا
جس سے قطعی جانتے تھے کہ یہ فعل حرام ومنکر وفحش ہے اسی پر اعتقاد کرنا واجب ہے مترجم کہتا ہے کہ ائمہ سلف وخلف وعلمائے متبعین
سے صحیح تفسیر فقط اسطرح ثابت ہے کہ قولہ ولقد ہمت بہ۔ عورت مذکورہ نے یوسف علیہ السلام کے ساتھ قصد قربت کیا یعنی دل
میں اسکو ٹھان لیا اور بڑی کوشش سے ایسا واقع ہونا چاہتی تھی۔ وہم بہا۔ اور آنحضرت علیہ السلام کے دل میں خواہش کا خطرہ
آگیا مگر وہ واقع کرنا ہرگز نہیں چاہتے تھے باوجودیکہ اسباب امتحان کے سخت تھے اور نہایت مشکل موقع تھا لولا ان رای برہان
ربہ۔ اگر یہ نہ ہوتا کہ اپنے رب کی نشانی جو کھلی ہوئی نورانی حجت تھی دیکھی تھی تو موقع ایسا تھا کہ مبتلا ہو جاویں ولیکن اللہ تعالیٰ
نے انکو برہان توحید دکھلائی دیدی تھی جس سے انہوں نے نجات پائی اور معاذ اللہ کہنے کی برکت ظاہر ہوئی کیونکہ
اپنے نفس پر بھروسا نہیں کیا۔ کذالک۔ یونہی ہم نے اسکو برہان دکھلایا اور پناہ دی یا یونہی ہم نے اسکو ثابت قدم فرمایا
لنصرف عنہ السوء والفحشاء۔ تاکہ ہم پھیر دیں اس سے برائی کو اور بے حیائی بات کو یا زنا کو یعنی مستقیم رکھنا وطاعت پر
ثابت قدم و پاک کرنا حضرت خالق عز وجل کے قبضۂ قدرت میں ہے وہی اپنے خالص بندوں کو سلامت رکھتا اور قبول فرماتا
اور جسکو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ انہ من عبادنا المخلصین۔ بیشک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے ہے اور قرآن میں منصوص ہے
کہ شیطان کو فرمایا۔ ان عبادی لیس لک علیہم سلطان۔ یعنی میرے بندوں پر تجھے کبھی کچھ بھی قابو نہیں ہے۔ اس سے صاف ظاہر
ہو گیا کہ آنحضرتؑ نے حرام قصد اور عورت کو شہوت سے چھونا وغیرہ خراب باتیں جو قصہ کہنے والے بیان کرتے ہیں کچھ نہیں کیا
تھا یہ محض افترا ہے بلکہ وہ بالکل پاک ہیں اور دل میں خطرہ آنا جو بے اختیاری ہو وہ معصیت ہی نہیں ہے اور شیخ ابوالسعودؒ کو
حق تعالیٰ جزائے خیر عطا فرماوے کہ انہوں نے اس مضمون کو آیت کریمہ سے صاف نکال لیا اسطرح کہ اگر آنحضرت علی نبینا

و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سوء و فحشاء کی طرف خود قصد کیا ہوتا تو خود اس سے پھیرے جاتے اور یوں کہا جاتا کہ لنصرفہ عن السوء والفحشاء
تاکہ ہم اسکو پھیر دیں سوء و فحشاء کی طرف سے یعنی سوء و فحشاء کی طرف جاتا ہے وہاں سے اسکو موڑ دیں لیکن یوں نہیں تھا بلکہ
سوء و فحشاء کو شیطان رجیم انکی طرف لاتا تھا تو حضرت رب العزۃ ذو العظمۃ والکبریاء جل جلالہ نے دور ہی سے اُن کی طرف سے
شیطان کو مع سوء و فحشاء کے روک دیا اور وہ خائب و خاسر مطرود ہوگیا پس قطعی ثابت ہوگیا کہ آنحضرت نے سوء و فحشاء کا کچھ
قصد نہیں کیا تھا اگر سوء و فحشاء نے انکی طرف شیطان پر سوار ہوکر قصد کیا تھا تو اُن سے یہ دونوں مع شیطان کے رد کی گئیں
اسلئے کہ شیطان کو بندگان حضرت خلاق العلیم عز و جل پر کچھ قابو نہیں ہے ۔ والحمد للہ رب العالمین ۔ ف فی الدرس ۔
قولہ تعالیٰ ولقد ہمت بہ وہم بہا الآیۃ قصد زلیخا سابق ہوا اور حسن یوسف کا جذب سابق ہوا اور قصد زلیخا کا جانب حسن
یوسف ؑ تھا کیونکہ اسکا عشق و اسکا حسن دونوں کا صدور و صدور ازلی سے تھا اور دونوں جمال قدیم کی صفات سے ہیں پس
جب قلب زلیخا بجانب حسن یوسف مجذوب ہوا اور قصد زلیخا کو ہیجان ہوا تو قصد یوسف ؑ کو بھی اُسکے عشق کی الٰہیت و حسن کی
جانب ہیجان ہوا پس دونوں قصد یکدیگر سے مختلط ہوگئے پس جوہر کو بجانب جوہر اور فطرت کو بجانب فطرت اور طبیعت کو
بجانب طبیعت اور انسانیت کو بجانب انسانیت اور روحانی کو بجانب روحانی اور الٰہی کو بجانب الٰہی ہیجان ہوا پس جملہ یوسف
و قصد ہوکر متحد ہوئے یعنی کہ دونوں کا شخص و خیال و سواد و عقل و قلب و روح و سر ایک ہی ہوگیا پس دونوں قصد میں
کوئی قصد تہمت نہیں کرسکتے حالانکہ اصل الجواہر فقر ارادہ ہو اور اصل فطرۃ فعل ارادہ ہو اور اصل الطبیعیہ مباشرت قدرت ہو اور اصل
انسانی جو دو نجبان قسم ہے اور روحانی مباشرت لطف ہو اور یہی منفصل مادہ ہے اور اصل روحانی تا مباشرت لطف اور
اصل الٰہی تا تجلی جمال ظہور ذات و صفات اور ظہور صفات و افعال ہیں وحدت ہو پس نظر عین الجمع میں دونوں عشق
کی اصل اور دونوں ہمتوں کی بنیاد تجلی ذات و صفات و افعال کے معنی میں سے ہی پس جب تو نے اسکو معلوم کرلیا تو
دونوں شخص کو ایک شخص اور دونوں روح کو ایک روح اور دونوں قلب کو ایک قلب اور دونوں قصد کو ایک ہمت
اور دونوں سر کو ایک سر اور دونوں کل کو ایک کل دیکھیگا اور اس کل کا صدور ایک کل سے ہو اور یہی کل تمام عالم کی علت
ہے اور تمام چیزوں کے معانی اور دونوں جہان کا پیدا کرنے والا ہے اور یہی جملہ اصول کے لئے اصل ہو پس نہ ہم بیان
کون ہوا اور رموز حقیقت اسرار اشارہ میں قدس معرفت ہے کہ اشارہ کیا کہ ابتدا اسی سے ہو اور انتہا اسی کی طرف ہے
اور بیچ درمیان میں ہیں اپنے لطف سے آئین درمیان سے گر اور جب فعل سے فعل کے واسطے اور صفت فعل تجلی
فرمائی تو عشق بشہوت ہوگیا اور جب صفت کیلئے صفت سے یوسف صفت تجلی فرمائی تو عشق بشہوت روحانی
نفسانی کے ہوگیا ۔ اور جب ذات کیلئے ذات سے یوسف ذات تجلی فرمائی تو عشق ازلی مقدس انداسرار حرکات جمع ہوا سے
ہوگیا کیونکہ اسکا عشق ازلی بلا علت ہو پس پہلے ہمت و حرکت فعل بفعل ہے اور یہاں مقام امتحان ہو کیونکہ امر سے مخالفت
ہے اور درمیانی ہمت تجلی صفت بصفت ہو اور وہاں مقام التباس ہو اور انتہا بہ تجلی ذات بذات ہے اور یہ مقام قدس ہو
امتحان سے نجات اور وہاں سے طہارت ہو پس جبتک حضرت یوسف علیہ السلام ابتدا اور وسط میں رہے تب تک
محل امتحان والتباس میں معرض تھا سو جب تجلی ذات بذات میں آئے تو انوار ذات نے دونوں مقام کو سلب کیا

اور اگر یہ نہوتا تو برابر عتاب و امتحان مین پڑے رہتے اور تصدیق اسکی یہ ہو قولہ تعالیٰ لولا ان رآی برہان ربہ کذلک لنصرف عنہ السوء والفحشاء پس جو برہان حضرت یوسف علیہ السلام پر ظاہر ہوئی تو وہ ظہور ذات قدیم بلا پردہ منزہ از علت حلول و مباشرۂ حدوث تھا اور یہ ظہور موجب ہو کہ حدوث کو قدم سے جدا کردے اور وہان حدوث کا تعلق و شائبہ نہین رہتا ہے یہ مقام صرف تجرید و تفرید و توحید ہو وہان مقام التباس سے نجات ہو اور قولہ کذلک لنصرف عنہ السوء الخ ظہور آثار فحش و برائی کے اسرار تالیف ارواح و اجسام پر اور بعض کی حرکت بعض کی جانب بصفت محبت و الفت و مودت و ہوائے نفسانی و شہوت نفسانی و حیوانی و جسمانی پر ہو اور یہی عالم امتحان ہو اور امر و نہی و تکلیف و عبودیت نہین سے ظاہر ہے پھر عالم امر سے مخالفت کرنا بھی از راہ علم و عقل کے سوء و فحشا ہو اور حقیقت مین وہان علت فحش و سوء کی کچھ بھی نہین ہو کیونکہ یہ مواضع مقادیر ازلیہ ہین اور وہان ہمہ تن خوبی ہی خوبی ہو۔ اقول ایک حقیر مثال جس سے کچھ عقل کو عروج ہو یون کہنا چاہیئے کہ مثلاً سنکھیا بذات خود ایک پاک چیز ہے حتی کہ بدن پر اسکا استعمال حلال ہو اور کوئی عیب نہین ہے اور اگر اسکو بدن کے اندر استعمال کیا جائے جس سے ہلاکت ہو تو خودکشی و عیب ہے اور یون ہی دنیا کی جو چیز کہ نہایت عیبدار دیکھو اسکے جہات خوبی کے بھی موجود ہین اور بعض جہات بدی کے ہین اور خود اس مسئلہ مین دیکھو کہ عورت کی طرف قصد مقاربت درحالیکہ وہ اجنبیہ بلا عقد نکاح ہو محض فحش و سوء بہت بدتر ہو اور جب بعد نکاح کے اسکی طرف قصد ہو تو بہت پسندیدہ ہے جبکہ نیت صالح ہو اسیواسطے بعض علماء مفسرین نے آنحضرت علیہ السلام کے زلیخا کی طرف قصد کرنے کے معنی مین کہا ہے کہ قصد یہ کیا تھا کہ اگر اس سے نکاح ہوتا تو خوب تھا اور ظاہر ہے کہ بنکاح ایسے قصد مین کچھ بھی عیب نہ تھا بلکہ اس صورت مین عدم قصد سے عیب پیدا ہوتا ہے اور اسی واسطے اہل الحق کا دستور صحیح ہو کہ دنیا مین کسی چیز کو بنظر حقارت و عیب نہین دیکھتے ہین کیونکہ بنظر حقیقت وہ مقادیر ازلیہ ہین ان مین کچھ عیب نہین ہو اور جس شخص کو تقدیر ازلی نظر نہ آوے وہ خود سوء و فحشاء مین لتھڑا ہوا ہوتا ہے تو وہ بھلا کیا کسی دوسری چیز کو سوء و فحشاء کہے گا۔ فافہم واللہ تعالیٰ اعلم۔ قال الشیخ واضح ہو کہ جب عارف مقام توحید صرف سے پستی مین رہا اور درمیان ہی مین التباس و امتحان سے نہ نکلا تو دیدار قدم سے حجاب مین پڑا رہگیا قدم ازل تک نہین پہونچا اسپر یہ پردہ اُسپر خود سوء و فحشاء رہے اور اس فحش سے بڑھکر کون عیب ہوگا کہ دور راندہ ہوا ہستہ مین حیران ہوا اور اصل الاصل و اصل الکل تک پہونچنے سے محجوب ہو پس اس عیب کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندۂ خالص حضرت یوسف علیہ السلام سے دور فرمایا چنانچہ اُنکی ہمت عالیہ تمام مقامات امتحان و التباس و احتجاب و سوء و فحشاء سے ترقی کر کے دیدار صفات و ذات تک پہونچی اس صفت سے کہ خودی سے فانی اور بقاء حق باقی تھے تو اللہ عزوجل نے اُنکی تقدیس سوء و فحشاء سے بیان کر کے بعد اُنکا اخلاص اپنی منت و احسان کے ساتھ فرمایا بقولہ انہ من عبادنا المخلصین [پاکیزگی کر دیا] یعنی موحدین مرسلین و انبیاء کاملین مین سے تھا۔ قولہ لقد ہمت بہ وہم بہا۔ ابن عطاء رحمہ اللہ نے کہا کہ زلیخا نے اسکی طرف شہوت کا قصد کیا اور اُسنے عورت کو زجر و نصیحت کا قصد کیا یعنی بدلیل قولہ معاذ اللہ انہ ربی احسن مثوای۔ اور کہا کہ قولہ لولا ان رآی برہان ربہ یعنی یہ قصد زجر نہ ہوتا اگر برہان نہ دیکھتا اور کہا کہ برہان باہر نہ تھی بلکہ ان کے دل مین حق کی طرف سے واعظ تھا اور وہ واعظ ہر بندہ کے دل مین ہوتا ہے اور کہا کہ زلیخا نے تو چاہا تھا کہ اپنا جمال یوسفؑ پر ظاہر کرے مگر خراب نیت سے اُسکو لباس مکروہ پہنایا تھا پس اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام سے اُسکو محجوب کر دیا اور برہان عالی اور حق ظاہر دکھلایا کہ اسوقت سوائے حق کے ان کو کچھ مشاہدہ نہ تھا اور کہا کہ اگر مشاہدہ برہان نہ ہوتا تو زلیخا پر نظر فرماتے قال المترجم

اہل حق رحمہم اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ بغیر مشاہدہ برہان حق کے بشری نظر کو تلبیسات شیطانی سے دوری بتکلف ہوتی ہو اور آخر دین کو
نجات نہیں ہوتی ہے اور جب ایمان صادق ہوا تو محبت الٰہی عزوجل کے سامنے ہر مخلوق کا حسن غیر مرغوب ہوا اور امام غزالی وغیرہ نے نقل کیا
کہ روایت کیا گیا ہے کہ ایک زمانہ کے بعد جب زلیخا ایمان لائیں اور معرفت الٰہی حاصل ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلئے تنہائی اختیار کی تھی کہ
آنحضرت علیہ السلام اگر بستر پر بلاتے تو صبح سے شام کا اور شام سے صبح کا عذر کرتی تھیں اور آخر کہا کہ مجھے آپ کی محبت بسبب عدم معرفت
حضرت خالق عزوجل کے تھی اب میں اسکا عوض نہیں چاہتی ہوں تب آنحضرت علیہ السلام نے آگاہ فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھے آگاہ فرمایا ہے کہ
تجھ سے میرے دو فرزند ہونگے ان کو اللہ تعالیٰ نبی بنادیگا تو کہا کہ اچھا اگر حضرت عزوجل کی رضا ہو تو میں بسر وچشم اسکی بندگی میں حاضر
ہوں۔ فافہم۔ اور شیخ جنید رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آنحضرت علیہ السلام سے طبیعت بشریہ نے حرکت کی اور اختیار سے اسکو معاونت نہیں پہنچی
اور آدمی میں اگر پیدائشی فطرت جوش کرے تو کچھ مذموم نہیں ہے ولیکن شہوت کو خود اختیاری سے جوش دینا مذموم ہے اور اگر معصیت
کو عمل میں لاوے تو ملامت و عذاب کے قابل ہو اور اللہ تعالیٰ نے یہاں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصد بطریق مذمت نہیں بیان فرمایا
بلکہ بطریق مدح ہے۔ شیخ ابوعثمان رحمہ اللہ نے کہا کہ قولہ لنصرف عنہ السوء یعنی سوء الہم۔ بدی کا قصد کرنا اور موافقت کا فحش دونوں دور
کردیئے۔ شیخ جلیہ رحمہ اللہ نے کہا کہ جو بندے اپنے خالق کو محبوب ہیں ان سے پہلے باطنی خلوص وصفائی ہمت وارادت ظاہر ہوتی ہے
پھر ان کے افعال خاص ہوتے ہیں پس جسکا باطن صاف نہ ہوا اسکے افعال کبھی پاک نہ ہونگے۔ القصہ جب برہان الٰہی سے حضرت
یوسف علیہ السلام مستغرق تھے تو عورت کی خواہش کے موافق کچھ قصد نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگی جیسے ایمان والے بندے
ہر وقت اللہ تعالیٰ سے خائف اور اپنے نفس سے پناہ مانگتے رہتے ہیں اگرچہ قبول ونماز وعبادت کے مرتبہ پر ہونے میں پہلے سبقت لے گئے
بعد برہان الٰہی تعالیٰ سے صلاحیت ہوتی ہے پس جب عورت کی طرف سے اصرار دیکھا تو وہاں سے بھاگے۔ چنانچہ فرمایا۔

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِن دُبُرٍ وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۚ قَالَتْ
اور دونوں دوڑے دروازے کو اور عورت نے چیر ڈالا اسکا کرتا پیچھے سے اور دونوں مل گئے عورت کے خاوند سے دروازے پاس بولی

مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَن يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ قَالَ هِيَ
اور کچھ سزا نہیں ایسے شخص کی جو چاہے تیرے گھر میں برائی مگر یہی کہ قید پڑے یا دکھ کی مار یوسف بولا

رَاوَدَتْنِي عَن نَّفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن قُبُلٍ
اسی نے خواہش کی مجھ سے کہ نہ تھاموں اپنا جی اور گواہی دی ایک گواہ نے عورت کے لوگوں میں سے اگر ہے اس کا کرتہ پھٹا آگے سے

فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ وَإِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن دُبُرٍ فَكَذَبَتْ
تو عورت سچی ہے اور وہ ہے جھوٹا اور اگر ہے اس کا کرتا پھٹا پیچھے سے تو یہ جھوٹی

وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ فَلَمَّا رَأَىٰ قَمِيصَهُ قُدَّ مِن دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِن كَيْدِكُنَّ
اور وہ ہے سچا پھر جب دیکھا عزیز نے کرتا اسکا پھٹا پیچھے سے کہا بیشک یہ ایک فریب ہے تم عورتوں کا

إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ۝ يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا وَاسْتَغْفِرِي لِذَنبِكِ
البتہ تمہارا فریب بڑا ہے یوسف جانے دے اس ذکر کو اور عورت تو بخشوا اپنا گناہ

ع ۳

اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِيْنَ ۝

یقین ہے کہ تو ہی گنہگار تھی

جب حضرت یوسفؑ بھاگے تو عورت ان کے پیچھے دوڑی وَاسْتَبَقَا اور دونوں نے سبقت کی۔ اَلْبَابَ - دروازہ تک لیکن دونوں کا
استباق میں مقصود علیحدہ تھا حضرت یوسفؑ تو چاہتے تھے کہ سبقت کر کے نکل جائیں اور اس فتنہ سے چھوٹیں اور عورت چاہتی تھی کہ
سبقت کر کے روک لوں جانے نہ دوں۔ اور شاید کہ قولہ ہمت بہ و ہم بہا - میں بھی ہر ایک قصد کا مقصود علیحدہ ہو۔ اور یوسف
علیہ السلام اگرچہ مردتھے تیز بھاگے ہوں گے لیکن دروازے بند تھے تو کھولنے میں دیر ہوئی ہوگی اور کعب احبار رحمہ اللہ نے اظہار یہود
سے روایت کی کہ دروازوں میں قفل تھے بحکم الٰہی وہ قفل برابر کھلتے چلے گئے ہیں دیر خالی دروازے کھولنے میں ہوتی گئی۔ اور
کہتے ہیں کہ سات دروازے تھے آخر عورت نے باہری دروازے پر آنحضرت کی قمیص پیچھے سے پکڑ پائی اور زور کرنے میں وہ قمیص
پیچھے سے پھٹی تو ٹکڑا عورت کے ہاتھ رہ گیا کما قال تعالیٰ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ - اور نوچ لی عورت نے قمیص یوسف کی پیچھے
کی طرف سے۔ اور حضرت یوسف رہا ہو کر نکل جانا چاہتے تھے کہ ناگاہ وہاں یہ معاملہ پیش آیا جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا۔
وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ - اور دونوں نے پایا اس عورت کے سید کو یعنی شوہر کو نزدیک اس دروازے کے یعنی باہری دروازہ
جسکے بعد کوئی دروازہ نہ تھا وہاں دونوں کو عورت کا شوہر ملا اور عورت اپنے شوہر کو جیسے فارسی میں خاوند یعنی خداوند کہتی ہے
ویسے عربی میں سید کہتی ہے اور غلام و باندی بھی اپنے آقا کو سید کہتے ہیں مگر یہاں اول صیغہ اَلْفَيَا تو تثنیہ فرمایا یعنی دونوں نے پایا۔
اور دوسرا سیدہما نہیں بلکہ فقط سیدہا فرمایا تو اسوجہ سے کہ علم الٰہی میں درحقیقت عزیز مصر حضرت یوسف کا سید نہ تھا اور نہ آپ
اسکے مملوک تھے اگرچہ ظاہر میں لوگ بسبب شبہ جاننے کے آپ کو اسکا مملوک خیال کرتے تھے اور یہی ظاہری برتاؤ کے لیے آپ نے بقولہ
انہ ربی کہا تھا اور کہتے ہیں کہ عورت کا شوہر قطفیر عزیز مصر وہاں اس عورت کے چچازاد بھائی یا ماموں زاد بھائی کے ساتھ بیٹھا باتیں
کرتا تھا چنانچہ مروی ہے کہ دونوں نے دروازے کے اندر لوچا کھینچی اور دھینگا مشتی اور قمیص پھٹنے کی آواز سنی تھی۔ مگر ظاہر
سیاق اور اشارہ لفظ اَلْفَيَا یہ ہے کہ وہ اسوقت اتفاق سے مل گیا پس عورت کو رنج و ملال میں فضیحت کا غم و خوف ہوا اور ڈری
کہ شاید یوسفؑ اس سے مل گئے ہیں ساتھ لاتا ہے ضرور انھوں نے کہدیا ہوگا پس چھوٹتے ہی خود پیش قدمی کر گزری اور بہتان
و مکر باندھا۔ قَالَتْ۔ اور کہنے لگی اپنے شوہر سے کہ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا - کیا سزا ہے ایسے مرد کی
جو تیرے اہل خانہ کے ساتھ بدی کا قصد کرے۔ تیری اہلیہ کہکر اسکو آبرو کا بڑا غصہ دلایا اور اپنی نسبت یہ ظاہر کیا کہ میں
تیری ہی ہو رہی ہوں سوائے تیرے کسی سے تعلق نہیں ہو۔ لیکن دل میں تو آنحضرت علیہ السلام کی محبت بھری تھی صاف
نہ کہا کہ اسنے ایسا چاہا تھا اسکی کیا سزا ہوگی بلکہ علی العموم ایک لطیف اشارہ سے کہا پھر بھی ڈری کہ شاید اسکی زبان سے نکلجاوے
کہ وہ قتل کیا جائے یا بدی کے قصد سے وہ زبردستی کوئی حرکت واقع ہونا تو وہ غیظ و خشم میں قتل کرے تو خود ہی تخفیف کر کے
یہ سزا بیان کی کہ اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ - مگر یہی سزا ہے کہ وہ قید کیا جاوے اور شاید یہ غرض ہو کہ گھر میں اپنی ہی حفاظت میں قید
کرا دوں تو بھاگنے بھی نہ پاوے۔ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ - یا کوئی دکھ کی مار دیا جاوے اور شاید یہ غرض ہو کہ ایک دفعہ کچھ تکلیف
اٹھا کر پھر انکار وہ کر نہ ہوگا۔ خطیب وغیرہ نے کہا کہ محبوب کا دکھ بھی عاشق نہیں چاہتا ہے اسواسطے پہلے اسکی سزا قید بیان کی

اور چاہا کہ دہیں رہ و ایک روز بطور زجر کے قید کیا جاوے اور حبس دوام منظور نہ تھا کیونکہ جب دوام قید منظور ہوتی ہے تو جملہ فعلیہ اسطرح نہیں لاتے ہیں آیا نہیں دیکھتے کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ لاجعلنک من المسجونین یعنی دائمی قیدیوں میں سے تجھے بھی کر دونگا ۔ القصہ عورت اسطرح کہہ بیٹھی حالانکہ آنحضرت ؑ کے دل میں اسوقت تک افشائے راز کا کچھ ارادہ نہ تھا مگر چاری سے انکو اپنی پاکی و عورت کا فریب ظاہر کرنا پڑا ۔ قَالَ یوسف ؑ نے جواب دیا کہ ھِیَ رَاوَدَتْنِیْ عَنْ نَّفْسِیْ ۔ وہی مجھے پھسلاتی تھی ۔ شرم سے بصیغہ غائب بیان کیا حالانکہ وہ اسوقت سامنے حاضر تھی یوں نہیں کہا کہ ہذہ راودتنی یا انتِ راودتنی ۔ اسی نے خود ایسا چاہا یا تو نے خود ایسا چاہا تھا کیونکہ جب وہاں گواہ نہ تھا تو شاید انکی جانب شبہہ ہوتا ہیں حیادار کو اس سے شرم ہوتی ہے تو اس قصہ کا ذکر ہی نہیں چاہتے تھے اور جب بضرورت بیان کیا تو بھی شرم سے اس عورت کو غائبہ قرار دیکر کہا کہ میں نے کچھ نہیں چاہا بلکہ آپنے خود مجھسے ایسی نظر کی تھی اور اس موقع پر حالت خود شاہد تھی چنانچہ عورت سات سنگار سے آراستہ اور تنہائی میں انکو لئے ہوئے پھر دروازے پر شاہزادی کیونکر آئی اگر یہ پڑے نہیں آئی اور بھلا غلام کو یہ جرأت کہاں اور بھلا اتنی ماما اصیلوں میں غلام کو ملاقات کب ہو سکتی ہے اور بھلا ایسے شخص کو جو نہایت حیادار شرمیلا مدت سے معلوم تھا فت حدیث صحیح میں منع آیا ہو کہ جوان عورت کسی جوان آدمی کے ساتھ تنہا خلوت میں بیٹھے اگرچہ وہ مرد اسکا بھائی کیوں نہ ہو ۔ یہ خوف اہل ایمان کے حق میں زیادہ ہے کیونکہ شیطان انھیں کی فکر میں رہتا ہے بخلاف کافروں کے کہ انکا کفر خود کافی ہے اپنے فعل کیلئے وسوسہ دلانے کی حاجت نہیں اسی لئے اہل ایمان جب سبکے سب ضعیف الاعتقاد ہیں تو بہ نسبت کافروں کے انہیں بداخلاق و بدافعال زیادہ پائے جاتے ہیں کیونکہ شیطان انکے عقد ایمان بھی سلب کرنا چاہتا ہے اور وے بسبب ضعف کے اسکا وسوسہ جلد قبول کر کے آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں خصوص عورتوں کے دل میں اسکا گھر ہے ۔ اللھم ثبتنا علی الصراط المستقیم ۔ القصہ جب عزیز نے یہ سنا تو شہادت و تحقیق کی ضرورت ہوئی مگر حق عزوجل نے آنحضرت علیہ السلام کے لئے نہایت قوی شاہد اپنی قدرت سے پیدا کر دیا کہ جس سے انکی پاکی و طہارت پر یقین واثق ہوگیا اور یہ واقعہ ہونے سے پہلے جسقدر پاکیزہ خیال کئے جاتے اس سے بھی زیادہ ظاہر ہوگئے چنانچہ فرمایا ۔ وَشَھِدَ شَاھِدٌ مِّنْ اَھْلِھَا اور گواہی دیدی ایک گواہ نے جو اس عورت کے ناتے داروں میں سے تھا کہ اِنْ کَانَ قَمِیْصُہٗ ۔ اگر ہوئے قمیص یوسف کی ایسی حالت پر کہ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ ۔ نوچی گئی ہو آگے کی طرف سے تو فَصَدَقَتْ عورت نے سچ کہا ۔ وَھُوَ مِنَ الْکٰذِبِیْنَ اور یوسف جھوٹوں میں سے ہوگا یعنی یوسف ؑ کی قمیص دیکھو اگر آگے سے پھٹی ہو تو عورت سچی و یوسف ؑ جھوٹا ہے وَاِنْ کَانَ قَمِیْصُہٗ ۔ اور اگر ہو ویسے یوسف کی ایسی کہ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ نوچی گئی ہو پیچھے کی طرف سے فَکَذَبَتْ تو عورت جھوٹ بولی وَھُوَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۔ اور یوسف صادقین میں سے ہے جب دیکھا گیا تو بیشک حضرت یوسف صدیق علیہ السلام سچے تھے ف سچ ہمیشہ سچ ہوتا اور بالا رہتا ہے اگرچہ ظاہری صورت کچھ مشکل نظر آوے اور حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ آدمی سچ بولتا ہے اور ہمیشہ اسی کا قصد رکھتا ہے یہانتک کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اسکا لقب صدیق لکھا جاتا ہے اور آدمی جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ کا قصد رکھتا ہے یہانتک کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کذاب لکھا جاتا ہے اور حدیث صحیح میں ثابت ہے کہ آدمی مال بیچنے میں بڑھانے کیلئے جھوٹی قسمیں کھاتا ہے یہ بڑا سخت گناہ ہے اور جھوٹی گواہی کو کبیرہ گناہوں میں بڑا سخت شمار فرمایا ہے ۔ بالجملہ زبان کی خرابی و منفعت سے زیادہ آدمی اسکے آفت سے بچے جیسے آلہ تناسل سے نسل و نیک اولاد کی نیت کم اور فائدہ کم ہے بلکہ اسکی آفت سے بچنے کا قصد زیادہ ہے اسیواسطے حدیث میں ثابت ہے کہ جو کوئی مجھ سے ضمانت کرے کہ اپنے جبڑوں

بیچ والی چیز اور اپنی ٹانگون کی بیچ والی چیز کو نگاہ رکھیگا تو مین اسکے لئے جنت کا ضامن ہون پس جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا زبان کی آفتون مین سے تھوڑی ہین۔ واضح ہو کہ اس گواہ کے عمر مین لوگون نے دو مختلف اقوال نقل کئے ایک یہ کہ ڈاڑھی والا مرد تھا اور دوسرا یہ کہ گہوارہ کا لڑکا تھا۔ اور ابن عباسؓ سے عکرمہ وغیرہ نے قول اول روایت کیا اور عوفی نے قول دوم روایت کیا اور ایسا ہی حسن بصریؒ سے دونون قول مروی ہین اور ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ ہرنی تھی اسکو اللہ تعالیٰ نے گویا کیا اور مجاہدؒ سے بھی مروی ہو کہ وہ آدمی ہی نہ تھا یہ عجیب ہے۔ ظاہر البعض راویون سے سہو ہوا یا سمجھ مین فرق ہوا ورنہ شاید بات یہ ہوگی کہ پہلے عزیز مصر کے دروازے پر ملنے کے وقت جو شخص ساتھ تھا اور وہ بادشاہی مصاحبون مین سے زلیخا کا رشتہ دار تھا اور مرد دانشمند تھا اسنے حضرت یوسف کی صداقت پر گواہی دی ہوگی اور جب اسمین عورت نے گفتگو کی تو ایک طفل نے گواہی دی جسکا آیت مین ذکر ہی پس حضرت ابن عباسؓ و مجاہد و عکرمہ و حسنؒ و قتادہ و سدی و محمد بن اسحاق وغیرہم ایک جماعت نے پہلے گواہ کا ذکر جو بعض قصص و اخبار سے معلوم ہوا ہے بیان کیا ہوگا اسکو راوی نے شاہد کی تفسیر سمجھ لیا واللہ تعالیٰ اعلم۔ کیونکہ خود ابن عباسؓ و حسن بصری سے وضحاک و سعید بن جبیر سے اور ہلال بن یساف اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ گہوارہ کا بچہ تھا اور شیخ ابن کثیرؒ نے کہا کہ شیخ ابن جریرؒ نے اسی کو اختیار کیا مگر صواب یہ ہو کہ یون کہنا چاہئے جیسے سہیلیؒ نے کہا کہ یہی صحیح ہو اسلئے کہ اسمین تو صریح ایک حدیث آئی ہو جس کو ابن جریر نے ابن عباس کی روایت سے آنحضرت صلعم سے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بچپن مین چار نے کلام کیا ہے ماشطہ دختر فرعون کا بیٹا اور یوسف کی سچائی کا گواہ اور بچہ اور جریج راہب کی پاکی والا گواہ بچہ اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام۔ اور شارح مین لکھا کہ اس حدیث کو امام احمد نے مسند مین روایت کیا ہی۔ یہ حدیث صحیح ہو اور جب یہ حدیث خود ابن عباس سے روایت ہو اور صحیح ہو تو کیونکر ہو سکتا ہو کہ انہون نے شاہد یوسف کی تفسیر مین کبھی کہا ہو کہ ڈاڑھی والا مرد تھا اور کبھی کہا ہو کہ ہرنی جانور تھی جو تکلم الٰہی بولی تھی اور مجاہد سے کبھی ڈاڑھی والا مرد بیان کیا اور کبھی کہا کہ وہ آدمی ہی نہ تھا۔ ہان یہ ہو سکتا ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ کے حکم و قدرت سے بچہ نے کلام کیا اور گواہی دی اسی طرح وہان آواز غیب بھی آئی ہو کہ یوسف سچا ہی جسکو مجاہد بیان کرتے ہین اور ہرنی بھی بولی ہو جس کو ابن عباس کہتے ہین اور یہ راوی سے غلط ہوا کہ اسنے سب کو شاہد کی تفسیر سمجھ لیا ورنہ ان ائمہ سلف سے صحاح احادیث مین ثقات حفاظ راویون سے تبحر کا اندازہ ہو چکا ہے کہ انکے کلمات علوم ہوتے ہین اور پھر ایسے مختلف اقوال سے اشتباہ نہین ہو سکتا کیونکہ جسنے غور کیا ہو وہ جانتا ہو کہ اکثر تفاسیر مین بعض بے سمجھ راویون سے غلطی ہوئی کہ سلف نے جو حالات یہود کی زبانی نقل کئے انکو بھی راوی نے تفسیر مین داخل کر دیا اور کہین انکا مطلب کچھ ہی اور خود کچھ اور سمجھ لیا لہٰذا ہم کو حضرات سلف کی طرف سے یہ گمان کبھی درست نہین ہو کہ انھون نے شاہد کی تفسیر مین ایسے متناقض و متخالف اقوال بیان کئے ہون گے۔ بھلا یہ تو دیکھو کہ شاہد کی تفسیر مین راوی نے کہا کہ ابن عباس نے فرمایا کہ وہ جانور ہرنی تھی جسکو اللہ تعالیٰ نے گویائی عطا فرمائی حالانکہ صریح آیت مین شاہد من اہلہا منصوص ہو یعنی وہ گواہ اس عورت کے کنبہ والون مین سے اسکا ناتے دار تھا تو بھلا کوئی احمق یہ گمان کر سکتا ہو کہ حضرت ابن عباس حبر الامۃ فقیہ مفسر جنکے علم و فضل پر اتفاق ہو انکو اتنا نہ معلوم ہوا دلعلی ہذا۔ مجاہدؒ بھی نہ جانتے کہ وہ آدمی ہی نہ ہوگا تو عورت کا رشتہ دار کیونکر ہوگا پس صریح معلوم ہوا کہ ان بزرگون نے اسوقت کی گواہی دینے والونکو

سب کو بیان کیا کہ قطفیر کا ساتھی اور رشتہ دار جو بادشاہی مقرب جوان آدمی تھا اُسنے بھی گواہی دی اور غیب سے آواز آئی اور ہرنی نے بھی گواہی دی اور ایک طفل نے بھی گواہی دی جسکا ذکر قرآن مجید مین ہو کہ شہد شاہد من اہلہا اور جب ہر طرف سے حضرت یوسف کی پاکی کی آوازین اُٹھنے لگین حتی کہ طفل نے گواہی دی تو قطفیر کو یقین ہو گیا کہ آنحضرت علیہ السلام پاک ہین یہ تو ان روایات کا نقل ہو اور شاہد کی تفسیر خود مرفوع حدیث مین مذکور ہو کہ وہ گہوارہ کا بچہ تھا اور یہی ابن عباس و حسن وغیرہم سے مروی ہو ف اول یہ کہ گہوارہ مین بات کرنیوالے حدیث مذکور مین چار بیان ہین اور صحیحین مین فقط تین بیان ہین اور شاید وہ بدون گواہی دریافت کرنیکے بولنے والے یا اور کسی صفت کی خصوصیت سے فقط تین بچہ بیان فرمائے تو ان مین دو تو دو ہی عیسی ابن مریم اور جریج راہب کی تہمت کی پاکی بتلانے والے ہین اور تیسرا ایک بچہ جو اپنی مان کا دودھ پیتا تھا اُدھر سے خوبصورت خوش لباس سوار گزرا مان نے کہا کہ پروردگار میرا بچہ ایسا ہی کیجیو تو بچہ بولا کہ پروردگار مجھے ایسا نہ کیجیو پھر ایک مظلومہ باندی کو لوگ مارتے تھے کہ تو بدکاری کرتی ہو حالانکہ وہ بری پاکدامن تھی تو مان نے کہا کہ الٰہی میرا بچہ ایسا نہ کیجیو تو بچہ بولا کہ الٰہی ایسا کیجیو یہ حدیث صحیحین مین مفصل مذکور ہے دونون حدیث مین ملکر پانچ ہو گئے اور حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کا بچپن مین کلام کرنا مشہور ہو اور اصحاب الاخدود والی عورت کے بچہ کا بولنا خود صحیح مسلم وغیرہ کی حدیث مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہو۔ یہ سب اور زیادہ ہوے اور ثعلبی رحمہ نے حضرت یحییٰ بن زکریا کو شمار کیا اور شیخ مفسر سیوطی رحمہ نے سب گیارہ بیان کئے اور اتقان وغیرہ مین منظوم کر کے لکھا ہو اور حضرت سید المرسلین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین والصالحین وسلم علیہم اجمعین کو اور حضرت مریم والدہ عیسیٰ کو اور زمانہ ہادی مبارک کے طفل کو زیادہ کیا ہو اور واضح ہو کہ جریج ایک راہب تھا بہت پارسا اور ایسے شخص کے دشمن بہت لوگ فاسق شیطان کے پیرو ہو جاتے ہین اسپر تہمت لگانے کے لئے ایک بدکارہ عورت کو آمادہ کیا جسکے کسی چرواہے سے پیٹ رہا تھا اس نے وضع حمل کے بعد لوگون مین مشہور کیا کہ یہ جریج راہب کا بچہ ہو آخر لوگ ہجوم کر کے جریج کے پاس گئے ملامت کرنے لگے اس نے انکار کیا اور بیچارہ پاکدامن تھا اور لڑکے سے پوچھا کہ اے طفل تیرا باپ کون ہے اسنے جواب دیا کہ فلان چرواہا ہے حالانکہ یہ بچہ دودھ پیتا ہوا تھا۔ اسی حدیث سے امام حنفیہ نے کہا ہو کہ زنا سے جو اولاد ہو اسکا رشتہ ثابت ہوتا ہے حتی کہ جب چرواہا اسکا باپ ہوا تو جائز نہ تھا کہ مثلاً چرواہے کی بیٹی سے وہ بچہ نکاح کرتا اسی طرح قیاس کرنا چاہیئے اور امام شافعی رحمہ کے نزدیک ایسی حرمت نہین ثابت ہوتی ہے اور اس قصہ مین کہتے ہین کہ یہ اُسنے باطن کی بات بیان کی کہ درحقیقت اسکا نطفہ ہے اور حرمت کے احکام ظاہری ہین تو بحکم حدیث الولد للفراش وللعاہر الحجر یعنی اولاد تو جورو سے ہوتی ہے خواہ منکوحہ ہو یا باندی ہو اور زناکار کے لئے پتھر ہین جب زناکار کا نسب نہین ہوا تو حرمت بھی نہ ہوگی مترجم کہتا ہے کہ اقوی استدلال حنفیہ ہو لہذا وہی مذہب ہے۔ اصحاب الاخدود مسلمانون کی ایک جماعت کو کافر بادشاہ نے اگلی امتون مین سے آگ بھر کر خندقون کو دوزخ بنا کر اسمین جلایا تھا کہ دین سے پھر جاوین انھون نے نہین مانا اور مرجانا قبول کیا چنانچہ تفسیر سورۂ والسماء ذات البروج مین انشاء اللہ تعالی العزیز الرحیم بیان آویگا تو انھین لوگون مین ایک عورت کا بچہ لیکر آگ مین ڈالا جسکے صدمہ سے عورت تڑپنے لگی اور قریب تھا کہ دین سے پھر جاوے مگر بچہ نے آگ سے آواز دی کہ اے مادر مہربان جلدی چلی آ یہان تو آگ نہین نہایت عمدہ باغ ہو بس یہ بچہ تھا جس نے کلام کیا۔ فائدہ دوم اس قصہ مین ایک بچہ کی گواہی پر حضرت یوسف ع کی پاکی ثابت ہوئی اور فقہاء کا مذہب یہ ہو کہ گواہ جو قاضی کے نزدیک گواہی دین یا

یا نکاح میں گواہ کئے جاویں وہ عاقل بالغ آزاد آنکھوں والے عادل ہوں اور طفل کی گواہی قبول نہیں ہے تو جواب یہ ہے کہ طفل کو
لیاقت نہیں کہ وہ سمجھے اور اگر سمجھا تو قوت نہیں کہ محفوظ رکھے حتی کہ قبل بلوغ کے احکام روزہ نماز وغیرہ فرض نہیں ہوتے ہیں
اگرچہ بیع وخرید وغیرہ عقود میں نابالغ عاقل ہمارے نزدیک معتبر ہے تو معلوم ہوا کہ قبل بلوغ کے قابل تحمل شہادت نہیں ہوتا
تو ادا کے قابل بدرجۂ اولی نہ ہوگا اور گواہی سے دوسرے پر قطعی لازم کرنا اور الزام ہوتا ہے پس ایسی صلاحیت ضرور ہے اسی واسطے
طفل نابالغ قاضی نہیں ہوسکتا ہے اور یہ امر عادت میں قطعی ہے بخلاف شاہد یوسف کے کہ وہ خرق عادت تھا یعنی بطور
معجزہ کے خلاف عادت اتنا سا بچہ بولا تھا اگر کہا جاوے کہ اکیلا تھا اور یہاں دو گواہ شرط ہیں تو جواب یہ ہے کہ ہاں شرع
میں کہیں دو ہیں اور کہیں چار شرط ہیں اور یہ علی العموم عادت میں قاعدہ شرعی ہے اور شاہد یوسف خلاف عادت تھا اور
معجزات میں اور جو اس قبیل سے ہوں یہ شرائط ضرور نہیں ہیں لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ نبوت جبتک ختم نہیں ہوئی تھی تب تک انبیاء کے
معجزہ کا اعتبار تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہوچکی تو اب جو کوئی معجزہ کا دعوی کرے وہ کذاب مردود شیطان ہے
اور کرامت البتہ ہوسکتی ہے اور واقع ہوتی ہے لیکن اس سے شرعی حکم نہیں ثابت ہوتا ہے حتی کہ اگر اب کوئی لڑکا گہوارہ میں
بولے اور ایسی بات کہے جو شرع کے حکم صریح سے یا اجتہادی سے خلاف ہے تو اسکا اعتبار ہرگز نہ ہوگا جبکہ نبی کے کشف کا
دین میں کچھ اعتبار نہیں ہے اور اسکی کرامت برحق ہے اسیطرح ولی کے خواب سے شرعی حکم ثابت نہیں ہوتا ہے اس پر اہل السنۃ
والجماعت کا اتفاق ہے ہاں پیغمبروں کے خواب البتہ وحی ہوتے تھے اب ممکن نہیں ہے کہ کوئی شخص پیغمبر ہووے ۔ اور قصہ میں
حضرت یوسف کے گواہ کا اعتبار اسی وجہ سے ہوا کہ اللہ تعالی عزوجل نے اسکو خلاف عادت گویا کیا اور شاید کہ یہاں ایسے
طور پر وقوع ہوا کہ عزیز مصر وغیرہ کو قطعی یقین ہوگیا کہ حضرت یوسف سچے و پاک ہیں اسکو کچھ شبہہ نہ رہا۔ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيصَهٗ قُدَّ مِنْ
دُبُرٍ پس جب عزیز مصر نے دیکھا قمیص یوسف کو کہ نوچی گئی ہے پیٹھ کی طرف سے تو اسکو یقین کامل ہوگیا کہ یوسف سچے ہیں اور
عورت کی طرف مخاطب ہوکر۔ قَالَ ۔ بولا۔ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۔ کہ یہ تہمت یوسف کو بیشک تم عورتوں کی مکاری میں سے
ہے ۔ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ۔ تمہارا کید و مکر بہت بڑا ہے ۔ کید ایسی بات کسی آدمی کے واسطے کرنا جسکو وہ مکروہ و ناگوار
رکھے اس کلام میں اشارہ ہے کہ عزیز مصر نے جو کہا وہ ٹھیک ہے کیونکہ حق تعالی نے اسکو برقرار رکھا ہے ۔ حدیث سے حکم
نکالنے میں یہ قاعدہ ہے کہ جس فعل کو آنحضرت صلعم نے کسی آدمی کو کرتے دیکھکر منع نہیں کیا برقرار رکھا تو وہ بھی سنت
ہوتا ہے اسی طرح آیت میں بھی اس آیت کو مثال سمجھنا چاہیئے تو گویا حق تعالی نے عورتوں کے مکر کو بڑا فرمایا ۔ بعضے علماء حکماء نے کہا
کہ میں عورتوں کے مکر سے اتنا ڈرتا ہوں کہ شیطان سے اتنا نہیں ڈرتا کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا ۔ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا
شیطان کا مکر کمزور ہے بعضوں نے اعتراض کیا کہ یہ عالم حکیم ٹھیک نہیں سمجھے اسلیئے کہ شیطان کا مکر بمقابلہ ارادۂ الہی کے ضعیف ہے اور عورتونکا
مکر بمقابلہ مردوں کے بڑا ہے ۔ یہ اعتراض بالکل لچر ہے اسلیئے کہ اللہ تعالی خالق عزوجل کے مقابلہ میں تو شیطان و اسکا مکر و تمام
جہان سب کچھ چیز ہی نہیں ہے کمزور کیسا ہوتا ہے اور جب اللہ تعالی کے ارادہ کا اعتبار کرو تو عورتوں کا مکر بالکل نابود و نیست ہے
پس جو کچھ اللہ تعالی نے چاہا وہ تو ضرور واقع ہوگا اس سے ہم کو بحث نہیں ہے ۔ بلکہ یہاں تو مخلوق کا بیان ہے تو آدمی کو چاہیئے
کہ عورتوں کے مکر سے زیادہ احتیاط رکھے اور شیطان سے ہر وقت ہوشیار رہیگا مگر عورتوں سے اس سے بھی زیادہ ہوشیار رہے

کیونکہ شیطان اگر خالی وسوسہ دلادے تو ہوشیار اسکو فوراً جان کر اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگ لیگا اور اگر شیطان نے پہلے عورت کو آمادہ
کیا کیونکہ عورت اُسکا جال ہوتی ہو تو وہ ہتھیار لیکر آیا اب بہت زیادہ ہوشیاری چاہیئے ہو۔ ہان یہ البتہ ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز بڑی
ہو مگر کمزور ہو لیکن حکیم جانتا ہو کہ عورت آدمی ہے خود مکر نہین ہو بلکہ شیطان کیلئے آلہ ہو کیونکہ کم عقلی سے اسکا وسوسہ جلد قبول کرتی
اور آمادہ ہو جاتی ہو اسیواسطے جو مرد ایسے ہین کہ شیطانی افعال مین بڑی مستعدی سے جلد جلد آمادہ ہوتے ہین وہ عورتون کے
مثل بلکہ بدتر ہین کہ مرد ہو کر عورت سے بدتر ہوگئے نعوذ باللہ من سیٔ الاخلاق والضلال۔ القصہ اس فیصلہ کے بعد اسنے حضرت
صدیق علیہ السلام کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ یُوْسُفُ اے یوسف اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا۔ منہ موڑ لو اور درگذر کرو اس بات سے
یعنی تہمت کو معاف کرو اور اسکو کسی سے ذکر مت کرتا کہ لوگون مین نہ پھیلے پھر عورت کی طرف خطاب کرکے کہا۔ وَاسْتَغْفِرِيْ
لِذَنْۢبِكِ۔ اور تو اپنے گناہ سے مغفرت کی التجا کر۔ تو نے بیجا حضرت یوسف کو تہمت لگائی۔ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِيْنَ۔
بیشک تو ہی تھی خطا وارون مین سے۔ بعضون نے کہا کہ طعنہ دیا کہ تو خطا وارون کی نسل سے ہے جو تجھ سے یہ خطا سرزد ہوئی لیکن
ٹھیک یہی ہے کہ تو خطا وار آدمیون مین سے ہو اور خاطئین جمع مذکر کہا اور خاطئات جمع مؤنث نہین کہا کیونکہ عورتین تو مکار ہوتی
ہین اور واضح رہے کہ عورتون پر مکاری کا حکم بطور جنس کے ہے یعنی جنس عورتون کی بڑی مکار ہوتی ہو اس سے یہ لازم نہین ہو کہ
ہر ایک عورت بڑی مکار ہو بلکہ اگر آدمی بڑا مکار ہو تو عورت کی جنس سے ہوگا۔ پس عورتون مین سے مانند حضرت مریم وحضرت صدیقہ
عائشہ وحضرت فاطمہ وسارہ وغیرہ بڑی بڑی پاکدامن فقیہ عالم گذری ہین تو یہ نہین سمجھنا چاہیئے کہ جو عورت ہو وہ بڑی مکار
ہوتی ہو حتی کہ مردون مین سے بعضے ایسے ہوتے ہین جو ہزار درجہ عورت سے بدتر ہوتے ہین اور یہ ایسا ہے جیسے کہتے ہین کہ مرد
اچھا کہ عورت یعنی مرد کی جنس اچھی ہوتی ہو حالانکہ زانی چور شرابخور بدمعاش بیہودہ نکما مرد نہایت خراب ہو اور پاکدامن صالحہ نیک
سیرت مطیع دیندار عورت اس سے بہت بہتر ہے۔ القصہ عزیز نے عورت کو استغفار کرنے کا حکم دیا اور اس سے زیادہ کچھ نہین کہا
تو سراج مین شیخ ابوبکر الاصم سے نقل لایا کہ شوہر اس عورت کا غیرت کم رکھتا تھا کہ فقط اتنی بات پر کفایت کی۔ مین کہتا ہون کہ یہ
بات کچھ نہین ہو اسلیئے کہ درحقیقت کوئی لوث واقع نہ ہوا تھا اور ہنوز پردہ ڈھکا تھا البتہ عالم الغیب جل جلالہ کو علم تھا اسنے نازل
فرمایا تو قتل کرنے یا طلاق دینے مین پردہ فاش ہونا اور اسکو یہ حالت ایک ایسے پیغمبر کی طرف پیدا ہوئی جسکا مثل نہین تھا۔ وفی قصۃ
الافک قال استغفری ان المست فتابی۔ اور قتل البتہ اسطرح روا ہو جیسے حدیث صحیح مین آیا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے
سعد بن عبادہ سید الخزرج ۱۲
کہا کہ یا رسول اللہ اگر مین اجنبی مرد کو اپنی کوٹھری مین دیکھون تو تلوار سے قتل کر دون۔ آپؐ نے فرمایا الا ان سعدا الغیور یعنی خبردار ہو کہ
بیشک سعد بڑا غیرت والا ہے وانا اغیر منہ۔ اور مین اس سے بڑھکر غیرت والا ہون واللہ اغیر منی اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت
والا ہو ولذلک حرم الفواحش اور اسی جہت سے اس نے فواحش کو حرام کر دیا۔ علمائے حنفیہ نے کہا کہ اگر کوئی شخص اپنی جورو کے ساتھ
کسی اجنبی کو دیکھے درحالیکہ دونون راضی ہون تو روا ہے کہ دونون کو قتل کر دے اور اسپر کچھ قصاص نہین ہے اور کہا
کہ اسی طرح اگر ذی رحم محرم کے ساتھ مانند ماں و بہن و پھوپھی وغیرہ سے معاملہ ہو تو بھی یہی حکم ہے اور اگر عورت پر زبردستی کیگئی
ہو تو مرد فاجر کو قتل کر سکتا ہے اور بعض نے لکھا کہ اولیٰ یہ ہو کہ بحالت ضرورت قتل کرے اور مین کہتا ہون کہ غیرت اسکا باعث ہے
مسئلہ اگر ونڈی کے بیٹے نے اسکی ماں کے یار آشناؤن مین سے کسی کو قتل کیا اور صورت ولباس ان لوگون کا مسلمانونکا

ہے تو کیا حکم ہوگا مترجم کہتا ہے کہ یہ لڑکا اگر اپنی ماں کو اس حالت میں دیکھ چکا تھا اور جانتا تھا اگر راضی ہوا تو جب اسنے مرد زانی کو قتل کیا
تو اس سے قصاص لیا جاوے اور اسلام کی حکومت والے ملک میں یہ فعل روا نہیں ہے اور رنڈیوں کی نسبت اسلام کا حکم دیا جاوے
یا نہیں دیا جائیگا بلکہ اُن سے وہ برتاؤ ہوگا جو کافروں کے ساتھ ہو پس میرے نزدیک جو کوئی اُن کو اسلام میں داخل کر کے اُنسے
مسلمانوں کا برتاؤ کرے وہ بھی انہیں کے مثل ہے ایسا ہی حکم اللہ تعالیٰ و رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بقواعد شرع ثابت ہے اور استدلال
کے ذکر کا یہاں موقع نہیں ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ **فی العرائس** قولہ واستبقا الباب الآیۃ۔ واضح ہو کہ اول ظہور نور توحید میں آنحضرت
کو برداشت نہ ہوئی تو مقام خطر سے بھاگے اور اگر بحر توحید میں غوطہ لگاتے اور متمکن ہوکر زلیخا کو دیکھتے تو وہ پانی پانی ہو جاتی۔ اور
شہوت انسانی کا اثر نہ رہتا اسیواسطے جب زلیخا میں اثر نہ ہوا تو ان کے بھاگنے پر وہ پیچھے دوڑی اور قمیص پھاڑ لی۔ آنحضرتؑ تو
ابتدا توحید میں تھے اور زلیخا اپنے عشق میں انتہا کے قریب تو اسکے عشق میں توحید مؤثر نہ ہوئی۔ اور قمیص پھاڑنا عشق
روحانی پر عشق انسانی کا غلبہ تھا اور یہی پھاڑنا حضرت یوسف علیہ السلام کے صدق پر دلیل ہوگیا۔ بعض نے کہا کہ اگر مکان
کی طرف نہ بھاگتے بلکہ اللہ تعالیٰ کیطرف بھاگتے تو کافی ہوتا قولہ تعالیٰ والفیا سیدہا لدا الباب۔ زلیخا کا سید عزیز کو قرار دیا کیونکہ یوسف علیہ السلام کا سید
حضرت خلاق علیم ہے جل شانہ اور یوسف بتوحید و تفرید آزاد از عبودیت نفس تھے اور ظاہر شریعت کی راہ سے بھی ایسا ہی
تھا پھر عشق و ملامت میں ملازمت ہے چنانچہ زلیخا نے بہر حیثیت تہمت کو آنحضرتؑ کے ذمہ لگایا اور زبان دبا کر خالی سزا دینے کا نام لیا مگر
آخر اسی کی طرف عود ہوا۔ قولہ الا ان یسجن او عذاب الیم۔ اگر زلیخا کو عشق پورا ہوتا تو تہمت آنحضرت پر نہ لگاتی بلکہ خود گوارا کرتی۔ شیخ
ابن عطار رح نے فرمایا کہ الکلی سچی نہ تھی اور آخر میں محبت سے مستغرق ہوکر بولی کہ الآن حصحص الحق انا راودتہ عن نفسہ۔ مترجم کہتا ہے
کہ اکابر اولیاء نے بحکم قولہ تعالیٰ والذین آمنوا اشد حبا للہ اور باعتبار اس قصہ و اشارات احادیث صحیحہ کے کہا کہ محبت اعلیٰ مقامات
قرب میں سے ہے ولیکن ؎ عشق آن نبود کہ در مردم بود ؏ این فساد خوردن گندم بود ؏ امام غزالی رح و ایک جماعت
نے عشق نفسانی اور عشق روحانی و عشق ایمانی میں امتیاز بیان کردیا ہے پس عشق نفسانی یعنی شہوانی میں جانور و آدمی
سب شریک ہیں اور وہ معیوب ہے اور عشق روحانی اکثر فلاسفہ افلاطون وغیرہ کے مشق میں تھا۔ اعلیٰ عشق ایمانی ہے ولیکن
ہر حال میں ملامت اسکے ساتھ لازم ہے پس قسم اول کی ملامت تو فواحش و عیوب ہیں جیسے فاسقوں و فاجروں کی حرکات
میں مشاہدہ ہے اور یہ برعکس آثار ہوتے ہیں چنانچہ قسم اعلیٰ میں بہمہ تن رضائے حق عزوجل کا اختیار بلامت ہے چنانچہ فرمایا
حق عزوجل نے۔ لا یخافون فی اللہ لومۃ لائم یعنی اپنے رب کی عبودیت میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف
نہیں کرتے ہیں کیونکہ صدق کے علامات میں سے ہے کہ رضائے محبوب بہمہ تن پسند ہوتی ہے اور اپنی کوئی خواہش مختار نہیں ہوتی
اسیواسطے ابتدا حال میں زلیخا کا صدق نہ تھا اور آخر میں صادق ہوگیا چنانچہ اپنے تئیں مجرم قرار دیا اور آنحضرت علیہ السلام
کو بری کیا ایسے ہی جو لوگ بندوں میں سے صادق ہیں وہ حضرت رب تبارک و تعالیٰ کی رضائے اعلیٰ میں ہر قدم سرگرم ہیں
ماں باپ بیٹے دوست و آشنا سب کے سب جا و فضیحت و ملامت سے باز نہیں آتے کسی شخص کی ملامت سے نہیں ڈرتے ہیں
اس سے معلوم ہوا کہ محبت ایمانی میں اہل ملامت کا سر التقوی بزرگوں کا نام ہے چنانچہ حضرت المبارک رحمہ اللہ سے صحیح
منقول ہے کہ کتاب لب لطائف میں ذیل تذکرہ بعض اکابر اولیاء در شیخ العصابہ رحمہ اللہ نے افسوس کے ساتھ صوفیہ کے

جاہل صوفیہ پر ملامت کی ہے کہ یہ لوگ رندی و زندقہ والحاد و سرا سہاگ و بیہودگی کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت اور شیطان سے
محبت ہو اسکو ملامت کہتے ہین مترجم کہتا ہو کہ شاید ان بدبختون نے سوائے عشق شہوانی کے کسی عشق سے وقوف
نہین پایا اس سبب سے اسی کے مناسب ملامت کو ملامت خیال کیا اللہم احفظنا ہم حاصل یہ کہ عشق شہوت کی ملامت تو تمام مشہور
ہے اور ملامتیہ فرقہ گذاگرون کا اسی قسم کا مفسد گروہ ہے اور عشق نورانی ایمانی کی ملامت یہ کہ کمال تقویٰ و طہارت ہو
حتیٰ کہ راہ حق مین اسکو کچھ خوف ملامت کا نہ ہو کہ لوگ ہم کو اس طرح کہین گے فلیحفظ المقام واللہ تعالیٰ ہو الحکیم العلام
قولہ قال ہی راودتنی عن نفسی۔ شیخ نے لکھا کہ کرم مقتضی سکوت تھا بنظر آنکہ فضیحت نہ ہو و توحید مین ترک تدبیر سے اقرب
ہو کیونکہ ظہور اشیاء بمقادیر ازلیہ ہو لیکن تقدیس نبوت مثل حق تعالیٰ کی عبودیت ہو لہذا گہوارہ کے بچہ نے گواہی دی
لطیف اشارہ ہو کہ عورت نے محبت کا دعویٰ کیا اور بلا کے وقت الگ ہوئی تو کریم بن الکریم نے اپنے قول سے ملامت
اسپر لازم کی۔ شیخ نے کہا کہ ملامت دعویٰ عشق مین لازم ہو ورنہ عشق صادق نہ ہوگا۔ اقول اسی واسطے مردان راہ حق ہر زمانہ
مین کافر و مسلم یعنی دشمن و دوست سے عجیب سوانح کے ساتھ بدگوئی و ملامت برداشت کرتے ہین ولیکن شرع مقدس
و طریقہ سنت و رضائے حق تعالیٰ مین کمال تقویٰ کے ساتھ ثابت قدم رہتے ہین۔ جب حجت قاطعہ سے صدق نبوت ظاہر
ہوا تو عورت کے شوہر نے کہا کما حکاہ اللہ تعالیٰ انہ من کیدکن ان کیدکن عظیم۔ شیخ نے کہا کہ عورتون کے مکر و کید سے مراد
یہان اُنکا کرشمہ و ناز و عشوہ و زلفون کا لہرانا و خوش ادائی و دلربائی سے حرکات انداز اور زینت لباس و لطافت گفتگو
اور ہنسانہ سے پھول مارنا اور اسپر حسن کی ایک نقاب اُن کے چہرون پر ہو۔ بھلا شیطان کو یہ منظر ملعون صورت کا انکے مقابلہ مین کیا
شمار ہو اسیواسطے قولہ ان کید الشیطان کان ضعیفا مکر شیطان کو کمزور اور مکر زنان کو عظیم قرار دیا۔ حدیث مین ہو کہ ما ترکت
بعدی فتنۃ اضر علی الرجال من النساء یعنی مین نے اپنے بعد کوئی فتنہ نہین چھوڑا کہ وہ عورتون سے زیادہ بڑھکر مضر ہو مردون
کے حق مین یعنی اُمت کو آگاہ فرمایا کہ تمہارے لئے سب سے بڑا فتنہ عورتین ہین اور فرمایا النساء حبائل الشیطان شیطان کے
جال یہ عورتین ہین۔ اقول اس زمانہ مین تو مرد مومن کو یہ بدیہی نظر آتا ہے۔ کچھ دلیل کی حاجت نہین ہو۔ شیخ نے کہا کہ
حسن فعل الٰہی عزوجل یہ ہو کہ عورتون کے چہرون و طبائع پر ایک نقاب حسن ازل ہو کہ طبائع مردان اسطرف منجذب ہوتے ہین
اور یہی اصل عظیم ہو اسکی وجہ سے انکے کید کو عظیم فرمایا ہے۔ جب یہ خبر فاش ہوئی تو زلیخا کی ہمجولیون و ہمرازون نے لالچ کیا ولیکن
ظاہر مین زلیخا کو ملامت کا بہانہ کیا چنانچہ اسکو اللہ تعالیٰ نے حکایت فرمایا بقولہ

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ

اور کہنے لگین کئی عورتین اُس شہر مین عزیز کی عورت خواہش کرتی ہو اپنے غلام سے اُسکا جی فریفتہ ہوگیا اُس کی محبت مین

اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ

ہم تو دیکھتے ہین وہ بہکی ہے صریح پھر جب سنا اُسنے اُنکا فریب بلا بھیجا اُن کو اور طیار کی

لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ

اُنکے واسطے ایک مجلس اور دی اُن کو ہر ایک کے ہاتھ مین چھری اور بولی یوسف نکل انکے سامنے پھر جب دیکھا اُس کو

أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَٰذَا بَشَرًا إِنْ هَٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ۝

دہشت میں آگئیں اُسکی اور کاٹ ڈالے اپنے ہاتھ اور کہنے لگیاں حاشا للہ نہیں یہ شخص آدمی یہ تو کوئی فرشتہ ہے بزرگ

قَالَتْ فَذَٰلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنَّنِي فِيهِ ۖ وَلَقَدْ رَاوَدْتُهُ عَن نَّفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ

سو یہ وہی ہے کہ الزام دیا تم نے مجکو اُسکے واسطے اور میں نے چاہا اُس سے اُسکا جی پھر اُسنے تھام رکھا

وَلَئِن لَّمْ يَفْعَلْ مَا آمُرُهُ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُونًا مِّنَ الصَّاغِرِينَ ۝ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ

اور مقرر اگر نہ کریگا جو میں اسکو کہتی ہوں البتہ قید پڑیگا اور ہوگا بےعزت یوسف بولا اے رب مجکو قید پسند ہے اس بات سے

إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ ۖ وَإِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُن مِّنَ الْجَاهِلِينَ ۝

جس طرف مجکو بلاتیاں ہیں اور اگر تو دفع نکرے مجھ سے انکا فریب تو مائل ہو جاؤں اُنکی طرف اور ہو جاؤں بے عقل

فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

سو قبول کرلی اُسکی دعا اُسکے رب نے پھر دفع کیا اُس سے اُنکا فریب البتہ وہ ہی ہے سننے والا خبردار

القصہ جب یہ خبر فاش ہوئی کہ عزیز کی جورو اسطرح چاہتی ہے اور حکمت الٰہیہ نے حضرت یوسفؑ کی پاکی اور طفل کی گواہی سے کرامت عام مشتہر فرمائی تو امراء و رؤسا کی عورتوں میں یہ تذکرہ پھیلا وقال تعالیٰ۔ وَقَالَ نِسْوَةٌ۔ نسوۃ جماعت زنان اس کا واحد بلفظہ نہیں بلکہ امرأۃ آتا ہے اور تانیث غیر حقیقی ہے لہذا فعل قالت ضرور نہیں روایت ہے کہ پانچ عورتیں سرغنہ تھیں ساقی کی جورو باورچی۔ داروغہ اصطبل کی بیوی۔ اور داروغہ جیل خانے کی بیوی اور شاہی حاجب کی عورت یعنی اور کہا عورتوں کی ایک جماعت نے۔ فِي الْمَدِينَةِ۔ جو اس شہر میں تھیں مصر میں اور بعض نے کہا کہ شہر عین الشمس والیان تھیں اِمْرَأَتُ الْعَزِيزِ۔ امرأۃ رسم الخط بتا رکشیدہ یہاں ہے عزیز بادشاہ دلقب وزیر مصر اور ایسے شخص کی جورو کا قصہ سننے کی طرف توجہ زیادہ ہوگی۔ المعنی کہ عزیز مصر کی جورو۔ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَن نَّفْسِهِ۔ مراودت کرتی ہے اپنے غلام کو اسکے نفس سے یعنی زلیخا چاہتی ہے کہ اُسکا زرخریدہ اُس سے مانوس ہو حالانکہ وہ بھاگتا ہے۔ فتی نوجوان۔ فتاۃ۔ نوخیز عورت۔ اور فتاہا دفتاک وفتای اسکا تیرا میرا غلام یعنی وہ اپنے غلام کنعانی سے بُری حرکت چاہتی ہے۔ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا۔ درحالیکہ مشغوف کرلیا اُسنے اس عورت کو از راہ محبت کے یعنی شغاف قلب جو پردہ جھلی رقیق ہے وہاں تک عورت کے دل پر اسکی محبت بیٹھ گئی اور یہ پردہ پھاڑکر دل پر پہونچ گئی ضحاک از ابن عباسؓ شغف یعنی محبہ عشق شدید اور شغف یعنی مہملہ اس سے کم اور شغاف دل کی جھلی ہے۔ إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ۔ ہم سب تو اس عورت کو کھلی ہوئی گمراہی میں پڑا دیکھتے ہیں اور ضلال عرب والے عشق کو بھی کہتے ہیں تو شاید یہ معنی ہوں کہ ہم اسکو عشق میں مدہوش سمجھتے ہیں ولیکن اول ظاہر ہے بقرینہ قولہ۔ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ۔ پس جب سنا زلیخا نے اُن کا مکر۔ مُراد مکر سے قول ہے کیونکہ اس قول سے چاہتی تھیں کہ کسی طرح یوسف کو دیکھیں کیونکہ ان عورتوں نے بظاہر کہا کہ فلانی عورت اپنے غلام پر ایسی ریجھی دھری جاتی ہے ہم تو اسکو دیوانی سمجھتے ہیں اور مطلب یہ تھا کہ ہم کو تحقیق کردو ہم دیکھ لیں سفیان ثوریؒ نے کہا کہ قرآن میں جہاں مکر ہے اس سے عمل مراد ہے پس معنی قولہ تعالیٰ مکر اللہ یعنی فعل اللہ۔ اگرچہ فعل الٰہی ایسی طرح پر ہو کہ بدکار ظالم بندوں کے فعل کے مقابلہ میں خفیہ بصورت مکر ہو۔ رازی نے کہا

کہ یا یہ ہو کہ زلیخا نے ان کو اپنے اسرار سے آگاہ کیا تھا اسکو انھون نے فاش کیا۔ یا۔ اُنھون نے خفیہ غیبت کی۔ مترجم کہتا ہے کہ عورتون نے بلحاظ موقع حالیہ کے اس کلام سے کوئی مکر چاہا تھا مثلاً زلیخا کا یوسف سے ترک تعلق اور گھر سے بدر کرنا یا اُن مین سے کسی کو دیدینا وغیرہ جسکو زلیخا سمجھ گئی پس صحیح ہوا کہ جب زلیخا نے ان عورتون کا مکر سنا تو۔ اَرۡسَلَتۡ اِلَيۡهِنَّ۔ اُن عورتون کو بلوا بھیجا۔ وَاَعۡتَدَتۡ لَهُنَّ مُتَّكَاً۔ اور مہیا کر رکھا انکے لئے متکا۔ ابن عباسؓ وسعید بن جبیرؒ ومجاہدؒ وحسنؒ وسدیؒ وغیرہم نے فرمایا کہ متکا وہ مجلس جسمین فرش بچھے دگاؤتکیہ آراستہ ہون اور چاقو چھری سے کاٹ کر کھانے کی چیزین مہیا ہون جیسے ترنج وغیرہ۔ کذا فی تفسیر الحافظ۔ واعتدت اے اعددت ومعنی اعداد کے سامان مہیا کرنا اور سراج مین متکا کی تفسیر خالی ایسے طعام سے ذکر فرمائی جو چاقو چھری سے کاٹا جائے اور ایسے طعام کو متکا اسوجہ سے کہتے ہین کہ اترائے ہوئے لوگ تکیہ دیکر اُسکو کھاتے ہین اور اصل متکا وہ چیز ہے جسپر تکیہ دین جیسے گاؤتکیہ وغیرہ اور حدیث مین تکیہ دیکر کھانے سے ممانعت فرمائی ہو کمافی الصحاح ولیکن اصوب وہی تفسیر ہے جو سابق مین مذکور ہوئی کہ مراد متکا سے مجلس گاؤتکیہ وغیرہ سے آراستہ ہو اور فرعونیون کے رواج مین شاید یہ ہوگا کہ ترنج وغیرہ فواکہ کی دعوت مین ایسی تکیہ دار مجلس آراستہ کرتے ہون گے پس متکا مجلس اس امر کو متضمن ہو کہ اسمین چھری چاقو سے کاٹ کر کھانے کی چیزین بھی مہیا ہوتی ہین اسی واسطے فرمایا۔ وَّاٰتَتۡ اعطت۔ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنۡهُنَّ سِكِّيۡنًا۔ اور دیدی زلیخا نے ہر ایک عورت کو اُن مین سے ایک چھری۔ قال الحافظ۔ یہ طریقہ زلیخا کی طرف سے عورتون کے مکر کا جو دیکھنا چاہتی تھین مقابلہ ہے یعنی صریح زخم کی حجت سے زلیخا کی معذوری کا اقرار کرین چنانچہ جب یہ سامان ہوگیا تو۔ وَّقَالَتِ اخۡرُجۡ عَلَيۡهِنَّ اور زلیخا نے حضرت یوسفؑ کو فرمایا کہ نکل کر ان عورتون پر ظاہر ہو پہلے سے حضرت یوسفؑ کو فرزندانہ خیال عزیز سے بلباس شاہانہ آراستہ کرکے تنہا مقام پر چھپا رکھا تھا اب حکم دیا تو ظاہر ہوئے۔ فَلَمَّا رَاَيۡنَهٗۤ اَكۡبَرۡنَهٗ سوجب ان عورتون نے آنحضرت کو دیکھا تو بڑا بزرگ شان والا جانا اسکو۔ یعنی عظمت واجلال شان یوسفؑ کی ان پر طاری ہوئی اور کمال حسن وہیبت شان اصلی نبوت ازلی کی اور لباس تاج شاہانہ ظاہری سے ان پر دہشت طاری ہوئی کہ جس سے خود فراموشی کی نوبت پہونچی۔ وَقَطَّعۡنَ اَيۡدِيَهُنَّ۔ اور لگین کاٹنے اپنے ہاتھون کو۔ یا کاٹ ڈالے اپنے ہاتھ۔ شیخ حافظؒ نے کہا کہ اکثرون کا قول ہو کہ ترنج سے چھری طے ہوکر ہاتھون پر پہونچی اور بیہوشی وحیرت سے اسی طرح وہ عورتین ریتنے لگین حتیٰ کہ ہاتھ زخمی ہوگئے اور مجاہد وقتادہ سے مروی ہو کہ بعضے ٹکڑے کٹ گرے اور زید بن اسلم سے روایت ہو کہ جب عورتین دعوت کھاکر فارغ ہوئین تو زلیخا نے تنقل کے طور پر ترنج مع چھری ہر ایک کے سامنے رکھوائی اور فرمایا کہ کیا تم یوسف کو دیکھنا چاہتی ہو۔ بولین ہان تو کہلا بھیجا کہ یہان آؤ جب عورتون نے دیکھا تو عظمت وہیبت طاری ہوئی اور متحیر رہ گئین پھر حکم دیا کہ جاؤ تاکہ سامنے سے آتے اور جاتے دونون ہیئت سے دیکھ لین اور یہ عورتین اس حالت مین چھری اپنے ہاتھ پر چلانے لگین جب آنحضرتؑ چلے آئے تو انکو درد محسوس ہوا اور غلغلہ برپا ہوا تب زلیخا نے کہا کہ ایک نظر اس آفتاب جمال کو دیکھنے سے تمھارے حواس کی آنکھین اسقدر نابود ہوگئین بھلا تم مجھے کیونکر ملامت کرتی ہو۔ وَقُلۡنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا۔ تب کہنے لگین حاش للہ یعنی پاکی ہے اللہ تعالیٰ کے لئے یہ تو آدمی نہین ہو۔ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيۡمٌ۔ نہین ہو یہ شخص مگر ایک بزرگ فرشتہ۔ الغرض آئندہ زلیخا پر کبھی ملامت نہ کرین گی کیونکہ آدمی تو ایسا کیا بلکہ اس سے مشابہ بھی کبھی نہین دیکھا گیا ہو یہ آدمی نہین ہوسکتا بلکہ کوئی فرشتہ ہے جسکو اللہ تعالیٰ

نے متمثل فرمایا ہو واضح ہو کہ حضرت یوسف کا جو حسن تھا بیان سے باہر ہے اور احادیث میں بعض روایات میں ہو کہ حسن میں سے
نصف و بعض میں دو تہائی و فقط آنحضرت کو دیا گیا تھا اور باقی میں تمام مخلوق ہو اور ظاہر اصریح روایت نصف کی ہے اور ما قل ل
دو تہائی ہو اسطرح کہ ایک تہائی حسن کا آنکی دادی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو ملا تھا جیسا کہ حدیث میں آیا اور یہ میراث بھی حضرت
یوسف کو ملی اور خود نصف حسن انکو ملا تو مجموعہ دو تہائی ہو گیا واللہ اعلم - بالجملہ انکا حسن سوائے دیکھنے والوں کے دوسروں کے قیاس سے
باہر ہو کیونکہ انکا مشابہ دوسرا نہ تھا جسپر حواس کی قوت کو دوڑاویں اور ادنی بات یہ تھی کہ جب سوار ہو کر چلتے تو چہرہ کی
روشنی سے دیواریں روشن ہو جاتی تھیں - اب یہاں ایک وہم یہ ہوتا ہے کہ ظاہرا عورتیں اسوقت توحید الٰہی اور فرشتہ کی
قائل تھیں حالانکہ تواریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قوم بت پرست تھی تو اسکا جواب کئی طرح پر ہو اول یہ کہ حاشا للہ کلمہ
تنزیہ و تعجب ہے جسکو عرب بولتے ہیں پس ان عورتوں کے کمال تعجب کے کلمہ کو عرب کے ایسے کلمہ سے تعبیر فرمایا اور فرشتہ سے تشبیہ منظر
عوام معروف ہو اگرچہ بنظر ایمان انکو اعتقاد نہ ہوا اور ممکن ہو کہ حضرت ابراہیم و دیگر انبیاء کی تعلیم و تلقین سے اثر عام اقوام تک پہونچا اگرچہ
ان فرقوں کی طرف نسبت نہ ہو یا بت پرستی ان میں بعد اسلام کے پھیلی ہو اور یہ امر صاف مشاہدہ حالیہ سے ظاہر ہوتا ہو جواب
دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کا اقرار اور فرشتہ کا اقرار انکی طرف سے تحقیقی تھا اور انکی بت پرستی کو اس اقرار سے کچھ مخالفت نہ تھی دیکھو کفار
عرب کو بھی اللہ تعالیٰ کا اقرار تھا باوجود بت پرستی کے اور ملائکہ کو بنات اللہ بطریق کفر و انکار کہنے سے فی الجملہ انکا اقرار تھا - بالجملہ کفر کی
ملتیں طرح طرح کی ہیں اور انکا یہ اقرار واقعی ہوتا کچھ محل وہم نہیں ہو اور جواب سوم درحقیقت دوسری قرأۃ کا اختیار ہے
اور وہ یہ ہو کہ بشراباً ای جارہ اور شراء بمعنی خرید ہے پس قولہ ما ہذا بشرا یعنی یہ شخص تو خرید ا ہوا غلام نہیں ہے اس کی
شان غلامی کی نہیں ہو - ان ہذا الا ملک کریم - ملک بکسر لام پڑھو یعنی یہ شخص تو بادشاہ بزرگ ہو - خفاجی رح نے کہا کہ یہ قرأۃ
براہ روایت و درایت دونوں طرح صحیح ہو - اگر کہا جاوے کہ ان عورتوں نے کیونکر جانا کہ فرشتہ اس صفت کا ہوتا ہو تو جواب
یہ کہ محض اعتقاد جو ان کے دل میں مرتکز تھا یا خیال خوبی جو بجانب ملائکہ ہو سکتا ہے اس امر کا باعث ہوا جیسے بھوت پریت
و شیاطین کی نسبت نہایت قبیح صورت ہونے کا خیال راسخ ہوتا ہو پس یہاں مانند کشاف معتزلی کے کوئی شخص یہ زعم
نہ کرے کہ بشر سے فرشتہ کی صورت افضل ہو بلکہ اس بحث میں نہ پڑے کہ فرشتہ اچھا کہ آدمی اچھا کیونکہ دین میں یہ کوئی
مسئلہ نہیں ہو - اگر کہا جاوے کہ یہ فضل حضرت یوسف ؑ کے ساتھ مخصوص تھا تو جواب یہ ہو کہ ہاں مگر یہاں نظر دو طرح پر ہے
اول آنکہ کسی شئے کی خوبی جو درحقیقت ہو اور دوم آنکہ ظہور کسی خوبی کا دنیاوی آنکھ کی قوت پر تو جاننا چاہیے کہ نظر دنیاوی ایک صنعت
قدرت کاملہ الٰہی تعالیٰ ہے اور اسپر امتحان کا اندازہ ہو چنانچہ روح کو یہ آنکھ نہیں دیکھ سکتی اور عصائے موسیٰ کو آنکھ دیکھتی تھی
مگر اسکی حقیقت کو کچھ نہیں پہچانتی تھی حالانکہ درحقیقت وہ فرعون کیلئے اژدہا ہو جاتا تھا اور یہ حال حواس کا اہل عقل پر خوب واضح
ہے پس سب سے کہ حضرت یوسف ؑ کے ساتھ یہ مخصوص تھا کہ ظہور نصف حسن کا ہو اور ممکن ہو کہ درواقع کسی بندۂ خاص کو
ان سے زیادہ حسن عطا فرمایا گیا لیکن صفت ظہور اس نظر کیلئے عام نہ ہوئی ہو اور اکابر اہل الحق اسی پر ہیں کہ آنحضرت سید الانبیاء والمرسلین
یعنی مولانا محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و صحابہ اجمعین میں کمالات بروجہ اتم واکمل تھے اور آپ جملہ انبیاء و مرسلین سے افضل تھے ولیکن
اس دار ناپائدار کے ظہور میں حکمت الٰہیہ جس طرح مقتضی ہوئی ظہور ہوا اسیواسطے آپکا دیدار ایک معجزہ خاص تھا جس سے حضرات

صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بحکم طوبیٰ لمن رآنی الحدیث کے جو حاصل ہوتا تھا وہ کمال کبھی کسی طرح اب ممکن نہیں ہو اور جن سے طائفات کافرہ معاندین کی صریح نفی فرمائی بقولہ تراہم ینظرون الیک وہم لا یبصرون ۔ اور سعدی علیہ الرحمہ نے خوب کہا ہے گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ؎ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ ؎ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وجمیع الانبیاء والمرسلین کا حسن وجمال اعلیٰ واکمل تھا اگرچہ اندھوں کو نظر نہ آوے ۔ فافہم واستقم ۔ وہہنا اشارات لطیفۃ لایسعہا المقام بل لا یتحملہا الکلام ۔ القصہ ان عورتوں نے اس حسن ظاہری پر ایک نارست نظر سے ایسی کیفیت دیکھی اور یہ حالت طاری ہوئی کہ تن بدن کا ہوش نہ رہا ہاتھ کاٹ ڈالے اور درد محسوس نہوا اور بالآخر انھوں نے خام خیالات پر اس کو آدمی نہ جانا بلکہ فرشتہ تجویز کیا اور زلیخا کا عذر معقول جانا ۔ قَالَتْ ۔ زلیخا نے ان عورتوں سے کہا کہ ۔ فَذٰلِكُنَّ ۔ اے فہذا ۔ اور کن ضمائر خطاب ہوتی ہیں جنکے لیے موقع اعراب نہیں ہوتا اور اشارہ ذالک بجائے ہذا کے بغرض تفخیم شان ہو جیسا کہ بلاغت عرب میں معلوم ہوا ۔ پس یہی ہو سا الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ۔ وہ شخص جسکے عشق میں تم نے مجھے ملامت کی تھی یعنی میں ایسے حسن سے بے اختیار وبے صبر ہوں ۔ بالجملہ یہ عذر ایسا صریح تھا کہ معذوری کا مرتبہ یقین سے بھی بڑھ گیا لہذا زلیخا نے اپنے واقعہ کی تصریح کردی قولہ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۔ اور بیشک میں نے اسکو اسکی ذات کی چاہت میں بہلایا تھا مگر اسنے عصمت وپاکدامنی اختیار کی یعنی صحیح واقعہ جسکا شہرہ ہوا یہی ہو کہ میں نے ہی اس سے مراد چاہی لیکن اسنے بجائے لوث کے عصمت کو چاہا پس اس حسن صورت کاملہ کے ساتھ اسمیں حسن سیرت صادقہ ایسی اعلیٰ مجتمع ہو ۔ پھر دھمکایا اور کہا وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ ۔ اور اگر اس نے نہ کیا وہ جو میں اسکو حکم دیتی ہوں ۔ زبان دبائے ہوئے اشارے سے حکومت کی بولی میں خوش بات سے یہ بھنکر کے کہا کہ اگر میرا کہا نہ مانیگا تو لَيُسْجَنَنَّ ۔ ضرور قید کیا جائے گا ۔ یعنی ایسی تدبیر کروں گی کہ قید میں پڑکر عبرت رہو ۔ وَلَيَكُوْنًا ۔ البتہ ہوگا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ۔ یا ہو جائیگا ذلیل وخوار غلاموں یا نوکروں میں سے یعنی اس رتبہ سے گرا کر خوار کروں گی ۔ یہی تکبر باوجود اس عشق کے زلیخا کی راہ میں خار ہوگیا حتیٰ کہ آنحضرت علیہ السلام جدا ہوئے اور وہ خود خوار ہوکر بعد ایک مدت کے آنحضرت کی نوازش سے سرفراز ہوئی ۔ واضح ہو کہ عبارات مفسرین صحیح ہیں کہ زلیخا نے قولہ ولئن لم یفعل ۔ بطریق دھمکی کے حضرت یوسف کو سنا کر انکی موجودگی میں کہا ۔ لیکن اسمیں مضائقہ نہیں کہ اسنے فقط عورتوں سے بطور تمہید وتدبیر کے کہا ہو اور شاید کہ ان عورتوں سے اپنی مراد کیلئے استعانت چاہی ہو اسطرح کہ آنحضرت علیہ السلام نے کہا تھا کہ معاذ اللہ انہ ربی احسن مثوای یعنی اپنی پرورش کرنیوالے عزیز مصر کی جورو سے بلحاظ مربی ہونے کے یہ کام نکرینگا تو یہ عورتیں طالب ہوں پھر انکی تلویث کے بعد کام آسان ہو ۔ چنانچہ بعض مفسرین نے قصہ روایت کیا کہ ان عورتوں میں سے ہر ایک نے زلیخا کی حیلہ گری واشارہ سے آنحضرت علیہ السلام سے تخلیہ میں یہ خواہش ظاہر کی اور ہر طرح کی زینت ومکر ولجاجت وحیلہ کا خاتمہ کردیا تھا ۔ اور کلام مابعد میں لطرف اشارہ بھی نکلتا ہے چنانچہ جب یہ صورت معاملہ نظر آئی تو ۔ قَالَ ۔ دعا کی حضرت یوسفؑ نے ۔ رَبِّ ۔ اے میرے پروردگار ۔ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ قیدخانہ مجھے زیادہ پسند ہو یعنی وہی مجھے منظور ہے ۔ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۔ اس کام سے جسکی طرف یہ عورتیں مجھے بلاتی ہیں از بسکہ دعا میں یہ حال حضرت علام الغیوب جل کبریاؤہ کی درگاہ میں عرض کیا اور بعض نے کہا کہ عورتوں نے زلیخا کیلئے سفارش کی تھی اسوجہ سے عورتوں کے جمع کا صیغہ بیان کیا ۔ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ ۔ اور اگر اے پروردگار تو نہ پھیر دیگا میری طرف سے ان عورتوں کے مکر کو تو میں مل جاؤں گا

ان عورتوں کی طرف ۔ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ۔ اور ہوجاؤن گا جاہلوں میں سے ۔ یہ آیت صریح ہے کہ خیر کو پہنچانیوالا اور بدی و برائی کو دور کرنیوالا حضرت خالق عزوجل ہے اور آدمی کافر ہو یا مومن سبکے امور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں ولیکن جسکے لئے ایمان کا حصہ نہیں ہے وہ اپنی تدبیر کا بھروسا کرتا اور جو مراد ملی اسکو نتیجۂ تدبیر خیال کرتا ہے اور مومن تدبیر سے گریز نہیں کرتا ولیکن اسپر اعتماد نہیں کرتا ہے پس جب حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ عورتیں یا تو مراد چاہتی ہیں یا میرے لئے قیدخانہ تو خیال ہوا کہ اول میں دنیا کی مذمت و آخرت کا عذاب عظیم مگر کچھ لذت ۔ اور دوم میں دنیا کی مدح اور آخرت میں ثواب جلیل مگر کچھ کرا بہت تو دوم اختیار کیا اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لیئے قیدخانہ طلب کیا ۔ حالانکہ طول مدت سے گھبرا کر رہائی چاہی تھی جیسا کہ آئندہ آویگا انشاء اللہ علماء نے کہا کہ محنت امتحان پر دلیری نچاہیئے اگر قیدخانہ نہ مانگتے تو بلا قید کے خلاصی پاتے اسیواسطے حدیث صحیح میں بلا پر صبر پر ہیزکرکے اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگنے کا حکم مروی ہے اور بعض روایات میں دنیا و آخرت کی سلامتی و عافیت مانگنے پر تحریض ہے اور آیت میں دلالت ہے کہ معصیت کیساتھ جہالت کی صفت ہوتی ہے کیونکہ حکمت سے ارتکاب قبیح نہ ہوگا لہذا جو کوئی معصیت و قبیح فعال و نافرمانی خالق عزوجل کا مرتکب ہوا اگرچہ ظاہری حواس سے تیز ہوش اور لوگوں میں زیرک مشہور ہے وہ کبھی عقلمند حقیقی نہیں ہے مترجم کہتا ہے کہ عوام بلکہ خواص بلکہ علماء روقت کے نزدیک حواس کا اندازہ و عقل کا منارہ بالکل غلط و مشتبہ ہوگئے ہیں ۔ اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ علم ریاضی یعنی حساب و جبر و مقابلہ و اقلیدس و علم مثلث و علم طبعیات و موسیقی و تمام کلین مانند کپڑا بننے و سینے وغیرہ کے وریل و تار برقی وغیرہ جو نتیجہ ریاضی ہیں سب حواس سے متعلق ہیں اور تدبیر انتظام ملکی بھی اسی کا اثر ہے اور اسمیں دخل دماغ کے بطون کی خزانہ اول کو جو محل قوت تخئیلیہ ہے بہت زیادہ ہے اور یہ قوت بدن کی تر و تازگی و رطوبت و غلہ کی زیادتی و جوش نمو خصوصاً ایام طفولیت میں زیادہ ہوتی ہے اسی واسطے گرم ملکوں خصوص جوانی کے زمانہ میں جب اشتعال حرارت سے اس رطوبت میں کمی آجاتی ہے اس قوت میں وہ بات نہیں رہتی جو ابتداء میں تھی اور یہ مقام فلاسفہ یونان نے بہت مشرح ثابت کیا اور کہا کہ ریاضی کی تعلیم اسیوجہ سے اطفال کو شروع میں دیجاتی تھی ۔ میں کہتا ہوں کہ اب بھی وہی جاری ہے اور صاف مشاہدہ ہوا کہ طفولیت میں یہ فنون بنسبت جوانی کے اچھی طرح آتے ہیں پھر عقل کا مرتبہ اس سے بلند ہے اسکو کسی شکل و تصویر سے مدد کی ضرورت نہیں ہے اسیواسطے فلاسفہ یونان نے ایام کودکی میں الٰہیات کے مسائل بالکل تعلیم نہیں دیئے بلکہ لکھا کہ قوت تخئیلیہ و واہمہ جبتک قوی ہے عقل کی قوت کو ترقی نہوگی یعنی ظہور آثار صاف نہ ہوگا کیونکہ اسمیں مادیات کی بالکل ضرورت نہیں ہے اور قوت مذکورہ سوائے مادیات کے مجردات سے بحث نہیں کرسکتی مثلاً وجود امور عامہ میں سے ہے کہ افراد امکان بالمعنی الاعم کو فی الجملہ عام ہے اور جیسے معلول مقتضی علت تامہ ہے وغیر ذالک من المسائل اور یہیں سے تم دیکھتے ہو کہ بڑا مدبر و بڑا ریاضی دان و بڑا نئی ایجادیں کرنیوالا جب اس سے کوئی مسئلہ الٰہیات کا پوچھو تو سخت جہالت کا جواب دیتا ہے اسی واسطے تم دیکھتے ہو کہ دنیاوی چیزوں میں بڑی ترقی کرنیوالے مسئلہ الٰہیات و آخرت میں بالکل جاہل ہیں لیکن یہ افسوس ہے کہ عوام کی نظر میں یہ لوگ بڑے عقیل ہیں حالانکہ صحیح اسقدر ہے کہ بڑے قوی حواس کے لوگ ہیں ۔ اب ہم کہتے ہیں کہ ایسے فنون جاننے والا درحقیقت عقلمند نہ ہوگا وہ کبھی حکیم نہیں ہے تو اس سے معاصی و خالق عزوجل کی نافرمانی حتیٰ کہ حق سبحانہ تعالیٰ سے منکر ہونا بھی سرزد ہوگا اور جو شخص ان حواس سے تجاوز کرکے عقل سے فائز ہوا وہ راہ حق میں مستقیم ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ حدیث میں آثار قیامت میں ہے کہ دنیا ان کیلئے آراستہ ہوگی اور یہی انکا عین مقصود ہوگا ۔ اور وہم بکم ملوک الارض ہونگے یعنی

روے زمین کے بادشاہون کو عقل سے بہرہ نہ ہوگا بلکہ حواس مین نہایت قوی وتیز اور حاکم بادشاہ ہونگے۔ مترجم کہتا ہے کہ جس شخص نے شل مترجم کے بتوفیق الٰہی سبحانہ تعالیٰ مذکورہ بالا تمام فنون ریاضی ومنطقیات وفلسفہ ومسائل عقلیات بطور فلاسفہ حاصل کیے اور اللہ تعالیٰ نے اسکو قرآن مجید واحادیث پاک علوم وحی سے سرفراز فرمایا اور اپنی رحمت سے فیض الہام وہدایت خاصہ جوان علوم مین سمجھ کا نام ہے عطا فرمایا ہے وہ شخص ضرور میرے بیانات کو صاف آئینہ کے مثل روشن دیکھے گا واللہ تعالیٰ هو الهادي الى سواء السبيل والحمد للہ رب العالمین۔ القصہ حضرت یوسف علیہ السلام نے عاجزی سے دعا فرمائی کہ اے رب میرے تو ہی مجکو بچا دیجیو اور مجھے میرے نفس پر مت چھوڑیو ورنہ جہالت سے مین انکے مکر مین مبتلا ہوجاؤنگا پس مجھے قید خانہ جو چند روزہ تکلیف ہے اس لذت سے جسکا انجام دائمی عذاب ہو زیادہ محبوب ہے۔ شیخ حافظ رحمہ نے ذکر کیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت عالی عصمت عطا فرمائی اور نہایت فضل سے انکو محفوظ فرمایا اور یہ کمال کا اعلیٰ مقام ہے کہ خود عالم جوانی مین بڑھتے ہوے جوش شباب مین کمال خوبصورت اور انکو ایسی خوبصورت بلاتی تھی جو اسوقت ان پر سردار تھی وہ بھی عزیز مصر کی بیوی اور تمام زمانہ مین خوبصورتی مین مشہور۔ مال بھرا ہوا۔ جمال یہ کچھ۔ اسپر انکی حاکمہ تھی اور تمام عورتین اسکی طرف سے سفارشی اور منت سماجت بیجا اسپر بھی اللہ تعالیٰ جل سلطانہ کے خوف سے نافرمانی چھوڑ کر قید خانہ مانگا۔ حدیث صحیحین مین ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبعة يظلهم الله في ظله الحديث یعنی سات آدمی ایسے ہین کہ اللہ تعالیٰ اُن کو اپنے سایہ مین رکھیگا اسدن کہ کچھ سایہ نہ ہوگا سواے سایۂ حق عزوجل کے یعنی بروز قیامت (ایک) امام وبادشاہ عادل (دوم) نوجوان جو عبادت الٰہی مین پرورش ہوا (سوم) جو شخص مسجد سے نکلا اور اس کا دل مسجد مین لگا رہا ہو حتی کہ وہین لوٹ کر جاوے (چہارم) دو شخص جنہون نے اللہ تعالیٰ کے واسطے باہم محبت پیدا کی اسی پر دونون یکجا ہوے اور اسی پر متفرق ہوے (پنجم) وہ شخص جس نے صدقہ دیا اور اسقدر چھپایا کہ اسکے بائین ہاتھ کو خبر نہ ہوئی کہ اسکے دائین ہاتھ نے کیا خرچ کیا (ششم) وہ مرد جس کو منصب جمال والی عورت نے بلایا اور اُسنے کہا کہ مین اللہ تعالیٰ سے خوف کرتا ہون (ہفتم) وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کو تنہائی مین یاد کیا پس اسکے آنسو جاری ہوے۔ مترجم کہتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اعلیٰ مصداق اسی کرامت کے ہین جو ششم مین مذکور ہے صلی اللہ تعالیٰ علی نبینا مولانا محمد وآلہ وصحبہ وعلی اخیہ یوسف وجمیع الانبیاء والمرسلین والملائکۃ وسلم علیہم اجمعین جب آنحضرت نے دعا کے طور پر قید کی پسندیدگی ظاہر کی۔ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ تو قبول کرلیا اسکے واسطے اسکے پروردگار نے فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ۔ پس پھیر دیا اُسکی طرف سے ان عورتون کا مکر یعنی عصمت پر ثابت قدم رہے اور قیدخانہ کی مشقت برداشت کرلی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسکو لوث سے بچایا۔ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ بیشک اسکا پروردگار خوب سنتا جانتا ہے۔ دل کا اخلاص وحسن نیت اسپر روشن ہے اور دعا آواز سے وخفیہ ودل سے سب سنتا جانتا ہے۔ فائدہ فی العرائس قولہ وقال نسوة في المدينة الآية۔ ملامت سے انکا مقصود دیدار حضرت یوسف علیہ السلام تھا اور فراست سے معلوم ہوا کہ انھون نے یہ بات بتلائی کہ محبت یوسفی زلیخا کے سویدا سے دل تک پہنچ گئی ہے اور صورت شغاف قلب کی ایک لطیف رقیق جھلی ہے اسکے بعد عالم کثافت ہے اور اسکے بعد عالم لطافت ہے پس دل مقام نفس وہوی ووسواس ہے اور دیگر مقام عقل وروح وفرشتہ ہے پس عالم کثافت تو شہوت نفسانی کا مقام ہے اور مقام لطافت عشق روحانی کی جگہ

اور واضح ہو کہ عشق روحانی مین کوئی علت سوائے نفس شیطان کی نہین ہوتی ہو۔ قال المترجم امام غزالی رحمہ اللہ وغیرہم نے کہا کہ فرق دونون کا اکثر اسوجہ سے پوشیدہ ہوجاتا ہو کہ عشق نفسانی وروحانی مین طبیعت مقہور ہوتی ہے اور وہی جانب قوی ہجاتی ہے ولیکن نشان اسکا یہ ہو کہ شہوت نفسانی مین تناسب اعضاء ورنگ واقتضاء حاجات پر نظر ہوتی ہے اور شہوت روحانی مین روحی صفات پر نظر ہوتی ہو مثلاً معشوق کے جسم پر نظر شہوت ہو اور اخلاق پر نظر عشق روحی ہو الی آخر ما قالوا۔ اور مترجم نے عشق ایمانی کو بہ تبعیت بعض اکابر کے سابق مین بڑھایا اور مفصل ذکر کردیا ہو۔ فاللہ تعالیٰ اعلم۔ شیخ نے کہا کہ پھر جب محبت کا اثر منظر روح تک پہونچا اور روح الروح سے مل گیا تو عالم روحانی مین پہونچا اور متمکن ہوکر ماسوائے حق عزوجل کے سب ساقط ہے چھوٹ گیا اور یہی حب اللہ جل سلطانہ ہو۔ قولہ انا لنراہا فی ضلال مبین۔ چونکہ اس مقام پر پہونچکر عالم کثافت کے غلبہ سے استغراق ہوتا ہو تو ضلال کہا گیا یعنی محبت مین ایسے مستغرق ہو کہ کسی ملامت کا اثر اسپر نہین ہوتا ہو اور سلامتی پر التفات نہین کرتی ہو۔ جنیدؒ سے پوچھا گیا کہ محبت کی کیا علامت ہو فرمایا کہ قرآن مجید مین آیا کہ قد شغفہا حبا۔ اور کہا کہ جفائے حبیب کو وفا خیال کرے۔ سمنون رح نے کہا کہ شغف محبت یہ کہ قلب اس سے اسقدر بھرجاوے کہ دوسری چیز کی جگہ باقی نہ رہے۔ شبلیؒ نے اسکو انتہائے محبت بیان کیا۔ بعض نے کہا کہ ایسی حالت کہ بیان مین آنا ممکن نہ ہو۔ سری سقطیؒ نے کہا کہ واسطے محبوب کے کچھ مطلوب نہو اور ملامت بے اثر ہو۔ جعفرؒ نے کہا کہ شغاف مثل پر غلیظ کے قلب پر چھایا کہ کوئی اور نظر نہ آیا۔ ابن عطاء رح نے کہا کہ وجد ومحبت مین شوق تازیانہ ہو جعفر بن محمد رح نے کہا کہ عشق ضلال ہے بقولہ فی ضلال مبین یعنی عشق ظاہری مین بعض نے کہا کہ غلبہ عشق مین اسکی عقل گم ہوگئی قولہ فلما سمعت بمکرہن۔ زلیخا نے ان کو بھی مبتلائے بلا کرنا چاہا۔ واعتدت لہن متکا۔ اقسام طعام وترنج وچھری دیدیا کہ مشغول ہون اور ناگاہ آفتاب رسالت حسن یوسفی سے چکراکر مسلوب ہون۔ قالت اخرج علیہن یعنی انکو اسکو تاج وخلعت سے آراستہ کردیا تھا اور چونکہ عورت کو دیکھکر اپنا چہرہ چھپایا تھے تو دونون ہاتھون پر طباق رکھدیا تھا کہ کشادہ چہرہ دیکھین پس ناگاہ آفتاب نکل آیا کہ عورتین بیہوش متحیر ہوگئین۔ قولہ فلما رأینہ اکبرنہ۔ نور عظمت آلہی سے ہیبت ناک ہوکر عقل وحواس سے غافل ہوگئین وقطعن ایدیہن۔ انکو عظمت مین تحیر ہوا بخلاف زلیخا کے کہ اسکو چہرہ یوسفی سے دوسری طرح دیدار ہوا اسی لیے یہ عورتین تحیر وہیبت مین پڑگئین اور زلیخا عشق ومحبت مین مسلوب ہوئی ورنہ کبھی مراودت نکرتی۔ قولہ وقلن حاش للہ الخ۔ اس عظمت وشان سے فرشتہ خصلت بلکہ فرشتہ پاک از شہوات یقین کرلیا اور چونکہ محل قدس مین نہ پہونچی تھین تو جانسست سے فرشتہ کو خارج رکھا اور ہیبت سے نگاہ کی کیونکہ جمال یوسفی پر نور چمکتا تھا وفی الحدیث مررت لیلۃ اسری بی الی السماء فرأیت یوسف ع۔ قیل فکیف رأیتہ۔ قال کالقمر لیلۃ البدر۔ یعنی شب معراج مین آپنے یوسف کو مثل چودھوین رات کے چاند کے دیکھا۔ ابو فروہ نے کہا ہو کہ جب مصر کے کوچون مین چلتے تو چہرہ کے روشنی سے درودیوار منور ہوجاتے تھے جیسے سورج وپانی وآئینہ کی جھلک پڑتی ہو۔ وربیع رح نے کہا کہ محل کی چالیس عورتون مین سے نو عورتین مرگئیں اور عارفین کو یہ مقام التباس ہو لیکن مضائقہ نہین ہو کیونکہ بالاتفاق سب یقین جانتے ہین کہ او تعالیٰ جل شانہ ہر تشبیہ وحلول وغیرہ سے پاک ہو اور یہ جو منصور یعنی حسین بن منصور سے تشبیہ کا کلمہ مروی ہو اس سے تشبیہ مراد نہین ہو پھر واضح ہو کہ تفاوت اثر دیدار ان عورتون وزلیخا مین ظاہر ہے کہ عظمت وہیبت سے از خود رفتہ ہوگئین اسیواسطے زخم کے اثر سے الم نہ معلوم ہوا حالانکہ زلیخا کو اگر ایک چیونٹی کاٹتی تو اسکو محسوس ہوتا۔ بعض نے کہا کہ عورتون نے حسن پاکیزہ خالی از شہوت ملاحظہ کیا۔ جعفرؒ نے کہا کہ

ہیبت نبوت نے وہ روک دیا جوان عورتوں نے چاہا تھا۔ ابوسعید خراز نے کہا کہ مشاہدہ میں جو غائب ہوا اپنے نفس سے جدا ہو اسکو
معلوم نہیں ہوتا کہ اسپر کیا گزر گیا۔ ابن عطاء رح نے کہا کہ یوسف علیہ السلام کے دیدار میں مدہوش و متحیر ہو کر ہاتھ کاٹ گئیں۔ یہ ایک
مخلوق نے دوسری مخلوق کا مشاہدہ کیا تھا تو بھلا تمکو کیا گمان ہے جبکہ مخلوق پر دیدار خالق عز و جل سے کچھ انکشاف ہو تو کیوں تجھے
انکار ہے ایسے امور کا جو انکے حالات سے تغیرات ہوتے ہیں بعض نے کہا کہ تائید الٰہی تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام کیواسطے
عصمت کی محافظ تھی اسلیواسطے ان میں سے کسی نے اسکو بنظر شہوت نہ دیکھا یا سہل رح نے کہا کہ ان ہذا الا ملک کریم یعنی بصورت
انسان اور بصورت فرشتہ ہے محمد بن علی رح نے کہا کہ یعنی یہ شخص ایسا نہیں ہے کہ مباشرت کا قصد کرے بلکہ مکرم پاکیزہ ہے کچھ شبہہ
نہیں ہوسکتا بعض روایات میں ہے کہ اہل مصر کو چار ماہ تک کچھ غذا نہیں ملی بلکہ جب بھوکے ہوتے تو آنحضرت علیہ السلام کا چہرہ
دیکھ لیتے تو بھوک جاتی رہتی تھی جب یہ کیفیت ہوئی تو آنحضرت علیہ السلام وہاں سے گزرے۔ پھر جب عورتوں کو ہوش ہوا تو
قالت فذلکن الذی لمتننی فیہ۔ اقرار لیا کہ یہاں ملامت کی گنجائش نہیں ہے اور عشق بھی اندازہ سے باہر ہے۔ نصرآبادی رح نے کہا کہ عشق
میں عذر غیر معقول ہے اور کامل عشق سوائے معشوق کے کسی چیز میں مشغول نہیں ہوتا ہے۔ پھر چاہا کہ خود یوسف علیہ السلام کی پاکیزگی
بیان کرے۔ قولہ ولقد راودتہ عن نفسہ الخ یعنی وہ درحقیقت سب تہمتوں سے پاک ہے باطن میں ظاہر سے زیادہ خوبصورت ہے۔ قولہ
ولئن لم یفعل ما آمرہ۔ حضرت یوسف کو دھمکایا ولیکن جو کوئی بعنایت الٰہی ممتاز و مؤید ہو اور خاص بندہ محبوب ہو اسپر شہوات
شیطانی کا غلبہ کیونکر ہوسکتا ہے ولیکن زلیخا کا یہ قول صرف بباعث غلبہ محبت و عشق تھا بعض اہل الحق نے کہا کہ حضرت یوسف
علیہ السلام کو جو کچھ تکلیف قید و مشقت کی پہنچتی تھی وہ درحقیقت زلیخا پر امتحانات ہوتے تھے جس سے غلبہ عشق میں زیادتی ہوتی
جاتی تھی اور اسی کی بلاؤں میں سے کچھ ادہر ادہر کی مشقت آنحضرت علیہ السلام کو بھی پہنچ جاتی تھی یعنی زلیخا پر ایک بلا کا پورا ہونا اسی طور
پر ہوتا کہ کچھ مشکل آنحضرت کو بھی لاحق ہو جیسے قید خانہ میں جانا وغیرہ۔ **قال المترجم** اگر یہ وہم ہو کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت
علیہ السلام پر تکلیف طاری نہ تھی حالانکہ حدیث صحیح میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مناقب حضرت یوسف کے طور پر تواضع
فرمایا کہ اگر حضرت یوسف کی سی دراز قید مجھ پر ہوتی تو بلانے والے کا کہنا مان لیتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ قید ایک مشقت تا زمانہ دراز تھی
تو جواب یہ ہے کہ شیخ مذکور کی غرض یہ نہیں ہے کہ حضرت یوسف کو کلفت نہ تھی کیونکر کہ قیدی سے اقرار لیا تھا کہ بادشاہ سے مجھ
بیگناہ کی رہائی کے واسطے سفارش کرے بلکہ غرض یہ ہے کہ تکلیف مقصود نہ تھی چنانچہ حکیم عالم باحادیث صحیحہ واقف ہے کہ
اصلی ماہیت کیسا ہے آثار بقدر طاعت و معصیت ہیں اور آنحضرت علیہ السلام خود پیغمبر معصوم تھے اور اصلی ماہیت کے آثار سے
مراد میری یہ ہے کہ آنحضرت علیہ السلام کا قید ہونا درحقیقت نعمت تامہ ہے گو بصورت قید ہو اور فرعون کی بادشاہت درحقیقت
بلا ہے اگرچہ بصورت بادشاہت ہے وعلی ہذا دنیا میں جو سرفرازی و دولت ہو وہ فقط بصورت کچھ معتبر نہیں ہے بلکہ بدلائل شریعت ایک
آنکھ والا پہچان سکتا ہے۔ شیخ نے کہا کہ بالجملہ یہ واردات آنحضرت علیہ السلام پر بسبب بلاء زلیخا کی شدت تھی۔ پھر جب یوسف
علیہ السلام نے دیکھا کہ عورتیں مکاری سے مجھے زلیخا کی اطاعت و اسکی خواہش کی قبولیت پر ستاتی ہیں اور بہکانے میری
اعانت کے معصیت خالق پر زلیخا کیلئے ملتی ہیں تو اپنے پاک معبود حق سبحانہ تعالیٰ کے سامنے التجا کی اور تضرع کے ساتھ دعا
کی کہ قال رب السجن احب الی مما یدعوننی الیہ الی قولہ اصب الیھن یعنی اے میرے رب پاک مجھے تیری معصیت کے سامنے

یہ قید خانہ بڑھکر پسند ہو بہ نسبت اس لذت حرام و شہوت نفس کے جو مجھکو تجھ سے محجوب کرے اور انوار روحانیہ و آثار ربانیہ پر پردہ
ہو جاوے اور یہ بول چال میں محاورہ ہو ورنہ مراد یہ ہو کہ مجھے دعوت زلیخا کچھ بھی پسند نہیں ہو بلحاظ عقل و بصیرت ایمان کے۔ اور نیز
قید خانہ کی پسندیدگی اسوجہ سے بڑھی ہوئی تھی کہ تنہائی مقام انس خلوت و مناجات و مشاہدت ہو اور مجھے اپنے نفس کی خواہش سے
تیری رضامندی ہی مختار ہو اسمین ایک لطیف اشارہ ہو کہ مجھے قید خانہ بجق زلیخا زیادہ محبوب ہے کیونکہ اس سے اسکا عشق دو چند
ہوکر جسمانی و نفسانی سے منتقل بروحانی ہو جائیگا جبکہ آتش عشق جلاکر اسکو خاک اکسیر کر دیگی کیونکہ تر و تازگی جسم کثیف موجب
جوش شہوات جسمانی ہو اور قولہ والا تصرف عنی کیدہن یعنی اگر اپنے قدیمی حکم سے جو تو نے میرے حق میں معصوم رہنے کا جاری
فرمایا ہے مجھے ان عورتون کے کرے اور بن ٹھنکر مکر و عشوہ و ناز و غمزہ سے لبھانے سے نہ بچاوے تو مین اپنے نفس پر بھروسہ نہین
کر سکتا کہ وہ انکی طرف سیلان کر جاوے پھر تہ مین تیری رضامندی کے عوض شہوات نفس مین گرفتار ہو جاؤن یعنی کسی کو
نہین چاہیے کہ اپنے نفس پر بھروسہ کرے ورنہ نفس امارہ بڑے معاصی کا خواہشمند ہوتا ہے اور دعا کرے کہ رب میرے مجھے نفس کے
حوالہ مت کیجیو اور جو کوئی کہ مخالفت نفس پر قابو پاوے وہ حق عزوجل کا شکر ادا کرے کہ یہ حفظ الٰہی اسکے حق مین تقدیر ازلی تھی
والحمد للہ رب العالمین۔ پس جاہل وہ کہ قرب الٰہی پر شہوت نفس کو مقدم رکھے اور نیز جاہل وہ کہ اپنے نفس سے آگاہ نہ ہو اور
نیز جاہل وہ کہ نفس کے حظوظ مین گرفتار ہوکر باطنی عقوبات سے بیفکر ہو جاوے شیخ واسطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کلام کے اسرار
سے ہو کہ عورتین مجھے حسن لذت کی طرف بلاتی ہین اسکا مجھ سے مسلوب کر لینا بھی خواہش نفس پر انکی رہنے سے زیادہ محبوب ہے
قال المترجم یہ غرض نہین کہ نامردگی بہتر ہے کیونکہ ہجڑے کو عفت کا ثواب کیا ہوگا جبکہ خواہش ہی نہین ہو بلکہ مراد یہ
کہ باوجود بقائے خواہش کے ان عورتون سے کام دل حاصل کرنے سے اجتناب کرنے کو زیادہ محبوب کر دیا اور شرم و حیا یا اسکے مثل
خصلت کو غلبہ دیدیا۔ فافہم۔ وقیل من العفۃ ان لا تقدر یعنی عدم قدرت بھی منجملہ عفت سے ہو پس سامان نہ دینا از جانب
حق عزوجل ہو تو تعریف اسی پاک حق سبحانہ تعالیٰ کے واسطے ہو۔ بعض نے فرمایا کہ یوسفؑ نے وہم کیا کہ قید خانہ اُن کو
فتنہ سے نجات دیدیگا حالانکہ اُسنے بڑے فتنہ مین پھنسایا جبکہ آنحضرت علیہ السلام نے قیدی سے کہا کہ تو اپنے بادشاہ سے میرا
حال بیان کرنا۔ قال المترجم یعنی ساقی و باورچی بادشاہ کے قید تھے جب ساقی نے رہائی پائی تو آپنے اُس سے سفارش
چاہی تاکہ بادشاہ ان کو قید سے رہائی دیدے پس بعض اکابر کا مطلب یہ ہو کہ شان نبوت کے مناسب یہ نہین تھا کہ غیر کی
طرف نظر رکھتے چنانچہ اسی وجہ سے اور چند سال قید مین پڑے رہے اور یہ قصہ عنقریب آویگا۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ آنحضرت علیہ السلام
کی طرف سے یہ امر صرف ایک خطرہ تھا جسپر اسقدر مواخذہ ہوا حالانکہ عموماً ہم لوگ اس کرورون درجہ بڑھکر خطرات بلکہ
افعال کرتے ہین اور اندیشے بے عقلی معذور فرمائے جاتے ہین۔ اللہم غفرانک انک انت ارحم الراحمین۔ شیخ ابن عطاء رح نے کہا
کہ آنحضرت علیہ السلام نے دعا کی کہ مین فواحش زنان مصر و لذات عیش کو ترک کرتا ہون اور قید خانہ اختیار کرتا ہون چونکہ
کمال توحید یہ ہو کہ خود کسی امر کو اختیار نہ کرے بلکہ ہر حال مین یہ چاہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ کی جو مرضی ہو وہی مجھے پسند ہو جبکہ
رضائے حق عزوجل حاصل ہے اسی وجہ سے کام بگڑ گیا اور اگر قید خانہ اختیار نہ کرتے تو امید تھی کہ بغیر امتحان قید کے فواحش سے
معصوم و محفوظ رہتے جیسے ابتدائے مراودت کے وقت معصوم رہے۔ شیخ جنید نے کہا کہ دعائے آنحضرت علیہ السلام فوراً قبول ہوئی

ظاہر یہ حکمت ہو کہ جنھون نے تعدی و ظلم کرنا چاہا تھا اُن کے دفعیہ مین اپنی محتاجی بجناب باری تعالیٰ بیان کر کے اپنے اوپر نشان عشق ظاہر ہونے کا خوف کیا جس سے سوائے عصمت کے کوئی پناہ نہین ہو تو قبولیت سے تائید فرمائی گئی اور مکر و تسلط شیطان دور کر دیا گیا اور امتحان مین پورے اُترے واللہ تعالیٰ اعلم - القصہ عورتون کی طرف سے یہ شورش ہوئی اور آنحضرت علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی چنانچہ اسکا اثر ظاہر ہوا - کما قال عزوجل -

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ۝

پھر یون سوجھا لوگون کو وہ نشانیان دیکھے پر کہ قید رکھین اُسکو ایک مدت

ثُمَّ - پھر اس واقعہ کے بعد - بَدَا لَهُمْ - ظاہر ہوئی یہ راے ان لوگون کو یعنی عزیز مصر و اسکے صلاح کارون کو - مِّنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ بعد ازانکہ اُنھون نے نشانیان دیکھ لین کہ لَيَسْجُنُنَّهٗ ضرور اس عبرانی کو قید رکھین حَتّٰى حِيْنٍ - ایک مدت تک - یعنی اتنی مدت تک کہ لوگ جو بدگوئی اس معاملہ مین حضرت یوسف کے حق مین کرتے ہین وہ گفتگو موقوف ہو جائے - سوال ہوا کہ ان لوگون نے یوسف کے حق مین نشانی بلکہ گواہی سُن لی کہ وہ پاک ہو پھر کیون قید کیا گیا تو جواب یہ دیا گیا کہ ہان لیکن زلیخا کی وجہ سے عورتین اُلٹا الزام لگاتی تھین اسلئے آنحضرت کے حق مین ظاہر مین بدگوئی ہوتی تھی - سراج وغیرہ مین لایا کہ زلیخا نے اپنے شوہر سے کہا کہ یہ عبرانی لوگون سے کہتا ہو کہ زلیخا نے مجھے لبھایا تھا اسلئے مین فضیحت ہوتی ہون اور نکلکر اپنی برأت بیان نہین کر سکتی تو تم یا تو مجھے نکلنے دو کہ مین اپنا عذر بیان کر دون یا اسکو قید کر دو تاکہ فضیحت نہ پھیلے تب عزیز نے اسکو قید کر دیا - مصارت دکھایا تاکہ یہ گفتگو بند ہو جائے - انتہیٰ کلامہ - شیخ حافظ نے ذکر فرمایا کہ ظاہر یہ ہو کہ ان لوگون نے آنحضرت کو اسی بہانہ پر قید کیا تھا کہ اُسنے اپنی مربیہ کو لبھانا چاہا تھا کیونکہ آخر قصہ مین جب بادشاہ نے اپنے واسطے رہا کر کے لینا چاہا تو آنحضرت علیہ السلام نے انکار کر کے کہا کہ پہلے تحقیق کر لیا جاوے کہ مین بیگناہ قید ہوا ہون اور مین نے کچھ بھی خیانت نہین کی اور زلیخا نے آخر کہا کہ اب سچی بات صاف کھل گئی کہ مین نے ہی اسکو بہلایا تھا مترجم کہتا ہے کہ یہ تقریر بیشک قوی ہو اور بات یہ معلوم ہوتی ہو کہ در اصل لوگوا ہون وغیرہ سے انکو آنحضرت کا پاک ہونا معلوم ہوتا تھا لیکن اس زمانہ مین کہانت وغیرہ کے اعتقادات سے عورتان نے مشتبہ کر دیا اور لوگ مذبذب ہو گئے علاوہ اسکے یہ بھید بھی چھپ نہین سکتا کہ عورتین دیکھکر فریفتہ ہوتی جاتی ہین اور باہم عورتون مین بھی فساد و فتنہ ہوگا اور گھر گھر یوسف کا قصہ ہو گیا حتیٰ کہ بہت سی نشانیان ایسی دیکھی گئین کہ بحکم قبولیت دعا و تقدیر ازلی کے انکو بھی رائے ٹھیک معلوم ہوئی کہ چندروز کیلئے قید کر دینا چاہیئے - واضح ہو کہ فعل بدا کا فاعل حذف ہو کر لیسجننہ کا جملہ اسکے قائم مقام ہوا اور خود جملہ فاعل اسوجہ سے نہین ہو کہ جملات ایسے ہو نہین سکتے ہین پھر اس قید کی مدت مین ہو دیون کے روایات پانچ و سات و بارہ ہین اور امام رازی نے کہا کہ ہم اس سے بیکار بحث نہین کرتے ہم کو اتنا معلوم کہ کچھ مدت قید رہے کیونکہ اصلی غرض تو علوم روحانی و پاک کرنا نفس امارہ کا ہو وہ ہم کو سب اسیقدر بیان سے حاصل ہو جاتے ہین اور حدیث صحیح سے اتنا ثابت ہو کہ دراز مدت تک قید مین پڑے رہے حیث قال صلی اللہ علیہ وسلم - لو لبثت طول لبث یوسف لاجبت الداعی[۹] -

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَاۤ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ

اور داخل ہوئے بندی خانہ مین اُسکے ساتھ ایک دو جوان کہنے لگا اُنمین سے ایک مین دیکھتا ہون کہ مین نچوڑتا ہون شراب اور دوسرے نے کہا مین دیکھتا ہون اپنے

أَحْمِلُ فَوْقَ رَأْسِي خُبْزًا تَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهِ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ۝
کو اٹھا رہا ہوں اپنے سر پر روٹی کہ جانور کھاتے ہین اسمین سے بتا ہمکو اسکی تعبیر ہم دیکھتے ہین تجکو نیکی والا

وَدَخَلَ مَعَهُ اور داخل ہوئے یوسفؑ کے ساتھ۔ السِّجْنَ۔ قیدخانہ مین فَتَيَانِ۔ دو جوان بھی یعنی جب یوسفؑ قیدخانہ گئے
تو قیدخانہ مین انکے ساتھ دو جوان اور بھی قید کردیئے گئے اُن کا جرم بعضے راویون نے بیان کیا ہے چنانچہ ذکر آویگا قتادہ رح نے
کہا کہ بادشاہ کے دونون ملازم خاص تھے ایک تو شراب وغیرہ پلانے والا تھا اور دوسرا شاہی باورچی تھا۔ محمد بن اسحاق رح
نے فرمایا کہ شراب پلانیوالے کا نام نبدا اور دوسرے کا مجلث تھا۔ اور شیخ سُدّی رح نے کہا کہ بادشاہ نے دونون کو اس اتہام پر
قید کردیا تھا کہ طعام و شراب مین زہر دینے کی سازش کرتے تھے چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حال قیدخانہ مین مشہور ہوگیا
تھا کہ شخص جوانمرد بامروت نہایت سچے و امانت دار خوش خلق بڑے عابد زاہد ہین اور خوابون کی تعبیر خوب بتاتے ہین اور
تمام قید والون کے ساتھ احسان و حسن خدمت دبقدر وسعت سلوک کرتے ہین تو جب یہ دونون قیدی داخل ہوئے اور اُن کی
ملاقات سے مشرف ہوئے تو سب باتین بیان سے بڑھکر دیکھین اور آپ کی محبت مین ایسے گرویدہ ہوئے کہ ہر دم آپ کی
خدمت مین بیٹھتے اور کہتے کہ یاحضرت واللہ ہم تو آپ کو دل و جان سے چاہتے ہین آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالی تم کو برکت دے لیکن مین
وہ شخص ہون کہ جس نے مجھ سے محبت کی ہین اسکی محبت سے کسی بلا مین مبتلا ہوگیا چنانچہ میری پھوپھی نے پیار کیا تو مجھے ضرر پہونچا اور
میرے باپ نے تو مجھے ایذا پہونچی اور زلیخا نے تو مجھے قیدخانہ ملا۔ دونے بولے کہ آپ معاف فرماوین کہ ہم تو بے اختیار ہین محبت نہین
چھوڑ سکتے پھر ان دونون نے ایک رات خواب دیکھا اور صبح کو آنحضرتؑ سے بیان کیا۔ قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي أَرَانِي أَعْصِرُ خَمْرًا
دونون مین سے ایک نے کہا کہ مین نے آپکو دیکھا کہ مین نچوڑتا ہون شراب یعنی بادشاہی ساقی بولا کہ مین نے یہ خواب دیکھا کہ مین انگور
نچوڑتا ہون انگور کو عربی مین عنب کہتے ہین چونکہ عنب سے خمر بنتی ہے مجازاً خمر سے عنب مراد کیا جیسے کہتے ہین کہ شیرہ نچوڑو اور
مراد یہ ہوتی ہے کہ انگور نچوڑکر شیرہ نکالو۔ وَقَالَ الْآخَرُ۔ اور دوسرا بولا کہ إِنِّي أَرَانِي۔ مین اپنے آپکو دیکھتا ہون کہ أَحْمِلُ فَوْقَ
رَأْسِي خُبْزًا۔ لادے ہون اپنے سر پر روٹی تَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ۔ اسمین سے چڑیان کھاتی ہین یعنی پرندا اس روٹی سے جو مین سر پر
لادے ہون نوچ نوچ کر کھاتے ہین جب دونون اپنا اپنا خواب بیان کرچکے تو درخواست کی کہ نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهِ
اے یوسف ہم کو ہمارے خواب کی تاویل سے آگاہ فرمادے اور تاویل مآل کار یعنی اس خواب کا انجام کار کیا ہوگا اور تعبیر کے معنی
عبارت و بیان مین لانا پس مآل کار کو بیان کردینا تعبیر ہے چونکہ ان دونون کو آنحضرت علیہ السلام کے علم و تقوی پر اعتماد تھا
تو ان سے اصلی مقصود پوچھا چنانچہ خود کہا کہ۔ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ۔ ہم یقین کرتے ہین تجکو کہ تو نیکوکارون مین سے
ہے شیخ حافظ رح نے ذکر کیا کہ ابن ابی حاتم نے اپنے استاد کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کی کہ انھون نے
پڑھا۔ انی ارانی اعصر عنبا۔ اور ضحاک نے کہا کہ عمان کے لوگ عنب کو خمر بولتے ہین مترجم کہتا ہے کہ شاید حضرت ضحاک رح کی
روایت سے یہ غرض ہے کہ یہ آیت اہل عمان کے لغت پر ہے تو اس صورت مین مجاز نہ ہوگا اور اہل حجاز کے محاورہ پر مجاز فصیح ہے
حتی کہ اردو فارسی مین بھی ایسا محاورہ فصیح ہے۔ پھر لکھا کہ عکرمہ رح نے بیان فرمایا کہ ساقی بولا کہ مین نے خواب مین دیکھا کہ مین نے
انگور کا ایک درخت بویا وہ بڑھا اور پھلا اور خوشہ لٹکے اور مین نے انکو نچوڑکر اپنے بادشاہ کو پلایا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے

تعبیر دی کہ تو قیدخانہ مین تین روز رہیگا پھر نکالا جائیگا اور بادشاہ کو شراب پلادیگا۔ تتمیم کہتا ہو یعنی آخر مین بعد تھوڑی گفتگو کے یہ تعبیر بیان کردی تھی اور محسن لغت مین احسان کرنے والا اور شاید یہی اُنکی مراد ہو کیونکہ آنحضرت علیہ السلام قیدخانہ والون سے نیکی و بہر کی نصیحت و خبرگیری و خدمت کرتے رہتے اور عبادت مین بھی مشہور تھے تو ممکن ہے کہ احسان سے اعلیٰ درجہ کا نیک عابد مراد لیا ہو اگرچہ وہ معنی جو حدیث سے ثابت ہین کہ اسطرح بندگی مین قائم ہو جیسے اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے اور نہین تو اسطرح کہ وہ داللہ اسکو دیکھتا ہو اس معنی کی حقیقت سے یہ قیدی واقف نہین تھے اور تیسرے معنی محسن کے یہ بھی زبان عرب کا بول چال ہو کہ فلان محسن ذلک یعنی اس کام وصنعت مین فلان شخص نہایت اچھی لیاقت رکھتا ہو تو گویا اُنھون نے اقرار کردیا کہ ہم تجھکو خوابون کی تعبیر دینے مین بہت اچھا لائق جانتے ہین۔ قال المترجم اس آیت سے ظاہر ہے کہ کافر کا خواب بھی ٹھیک ہوتا ہے کیونکہ یہ دونون اسوقت تک کافر تھے اور صنعت الٰہیہ انسان کی اندرونی قوتون مین عجیب شان کے ساتھ ہے کہ باطن مین یہ واقعہ جو آخر کو ظاہر ہوا ان دونون نے پہلے دیکھ لیا اگرچہ باطن سے جاہل ہو کر کچھ جان نہین سکتے تھے اور یہ بھی عجب ہو کہ باورچی نے اپنے قتل ہوجانے اور گدھ و چیل و کوے کی نوچ نوچ کر کھانے کی تصویر اسوقت دیکھ لی پھر دیکھو کہ صحیح حدیث مین آیا کہ خواب صالح نبوت کے چھتیس [۴۶] جزون مین سے ایک جزو ہو تو وہم ہوگا کہ ان کافرون کو کہان سے نبوت کا جزو ملا اور جواب یہ ہو کہ حدیث کے معنی رویا صالحہ سے متعلق ہین اور یہان رویا صالحہ نہ تھی۔ خلاصہ یہ ہو کہ اُن کے خواب کا مآل کار صرف دنیاوی امور تھے اور بندہ مومن کو آخرت باقی کے خواب نظر آتے ہین لقولہ تعالیٰ لہم البشریٰ فی الحیوۃ الدنیا الآیۃ۔ علاوہ اسکے کافر کے اندر ہر ایک چیز ودیعت ہو اگرچہ اُن کے قلوب خالی ہونے سے انوار آخرت نظر نہین آتے تو دنیاوی امور مین انکی مشارکت ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ سراج مین لایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اُن کے خواب کی تعبیر دینے مین کراہت کی اسلیے کہ ایک کو اسمین موت تھی لہذا پہلے ایک تمہید کے ساتھ ایمان کی دعوت شروع کی۔

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي

بولا نہ آنے پاویگا تمکو کھانا جو ہر روز تم کو ملتا ہے مگر بتا چکونگا تمکو اُسکی تعبیر اُسکے آنے سے پہلے یہ علم ہے جسکو سکھایا

رَبِّي إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ○

میرے رب نے میں نے چھوڑا دین اس قوم کا کہ یقین نہین رکھتے اللہ پر اور آخرت سے وہ منکر ہین

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ

اور پکڑا مین نے دین اپنے باپ دادون کا ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کا ہمارا کام نہین کہ شریک کرین اللہ کا کسی چیز کو

ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ○

یہ فضل ہے اللہ کا ہم پر اور سب لوگون پر لیکن بہت لوگ بھلا نہین مانتے

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ۔ فرمایا کہ نہین آویگا تمھارے پاس وہ کھانا جو تم کو رزق دیا جائیگا۔ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ۔ مگر آنکہ مین تم کو اسکی تاویل سے خبردار کردونگا قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا۔ قبل اسکے کہ تمھارے پاس آجاوے یعنی تمہید کی کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ علم حاصل ہو کہ جو کھانا تمھارے واسطے رزق ہو اسکے تم تک پہنچنے سے پہلے مین تم کو اُسکے سب حال سے آگاہ کردونگا۔ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي۔ یہ ایسی بات ہو جو میرے رب نے مجھے تعلیم فرمائی ہے بعض مفسرین نے کہا کہ طعام

مرزوق سے خواب کا کھانا مراد ہو تو معنی یہ ہوئے کہ خواب میں اگر تم ایسا کھانا دیکھو جو تم کو آخر کسی وقت ملنے والا ہو تو میں خواب سنکر تمکو بتلا دونگا کہ ایسا ایسا کھانا تمکو ملیگا حالانکہ ہنوز وہ تم کو ملا نہ ہوگا اور بعض مفسرون نے کہا کہ جاگتے کا روزانہ کھانا مراد ہو یعنی جو کھانا تمکو آج یا کسی وقت ملیگا میں تم کو اسکے ملنے سے پہلے اُسکا رنگ و مزہ و وقت و مقدار و کیفیت بتلا دونگا جیسے حضرت عیسیٰ نے کہا تھا۔ اُنبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم۔ اور چونکہ اس زمانہ میں جادو کا زور بڑھا تھا اسلیے انکو صاف سمجھا دیا کہ یہ جادو سے نہیں ہو بلکہ میرے رب نے مجھے سکھلایا ہو اب اس فضل کی وجہ بیان کی اور ان کو ایمان کیطرف بلایا بقولہ۔ اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ۔ میں نے چھوڑ دی ملت ایسے لوگونکی جو یقین نہیں لاتے اللہ تعالیٰ پر اور وے آخرت سے بالکل منکر ہیں یعنی یہ فضل الٰہی مجھپر ہوا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب جانا اور آخرت کو برحق مانا اور جو لوگ کہ اللہ تعالیٰ سے منکر و آخرت سے کافر ہیں اُنکی ملت کو کبھی نہیں لیا چھوڑے رکھا اور مطلب نہیں ہو کہ پہلے میں اس ملت پر تھا پھر چھوڑ کر مومن ہوگیا پھر بتلایا کہ مجھے فقط ایمان ہی نہیں بلکہ نبوت خاندانی ہو۔ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ۔ اور میں نے پیروی کی اس ملت کی جو میرے باپ دادے کی ہو یعنی حضرت ابراہیم خلیل اللہ پردادا اور اُنکے بیٹے اسحٰق و انکے بیٹے یعقوب کی سنت پر چلا اور اگر کوئی کہے کہ وہ خود نبی تھے تو جواب دیا گیا کہ ہاں لیکن شریعت عبادت وہی رہی جو صحف ابراہیم میں نازل ہوئی تھی جیسے توریت بلا بعیسیٰ تک رہی اور چونکہ وہی اسحٰق و یعقوب کی شریعت رہی اسلیے انکا بھی ذکر کر دیا اور اچھا جواب یہ ہو کہ یہاں آپ ان قیدیون کو توحید پر یقین دلاتے تھے اور توحید سب پیغمبرون کی یکسان ملت ہو اسمین کچھ تغیر نہیں ہو سکتا اسیواسطے آنحضرت نبینا صلوات اللہ علیہ وسلامہ کو حکم ہوا۔ فبهداهم اقتده یعنی انبیاء سابقین کی اقتدا کرو یعنی توحید میں ورنہ آپ سب سے افضل تھے اور یہی پر دلالت کرتا ہو۔ قولہ۔ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ۔ ہم لوگون سے کبھی ٹھیک نہیں ہو سکتا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک بنا دین۔ بلکہ ہم توحید کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا رب نرالا ہے کوئی اسکا شریک نہیں ہو اور اسکے سوائے سب چیز اُسی نے پیدا کر دی ہو حتی کہ جو علم تاویل و تعبیر مجھے حاصل ہو اُسی کا پیدا کیا ہوا ہو۔ ذٰلِكَ۔ یہ دین توحید۔ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا۔ اللہ تعالیٰ کے بڑے فضل میں سے ہو ہم پر بھی۔ وَعَلَى النَّاسِ۔ اور قوم کے باقی لوگون پر بھی کیونکہ ہم نے اسکی توحید پہچانی اور دوسرونکو معرفت سکھلائی تو سب نے نجات پائی اور آخرت کی نعمتون سے سرفراز ہوئے تو دراصل یہ فضل ہم پر اول و بالذات آگیا ہے اور باقی قوم پر رجوع ہے۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ۔ ولیکن قوم میں سے بہتیرے اس نعمت کا کچھ شکر نہیں کرتے کہ ایمان لاوین بلکہ ناشکری و انکار کرتے ہیں جب اپنی حالت پاکیزہ و نتیجہ توحید ظاہر کر دیا تو آگے انکو ایمان کی جانب دعوت فرمائی۔ اور اس سے ظاہر ہو کہ حسن تدبیر لوگون کو ایمان کیطرف لانا یہی شان انبیاء ہو اس زمانہ کے لوگونکی طرح یہ کہنا لغو ہو کہ جسکی قسمت میں ہوگا ہو جائیگا۔ دیکھو تعبیر سے پہلے ان کو ایمان سکھلایا۔

یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ

اے رفیقو قید خانہ کے بھلا کئی معبود جدا جدا بہتر یا اللہ اکیلا زبردست کچھ نہیں پوجتے ہو سوائے اسکے

اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنِ الْحُكْمُ

مگر نام ہیں کہ رکھ لیے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادون نے نہیں اُتاری اللہ نے اُنکی کوئی سند حکومت نہیں ہو کسی کی

اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝

سوائے اللہ کے اُسنے فرما دیا کہ نہ پوجو مگر اُسی کو یہی ہے راہ سیدھی پر بہت لوگ نہیں جانتے۔

یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ۔ اے دونون ساتھی قیدخانہ کے یعنی دونون میرے ساتھی جو قیدخانہ مین ہو یا بوجہ سکونت کے انکو قیدخانہ کیطرف منسوب کر دیا جیسے اصحاب الجنۃ و اصحاب النار وہ لوگ جو جنت و دوزخ مین رہین گے یا جنت و دوزخ مین باہم ساتھ ہو گئے ہین بہرحال ان دونون قیدیون کو ایسے لفظ سے خطاب کیا جس سے اُنکا دل دنیا سے ہٹ جاوے اور فرمایا ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ ۔ ہمزہ اول استفہام اور ارباب جمع رب کی بمعنی پالنے والا اور معبود کے معنی مین مستعمل ہو اور کبھی خالق و محافظ کے معنی لئے جاتے ہین جیسے رب النوع کا لفظ یونانی کافر ایک ایسی چیز مجہول کا نام رکھتے تھے جسکو اس نوع کا خالق و قائم رکھنے والا جانتے اسیوجہ سے اسکی تصویر بنا کر قربانی وغیرہ چڑھاتے تھے اور یہان بھی رب کا اطلاق اخیر معنی مین مناسب ہو یعنی پوچھا کہ بھلا بتاؤ کہ جدا جدا چند متفرق معبود اچھے ۔ اَمِ اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۔ یا کہ اللہ تعالیٰ جو زبردست سب پر غالب ہو وہ اچھا ہو ۔ ارباب متفرق عمدہ کلمہ سب طرح کے باطل معبودون کو شامل ہو حتی کہ چھوٹے بڑے پتھر چاندی سونے وغیرہ کے جوان کو بھی اور کالی دیوی دیوتا و آفتاب تارے وغیرہ کو بھی شامل ہو اب اگر کوئی کہے کہ ارباب متفرقہ تو درحقیقت مخلوق و جمادات وغیرہ ہین اُنسے مقابلہ اللہ تعالیٰ کا کیونکر ہو سکتا ہو کہ یہ اچھے یا وہ تو جواب یہ ہو کہ سمجھانے کا طریقہ یہ عمدہ ہو کہ جو کوئی جس اعتقاد پر ہو اسکو اسکے اعتقاد پر جہان بھٹکا ہو وہین تنبیہ کرو چنانچہ دونون قیدی تو بت پرستی کے قائل تھے کسی بت کو حاجت بچانیوالا اور کسی کو روزی دینے والا اور کسی کو کسی طرح قدرت والا سمجھتے تھے تو ان بتون کو باطل ناکارہ کہنے سے انکا نفس شرارت پر آمادہ ہو جاتا اسیواسطے قریش کے بتونکو برا کہنے سے صحابہؓ کو منع کر دیا تھا کہ یہ جاہل اسکے مقابلہ مین اللہ عزوجل کی جناب مین گستاخی کرینگے تو قیدیون کو آہستہ سمجھایا کہ تم سوچو کہ یہ بت ایسے ہی لیکن اللہ تعالیٰ تو جہان کا خالق اور اسمین سب ہی قدرت ہو جو وہ چاہے وہی ہو کہ وہ سب جہان سے غالب قہار ہو تو پھر متفرق ارباب مین سے ہر ایک کی خوشامد کرنا تمکو پسند ہو یا ایک زبردست سب قدرت والا اچھا ہو اب سچا و صاف انصاف والا ضرور کہدیگا کہ بیشک اس سے کیا فائدہ کہ ہم ستر دروازہ بھٹکے پھرین اب یا وہ غور کریگا تو فوراً جان جائیگا کہ جب ہی زبردست سب پر غالب ہو تو یہ کیسے ہوگا کہ جو وہ نہ چاہے وہ ہو جاوے یا جو وہ چاہے وہ نہ ہونے پاوے بلکہ قدرت و طاقت فقط اُسی کیلئے رہی تو صاف معلوم ہو گیا کہ ہر طرح کا نفع و ضرر وہی دیتا ہو کسی سے کچھ نہین ہو سکتا بس جہالت سے منہ پھیر لیگا اب آگے اسکو صفات باری جل سلطانہ کی معرفت حاصل ہو جائیگی تو عارف ہو جائیگا کہ کتنا عبادت و حکم تو اسی کا ہوا باقی سب بناوٹی باتین رہ گئین چنانچہ فرمایا ۔ مَا تَعْبُدُوْنَ ۔ نہین پوجتے تم دونون و تمہارے طریقہ والے سب لوگ مِنْ دُوْنِهٖ ۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے اِلَّا اَسْمَآءً ۔ مگر کچھ نامون کو یعنی حق عزوجل جو حقیقی سچا معبود ہو اسکے سوائے جو تم دوسرے کو پوجتے ہو تو وہ فقط نام بادہوائی ہین کہ سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ ۔ ارباب و معبود اور دیوتا اُنکا نام رکھ لیا تم نے وَاٰبَآؤُكُمْ ۔ اور تمہارے باپ دادون نے یعنی حقیقی چیز نہین ہین محض خیالی ہین مثلاً ایک بھول ہو کہ اسکے سامنے کوئی کپڑا سکھلاوے کہ وہ آفتاب ہو تو یہ محض بے حقیقت خیالی بات ہو اور خشک ہو جانا کپڑے کا ہوا و حرارت آفتاب سے ہو جائیگا اگرچہ یہ جاہل اپنے فرضی بھول کی طرف سے سمجھے تو ایسے ہی باطل معبود درحقیقت معبود ہونے مین محض خیالات ہین اسیواسطے فرمایا کہ تمنے نام رکھ لئے ہین ۔ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ ۔ کچھ بھی ان نامون کے ساتھ اللہ تعالیٰ حقیقی خالق نے حجت نہین نازل فرمائی یعنی عبادت تسلیم و گردن جھکانا حکم آلہی کا ہوتا اگر اُسنے حکم دیا ہوتا کہ چند افعال انکی خدمت مین کیئے جاوین ورنہ عبادت تو اُسی خالق کیلئے ہو لہذا الفعل کی جانب تمازاد آکر نہین طاعت آلہی ہو حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی حکم نہین دیا کہ تم ان بتون وغیرہ کی خدمت کرو ۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۔ حکم تو کسی کی شان نہین سوائے اللہ تعالیٰ کے تو اگر تمہارے نفس و خیال نے کچھ حکم لگایا تو خود اپنے آپ کو کسی کا بندہ ہ

بنایا اور یہ محض خبط ہو حکم نہین ہو چونکہ حکم ماسوائے حق عز وجل کے کسی سے ہو نہین سکتا۔ روایت ہو کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ
کے ساتھ امیر المومنین حضرت خلیفہ چہارم علی کرم اللہ وجہہ نے صلح بطریق تحکیم اقرار دی تو ایک گروہ بنو تمیم کا خارجی ہو گیا کہ خلیفہ برحق کیطرف
سے دوسرے کی تحکیم بے معنی ہو اور قولہ تعالیٰ ان الحکم الا للہ سے حجت تصور کی جب آنحضرت علیہ السلام نے سنا تو فرمایا کہ کلمۂ حق کے معنی
نہین سمجھے۔ رواہ الائمہ۔ واضح ہو کہ دنیا مین باہمی معاملات مین جو احکام جاری ہوتے ہین وہ جبتک مطابق شریعت آلٰہی ہین تب تک
الحکام حقہ در حقیقت حکم آلٰہی ہین اور جب مخالف ہوئے تو ہیچ ہین اسیواسطے جو قوانین کہ مخالف حکم آلٰہی ہوون وہ ظلم ہین و لہٰذا الحکم
قولہ تعالیٰ و من لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ہم الفاسقون۔ ان احکام پر عمل کرنا فسق اور انصاف دیکھنا و رضامندی کفر ہو اور تفصیل
تحت آیت کریمہ مذکور ہو چکی ہو۔ اور یہین سے کہا گیا کہ وکالت خلاف قوانین شرع حرام ہے گو کہ چہ کفر مین داخل ہو جیسا کہ وہان بیان
ہو چکا مسئلہ جو وکالت کہ خلاف شرع خرید فروخت و نکاح و رہن و نالش وغیرہ مین ہو حرام ہو بدلیل نص و بدلیل آنکہ سماعت
بظلم بھی ظلم ہو کیونکہ ظلم کی معاونت منع ہو۔ فی السراج وغیرہ۔ حکم یہ ہو کہ کسی امر مین بمقتضائے حکمت فیصلہ دینا۔ اقول حکمت عدل ہو
جو حق عز وجل کے سوائے کوئی مخلوق نہین جان سکتی ہو جسکو حق تعالیٰ نے بطریق وحی کے انبیاء علیہم السلام پر نازل فرمایا ہو اور جہان آپس
حلت و حرمت مین اختلاف ہو جیسے شریعت توریت مین جہاد فرض تھا اور شریعت انجیل مین منسوخ ہوا یا شراب کی حلت و حرمت تو یہ
حکمت بالغہ آلٰہیہ کے موافق ہو لہٰذا بغیر منسوخ اب نہین منسوخ ہو سکتا کیونکہ علم آلٰہی قدیم ازل سے تا ابد بالکل حاوی ہو اگر کہا جائے
کہ فقہاء اختلاف عصور و زمانہ سے احکام مین مغایرت کیونکر لیتے ہین تو جواب یہ ہو کہ یہ انہین مقامات مین مخصوص ہو جنہین شرع نے بندون کو مختار
کیا ہو یا انکے اختیار و پسند پر مبنی ہوا ہو مثلاً شاہی زمانہ مین ریشمی کار چوبی کام زینت تھا اور اب عیب ہو بنائے اختیار لباس ہو جسمین شرع
نے کوئی قید محصور نہین فرمائی ہو پس مرجع ان سب کا یہی ہو کہ حکم وہی معتبر ہو جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہو۔ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ
اس نے حکم دیدیا کہ بندگی مت کرو کسی کے سوائے اسکی۔ یہ حکم سب سے مقدم ہو اور یہی ایمان توحید ہو عبادت کے معنی تحت قولہ اتخذوا احبارہم
و رہبانہم اربابا من دون اللہ والمسیح ابن مریم الآیۃ۔ بیان ہو چکے ہین خلاصہ یہ ہو کہ کسی کا حکم لینا و خدمت کرنا اسطرح کہ جیسے اللہ تعالیٰ
کا حکم ہو یہ بھی عبادت ہو عبرت کا موقع ہو کہ اہل یورپ اپنے بڑے پادری سے روزے تالدینے کا حکم حاصل کرتے ہین۔ دیکھو معجزہ قرآنی
تمہاری آنکھون کے سامنے موجود ہو۔ واضح کہ عبادت کسی کی نہین سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ ذٰلِکَ۔ یہ جو کچھ بیان ہوا کہ حکم و عبادت مخصوص
بحق تعالیٰ ہے۔ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ یہی ٹھیک دین ہو اسمین کچھ کجی نہین ہو۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ ولیکن بہتیرے لوگ یعنی جو کافر ہین لَا يَعْلَمُوْنَ
اسکو نہین جانتے ہین پس کچھ راہ کو مختار کرتے ہین یا تو کھلم کھلا جیسے بت کو دیوتا وغیرہ مانا اور مسیح مین الوہیت بتلائی اور یا جہالت سے پیر سمجھا
کیا کہ فلان کی درگاہ ہم کو بیٹا دیگی اور اگر نذر نیاز نہ کی تو سٹا دیگی۔ یہان تک انکو ایمان و توحید سکھلائی اور اسمین بڑا فائدہ یہ تھا کہ دونو
قیدیون مین سے ایک کا زمانہ آخر ہو چکا تھا اور موت آدمی کو سخت ناگوار ہوتی ہو پس اگر پہلے اسکی موت کی خبر دیتے تو بدحواسی مین پھر
ایمان کا کلمہ نہ سنتا اور نہ سمجھتا پس کمال شفقت سے چاہا کہ دنیا کے قیدخانہ سے رہائی پاوے تو ایمان کی بدولت جنت میں آرام
اٹھاوے ورنہ زیادہ سخت و شدید عذاب کی قید مین پڑ جاویگا معرفت مخلوق آلٰہی پر شفقت کرو۔ فی الحدیث۔ زمین والون پر تم رحم کرو
تم پر آسمان والا رحیم فرمادیگا۔ رواہ اصحاب الصحاح۔ جو کوئی فسق و فجور و گمراہی مین پڑا ہوا ہو اسپر ترس کھاو کہ یہ آگ مین جلا گرا پڑتا ہو معرفت
ٹیڑھی راہ شیطان کی ہو کما صح فی حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ و فی الحدیث الدنیا سجن المومن ایمان والے کیلئے دنیا قیدخانہ ہے۔

معرفت جہالت نجاننا اور بقولہ العلیمون کا انجام کفر ہے لہذا علم قرآن وحدیث فرض ہو جب آپ ایمان تعلیم فرما چکے تو دونوں قیدیوں کے خواب کی تعبیر انکو اسطرح سنائی کہ کسی خاص کی تعین نہ فرمائی تاکہ دل نہ دکھے -

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ

اے رفیقو بندی خانے کے ایک جو ہی تم دونوں میں سو پلاویگا اپنے خاوند کو شراب اور دوسرا جو ہی سو سولی چڑھیگا پھر کھا وینگے جانور اُسکے سر میں سے

قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ۝ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ

فیصل ہوا کام جس کی تحقیق تم چاہتے تھے اور کہدیا اُسکو جسکو اٹکلا کہ بچیگا اُن دونوں میں میرا ذکر کریو

عِنْدَ رَبِّكَ ؗ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ۝

اپنے خاوند پاس بھلا دیا اُس کو شیطان نے ذکر کرنا اپنے خاوند سے پھر رہا قید میں کئی برس

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ - اے میرے دونوں قیدخانہ کے ساتھیو - دونوں کے خوابوں کی تفصیلی تعبیر یہ ہو - اَمَّآ اَحَدُكُمَا تم دونوں میں سے ایک شخص تو - فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا - اپنے رب یعنی سردار کو شراب پلادیگا - یہ وہی ساقی تھا جسنے دیکھا کہ انگور کا شیرہ نچوڑتا ہے - یہ تعبیر خوشی کے ساتھ ملی ہوئی مقدم کردی وَاَمَّا الْاٰخَرُ - اور رہا دوسرا - فَيُصْلَبُ تو وہ سولی دیدیا جائے گا - فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ - تو کھائینگی چڑیاں اسکے سر میں سے یعنی گدھ و کوے وغیرہ نوچ نوچ کھا دینگے - یہ وہی باورچی تھا جسنے دیکھا تھا کہ میں سر پر روٹیاں لادے ہوں اسمیں سے پرندے نوچ نوچ کھاتے ہیں اور چونکہ اسکے حق میں سولی و موت تھی اسواسطے تعبیر کو مجمل کردیا کہ تم میں سے ایک ایسا ہوگا - پھر حکم ازلی آلٰہیہ کو محکم بیان فرمایا بقولہ قُضِيَ الْاَمْرُ - پوری ہوچکی وہ بات - الَّذِيْ فِيْهِ کہ جسمیں - تَسْتَفْتِيٰنِ تم دونوں پوچھ گچھ کرتے ہو - یعنی یہ حکم الٰہی قدیم جاری ہوچکا ہے کسی بہانہ و حیلہ سے بدل نہیں سکتا ہے - اپنے انجام کار کی فکر کرو - اسمیں تنبیہ ہو کہ ایمان پورا کرلو کہ انجام اچھا ہو - فقہ خواب صحیح و اسکی تعبیر درست ہو وہ تین قسم کا ہوتا ہے ایک خواب انبیاء علیہم السلام اور وہ وحی ہے حتی کہ مثل وحی کے اسکی تعمیل واجب ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کو ذبح کرتے دیکھا اور اسکا برتاؤ کیا - یہ کبھی جیسا دیکھا ویسا ہی بلا تعبیر ہوتا ہو جیسے یہی خواب اور کبھی تعبیر کے ساتھ جیسے خواب یوسف علیہ السلام اور اسی کے چھیالیس جزو میں سے ایک جزو خواب مومن یعنی حقیقی ایمان والے کا خواب ہے ولیکن وہ وحی نہیں اور نہ اسپر عمل کرنا خلاف شرع یا جدید تشریع میں جائز ہے مثلاً کسی نے دیکھا کہ اسکو حکم دیا جاتا ہو کہ کوئی معصیت کرے یا مغرب کی دو سنت کو فرض سے پہلے پڑھے یا ایک مجلس قوالی وغیرہ کی جمع کرے تو ایسے امور میں کچھ اعتبار نہیں ہو کیونکہ وہ درجہ نبوت تک نہیں پہنچ سکتا تاکہ حکم شرع اسپر نازل ہوئے چنانچہ مصرح یہ حکم کتب اصول میں مذکور ہو پھر مومن کا خواب دو طرح کا ہوتا ہو ایک وہ جو امور آخرت سے متعلق ہو اور یہی ایک جزو خواب نبوت ہو اور دوسرا وہ جو امور دنیاویہ سے متعلق ہے وہ قسم دوم ہو اس قسم میں مومن و کافر شریک رہتے ہیں حتی کہ صاحبان یوسف نے اپنا اپنا حال دیکھ لیا تھا - قسم سوم جو درحقیقت خواب نہیں بلکہ شیطانی احلام ہیں اور اسی قسم سے وہ خواب ہے جو حدیث صحیح مسلم میں ہو کہ ایک نے بیان کیا کہ گویا اسکا سر جدا ہوکر گرا اور بھاگا اور یہ اسکے پیچھے دوڑا - ایسے احلام کی نسبت حدیث میں حکم ہے کہ جب کروٹ ہو تو تین مرتبہ تھتکارد اور اعوذ باللہ پڑھکر کروٹ بدل لے اور کسی سے ذکر نہ کرے اسکو کچھ ضرر نہ پہنچیگا اور حدیث میں منع ہو کہ جاہل یا دشمن

ع ۵

پیدا ہو جائے حالانکہ اس صورت پر اس وجہ سے بھی موافق نہیں کہ دوسرا بھی جھوٹا ہوتا حالانکہ اسنے نجات پائی۔ اور یہ وجہ شیخ نے امام
احمد کی روایت معاویہ بن حیدہ قشیری سے تقویت دی تو وہ صحیح نہیں ہے اسلئے کہ وہ رویا سے متعلق ہے اور بیان تو دعویٰ ہے کہ
رویا کا جو دیکھا تھا پھر کیا پیش ظاہر ہوگی اور کس کی تعبیر واقع ہو جائیگی۔ پس صحیح یہی ہے کہ ان دونوں نے خواب دیکھا تھا جس کی
آپنے تعبیر دی شیخ ابن کثیر رحمہ اللہ نے مسند ابو یعلیٰ موصلی سے حضرت انس رضی کی مرفوع روایت ذکر کی الرؤیا لاول عابر۔
یعنی خواب کی تعبیر ہوتی ہے جو سب سے پہلے تعبیر دینے والا تعبیر دیوے یعنی دوسرے تعبیر دینے والے کا کچھ اعتبار نہیں ہے تعبیر وہی
ہوگی جو اول نے دیدی۔ آدمی کو چاہیئے کہ جھوٹے نہ ہوں کہ میں نے ایسا خواب دیکھا۔ اگر دیکھا تو کوئی مرد صالح متقی عقیل تلاش
کرے کہ اس سے تعلیم بیان کرے اور تعبیر جلدی ظاہر نہ کرے۔ القصہ حضرت یوسف علیہ السلام نے دونوں کی تعبیر دیدی اور
فرمایا کہ نجومیوں و کاہنوں کی بات نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم ہے اور آگاہ کر دیا کہ یونہی واقع ہونے کا وقت مقرر ہو چکا ہے
فقہ عام لوگوں سے برتاؤ رکھنا نیکی کے ساتھ بڑا ثواب ہے لیکن انکے حقوق کا خیال رکھنا اور اپنے آپ کو بچانا اور ظاہر
و باطن اپنے دل کو خطرے سے محفوظ رکھنا ضرور ہو چنانچہ آگے کا حال سنو۔ وَقَالَ۔ اور کہا یوسف نے لِلَّذِي دونوں قیدیوں میں سے
فقط اس شخص سے کہ ظَنَّ جسکے حق میں ظن یعنی یقین کیا تھا کہ أَنَّهُ نَاجٍ مِّنْهُمَا۔ ان دونوں میں سے رہائی پاویگا یعنی ساقی
سے کہا کہ۔ اذْكُرْنِي عِندَ رَبِّكَ۔ میرا ذکر کرنا اپنے رب یعنی بادشاہ کے پاس۔ ظاہرا یہ غرض تھی کہ جب موقع و قرینہ ہو تو بادشاہ سے
بیان کرنا کہ ایک مرد صالح ناحق قید ہو تاکہ تیرے ذریعہ سے میری رہائی ہو جاوے خصوص جبکہ ساقی کا اعتبار بڑھ گیا تھا اس سبب
سے کہ قصہ بیان کیا گیا ہے کہ ارکان سلطنت و شاہی خاندان والے اس بادشاہ سے ناراض ہوئے اور باورچی و ساقی سے سازش
کی کہ کھانے و پانی و شراب میں زہر دیدینا چنانچہ دونوں نے اقرار کر لیا ولیکن عین وقت پر ساقی نے انکار کیا ہے توبہ کی اور فورا حاضر ہوا
اور عرض کیا کہ اے بادشاہ یہ کھانا آپ نہ کھاویں اسمیں زہر ہوگا تو باورچی نے کہا کہ اس شراب میں بھی ہوگا آپ نہ پئیں۔ بادشاہ
نے حکم دیا کہ تم دونوں کھاؤ پیو۔ چونکہ شراب صاف تھی ساقی نے فورا پی لی۔ اور کچھ نہ ہوا مگر باورچی نے کھانے سے انکار کیا تو وہ
کھانا ایک کتے کو دیا گیا جو کھاتے ہی مر گیا چونکہ سازش میں شرکت دونوں کی ظاہر ہوئی تھی بادشاہ نے دونوں کو قید کیا
پھر تین روز یا زیادہ کے بعد ساقی کو اعزاز کے ساتھ اپنے کام پر بحال کیا اور باورچی کو سولی دیدی اور یہی واقعہ حضرت یوسف ؑ
نے اول سے بیان کر دیا تھا۔ پس حضرت یوسف ؑ نے چاہا کہ ساقی کے ذریعہ بادشاہ کے حکم سے مجھے رہائی مل جاوے حالانکہ قید کی
خود درخواست کی تھی ولیکن قید و مشقت سخت ہوتی ہو خصوص جبکہ پانچ برس گذرے تھے اسیواسطے حضرت سید المرسلین صلی اللہ
علیہ وعلیہم وسلم نے تواضع فرمایا کہ اگر لبثت فی السجن طول ما لبث یوسف لاجبت الداعی یعنی یوسف الکریم رسول تھے کہ صابر و ثابت قدم تھے
اور اسیواسطے حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دیا ہے کہ آدمی کبھی امتحان و سختی پر دلیری نہ کرے اور ہمیشہ سلامت و عافیت چاہے ہم لوگ
اپنے نفوس کے مکائد یاد رکھیں کہ انسان ذرا سے پرہیز و مباشرت پر تلملاتا ہو اور بے صبری کرکے اول سے زیادہ بدتر حالت پر ہو جاتا ہے اور
فرشتہ صفت پیغمبر صادق حضرت یوسف صدیق علیہ السلام سے عبرت و نصیحت حاصل کریں کہ کہاں ہم لوگ غرق رہنے اور کہاں وہ جوہر
نفیس مگر آخر جو چیز خود مانگی تھی یعنی قید خانہ اس سے گھبرائے اور ایک ساقی سے وسیلہ رہائی چاہا حالانکہ امور مقدر ہیں اور قید کو بھی
گو اللہ تعالیٰ نے قبول کیا تھا اسکے سوائے دوسرے پر نظر کرنا دو طرح ہوتا ہے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف دل سے نظر ہو اور چونکہ اسکے

دنیا میں ظاہر اسباب کی پابندی کا قاعدہ جاری فرمایا ہے تو ظاہری اعضا کو ان اسباب میں مشغول کر دے تو حقیقت میں بغیر کی طرف نظر نہ ہوئی
اور یہ جائز ہے حتی کہ فوج و لشکر و سامان و ہتھیار مہیا کرے اور فتح و نصرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے دوم یہ کہ دل کی نظر جھک جاوے اور جسوقت ظاہری اعضا
کو اسباب میں لگاتا ہے اُسوقت ساتھ ہی دلی نظر بجانب خالق عزوجل نہو اگرچہ دل کی نظر ان اسباب پر بھی نہو تو یہ بات کمال صدق و ایقان کے مرتبہ میں یہ
ایک جھک ہے اور ادنیٰ درجہ والوں کیلئے کرم الٰہی عفو فرماتا ہے اور ایک تیسری صورت یہ ہے کہ ظاہر اور باطن نظر ان اسباب پر ہو اور یہ قسم کفر سے ملی ہوئی ہے
حتی کہ اگر دل کی نظر اس اعتقاد پر ہو کہ یہی سبب یا اسکے مثل کوئی سبب مؤثر ہوگا تو صریح کفر ہے ورنہ شدت غفلت گناہ ہے۔ اللھم غفرانک۔ پس شاید کہ حضرت
صدیق علیہ السلام کی نظر اسوقت جھکی ہو اور میرے نزدیک یہی بعید ہے اور شاید انکی نظر ہو لیکن خلاف وضع راست تمہید کے جو اللہ تعالیٰ سے عرض بھی
اسوقت درخواست رہائی اس سبب کی طرف جھکائی اور یہی بات جناب کبریا جل شانہ میں ناگوار آئی۔ فَاَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ
پس بھلا دیا اس قیدی ساقی کو شیطان نے ذکر کرنا یوسف کا اپنے مالک کے پاس یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کی درخواست اس طریقہ
سے ناپسند فرمائی اور شیطان کو قابو دیدیا کہ وہ ساقی کی یاد پر مسلط ہوگیا حتی کہ مدت تک اسکو یوسف کا ذکر کرنا اپنے بادشاہ پاس
یاد نہ آیا۔ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ۔ تو پڑے رہے حضرت یوسفؑ قیدخانہ میں کچھ برسوں۔ بضع کی تعداد تین سے اوپر دس سے
کم ہوتی ہے اور اکثر روایات میں سات برس بیان ہوئے ہیں اور تحقیق اللہ تعالیٰ کا علم ہے۔ اور بارہ برس کی روایت بھی آئی ہے لیکن
اسطرح کہ پانچ برس پہلے اور سات برس یہ ملاکر بارہ برس ہوئے جو تفسیر مذکور ہوئی ایک جماعت مفسرین کا قول ہے اور بعضوں نے
ضمیر انساہ مفعول ہا بجانب یوسفؑ قرار دی تو ترجمہ یہ ہوا کہ بھلا دیا یوسف کو شیطان نے اپنے رب کا بیان کرنا تو پڑا رہا قیدخانہ میں
کچھ برسوں تک۔ حکم ہے کہ ہر کام کا ہونا انشاء اللہ تعالیٰ کے ساتھ رکھے یعنی سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہوگا شاید کلمہ اسطرح ملاکر نہ کہا ہو
اور شاید کہ اپنے رب کی طرف درخواست میں چوک ہوئی۔ امام محمد بن عمر رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا کہ یہی قول ٹھیک ہے کہ شیطان نے
یوسف کو ذکر رب تعالیٰ بھلا دیا کہ اُنھوں نے اپنے مانند ایک آدمی سے استعانت چاہی اور یہ ایک غفلت انکو پیش آگئی میں مترجم کہتا ہوں
کہ نہیں اس درجہ تک غفلت میری اعتقاد سے باہر ہے اور جو کوئی اہل عرفان و توحید کی حالت سے واقف ہے وہ ایسا قیاس نہیں کر سکتا
یہ تو ہم لوگوں پر قیاس ہے وہاں تو ایسی حالت کی گنجایش نہیں خصوصاً یک پیغمبر مرسل و نبی صدیق کی شان میں کیا موقع ہے ہاں
یہ کہ طریقۂ درخواست اول مرسل تھا اور اب ازنازل طریقہ سے ہوا جو ایک قسم کی بھول ہے۔ پھر امام رازی نے لکھا کہ کسی مخلوق سے مدد
لینا کسی ظلم کے دور کرنے میں عام لوگوں کیلئے شریعت میں جائز ہے لیکن بہت سی باتیں عام کے حق میں نیکیاں سمجھی جاتی ہیں اور
مقرب لوگوں کے حق میں یہ باتیں درجہ گناہ پر ہوتی ہیں پس صدیق کی شان یہ ہے کہ سبب پر بالکل نظر نہ کریں بلکہ مسبب الاسباب پر
نظر رکھیں اور بالکل اُسی کی شان میں مشغول ہو جاویں اسیواسطے یوسف علیہ السلام اتنی بات پر ماخوذ ہوئے مگر یہاں
اللہ تعالیٰ نے اس قدر اسکے حق میں بطریق تعریف بیان فرمادیا کہ وہ بالکل حق تعالیٰ کی شان میں مشغول تھا حتی کہ ایک مرتبہ اسنے
ایسا کیا تو ماخوذ ہوا اور اگر کوئی کہے کہ شیطان کو کہاں سے پیغمبر پر یاد الٰہی بھلا دینے کا قابو مل سکتا ہے اسکا جواب یوں دیا جائے
کہ یہ بھلاوا ایک خطرہ تھا اور شیطان کو یہ قابو نہیں دیا گیا کہ دل سے یاد الٰہی چھڑا دے یا بھلا دے۔ قال المترجم یعنی خطرہ آنا
روا ہے جیسا کہ آیات و احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے اور سابق میں یہ بحث مفصل گذری ہے واضح ہو کہ مسئلہ
یاد الٰہی جل شانہ اسوجہ سے مشکل ہوگیا کہ ہنوز قلوب جو کدورات و شہوات و ردیات سے ملط ملط ہیں وہ خیال اس صاف باطن کی

حالت کالاتے ہین جو با توازلی ہو جیسے انبیاء و مرسلین یا حکم اولیت کے ساتھ ہو تو محبت ایمانی مین صاف ہوا ہو جیسے اولیاء کیونکہ جو ہنوز متغیر ہے وہ تو قصد کرتا ہے کہ یاد کرے مگر الفاظ آتے ہین وہ بھی مشقت توجہ کہ آنا فانا تغیر ہو جاتا ہے اور یہان تحصیل سے حصول ہے اور الفاظ سے معانی اور خارج سے باطن اور انتہا یہ کہ اپنا یاد دہی لانا مشکل پھر قیاس کی صورت کیا ہو سکتی ہے۔ اب مین کہتا ہون کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ یا ایہا الذین آمنوا لا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانسٰہم انفسہم اولئک ہم الفاسقون۔ مومنون کو مخالفت طریقہ فاسقین بتلایا کہ فاسق اپنے رب کو بھولے ہوتے ہین تو خود کو بھولائے جاتے ہین کیونکہ اپنے نفس کو پہچانتے تو رب کو پہچانتے اور یہی آیت اصل ہے اس قول عارفانہ تابعی کے کہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔ پس جو راہ شرع نے بتلائی یعنی جس طریقہ پر زندگی کرنا چاہیے اسپر قیام پھر دوام سے نفس کی شناخت ایمانی سے یاد الٰہی کا ظہور ہوتا ہے تو نسیان ممکن نہین ہے اسیواسطے حدیث صحیح مین ہے کہ یذکر اللہ فی کل احیانہ یعنی آنحضرت علیہ السلام ہر حال و وقت مین اپنے رب کو یاد رکھتے تھے۔ امام بخاری رح نے بیت الخلا کے وقت ذکر کے مسئلہ کا استدلال اس حدیث سے کیا اور میرے نزدیک اشارہ کردیا کہ یاد الٰہی زبان سے پڑھنے پر نہین ہے اور بعضے لوگ جو بیت الخلا یا پائخانہ کے وقت ذکر الٰہی سے اپنے کو علیحدہ کرتے ہین وہ غلطی کرتے ہین وہان کوئی وقت علیحدگی نہ تھی حالانکہ بالاتفاق بیت الخلا و غسلخانہ وغیرہ کے وقت قرأت قرآن منع ہے جب یہ معلوم ہوگیا تو سمجھا اعتبار کرنا چاہیے کہ اگر ضمیر انساہ راجع بجانب یوسف علیہ السلام ہو تو بھی نسیان سے نفس فراموشی مراد نہین ہے کیونکہ یہ تو عام مومن مین نہین ہو سکتی بلکہ طریقہ معاملت مین نظر کی چوک یا شغل کو شہ خاطر ہو جوبا لکلیہ بشان حق عزوجل ہونا چاہیے تھا پس اسی سے مواخذہ ہوا کہ کتنے برس تک قید خانہ مین پڑے رہے مترجم کے نزدیک اولیٰ یہ ہے کہ ضمیر مذکور راجع بجانب ساقی ہے بقرینہ قولہ وادکر بعد امۃ الآیۃ۔ جیسا کہ آویگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ شیخ نے لکھا کہ یہی قول مجاہد و محمد بن اسحاق و جہتون کا ہے اور لکھا کہ حضرت یوسف کی طرف ضمیر مذکور راجع ہونا بھی مجاہد و ابن عباس و عکرمہ وغیرہم سے ابن جریر نے روایت کیا اور ایک حدیث بھی آنحضرت صلعم سے روایت کی کہ اگر یوسف نے یہ کلمہ نہ کہا ہوتا جو کہا تو قید خانہ مین اتنی مدت نہ پڑے رہتے جتنی مدت رہے ہو جاسکے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے دوسری کی طرف سے رہائی چاہتے تھے۔ شیخ نے کہا کہ یہ روایت تو ضعیف ہے کیونکہ سفیان بن وکیع راوی اور ابراہیم بن یزید جعفی بہت ضعیف ہین اور حسن و قتادہ سے یہ قول مرسل بھی روایت ہوا لیکن یہان مرسل قبول نہین ہو سکتی ہے۔ قال مجاہد و قتادہ لفظ بضع تین سے نو تک۔ قال وہب بن منبہ ایوب کی بیماری سات برس اور یوسف کی قید سات برس رہی اور بخت نصر کا عذاب سات برس رہا۔ الضحاک عن ابن عباس بارہ سال قید رہے۔ ظاہر مراد یہ کہ کل مدت بارہ مجموعہ پانچ و سات کا تھا۔ امام رازی رح نے کہا کہ سوائے اسقدر حصہ کے جو فرقان حق مین منصوص ہے باقی باتین بنو اسرائیل سے سنی گئین تو انکا سچ و جھوٹ اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ مترجم نے کہا کہ مقصود نفس کی تہذیب واسطے آخرت و بقائے دائمی کے ہے کہ اسطرح کہ اشارات و صریح بنیات آیہ سے مکاید نفس و شیطان و اسکی راہون سے آگاہ ہو کر راہ راست پر مہذب ہوا اور وہ اسقدر نصوص مین خواہ صریح خواہ اشارت کیا تھا اور اکثر بتوضیح احادیث و صحیح اقوال صحابہ رض موجود ہے پھر باقی باتون سے دنیاوی حیات و کانون کی لذت سے بیکار تضییع اوقات مین کیا حاجت و کیا فائدہ ہے۔ فافہم واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ عرائس البیان مین ان آیات کے کچھ اشارات جو ادپر درجہ مین معرفت کیلئے مفید ہین بیان ہوئے انکو سن لینا چاہیئے۔ قولہ انا نراک من المحسنین احسان جب صفت خلق ہو تو معنی یہ ہین جو حدیث مین مذکور ہے کہ صل من قطعک و اعف عمن ظلمک و احسن الی من اساء الیک یعنی ناتا جوڑ جس نے تجھسے

کاٹا ہو اور عفو کرے جس نے تجھ پر ظلم کیا ہو اور نیکی کر جس نے تجھ سے بدی کی ہو۔ اور جب صفت معرفت ہو تو بحکم حدیث الاحسان ان تعبد اللہ
کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر گویا تو اسکو دیکھتا ہے سو اگر تو نہیں دیکھتا تو وہ تجھے دیکھتا ہے۔
پس یہاں مشاہدہ کرنیوالا عالم ملکوت کا اور بکشف معائنہ کرنے والا انوار جبروت کا۔ گویا نظیر قولہ تعالیٰ وکذلک نری ابراہیم ملکوت
السموات والارض ولیکون من الموقنین۔ اے من المحسنین۔ کیونکہ مشاہدہ صرف اس عالم کے بعد اُس عالم میں اہل توحید کو ہے اور جب
احسان بصفت ہادی ہے تو معنی عالم بحل مشکلات نفوس وبعجائبات قلوب اور عارف بدقائق اعمال وحقائق اعمال۔ ابن عطاء نے
کہا کہ فقرا کی طرف مائل بہ احسان ونکوئی وانس ومصاحبت۔ ابوبکر بن طاہر نے کہا کہ عذر کرنیوالے کا عذر نہیں رد کرتا۔ اقول
شافعیؒ ایک جماعت سلف کا قول ہے کہ جو عذر کرے اسکا عذر قبول کرنا چاہیئے اور رد کرنا حماقت ہے شیخ نے کہا کہ ایمان کے شرائط میں
سے ہے کہ جو بدی کرے اسکے ساتھ مکافات کے بجائے نیکی کرے بعض نے کہا کہ محسن جو تعبیر خواب کا عالم ہوا قول یہ تفسیر خاص ہے۔
ابوبکر الوراق نے فرمایا کہ جو محنت وسختی کے وقت بھٹکے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لاوے۔ یوسف بن الحسین نے کہا کہ جو
کوئی دوستوں کی خاطر اپنی خواہش چھوڑ دے اقول دوست سے مراد وہ کہ جس سے اللہ تعالیٰ کے واسطے محبت رکھے پس پہلے سے
دیکھ بھال لے جلید رح نے فرمایا کہ جو حقائق امور نفس سے آگاہ ہو۔ قولہ واتبعت ملۃ آبائی ابراہیم واسحق ویعقوب۔ کمال
توحید باتنعار انبیاء ورسل ہے صلے اللہ تعالیٰ علی نبینا وآلہ وعلیہم اجمعین۔ اتباع انکی راہ شوق پر چلنا اسطرح کہ سر باطن صاف نورانی و
روح ملکوتی ونیت صادق وانفاس پاک ونفس طاہر وعقل عالم باحکام آلٰہیہ واسرار وآثار عبودیت قائم رکھے جس ادب کی رعایت ہے
اول حضرت ابراہیم خلیل پھر اسحق پھر یعقوب کا ذکر فرمایا حالانکہ اشارت یہ تھی کہ خلت میں اتباع خلیل اختیار کرتا ہوں اسکے ساتھ ہی
ہجرت وحلم وسخاوت ومہمان نوازی اور قضا وقدر پر رضامندی اور بیقراری بعشق باری تعالیٰ وآہ وزاری میں اور کمال توحید کیساتھ
قدیم کو حوادث سے منزہ رکھنے میں حضرت ابراہیم کا متبع ہوں کیونکہ حنیف مسلم وغیر محب الآفلین تھے اور ساتھ ہی صدق ایقان
ومشاہدہ آیات والتباس میں طالب حق ہونے وانقیاد وحنیفیت سہل میں انکا مطیع ہوں پھر اسحق علیہ السلام کی اتباع اس امر میں کہ
درگاہ ربوبیت پر اپنی جان قربان کی اور اپنے والد علیہ السلام کی فرمانبرداری پر حاضر وقائم رہے اور اتباع یعقوب اس امر میں کہ جہہ جبل وحزن
طویل وگریۂ دائم وتحمل امتحانات قضا میں قائم ہیں۔ **قال المترجم** اس بیان کیواسطے یہاں ایک ضروری نکتہ یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام
جب اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام سے جدا ہوئے تو بہت صغیر تھے حتیٰ کہ آپکی مدت کے بعد بلوغ کو پہونچے ہیں تو علم شرائع آنکو صرف
بالہام ووحی الٰہی پہونچنا مقصود ہے مع ہذا ان کو دعوے اتباع ابراہیم واسحق ویعقوب علیہم السلام ہے تو تا دب بآداب وحی کو عین ان کی
اتباع قرار دیا پس بہت سی باتیں اس سے معلوم ہوئیں اول یہ کہ زندہ ہونا حضرت متبوع کا شرط نہیں ہے۔ دوم یہ کہ چند انبیاء
علیہم السلام کی اتباع ایک ساتھ متحقق ہوتی ہے ولیکن ظاہری احکام کی اتباع صرف ایک ہی کی ہوگی سوم یہ کہ انکشاف مقامات
میں تابع اپنے متبوع کا ہمسفر ہوتا ہے۔ چہارم متبع باعتبار وصول بمقام متبوع کے اتباع رکھتا ہے جسکی کفالت لطف رحمت حق عزوجل
سے ہوتی ہے پس اگر عالم با قدر ضرورت ادب سیکھا ہوا صفات جمیلہ حمیدہ میں انبیاء وصالحین کی اقتدا سے وصول برضائے حق عزوجل
کا قصد کرے تو پیر کی بھی ضرورت نہیں ہے جبکہ نیت صادق وطرق آداب ٹھیک سے اقفت ہوا ور سب بھلائیوں کی جڑ یہ ہے کہ جملہ خواہش
منحصر برضائے حق تعالیٰ رکھے اور سب برائیوں کی جڑ یہ ہے کہ شہوات وخواہشوں کا مجمع ہو یا محل ہو حتیٰ کہ جنت کی خواہش ودوزخ کا

خوف ایک پورا باعث ہونا قابل ہے اور صحیح ہے جو فرمایا کہ حب الدنیا راس کل خطیئۃ۔ دنیا کی خواہش سب برائیوں کی جڑ ہے اور دنیا کو
اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ لہو و لعب ہے، یعنی اسکو بقا نہیں ہے اور دل کو یاد الٰہی سے لاہی و غافل کر دیتی ہے اور پوری ماہیت تحت قولہ انما
مثل الحیوۃ الدنیا کما و انزلناہ الآیۃ۔ اور تحت قولہ واضرب لہم مثل الحیوۃ الدنیا الآیۃ تلاش کر و پس آسایش و آرام و دل لبھانے والے اسباب
اس دنیا پر مفریٰ ہیں۔ فافہم واللہ الہادی الی سبیل الرشاد۔ شیخ نے فرمایا کہ یہ باب خوب سمجھ لو کہ متابعت کرنا خالص مریدوں کی صفت
ہوتی ہے اور جس شخص نے اخلاق و عادات میں پیروی نہ کی وہ کسی وقت کبھی متبوع کے درجہ پر نہیں پہونچے گا قولہ ما کان لنا
ان نشرک باللہ من شیٔ۔ طریقہ آبائی جسمیں اتباع کی ہے۔ اسکی اصل یہ ہے کہ قدیم کو تمام حوادث سے منزہ و پاک جانا و سمجھا یعنی محبت
و انقیاد الٰہی جل شانہ میں کسی غیر جانب التفات نہیں ہے۔ اقول و فی الحدیث یا غلام احفظ اللہ یحفظک۔ یعنی ہر طرح مؤثر او تعالیٰ ہے
تو کسی چیز میں غیر پر نظر نہیں چاہیئے پس اللہ تعالیٰ بندے کیلئے ہر طرح کفایت و رعایت فرماتا ہے۔ پھر بیان کر دیا کہ یہ طریقہ حاصل
کرنے سے اب پیدا نہوگا بلکہ سابق ازل میں حق عز و جل نے اختیار فرمایا ہے۔ فی قولہ ذلک من فضل اللہ علینا۔ یہ سب صفات
جمیلہ جنکو حق عز و جل پسند فرماتا ہے ہم لوگوں کو محض فضل الٰہی سے حاصل ہوئے ہیں و قولہ علی الناس۔ یعنی ہم پر یہ فضل ہے اور ہم
اور لوگوں کے واسطے نفضل الٰہی ہیں۔ قولہ ولکن اکثر الناس لا یشکرون۔ جو فضل ہم سے ظاہر ہے اسکے شکر سے اکثر لوگ
غافل و جاہل ہیں۔ اقول لہم قلوب لا یفقہون بہا۔ اس وجہ سے جہالت و غفلت ہے کہ اسکا ادراک بذریعہ قلوب ہے اور قلوب انکے
ہوا رخالیہ ہیں اُن سے ادراک ہو نہیں سکتا تو جاہل و منکر ہیں قال الشیخ ابو عثمانؒ نیک صالحین کی پیروی کرنے اور ابرار کی
بزرگی کا اعتقاد رکھنے سے قلب کی اصلاح ہوتی ہے شیخ ابو عثمان مغربی[الرازی] نے کہا کہ فریب شیطان و نفس سے بچا ہوا بے کھٹکے
راستہ یہ ہے کہ بزرگان صالحین کی اقتدا کرے کیونکہ صالحین نے بھی یہی کہا ہے کما قال تعالیٰ حکایۃ عن یوسف الصدیق علیہ السلام
واتبعت ملۃ آبائی الآیۃ۔ واسطی رح نے کہا کہ فضل پر نظر اچھی ہے اور متفضل پر نظر اس سے اچھی ہے پھر متفضل پر نظر اچھی ہے اور اس
نظر سے فنا سب سے اچھی ہے ابو علی جوزجانی نے کہا کہ وہ شخص سب سے زیادہ اچھے حال میں ہے جس نے اپنی ذات کو فضل و منت
و نعمت کے نیچے دبا ہوا جانا اور اپنے عمل و سعی و لیاقت کو کچھ خیال نہ کیا کیونکہ یہ باطل و دروغ خیال ہے اور وہ صحیح و راست و مستقیم ہے قولہ
یا صاحبی السجن ء ارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار۔ اسمیں متفرقون سے اشارہ کیا کہ جو چیز متعدد و منقسم ہو وہ حادث ہے قدیم
نہیں ہو سکتی بلکہ قدیم حق عز و جل وہی ہے کہ وہاں انقسام و تعدد کو راہ نہیں ہے اور اسکے واحد ہونیکے یہ معنی نہیں ہیں کہ اسکو ایک کا
عدد گنتی عارض ہے ہرگز نہیں ہرگز نہیں اسکے معنی یہ ہیں کہ وہی ہے ویسا کوئی نہیں ہے وہاں شرکت محال ہے۔ عوام اس بات کو
بہت کم سمجھتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ بے مثل و بے مانند ہے تو وہی رب قاہر ہوا اور سب مخلوق اسکے قبضۂ قدرت میں مقہور ہے یعنی جو وہ
چاہتا ہے وہی ہوتا ہے حتی کہ اگر زید سے چاہا کہ وہ تمام رات عبادت پر قائم رہے تو وہ برابر قائم رہے گا۔ پس یہ اسکی صفات ہیں قولہ
ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔ یہ نہیں جانتے کہ فلاں چیز سے روزی حاصل ہوتا اور فلاں سے یہ ہوتا اور وہ ہونا اور
یوں نہونا وغیرہ جہالت کی نظر ہیں بھلا کبھی حادث بھی قدیم ہو سکتا ہے بلکہ قدیم وہی وحدہ لاشریک ہے اور جملہ حوادث ہیں اور
جو حرکات ان حوادث سے صادر ہوتے ہیں خواہ وہ نافع ہوں یا مضر ہوں سب مقہور تحت قدرت ہیں۔ شیخ ابو عثمان مغربی رح نے
یہاں ایک عجیب اشارہ فرمایا کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان پر غیر کا حال کھل جاتا ہے اور اپنا حال چھپ جاتا ہے تم دیکھو کہ بزرگ سر قید

حضرت یوسف صدیق علیہ السلام نے قیدیوں کو فرمایا کہ ارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار۔ پھر دوسرے وقت ایک قیدی سے کہا کہ اذکرنی عند ربک۔ حکایت ہو کہ ایک شخص نے حضرت فضیل سے کہا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے تو فرمایا کہ اس آیت کو یاد رکھ۔ قال المترجم شیخ ابوعثمان کے قول کا یہ مطلب ہے کہ جب تقدیر الٰہی میں کوئی امر جاری ہوتا ہے تو ایک پردہ ایسا حائل ہوتا ہے کہ آدمی باوجود علم کے غفلت کے پردہ میں چھپ جاتا ہے لہذا آنحضرت صلعم نے استعاذہ میں فرمایا۔ وسوء القضاء یعنی قضائے مکروہ سے جو بذات خود مجوب ہے پناہ مانگی اور فرق یہ ہو کہ جو امر محبوب کسی بندہ کو پہونچا اگر نظر اسکی فضل الٰہی پر نہیں ہو تو وہ اسکے واسطے درحقیقت وبال ہوگی جبکہ اپنے شرک کیا اور جو مکروہ کسی بندہ صالح کو پہونچا اور اسکی نظر حق تعالیٰ پر راضی ہو تو یہ نہایت درجہ ثواب کی نعمت ہو کیونکہ جو امر محبوب ہو اسمیں تو ایک راحت نفس کی بھی بندہ صالح کو مل گئی اور مکروہ میں سراسر عوض آخرت ہا تو ثواب زیادہ ہوگا۔ فافہم۔ قولہ اذکرنی عند ربک فانساہ الشیطان ذکر ربہ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کلام میں دو موقع بیان فرمایا جسمیں حضرت صدیق علیہ السلام اپنے خاص بندہ کا امتحان فرمایا ہو اور صورت یہ واقع ہوئی کہ شان معرفت کے بجائے قلب یوسفی پر نکرت کا ایک پردہ دیا تو دریائے ناپیدا کنار نکرت میں ایک لمحہ غوطہ کھایا اور معرفت سے موصوف ہونے کے ساتھ ایک حجاب بشری یا لفہ یہ شان ولئے طور عقل عوام ہو کیونکہ اس حالت کی کیفیت وہی سمجھ سکتا ہے جو فی الجملہ اہل باطن میں سے ہو بالجملہ یہ کیفیت عبارت میں اسطرح لائی جاتی ہے کہ وصف معرفت سے موصوف ہونے کی حالت میں نکرت میں ہو گئے پس جب صفات تمثیل و جمال قدیم نے امتناع فرمایا اور بندہ خاص عارف کو مشاہدہ جمال قدم سے محجوب فرمایا تو رسم طبیعت و عالم صورت میں چلنے لگے پس مثل اہل صورت کے اسباب ظاہری کی راہ چلنے لگے حالانکہ یہ حالت لمحہ سے بھی کم واقع ہوئی قال المترجم اسقدر قلیل وقت شیخ نے آیت کے لطیف اشارہ سے نکالا ہو اور وہ یہ ہو کہ قولہ وقال للذی ظن انہ ناج منہما کو اللہ تعالیٰ نے علیحدہ مستقل آیت نہیں فرمایا بلکہ اسی کلام کا ایک ٹکڑا ہے کہ ذیل کی گفتگو میں سرزد ہوا تھا۔ فافہم فانہ لطیفۃ جدا۔ قال الشیخ پھر جب انوار قدم نے قلب یوسفی پر طلوع فرمایا اور فیض کرم نے اسکی دستگیری کی تو محل امتحان و کید شیطان کو سمجھ گئے اور ذکر انسان سے رجوع کر کے درگاہ کبریائی پر عجز وانکسار سے سر رکھا۔ قال المترجم اگر کسی کو شبہ ہو کہ شیخ نے انکار جو ع کرنا کہاں سے معلوم کیا اسواسطے کہ آیت میں اسکا ذکر نہیں ہو تو جواب یہ ہو کہ ہاں آیت میں مذکور نہیں ولیکن اہل دل بالیقین جانتے ہیں کہ یہ حالت عارف کیلئے نہیں رہ سکتی ہو اور یقین کیلئے قطعی دلیل قولہ تعالیٰ والذین اتقوا اذا مسہم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ہم مبصرون ہے جیسا کہ اس آیت کی تفسیر میں گذر چکا پس کوئی شک نہیں کہ حضرت یوسف اہل تقویٰ میں سے تھے بلکہ متقین کے سردار تھے تو بعد خطرہ شیطانی کے فوراً انکو تذکرہ ہوا ہوگا جبکہ عوام مومنین کا یہ حال ہو تو پیغمبر مرسل کا ضرور ہوگا اور مواخذہ بطریق مدح صرف محل امتحان تھا۔ فافہم۔ قال الشیخ اور جب اللہ تعالیٰ بندہ عارف کے حق میں زیادہ معرفت و قرب منزلت چاہتا ہو تو اسکو ایک لمحہ غفلت میں ڈالدیتا ہے پھر اسپر تجلی فرماتا ہے تاکہ اپنے نسیان سے نادم اور نہایت تیزی سے مزید عرفان کی جستجو میں سرگرم ہو جاوے گویا کہ یہ غفلت زیادہ یادہ کا باعث ہو جاتی ہے اور۔ یا مواخذہ تو جسکو زیادہ قرب ہو اسکو اہتمام زیادہ و مواخذہ و بلا زیادہ ہو۔ قال المترجم کوئی یہ گمان نکرے کہ قرب زیادہ محل الم ہو کیونکہ دنیاوی عمر ایک لمحہ سے کم ہے کہ دنیا ہمین یک دمی بیش نیست ؎ غم وخرمی بیش در دلش نیست ؎ پس ہر مواخذہ و بلا درحقیقت اعلیٰ عیش و کمال انعام ہوتا جاتا ہو اسیواسطے کثرت سے اکابر وہ گذرے ہیں جو انعام و راحت پہونچنے کے بجائے غم واندوہ و مکروہ پہونچنے پر زیادہ خوش ہوتے تھے کیونکہ یہ خالص ثواب دائمی راحت ہو اور یہ وہی سمجھیگا جسکو حق تعالیٰ نے قرب

ومنزلت عطا فرمائی ہو ورنہ مترجم تو ناقل ہو۔ واللہ اعلم۔ **قال الشیخ** دیکھو ایک لمحہ غفلت پر چند سال تک قید کا مواخذہ فرمایا گیا ولیکن واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان چند سال قید سے حضرت یوسفؑ کے حق مین کمال تربیت وکامل لیاقت نبوت کی تعلیم اس خلوتخانہ مین رکھکر ارادہ فرمائی تھی حالانکہ نفس یوسفی نہ ابلیس شیطان یہ چاہتا تھا کہ اسیوقت قید خانہ سے خارج ہو کر اس کمال سے محروم ہوجاوین لیکن حق تعالیٰ اپنے خالص بندون کی خود تربیت فرماتا ہو پس خلوت مین انس وتمکین وقوت سلوک مین استقامت وبیداری عطا فرمائی اور تو یہ نہین دیکھتا کہ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے کیونکر ابتدائے نبوت مین غار حرا مین تنہائی کے ساتھ عبادت اختیار فرمائی۔ **قال الشیخ** قولہ فانساہ الشیطان الآیۃ مین احتمال یہ بھی ہوسکتا ہو کہ یوسفؑ نے قیدی سے کہا کہ اذکرنی عند ربک یعنی بادشاہ سے میرا ذکر کرنا اور مقصود یہ تھا کہ بادشاہ سے میری تعریف بیان کرنا کہ وہ مجھے پہچانے اور مین اسکو ایمان کی ہدایت کرون اور وہ عذاب الٰہی سے رہا ہو اور ثواب پاوے اور مین عموماً اس طریقہ سے توحید پھیلاؤن اور امر معروف ونہی منکر سے لوگون کو راہ راست پر لاؤن پھر شیطان کا بھلانا اس معنی مین ہو کہ حضرت یوسفؑ کو سابقہ تقدیر الٰہی یاد نہ رہا کہ ہنوز بادشاہ کے ایمان لانے کا وقت نہین آیا ہے تو بادشاہ کے وقت ایمان تک قید مین رہے پس یوسف علیہ السلام کا نسیان سابقہ تقدیر ازلی سے تھا واللہ تعالیٰ اعلم۔ **مترجم** کہتا ہے کہ یہ توجیہ شیخ کی طرف سے علمائے ظاہر سے مشابہ واقع ہوئی حالانکہ معنوی امور سے تسکین وطمانیت کے بعد ایسی اضطراری توجیہ کی کچھ ضرورت نہین ہی بخلاف علمائے ظواہر کے کہ زیادہ نظر انکی عوام کی فہمائش پر رہتی ہی یا معنوی مدارک سے غفلت ہوتی ہے تو خواہ مخواہ غیر مطمئن طور پر مضطرانہ توجیہات سرزد ہوتی ہین مگر جو کوئی کہ معنوی اسرار وحقائق سے واقف ہوا وہ ہر مقام پر جہان عموماً اضطراری گفتگو کی جاتی ہے نہایت اطمینان وسکون کے ساتھ یقین کرتا ہے۔ فاستقم۔ وسطیؒ نے کہا کہ اے لوگو اپنے نفوس کے پیچیدہ قاعدون سے ہوشیار رہو جو بے محل دلیری سمجھاتا ہو ایسا نہ ہو کہ حکمت الٰہیہ بطور پاداش کے تم کو خبردار فرمائے کہ اسطرح بندے وتمام مخلوقات اسکی مملکت مین عاجز ہین۔ اقول شاید غرض یہ ہو کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے نفس نے بذریعہ ساقی کے رہائی کی خواہش کی تو اللہ تعالیٰ نے مدت تک اُن کو عاجز ہو کر قید مین رہنا دکھلایا۔ بعض نے کہا کہ قولہ اذکرنی عند ربک یعنی تاکہ وہ جانے کہ ضرر ونفع کا اختیار اسکو بالکل نہین ہی اور جملہ امور موکول بتدبیر الٰہی ہین پس کسی غیر پر اعتماد نہ کریگا اور دلیل یہ ہے قولہ فانساہ الشیطان ذکر ربہ الآیۃ۔ **مترجم** کہتا ہو کہ جہان تک میرے خیال مین آتا ہے اس بزرگ کے قول کی جو اس مقام پر بظاہر بالکل بے ربط معلوم ہوتا ہے یہ توجیہ نفیس ہو کہ بادشاہ نے دونون قیدیون کو مقید کرکے اپنے اختیار سے ایک کو پھانسی اور دوسرے کو رہائی دیدی ضرور ہو کہ یہی خیال بادشاہ کو بلکہ تمام لوگون کو ہوگا اور عموماً ایسا ہی خیال ہوتا ہے کہ حاکم نے فلان کو رہا کیا اور فلان کو یہ کیا اور وہ کیا۔ تو قیدی سے حضرت یوسفؑ نے فہمائش کر دی کہ دیکھو مین نے تم دونون کے خواب کی تعبیر دینے سے پہلے ایمان توحید سکھلایا اور سمجھایا کہ اصل مین اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے سب مخلوق پر قادر وقاہر ہے جو وہ چاہتا ہو وہی ہوتا ہی پھر خواب کی تعبیر مین کہہ دیا کہ ہر ایک کے حق مین یہی حکم ہو چکا ہو تو اس سے معلوم ہوگیا کہ بادشاہ کے فعل سے پہلے یہ امر حکم الٰہی مین مقدر ہو چکا ہے بادشاہ اسی حکم پر مقرر تھا حتیٰ کہ اسکے سوائے وہ اور کچھ نہ کرسکتا تو ساقی سے کہا کہ تو بادشاہ کو متنبہ کر دینا کہ مجھے فلان صدیق سے جو قید خانہ مین ہی صاف معلوم ہو چکا تھا کہ تجھکو ضرور ایسا کرنا پڑیگا وہی ہوا تو خواہ مخواہ سمجھے خود کچھ اختیار نہین ہی جو حکم الٰہی ہوتا ہے وہی ہوتا ہے تاکہ بادشاہ توحید پر مستقیم ہو کر اپنے خیالات شرک سے اجتناب کرے۔ **وقال المترجم**

یہ حکمت نہایت نفیس ومتین ہی فافہم واستقم واللہ تعالیٰ اعلم۔ نصرآبادی ؒ نے کہا کہ ذکر ربّ سے پہلے اپنا ذکر کیا تو شیطان نے قیدی سے یہ غرض بیان کرتے وقت ذکر الٰہی سبحانہ تعالیٰ بھلا دیا بعض اکابر نے کہا کہ دیکھو انبیاء علیہم السلام کو تو ایک چھوٹی سی برائی بات پر ماخوذ فرمایا کیونکہ انکو حضوری ومنزلت ہی اور اُن پر ایک خاص عنایت کی نظر ہی اور دوسرون پر چونکہ یہ لحاظ نہین ہی تو اس سے کرور درجہ زیادہ گستاخی پر عفو کیا تم نہین دیکھتے کہ یہان یوسف علیہ السلام کو کیسے ماخوذ فرمایا ہی شیخ نے کہا کہ میرے دل مین القا ہوا کہ یہان شیطان نے یوسف علیہ السلام کو یاد سے نسیان دلایا اور ربّ عزّوجل نے ذکر یا مذکور کسی کو نہین بھلایا اور یہ کیونکر ہو سکتا ہی کیونکہ تمام وجود یوسفی ہر سانس مین مستغرق مشاہدہ ہی لیکن ذکر اس مقام پر محل توکل ورضا ہی اور یہ نہین ہوتا کہ جو کوئی درجہ توکل سے ساقط ہو وہ یاد حق عزّوجل سے بھی ساقط ہو کیونکہ توکل تو مقامات کے اسباب مین سے ہی اور عارف کا حال یہ ہی کہ وہ حالات مین سیر کرتا ہی اور یہ بھی نہین ہوتا کہ وہ حقیقت توکل سے محجوب ہو جائے کیونکہ حقیقت اُسکی یہ وحدانیت حق عزّوجل ہی یعنی وحدانیت کا علم اور یہ کہ وہ ہر مخلوق پر قادر قاہر ہی ہر دم ضروری ہے اور کبھی نہین ہو سکتا کہ انبیاء اس لقین سے محجوب ہون۔ قال المترجم سابق مین جو معنی مین نے نسیان الٰہی عزّوجل کے محتمل بیان کئے ہین الحمد للہ کہ انکی تائید اس کلام شیخ سے نکلتی ہی اور حاصل اسکا میرے خیال مین یہ ہی کہ یاد حق عزّوجل بھول جانے کی شان یوسف علیہ السلام مین کوئی صورت نہین ہی بلکہ جریان کلام بمنزلہ ارسال کے بدون ذکر ان شاء اللہ تعالیٰ کے ہوا اور یہ ایک حد ہی کہ شیطان کو وہان تک مجال دخل کی ہی کیونکہ اسرار تو محل تصرف شیطان نہین ہین اور اگر تجھکو وہم ہو کہ قوی حدیث سے ثابت ہی شیطان دونون کندھون پر سے سونڈ دل تک دوڑاتا ہی اور ذکر الٰہی سے سونڈ ہٹاتا ہے تو جواب یہ ہی کہ یہ بیان عام فہم اس مضغہ گوشت کا ہی جو انسان کے حکم مین مخفی ہی اور دل لطیفہ الٰہیہ دوسرا ہی اور اس لطیفہ کا محل یہی مضغہ ہی اسیواسطے قولہ ان فی الجسد لمضغۃ الحدیث مین اس مضغہ کی تعریف بیان فرمائی ہے کیونکہ لطیفہ الٰہیہ کا بیان اگرچہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر آسان تھا لیکن شک نہین کہ وہ قیامت تک کے عوام کے واسطے بہت مشکل ہو جاتا حالانکہ آیات واحادیث عام ہین اور یہین سے تجھے معلوم ہوگا کہ معجزہ ان آیات واحادیث مین یہ بھی ہی کہ تا قیامت تمام افہام وعقول کے احاطہ کے ساتھ یہ کلمات بلاغت معجز نظام ہین فسبحان اللہ رب العرش عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین۔ القصہ وہ قیدی جسکو سولی کی تعبیر دی تھی قتل ہوا اور ساقی بدستور اپنے عہدہ پر گیا لیکن بھول گیا اُسنے مدت تک حضرت یوسف علیہ السلام کا کچھ ذکر اپنے بادشاہ سے نہ کیا اور ایک مدت قید مین گذری یہانتک کہ جب حضرت یوسف اس خلوت مین کامل ہوئے اور حق تعالیٰ نے چاہا کہ اپنے صدیق پیغمبر علیہ السلام کو سرفراز فرمائے تو یہ وقوع ہوا جو بیان فرمایا بقولہ تعالیٰ

وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ

اور کہا بادشاہ نے مین خواب دیکھتا ہون سات گائین موٹی اُنکو کھاتی ہین سات دبلی اور سات بالین

خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۭ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ

ہری اور دوسری سوکھی اے دربار والو تعبیر کہو مجھسے میرے خواب کی اگر ہو تم خواب کی تعبیر کرتے

قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ

بولے یہ اُڑتے خواب ہین اور ہم کو تعبیر خوابون کی معلوم نہین

وَقَالَ الْمَلِكُ - اور کہنے لگا بادشاہ یعنی مصر کا جو سب سے بڑا بادشاہ تھا اور عزیز مصر اگرچہ بادشاہی لقب رکھتا تھا مگر وزیر تھا اور بادشاہ کو
فرعون کہتے تھے اور نام اسکا ریان بن الولید بیان ہوا ہے غرضکہ اس بادشاہ نے اپنے وزرا و ارکان دولت کو جمع کر کے جو خواب دیکھا
تھا اسکو اسطرح بیان کرنا شروع کیا گویا کہ ابھی دیکھ رہا ہے چنانچہ کہا کہ - اِنِّیْٓ اَرٰی میں دیکھتا ہوں سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ -
سات گائیاں فربہ موٹی تازی - یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ - اُن کو کھائے جاتی ہیں سات دُبلی بیضاوی وغیرہ نے لکھا کہ بادشاہ
اس خواب سے بہت دہشتناک ہو گیا تھا کہ اسنے دیکھا کہ ایک خشک نہر سے سات موٹی تازی گائیاں نکلیں اور اسی نہر میں سے سات
دُبلی لاغر ڈانگر نکلیں اس دُبلیوں نے موٹیوں کو نگلنا شروع کیا یہانتک کہ کھا گئیں - وَسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ - اور دیکھتا ہوں سات
بالیاں سبز یعنی دانہ آگئی ہیں مگر ہنوز خشک کاٹنے کے قابل نہیں ہوئی ہیں - وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ - اور دوسری سات بالیاں خشک اس خشک
بالیاں اُن سبز بالیوں پر لپٹ گئیں اور غالب آگئیں - یہ خلاصہ خواب تھا - بقرات جمع بقرہ گائے - سمان جمع سمینہ چربی و گوشت کی
بدن کی موٹائی کو سمن کہتے ہیں اور سمینہ مؤنث سمیب گائے کے ولیکن اسمین مذکر کی جمع بھی سمان آتی ہے یقال رجال سمان و نساء
سمان - اور قولہ یاکلہن اسے یبتلعہن یعنی کھائے جاتی ہیں - مراد نگلے جاتی ہیں - عجاف یہاں عجفاء کی جمع ہے جو بقرہ کی صفت ہے اور
عجفاء وہ گائے جو ڈانگر دُبلی رغال ہو اور قیاس عجفاء کی جمع کا عجف ہے جیسے حمراء کی جمع حمر آتی ہے ولیکن سمان کے وزن پر عجاف
لایا گیا کیونکہ یہ اسکا نقیض ہے اور بلاغت عرب میں قرار پایا ہے کہ نظیر و نقیض کو دوسرے پر محمول واسکے وزن پر لاتے ہیں اور سنبلات
خضر و سنبلات یابسات کا تفصیلی حال نہیں لکھا کہ خشک غالب ہو گئیں اسوجہ سے کہ دُبلی و موٹی گائیوں کے عجیب واقعہ بیان
کر دینے سے انکے عجیب واقعہ کی تفصیل کی حاجت نہ رہی یعنی ان میں بھی وہی حال ہوا کہ سبز غائب ہو گئیں اور خشک رہ گئیں - جب
بادشاہ اپنا یہ واقعہ بیان کر چکا تو وزیروں کو خطاب کیا کہ - یٰٓاَیُّهَا الْمَلَاُ - اے میری جماعت خاص - اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ - مجھے
فتویٰ دو میرے خواب کے بارے میں یعنی میرے خواب کی تعبیر بیان کرو ولیکن خواہ مخواہ حکم نہیں دیا بلکہ کہا - اِنْ كُنْتُمْ
لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ - بشرطیکہ تم لوگ خواب کی تعبیر دیا کرتے ہو یعنی تمہیں اگر تعبیر خواب کا علم ہو تو میرے خواب کی تعبیر بیان
کرو فہم اگر کسی نے خواب دیکھا اور اسکو ایسے شخص کے سامنے بیان کرنا چاہا ہے کہ کامل وقوف نہیں رکھتا ہے یا اسپر پورا اعتماد نہیں
ہے تو اس سے شرط کرلے کہ اگر تم کو تعبیر خواب کا علم ہو تو بیان کرو بلکہ اس زمانہ میں تو ہر شخص کو یونہی تعبیر پوچھنا چاہیئے تاکہ
بہالی دی خواب تعبیر دیوے اور جب شرط کر لی تو خواب تعبیر سے کچھ ضرر لاحق نہ ہوگا کیونکہ اسنے خلاف شرط کی نادانی کی تعبیر دیدی
القصہ وزیروں نے جہالت کا جواب دیا چنانچہ - قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ - کہنے لگے کہ یہ اضغاث احلام ہیں - اضغاث جمع ضغث
بضاد منقوطہ و غین منقوطہ و ثاء مثلثہ ایک مٹھا ہری و سوکھی گھاس کا یا تنکوں کا اور مراد یہاں یہ کہ کئی طرح کی چیزیں خلط
ملط ہیں - احلام جمع حلم بضم حاء غیر نقطہ و سکون لام جو سونے میں نظر آوے اور اکثر پریشان خواب کو کہتے ہیں اور عموماً کافروں و مشرکوں
میں یہ اعتقاد ہے کہ دماغ بحالت خواب میں بھی متفکر رہتا ہے تو بیداری میں جو صورتیں آدمی کے خیال میں نقش ہو کر جمع ہوتی ہیں کو
لوٹ پوٹ کیا کرتا ہے اور کبھی دماغ میں کوئی مادہ فاسدہ ہوتا ہے اسکی کیفیت عجیب طرح سے نظر آتی ہے جیسے کوئی شخص سادہ
پانی پی گیا یا نزلہ کی شدت ہے یا بلغم بڑھ گیا ہے تو دیکھے گا کہ دریا میں پیرتا ہے یا مینہ برستے میں کھڑا ہے یا جیسے شراب نبیذ پی کر
سویا اور تیزی سے صفرا پیدا ہوا تو آگ وغیرہ خواب میں دیکھے گا یا کوئی رنگین سرخ مادہ ہے تو خون کے ہولناک واقعات

دیکھے گا تو اُن کے نزدیک یہ احلام ہیں جنکی کوئی اصل سوائے اسکے نہیں ہوتی ہے۔ کلیہ یہ گمان صحیح نہیں ہے ہاں یہ صحیح ہے کہ اگر ایسے
اسباب ہوں تو اسطرح احلام نظر آوینگے ولیکن یہ کہنا کہ بس خواب ہمیشہ یہی احلام ہوتے ہیں غلط ہے اور تحقیق اوپر گذری
کہ جو لوگ دنیا کے خیالات میں گھرے ہیں اور کافر ہیں یا گنہگار مسلمان ہیں انکو کبھی ایسے احلام نظر آوینگے اور کبھی دنیا کی واقعات آیندہ کے
صحیح نظر آوینگے جبکہ روح دماغی کدورت اصلی سے کوئی جھلک مل جاوے اور رہے وہ لوگ جن کی روح اصلی صاف ہے تو انکو دنیا کے آیندہ
واقعات بھی صحیح نظر آتے ہیں اور اکثر آخرت یا اسکے متعلقات خواب صحیح نظر آتے ہیں لیکن کبھی تاویلی ہوتے ہیں اور کبھی صریح ہوتے ہیں
القصہ وزیروں نے یہی کہا کہ یہ تو غلط پریشان دماغی خیالات ہیں۔ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعَالِمِينَ۔ اور ہم لوگ پریشان
خواب کی تاویل سے آگاہ نہیں ہیں ف یعنی بادشاہ سے عذر کیا کہ ہم کو ایسے احلام کی تعبیر کا علم نہیں ہے چونکہ بادشاہ کو اضطراب تھا
اور ہول سے اسکو تشویش ہی اور وہاں ساقی حاضر تھا اسکو یاد آگیا حالانکہ وہ ایک مدت تک بھولا رہا تھا پس اسنے اجازت چاہی کما قال اللہ تعالیٰ

وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُم بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ ۝ يُوسُفُ أَيُّهَا

اور بولا وہ جو بچا تھا اُن دونوں میں اور یاد کیا مدت کے بعد میں بتاؤں تم کو اسکی تعبیر سو تم مجھکو بھیجو جاکر کہا یوسف اے

الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعِ سُنبُلَاتٍ خُضْرٍ

سچے حکم دے ہمکو اس خواب میں سات گائیں موٹی انکو کھاویں سات دبلی اور سات بالیں ہری

وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ لَّعَلِّي أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ۝

اور دوسری سوکھی کہ میں لیجاؤں لوگوں پاس شاید انکو معلوم ہو

وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا اور کہنے لگا وہ شخص جس نے دونوں قیدیوں میں سے رہائی پائی تھی یعنی شراب پلانے والا ساقی اس
مجلس میں بولا کہ قیدخانہ میں ایک مرد صالح فاضل بڑا عالم عابد ہے میں نے اور باورچی نے اپنے اپنے خواب بیان کئے تھے تو اُسنے
نہایت صحیح تعبیر دی جسمیں ایک حرف کا فرق نہ تھا ویسا ہی واقع ہوا۔ وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ۔ اور یاد آیا اُس کو بعد ایک مدت
یعنی زمانہ دراز کے۔ اتنے عرصہ تک وہ بتقدیر الٰہی حضرت یوسف ؑ کو بھولا رہا۔ ایک قرأۃ میں امہ بکسر اول و آخرہا بمعنی نسیان ہے
اے تذکر بعد نسیان۔ اسکو بھولنے کے بعد یاد آیا اور ایک قرأۃ میں امۃ در آخر تا رفوقانیہ اول کسرہ ہے بمعنی نعمت۔ اول دونوں
قرأتیں جید ہیں بحسب المعنی۔ حاصل آنکہ ساقی نے ایک مدت کے بعد یاد کرکے کہا کہ۔ أَنَا أُنَبِّئُكُم بِتَأْوِيلِهِ میں تم کو اسکی تعبیر
سے آگاہ کرونگا۔ ظاہر یہ ہے کہ اسنے اسوقت حضرت یوسف ؑ کو نہیں بتلایا بلکہ کہا فَأَرْسِلُونِ سو تم لوگ مجھے بھیجو یعنی رخصت دیدو
تو میں جاکر خبر لاؤں کیونکہ مروی ہے کہ قیدخانہ خاص دار السلطنت میں نہ تھا بلکہ دوسرے شہر میں تھا کذا ذکر عن ابن عباس رضی اللہ
عنہ غرضکہ انھوں نے بھیجا اور ساقی حاضر ہوکر محبت کے الفاظ میں حضرت یوسف سے یوں عرض کرنے لگا۔ يُوسُفُ اے حضرت
یوسف۔ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ۔ اے بڑے سچے۔ أَفْتِنَا ہمکو تعبیر بتلاو فِي اس خواب کے بارہ میں۔ سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ
سات گائیاں موٹی تازی ہیں کہ۔ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ انکو کھائے جاتی ہیں سات دُبلی ڈانگر گائیں۔ وَسَبْعِ سُنبُلَاتٍ خُضْرٍ
اور سات بالیاں سبز ہیں۔ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ اور دوسری سات خشک ہیں۔ واضح ہو کہ اس سے معلوم ہوگیا کہ خواب کی تعبیر دریافت
کرنے کیلئے دوسرے شخص کو بھیجنا جائز ہے اور اس کام کیلئے سفر کرنا جائز ہے اگرچہ شرعی قصری مسافت نہو یا ہو۔ اور ایلچی کو چاہئے کہ

ٹھیک انھیں الفاظ میں خواب بیان کرے جو تجھے والے نے کہے ہیں کیونکہ تعبیر میں قیاس وتخمین درست نہیں ہے تو کبھی نہیں اطمینان ہو سکتا
کہ ایک حرف کی تعبیر سے کیا فرق ہو گیا بلکہ وہی الفاظ ادا کرے۔ لَعَلِّیْٓ اَرْجِعُ اِلَی النَّاسِ۔ اُمید ہے کہ میں لوگوں کے پاس واپس
جاؤں قبل کسی واقعہ کے۔ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ۔ اور اُمید ہے کہ وہ لوگ جان لیویں یعنی اس خواب کی تعبیر قبل وقوع کے یا آپ کی شان
ومنزلت جس سے رہائی ہووے جیسا کہ پہلے وصیت فرمائی تھی۔ اس مرتبہ حضرت صدیق علیہ السلام نے اس سے کوئی درخواست نہیں
فرمائی کیونکہ اول مرتبہ عتاب آمیز خطاب ہو چکا تھا۔ فی الحدیث۔ اچھا خواب فرشتہ کی جانب سے ہوتا ہے اور مکروہ پریشان غم و دنیا از جانب
شیطان ہے اور شاید اسکے معنی یہ ہیں امور قضا وقدر سے فرشتہ اچھائی کو بطریق خواب کے آدمی کے دل میں الہام کرتا ہے یا اسکے معنوی و
برزخ کی تصویر دکھلا دیتا ہے اور مکروہ میں دشمن شیطان کا غم دینا مقصود ہوتا ہے پھر واضح ہو کہ یہ امر کبھی ظاہر نہیں ہو سکتا کہ یہ جو
دیکھنے والے نے دیکھا ہے وہ خوشی ہے یا غم ہے لہذا جو لوگ کوئی خواب دیکھکر پریشان ہو جاتے اور اسکو بُرا سمجھنے لگتے ہیں یہ اُنکی جہالت
ہے اسلئے کہ ان کو علم تعبیر نہیں دیا گیا جس سے اُنھوں نے بھلائی و بُرائی پہچان لی حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرزند کا ذبح دیکھا
اور وہ ذبح عظیم سے فدیہ و بلا عظیم یعنی نعمت عظمیٰ تھی علی اور التفسیرین فافہم۔ صدیق وہ شخص ہے جو بڑا سچا ہووے پس اگر یقین و حسن نیت
و کمال ایمان و کمال تصدیق احکام الٰہی و نبوت حضرت رسالت پناہی و کمال صدق معاملات میں ہو تو وہ اصطلاحی صدیق ہے
جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے کہ ان کے مثل امت میں دوسرا فرد اسوقت نہیں ہو سکتا تھا اور اگر خاص خاص امور میں ہو تو
انھیں امور کی راہ سے صدیق ہوگا اور جو شخص سچ بولنے میں مستقیم ہو وہ بھی صدیق ہے چنانچہ حدیث صحیح میں ہے کہ آدمی سچ
بولتا ہے اور سچ ہی بولنے کا قصد رکھتا ہے یہانتک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں صدیق لکھا جاتا ہے اور آدمی جھوٹ بولتا ہے اور قصد
جھوٹ بولنے کا رکھتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کذاب لکھا جاتا ہے۔ ف۔ و فی العرائس قولہ یوسف ایہا الصدیق
صدیق اسوجہ سے کہا کہ غیب کے حالات کامل پورے پورے سچائی کے ساتھ بوحی والہام بیان فرماتے تھے اور مکاشفہ سے سچ جانتے تھے
اور عجائب خبریں اپنے سچے مکاشفہ سے بیان فرماتے تھے اور صدیق وہ ہے جو صدیقیت میں مستقیم ہو یعنی صدق کا درجہ اسکو استقامت
کے ساتھ حاصل ہو کہ اس میں کبھی حرکت نہ کرے اور یہ اس طرح ہوتا ہے کہ دل پر انوار تجلی نے ظہور کیا اور صدق حاصل ہوا پھر برابر انوار
یقین و عرفان نے ظہور کیا یہاں تک کہ اس میں یہ ملکہ مستقیم ہو گیا اور خلاصہ اسکا یہ ہوتا ہے کہ ایک حالت یکساں ہے اور سچائی کے ساتھ
اعمال یکساں صحیح رہیں۔ شیخ ابوحفص نے فرمایا کہ صدیق وہ ہوتا ہے کہ جس طرح ظاہر میں ہے ویسا ہی باطن میں ہو یعنی ظاہر و باطن
میں کچھ فرق نہو اور مترجم کہتا ہے کہ مراد یہ ہے کہ ظاہر میں صلاحیت و تقویٰ کا اظہار ہو ویسا ہی باطن میں ہو۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ یہ
صدیق کا ادنیٰ درجہ ہے اور جیسے متقی کیلئے درجات ہوتے ہیں ویسے ہی صدیق کے لئے بھی متفاوت درجات ہیں چنانچہ جو کوئی اسلام لایا اگرچہ
وہ گنہگار ہو بنسبت مشرک کے کافر کے متقی ہے کیونکہ اس نے شرک کرنے سے اتقا کیا یا دائمی عذاب الیم سے پرہیز کیا۔ اور بعض نے فرمایا کہ صدیق
وہ ہے کہ جس کے قول و فعل و عزم و نیت اور لوگوں کے ساتھ اسکے معاملات اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اسکے عہد و پیمان سب سچ ہوں مترجم
کہتا ہے کہ جس کے معاملات و افعال میں خطا واقع ہو جائے لیکن وہ ہمیشہ سچائی کا قصد و عزم رکھتا ہو تو اسکا حکم معلوم نہیں ہوا اور ظاہرا
حدیث شریف متذکرہ بالا سے وہ بھی صدیق ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ بعض نے فرمایا کہ صدیق وہ ہے جسکے قول و فعل موافق ہوں
اور جو حالت اپنی ظاہر کرے ویسا ہی باطن میں بھی ہو اور مترجم کہتا ہے کہ ظاہرا یہ شرط ہوگی کہ ظاہری افعال اسکے سب صلاحیت پر

ہوں فسق وفجور نہ ہوں پس منافق وہ ہی کہ ظاہر میں صالح و باطن میں فاسق ہو اور یا اسکی تاویل وہی ہو جو ا دپر مترجم نے متقی کی نظیر میں ذکر کیا ہو واللہ اعلم ۔ شیخ ابن العربی رحمہ اللہ نے کہا صدیق کی مثال میں حقیقی ایک فرد حضرت ابو بکر الصدیق ہیں کہ دوسرا صدیق انکے مثل نہیں ہو سکتا و لیکن صفت یہ ہوگی کہ وہ دونوں جہان کو دیدار حق پر قربان کر دیوے چنانچہ جب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر یعنی اپنے صدیق سے پوچھا کہ تم نے اپنے واسطے کیا باقی رکھا ہو یعنی گھر کے تمام مال و متاع میں سے سب خیرات کیا پھر اپنے واسطے باقی رکھا ہو وہ کسقدر ہے تو جواب میں عرض کیا کہ میں نے اپنے واسطے اللہ تعالیٰ و اسکے رسول کو رکھ لیا ہو ۔ قال المترجم ہذا استنباط جید ۔ واللہ اعلم ۔ القصہ

جب خواب بیان کیا تو حضرت صدیق نے تعبیر مع تدبیر بیان فرمائی ۔

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ۝

کہا تم کھیتی کروگے سات برس لگ کر سو جو کاٹو اسکو چھوڑ دو اسکی بال میں مگر تھوڑا جو کھاتے ہو

ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ۝

پھر آدیں گے اس پیچھے سات برس سختی کے کھا جاوینگے جو رکھا تم نے انکے واسطے مگر تھوڑا جو روک رکھوگے

ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ۝

پھر آویگا اس پیچھے ایک برس اسمیں مینہ پاوینگے لوگ اور اسمیں رس نچوڑینگے ۔

قال حضرت صدیق علیہ السلام نے تعبیر خواب کو اسطرح فرمایا کہ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ کھیتی کروگے سات برس اور کہا گیا کہ معنی امر کے ہیں یعنی سات برس تم کھیتی کرو لیکن امر کو بصیغہ مضارع بیان کیا اور یہ مبالغہ ہو جیسے قولہ تؤمنون باللہ والیوم الآخر وتجاہدون الآیۃ ۔ اور غرض مبالغہ کی یہ ہو کہ اسوقت جس کام کا حکم دیا جاے وہ مخاطب کو گویا معلوم کر ہوگا یا نہ ہوگا تو خوب یقینی کر دیا کہ ضرور تم ایسا کروگے اگرچہ تمہارے دل میں اسوقت یہ بھی ہو کہ یہ کرنے کا حکم دیتا ہی ہم نہ کرینگے یا شاید کریں یا نہ کریں تو وحی الٰہی تعالیٰ سے غیب کا حال بیان کر دیا کہ کروگے اور تم ضرور ایسا کروگے آگے پیچھے وہم ہو کہ یہ تو ہمارا الٹا چال ہی کہ غیب کا حال جب کوئی پیغمبر حق بیان فرماتا ہو تو یہی معنی ہیں کہ ایسا ہوگا تو اسکو صیغہ امر کیوں کہتے ہو تو جواب یہ ہی کہ خود آگے فرمایا کہ فذروہ اسکو چھوڑ رکھو اور یہ صیغہ امر ہو تو معلوم ہوا کہ یہاں بھی یہی مراد ہے ورنہ تقریر خوب ہے یہ بلا مناسبت ہوگی بحر نسکہ فرمایا کہ کھیتی کروگے سات برس ۔ دَاَبًا بسکون الف اور ایک قراءت میں بفتحتین حال ہے دائبین یعنی متوالیین ولیکن پے در پے ہوگا یعنی ہمیشہ کی عادت کے موافق ایسا کرو اور بعض نے کہا کہ مراد اس سے یہ کہ برابر کوشش سے یہ کام کرنا چاہیے پس دابا مفعول مطلق ہو سکتا ہو کہ تدابون دابا ۔ یا تقدیر یا تدابوا الزراعۃ دابا ۔ اور دونوں کیلیے یہاں قرینہ ہی پہلے قول کا قرینہ تو ظاہر ہو کہ علم غیب خبر دینا بطریق مبالغہ یوں ہوا کہ تم سات برس برابر زراعت کروگے اور دوم کا قرینہ یہ ہو کہ آیندہ قصہ میں بادشاہ نے یہ کام انہیں کے حوالہ کر دیا کہ جس کوشش سے آپ چاہتے ہیں خود اہتمام فرمایئے ۔ سراج میں لکھا کہ یہ سات موٹی تازی گائیوں اور سات سبز بالیوں کی تعبیر ہو پھر یہاں ایک تدبیر بنظر شفقت جو انبیاء علیہم السلام کی عادت ہوتی ہی بیان فرمائی کہ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖ پس جو تم کاٹو یعنی گیہوں باجرا جوار وغیرہ جو کھیتی پکا کر کاٹو تو اسکو چھوڑ رکھو اسی کی بالیوں میں یعنی تاکہ وہ خراب نہ ہو جاوے اور گھن وغیرہ نہ لگ جاوے کیونکہ وہ اپنی بال میں خوب رہیگا اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ یا استثنا اسقدر قلیل مقدار کے آئین سے نکالو جو تم کھاؤگے یعنی جس اناج میں سے کھانا مقصود ہو اسکو آئین سے نکالو [illegible]

اور باقی بالیوں میں چھوڑ دو۔ پھر تعبیر شروع کی۔ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ سَبْعٌ۔ پھر آوینگے بعد ان سات برسوں کے جنمیں کھیتی کروگے اور
سات برس شِدَادٌ سخت یعنی قحط کے کہ بالکل خشکی ہوگی کچھ تازگی نہوگی۔ یہی سات خشک بالیاں و سات دُبلی گائیاں ہیں جو موٹیوں
وسبز کو نگلے جاتی ہیں يَأْكُلْنَ۔ یہ ساتوں قحط کے سال کھا جاوینگے۔ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ۔ وہ سب جو تم نے اُنکے لئے پہلے ذخیرہ کر رکھا تھا
یعنی پہلے سات سال کا کھیتی کا ذخیرہ اور ہری بھری بالیاں۔ ان برسوں کو کھا جانے والا بیان کیا تاکہ جلد سمجھ میں آجاوے کہ سات دُبلیاں
سات موٹیوں کو کھائے جاتی ہیں۔ حالانکہ ان برسوں میں لوگ ہی اپنا ذخیرہ کھاتے تھے اور مترجم کہتا ہے کہ ہر چیز عالم میں کھانیوالی ہے
اور ہر چیز دوسرے کیلئے ماکول غذا ہے اور یہ حقیقت بیان میں اسواسطے نہیں آتی ہے کہ ہم لوگوں کی سمجھ اسقدر دقیق و پاکیزہ و صاف نہیں ہے
ولیکن یہ یاد میں رہنا چاہیئے تاکہ وقت پر دل میں دلیل روشن ہو جاوے۔ القصہ کہا کہ یہ قحط کے سال ان سب برسوں کو کھا جاوینگے جو
پہلے موجود تھے۔ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تُحْصِنُونَ۔ باستثناء قلیل مقدار اسکے ذخیرہ میں سے جو تم بیجوں کی غرض سے محفوظ کر رکھو یعنی
آخری حد پریشانی و ناامیدی کی یہاں تک ہو جائے گی کہ صرف بیجوں کی قدر بمشکل بچ جاویگا کہ اگر آئندہ سال قحط ہو تو بالکل فاقہ
ہو جانے کا خوف ہو ولیکن رحمت الٰہی عزوجل نے اپنے مخلوق کو باقی رکھا چنانچہ فرمایا۔ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ عَامٌ۔ پھر اسکے بعد
یعنی ایام قحط کی مصیبت کے بعد آویگا ایسا ایک سال کہ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ۔ جسمیں غیث دیئے جاوینگے لوگ۔ غیث کثرت سے باران
جو پیداوار کیلئے نہایت مفید ہوئے۔ بعض نے کہا کہ یغاث از غوث بمعنی فریادرسی ہو تو معنی یہ ہونگے کہ اس سال میں بندوں کی دستگیری فرمائی
جاویگی یعنی حق تعالیٰ قحط زدہ لوگوں کی فریادرسی اور رحمت عطا فرماویگا لیکن قول اول اوجہ ہے بدلیل قولہ۔ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ۔ اور اس
سال میں لوگ شیرہ نچوڑینگے اور کہا گیا کہ یعصرون یا دونوں سے مقصد سے بچھلی ہونے کے اشتقاق میں ہو یعنی سحابات معصرات
ان پر سایہ کرینگے۔ ف۔ یہاں قولہ ثم یاتی من بعد ذلک عام الآیۃ۔ کو تعبیر خواب مذکور سے تعلق نہیں ہے بلکہ خواب کی تعبیر تو سات
سال فراخی و سات سال قحط پر تمام ہوگئی اور یہ سال نہایت فراخی کا آنحضرت علیہ السلام نے بطریق بشارت کے ذکر فرما دیا۔ بیضاوی
وغیرہ نے ذکر کیا کہ شاید اس قرینہ سے کہ عادت الٰہی جاری ہے کہ بعد سختی کے راحت عطا فرماتا ہو مگر مترجم کے نزدیک یہ امر بہت
مستبعد ہے خصوص قولی خبر غیب ہیں کہ ان الحکل دو وجہ سے مرام ہے اول اخبار غیب اور دوم قطعی بیان اکمل سے۔ فافہم۔ اور لکھا کہ شاید
اس قرینہ سے قحط کی انتہا ر فراخی پر ہوتی ہے اور مترجم کہتا ہے کہ ان قحط کی انتہار فراخی پر معلوم ہے مگر یہ صفت کیونکر معلوم ہوئی
کہ فیہ یغاث الناس وفیہ یعصرون۔ علاوہ ازین قحط کا خاتمہ فراخی پر ہونا ان لوگوں کو بغیر بتلائے معلوم تھا کیونکہ یہ مقدمہ تو بدیہی
ہے کہ قحط ختم ہوا تو اسکا نقیض آیا۔ اور لکھا کہ اور شاید وحی سے معلوم کر کے بتلایا ہو اور میں کہتا ہوں کہ صریح صاف بات اور نہ فرمائی
جاتی کہ بدلیل قولہ علمک من تاویل الاحادیث اور بدلیل قولہ تعالیٰ ذلکما مما علمنی ربی۔ یہ سب بتعلیم الٰہی سبحانہ تعالیٰ واقع ہوا ہے۔ ف۔
قولہ تزرعون سبع سنین دأبا۔ سے معلوم ہوا کہ آدمی کو عالم اسباب میں بدون نظر کے سبب کے یا اسپر اعتماد کرنے کے کوشش کرنا چاہئے
اور بحکم قولہ فذروہ فی سنبلہ۔ سے معلوم ہوا کہ تدبیر کرنا اصلاح کی غرض سے مامور بہ ہوا اور یہ تقدیر کے منافی نہیں ہے بلکہ حسن نیت پر
ثواب ملیگا اور قولہ الا قلیلا مما تاکلون۔ ہدایت و ارشاد ہو کہ کھانے پینے میں اسراف سے فضول خرچ نہ ہو اور یہ حکم کلام الٰہی میں صریح
منصوص ہے اور واضح ہو کہ کھانے کی تین صورتیں بیان ہوئی ہیں اول تین لقمہ اور یہ صالحین اتقیا کے آداب میں ہے۔ دوم تہائی پیٹ
کھانا اور تہائی پانی اور تہائی سانس یعنی یاد الٰہی کے لئے خالی چھوڑنا اور یہ ایک حدیث میں منصوص ہے اور اسکی پوری تاویل بیان کی عمل رہا۔

سوم شکم سیری سے کم اور یہ مباح ہی چہارم شکم سیری کو بعض نے حرام کہا اور بعض نے یہ حد مباح کی قرار دی اور سیری سے زائد حرص کو حرام کہا ہے واللہ تعالیٰ اعلم اور موٹائی کے لیے کھانا دو طرح کا ہے اول پسندیدگی موٹائی و پہلوانی کی تو یہ بحکم حدیث یحبون السمانۃ۔ اور بحدیث یشیع فیہم السمن کے حرام ہی اور صحیح حدیث میں ہی کہ قیامت کے روز بڑا موٹا لحیم شحیم لایا جائے گا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسکی قدر مچھر کے پر کے برابر نہ ہوگی اور دوم لاغری وضعف کے دور کرنے کیلئے بغرض اصلاح دماغ و درستی حواس وقوت عبادت کے ہو تو یہ جائز اور بعض صورتوں میں مستحب و جیسے جہاد فرض ہو اسپر واجب ہے۔ اور ابراہیم بن ادہم اور ایک جماعت صالحین سے مروی ہے کہ کھانے میں اسراف نہیں ہی یعنی جسقدر لوگ کھاویں یا انکو کھلاوے اسراف نہیں ہی ورنہ فتاوی وغیرہ میں شکم سیری وغیرہ کا مسئلہ صحیح ہے اور حدیث صحیح میں ہی کہ مومن ایک آنت میں کھاتا ہی اور کافر سات میں کھاتا ہی یہ اشارہ اسکے حرص کا ہی قولہ ماتقدمتم لہن۔ میں جواز ہے کہ آدمی کسی وقت ضرورت کیواسطے کچھ ذخیرہ رکھ چھوڑے اور واضح ہو کہ زیادہ بحث اسکی قولہ الذین یکنزون الذہب والفضۃ ولا ینفقونہا فی سبیل اللہ الآیۃ میں گذرچکی ہی اور زکوٰۃ ادا کرنے پر محمول ہونا اکثرون کا قول ہی اور بعض نے تورع کی راہ سے مطلقاً ذخیرہ سے اجتناب فرمایا ہی اور حدیثوں میں ہی کہ آنحضرت صلعم سونا و چاندی کچھ ذخیرہ نہیں فرماتے تھے اور بحرین سے جو کثیر مال آیا اسکو اسی روز تقسیم فرما دیا ایک درہم بھی نہیں رکھا اور برابر آپ کا یہی دستور تھا اور اس مقام پر اناج کے ذخیرہ کا ذکر ہی تو صحیح حدیث سے ثابت ہی کہ آنحضرت صلعم اپنے عیال کیلئے ایک سال کا روزینہ رکھ دیتے تھے اور یہیں سے کہا گیا کہ جو کوئی زراعت کا پیشہ کرے ایک سال کا قوت رکھے اور نوکر کا ہواری ایک ماہ کا اور کرایہ والا بدستور کرایہ کی سہ ماہی یا ششماہی یا ماہواری چنانچہ عموماً دستور تو اس زمانہ میں ماہواری ہی اور قولہ الا قلیلا مما تحصنون سے نکلا کہ عیال کی تنگی ایسی صورت میں جائز ہی کہ نفقہ سے عام ضرر لاحق ہو بدلیل اسکے کہ احصان خاص طریقہ سے نگہداشت ہی۔ اور بعض روایات میں ہی کہ جو کوئی عاشورا کے روز اپنی عیال پر وسعت دیوے اللہ تعالیٰ سال بھر اسکے لیے وسعت فرماتا ہی ولیکن شیخ ابن الجوزی نے اس روایت کو موضوع کہا اور لکھا کہ حضرت امام المومنین حسین بن علی علیہما السلام کے قاتل یزیدیوں نے اسکو بنایا ہی اور بعض متاخرین نے کہا کہ نہیں اسکی قوت ثابت ہوئی ہی۔ اور عاشورا کے روز شکریہ کا روزہ تو صحاح میں منصوص ہی پس اگرچہ آنحضرت صلعم کو شہادت جگر گوشہ نبوت حضرت امام حسین علیہ و علی آبائہ الصلوٰۃ والسلام کی اطلاع تھی مگر اسکی تعزیت کا کوئی طریقہ آپ سے مروی نہیں ہی اور تمام جو اس روز نصف روز کا روزہ رکھتے ہیں یہ بدعت حرام ہی اور بعض لوجہ فاقہ حضرت امام کے دو روز نویں و دسویں کا روزہ رکھتے ہیں اور اس نیت سے بھی حرام ہی اور پوشیدہ نہیں کہ دنیا کے ملوثہ سے پاک رام شہادت فرشتوں کے پروں پر تاج شاہانہ کے ساتھ سلطنت آخرت کے تخت پر بیٹھنے کیلئے جانا محرم کی دسویں تاریخ کو واقع ہوا تھا پس جو آخرت پر آنکھوں دیکھنے سے زیادہ یقین رکھتا ہو وہ اپنے سرتاج حضرت امام کیلئے شکر ادا کریگا اور پلید یزید اور اسکے گروہ کی خواری پر افسوس کریگا کہ مردود ہوے اور اس سے زیادہ واویلا اور بدعات منکرہ سب آخرت سے انکار و دنیاوی حیات پر جان نثار ہونے کی ہیں اور حضرت امام رض کی اقتدار کا اگر خیال ہو تو پہلے اس امر اہم کو دیکھے کہ حضرت سید اہل الجنۃ علیہ السلام نے کس طرح دنیا کو ترک کیا اور آخرت کو اختیار کیا۔ اور کس استقلال سے شربت شہادت پر متواتر روزہ افطار فرمایا اور کس طرح حضرت خلاق علیم کے حفظ و رعایت پر اہلبیت اطہار رضی اللہ عنہم کو چھوڑا اللہم اجعلنا من احبہ واتبعہ و فاز فوزا عظیما۔ اور واضح ہو کہ حکمت الٰہیہ قحط و فراخی میں کسی قیاسی قاعدہ پر ہمکو معلوم نہیں ہو سکتی ہاں البتہ زکوٰۃ حبس کی جاوے یا زنا کیا جائے تو قحط و خشک سالی اور وبا پیدا ہوتی ہی جیسا کہ بعض نے استنباط کیا ہی ولیکن [illegible]

نہین ہو کہ ان دونون وجہ کے سوائے قحط و وبا ہووے کیونکہ حکمت الٰہیہ ادراک بشر سے خارج ہے۔ اگر وہم ہو کہ عموماً جن ملکون مین زکوٰۃ
کا اعتقاد و عمل ہی نہین ہے یا زنا ایک خلاف قانون یا علانیہ ہونا خلاف تہذیب سمجھنے کے سوائے کچھ خیال نہین کیا جاتا ہو وہان
تو کبھی ایسا نہین ہوتا ہے تو جواب یہ ہو کہ یہ وہم فقط نادانی سے پیدا ہوا ہو اسکو سمجھنا چاہیئے کہ کفر کے لئے تمام دنیا و ما فیہا سب وقف
ہے اور اسلام کے لئے بقدر عبادت وجواز شریعت کے مباح ہے اور بااندنیت کفر کے حرام ہے تو جو لوگ اسلام لائے یا ابھی کافر ہین
مگر ان پر کوئی ہنوز حق ہو چکا یا تو ان کو بحالت فسق و فجور یا سرکشی کے ایسی چیزون سے تنگ پکڑا جاتا ہے تاکہ عبادت و طاعت
پر قائم رہین یا اسلام لاوین جیسا کہ قولہ تعالی ولوان اہل القری آمنوا الآیات سابقہ و لاحقہ مین قرآن مجید کے اندر مصرح منصوص
ہو کہ اگلی امتون کے ساتھ ایسا برتاؤ ہوا اور جب وے بالکل کافر ہونے پر اصرار کر گئے یا جو اسلام مین تھے لیکن فقط برائے نام صورت کے مسلمان
رہ گئے تو انکا آخرت کا حصہ بھی اللہ تعالی انکا خالق رب العالمین انکو دنیا مین دیدیتا ہے حتی کہ ان کو بہت زیادہ فراخی اور وسعت حاصل
ہو جاتی ہو پھر مدت کے وقت انکی گرفتاری سخت و شدید ہو لقولہ تعالی فاخذناہم بغتۃ فاذاہم مبلسون۔ تو حاصل یہ ہوا کہ جن لوگون کی صورت
فقط مسلمانون کی سی ہو اور دل انکا کافرون کے مشابہ یا مثل ہو تو انکی زکوٰۃ نہ دینے سے یا ان مین زنا پھیلنے سے اس باعث سے قحط یا
وبا نہ ہو گی ہان کسی حکمت خاصہ سے آوے تو اسکا علم حق تعالی عز وجل کو ہی اور اسی طرح ان ملکون مین محض کفر و اسپر اصرار ہے اور
وہان ایمان کا وجود ہی نہین ہے تو ان کافرون پر بھی انکے دنیاوی چال چلن کے موافق آسودگی فراخی و تندرستی ہو گی اور دنیاوی چال چلن
سے یہ غرض ہو کہ لوگون پر انکی حکومت اگر ظلم و جبر کی ہو گی تو ظالم کے روز بروز تنزل ہوتا ہے اور اگر لوگون کو آرام دینے اور انکے
رزق کشادہ کرنے و ہر طرح حفاظت کرنے کے طور پر ہو گی تو وے آسودہ و تندرست رہین گے پھر جو چیز انھون نے اختیار کی تھی
یعنی دنیا اسکا خاتمہ انکی زندگی پر ہو پس فوراً جان نکلتے ہی سخت عذاب مین پڑ جاوین گے اور یہ جو مین نے ذکر کیا ہو یہ آیات و احادیث
مین مصرح موجود ہی پھر جو ہم نے کہا کہ قحط و فراخی کی حکمت خاص علم الٰہی مین ہو اسکا اشارہ و بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام
کے وقت کا جو فرعون تھا وہ مرد عادل تھا آخر مسلمان ہو گیا اور سات سال فراخی و سات قحط کے دیئے اور پھر ایک سال نہایت فراخی
کا دیا اور جب قریش نے آنحضرت صلعم سے متواتر انکار کیا تو آپ نے بددعا فرمائی کہ اے پروردگار انپر سات برس کا قحط مثل ہفت سالہ
قحط یوسف علیہ السلام کے آثار دے چنانچہ یہ ہوا حتی کہ لوگون کی نظرون پر آسمان و دھوان دکھائی معلوم ہوتا تھا وقال تعالی۔ یوم
تاتی السماء بدخان مبین الآیۃ۔ اور ایسے ہی یہود مدینہ بسبب ناحق عداوت کے باوجود معرفت کے قحط و بلا مین گرفتار ہوئے جیسے
دولتمندی پر نازان تھے خسر الدنیا والآخرۃ ہو گئے اور سابقین امتون پر اصرار کفر کی حالت مین بہت فراخی دیدی لقولہ فتحنا علیہم ابواب
من السماء الآیۃ۔ اور واضح ہو کہ جس طرح فسق و فجور سے مسلمانون پر سختی ہوتی ہو اسی طرح حسن طاعت و عبادت و اخلاص نیت و
اختیار آخرت و ترک لذات دنیا کی صورت مین تمام دنیا انکے پیچھے پیچھے لگا دی جاتی ہو اور وے اسکو ٹھکراتے رہتے ہین اور جو کوئی
ایمان کسی قدر ضعف کے ساتھ رکھتا ہو یعنی فسق کرتا اور دنیاوی حشمت بھی چاہتا ہو تو وہ دونون ہاتھ یعنی دنیا و آخرت دونون کی
نعمت کھوتا ہو لہذا دنیا کے پیچھے دوڑتا ہو اور وہ اس سے بھاگتی ہے پس قدر مقدر دیا جاتا ہے اور اوقات ضائع کرتا ہو اور اسکو آخرت کا
حصہ دیا جاویگا اور یہ سب فضل الٰہی ہو جب یہ بات معلوم ہوئی تو اب مین کہتا ہون کہ تمام ثروت جو اہل ثروت چاندی سونے کی طرف سے
اٹھی مکان و اسباب تجارت وغیرہ جو دنیاوی ثروت ہین سب ایک قحط مین جمع ہو سکتا ہین جبکہ پیداوار نہ ہو اور پیداوار

کی صورت میں درحقیقت انسان کا حصہ انمین سے اسی قدر ہے کہ کچھ قلیل اپنے پیٹ مین ڈالے یعنی اسی قدر کہ جسقدر اہل مصر کی نسبت فرمایا تھا کہ
الا قلیلا مما تاکلون ـ پھر جو کچھ پیٹ مین ڈالا وہ بھی کچھ دیر تک لادے رہا پھر ایک نجس شکل مین بہا دیا کہ درحقیقت اسکے واسطے کوئی اتار نہین
رہی آیندہ وہ ہیچ ہے کچھ تعلق اس سے نہین رکھتا اور جو کچھ ایک ہی آدمی نے خیال کیا کہ عمدہ جوہر اسکے بدن کا جزو ہوگیا وہ سالہا سال
جمع کرکے آخر گڈھے مین دبا گیا اور ایسا بدبودار سڑا کہ زندہ اسکے سونگھنے سے قریب مرگ ہوجاوے اللھم اغفر لنا فانا لجاہلون ـ اور
حدیث مین ہے کہ آدمی بکا کرتا ہے کہ میرا مال میرا مال اور ہے اسکے مال سے کیا سوائے اسکے جو کھا کر ہرباد کیا یا پہنکر پھاڑ دیا اور یا خیرات کرکے
اپنے لئے ذخیرہ کر لیا اور مترجم نے مقدمہ فتاوی مین اس حدیث کی فقہ کو بتفصیل نفیس بیان کردیا ہے ـ فافہم واللہ الہادی الی سبیل الرشاد القصہ
حضرت یوسف علیہ السلام نے اسکو تعبیر دیدی اور وہ رخصت ہوکر چلا گیا اور بادشاہ وغیرہ سے بیان کیا تب بادشاہ نے طلب کیا ـ کما قال تعالیٰ ـ

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ ۚ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ
اور کہا بادشاہ نے لے آؤ اسکو میرے پاس پھر جب پہونچا اُس پاس بھیجا آدمی کہا پھر جا اپنے خاوند پاس اور پوچھ اُس سے کیا حقیقت ہے ان عورتون کی

اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ۚ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ○ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ
جنھون نے کاٹے ہاتھ اپنے میرا رب تو ان کا فریب سب جانتا ہے کہا بادشاہ نے عورتون کو کیا حقیقت

إِذْ رَاوَدْتُنَّ يُوسُفَ عَنْ نَفْسِهِ ۚ قُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ
تمہاری جب تم نے پھسلایا یوسف کو اسکے جی سے بولیان حاشاللہ ہم کو معلوم نہین اُس پر

مِنْ سُوءٍ ۚ قَالَتِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ الْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ أَنَا رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ
کچھ برائی بولی عورت عزیز کی اب کھل گئی سچ بات مین نے پھسلایا تھا اسکو اسکے جی سے اور وہ تو

الصَّادِقِينَ ○ ذَٰلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ ○
سچا ہے یوسف نے کہا اتنا اسواسطے کہ وہ شخص معلوم کرے کہ مین نے چوری نہین کی اس عزیز کی چھپکر اور یہ کہ اللہ نہین چلاتا فریب دغا باز دن کا

وَقَالَ الْمَلِكُ ـ اور بادشاہ نے کہا کہ ـ ائْتُونِي بِهِ ـ میرے پاس اسکو لے آؤ ـ شاید یہ غرض ہو کہ مین خود اسکی زبان سے سنون یا
ایسے نیک آدمی کا اکرام کیا جاوے جیسا کہ بیضاوی وسراج وغیرہ مین مذکور ہے اور ظاہر یہ ہے کہ قید سے رہائی دینی مقصود تھی یعنی اسکو
قید سے رہا کردو اور یہ منزلت دو کہ میرے دربار مین حاضر ہو کہین چلا نہ جاوے اسیواسطے یہ ہوا کہ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ ـ جب بادشاہ
کا ایلچی خواہ ساقی ہو یا اور کوئی ہو یوسف پاس آیا یعنی بلانے کو آیا چونکہ اسمین رہائی مضمر تھی لہذا قَالَ یوسف نے کہا کہ ارْجِعْ
لوٹ جا ـ إِلَىٰ رَبِّكَ اپنے آقا کے پاس ـ فَاسْأَلْهُ ـ اور اس سے دریافت کر یعنی بطور میرے پیغام کے اُس سے پوچھ کہ ـ مَا بَالُ
النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ـ کیا حقیقت ہے ان عورتون کے حال کی جنھون نے کاٹ ڈالے تھے اپنے ہاتھ ـ یہان چند
باتین سمجھنا چاہیئے اول یہ کہ جو شخص بلانے آیا تھا اُسکے ساتھ نہین گئے بلکہ یہ سوال پیش کیا اور صحیحین مین حضرت ابوہریرہ سے روایت
ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نحن احق بالشک من ابراہیم اذ قال رب ارنی کیف تحیی الموتی الآیۃ ـ ویرحم اللہ لوطاً
لقد کان یاوی الی رکن شدید ولو لبثت فی السجن طول ما لبث یوسف لاجبت الداعی ـ یعنی ہم زیادہ مستحق ہین شک کے ابراہیم کی
نسبت جبکہ انھون نے کہا کہ رب ارنی کیف تحیی الموتی اور رحم فرمائے اللہ تعالیٰ لوط پر کہ البتہ ٹھکانا لیتا تھا رکن شدید کی جانب اور اگر

میں قید میں پڑا رہتا اسقدر دراز مدت کہ یوسف پڑا رہا تھا تو بلانیوالے کا کہا مان لیتا علماء نے لکھا ہے کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ
وسلم نے جناب باری تعالیٰ عزوجل کی عظمت و کبریائی اور اسکے امتحان کی بڑائی و بزرگی کے مقابلہ میں تواضع کے طور پر اگلے انبیاء سے
اولوالعزم کے مصائب امتحان میں ثابت قدمی بیان فرمائی یعنی یہ مقولہ آپکا بطریق تواضع ہے جو صفت محمود ہے ورنہ دوسری صحیح حدیث میں
آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو مصائب مجھ پر گذرے وہ کسی پیغمبر پر نہیں گذرے ہیں اور یہ بھی وہم نہو کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے
بدن میں کیڑے ہوگئے تھے کیونکہ معاملات آلہی و خطرات نفس و طرق قبولیت ایسے باریک ہیں کہ ظاہری صورتیں جن کو ہم لوگ بہت
مصیبت سمجھیں وہ ہنوز کسی متقی اہل دل سے دریافت کے قابل ہیں چنانچہ نظیر اسکی جہاد ہے کہ تلوار سے کفار کے ساتھ مقابلہ کرنے کی
سختی کو چھوٹا کہا اور ہر وقت نفس و خطرات شیطان سے جہاد کرکے راہ مستقیم پر استقامت کو بڑا جہاد فرمایا ہے حالانکہ ہماری نظر کا آدمی اسکے
برعکس خیال کریگا فافہم اور امام احمد کی روایت میں ابوہریرہ رضی کی حدیث اسطرح ہے کہ اگر بجائے یوسف کے میں ہوتا تو جلدی سے بلانا
قبول کرلیتا اور اپنی برأت کا عذر نہ ڈھونڈھتا اور عکرمہ سے مرسل روایت ہے کہ بیشک تعجب کرتا ہوں یعنی مجھے اللہ تعالیٰ کا وہ انعام
جو یوسف پر ہوا تھا بھلا نظر آتا ہے کہ اچھا صبر و کرم کیا اور اللہ تعالیٰ اسکو بخشے کہ جب اس سے بادشاہ کے خواب کی تعبیر پوچھی گئی تو فوراً
کرم سے بتلا دی اور اگر بجائے اس کے میں ہوتا تو نہ بتلاتا یہاں تک کہ پہلے شرط کرلیتا کہ مجھے قید سے نکالو اور مجھے تعجب آیا یوسف اور
ان کے صبر و کرم پر اسکو اللہ تعالیٰ بخشے بیشک اسکے پاس بادشاہ کا ایلچی بلانے آیا تھا اور اگر بجائے اسکے میں ہوتا تو دروازے کی طرف
سب سے آگے ہوتا ولیکن یوسف نے یہ چاہا تھا کہ تہمت سے اسکا پیچھا چھوٹ جاوے مترجم کہتا ہے کہ اس حدیث میں ہر بار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ
اسکو بخشے اور یہ لطیف اشارہ اہل دل و صاحب فہم فقیہ کیواسطے ہے جسکو اس حدیث کی حکمت دریافت ہو جس میں اپنی پاکیزہ ذات
کے واسطے ظاہر میں انکسار فرمایا ہے حالانکہ خود افضل الرسل تھے اور شان توحید میں قید از جانب حق عزوجل و رہائی بھی از جانب حق عزوجل
اور برأت باعلان حق عزوجل ہے کیونکہ قلوب قبضۂ قدرت آلہیہ میں ہیں کوئی غلطی خود نہیں کرسکتے ہیں اسیواسطے متقی مردم عالم کے حق میں
طویل حدیث میں یہ مضمون ہے کہ لوگ اسکے ساتھ ابتدا میں عداوت کرتے ہیں یعنی شیطان ان لوگوں کو برانگیختہ کرتا ہے حتیٰ کہ محل امتحان
و آزمایش میں اسکو ہر طرف سے پریشانی ہوتی ہے یہانتک کہ جب وہ استقامت پر قائم رہتا ہے تو درجۂ احسان پر فائز ہو اور اللہ تعالیٰ
کے حکم سے فرشتہ پکار فرماتا ہے کہ فلاں بندے کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے تو آسمان والوں کی طرح زمین والے بھی اسکو دوست رکھیں
پس اسکی محبت کا بیچ تمام شائستہ قلوب میں جم جاتا ہے پس معلوم ہوا کہ قلوب میں عداوت یا محبت میں حکم آوری عزوجل اپنے خالق کے تصرف میں
پس محل امتحان سے باہر تک جلدی ہوسکے مبادرت کرنا چاہیئے فافہم واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب - بالجملہ حضرت
یوسف علیہ السلام کا ایلچی کے ساتھ نہ جانا اس غرض سے تھا کہ لوگوں کے دلوں میں کوئی شبہہ تہمت کا نہ رہے کیونکہ ابتدا میں طفل گہوارہ
کی شہادت وغیرہ سے لوگوں کے دلوں میں استحکام تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام بری ہیں چنانچہ قولہ امرأۃ العزیز تراود فتٰہا
عن نفسہ قد شغفہا حبا سے صاف ظاہر ہے کہ لوگ الزام زلیخا پر لگاتے تھے لیکن پھر جب خاص لوگوں نے مشورہ کرکے ان کو قید
کیا تو احتمال ہوا ہوگا جسکے دفع ہونے اور پوری برأت ظاہر ہونے کی غرض سے جانے میں عذر کیا جیسا کہ حدیث مذکورہ بالا سے
یہ توجیہ ظاہر ہوتی ہے یہاں سے بعض علماء نے کہا کہ تہمت سے بچنا اور مواقع تہمت سے گریز کرنا انسان پر لازم ہے اقول بیشک مواقع تہمت
سے بچاؤ میں بہت صلاح اور بے پروائی میں بڑے مفاسد ہیں کیونکہ لوگ اسکی غیبت و تہمت سے گنہگار ہونگے جسکا یہی باعث ہوگا اور

بھی معصیت کا شریک بلکہ خود سبب ہوگیا اور اگر عالم ہی تو اسکی اقتدا میں فتور ہوگا اور صحیحین میں حضرت ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا کا
حدیث مذکور ہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتکاف میں شام کو بغرض دیدار آنحضرت صلعم تشریف لائین اور تاریکی میں دو مرد صحابہ نے
بی بی ام المومنین سے باتین کرتے دیکھکر واپس ہونے کا قصد کیا تو آپ نے انکو آواز دیکر بلوایا اور فرمایا کہ یہ عورت صفیہ ہی یعنی میری پاک
بی بی اور تم سب کی پاک ماں ہی تو انھون نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ کی شان میں ہم کو شبہہ ہوتا پس آپنے موقع تہمت سے اسقدر
اہتمام کیا اور نہایت پیار و شفقت سے ایسا کیا کیونکہ شاید شیطان کسی وقت غفلت پاکر ان دونون کے دلون مین کچھ وسوسہ دیتا جس سے
نتیجہ بہت سخت پیدا ہوتا کہ اللہ تعالی کے پاک مقدس پیغمبر افضل الانبیاء والرسل بلکہ خیر الخلائق اجمعین کی طرف ایسے وسوسہ سے انکے
دل بہت بگڑ جاتے جسکی اصلاح بہت دشوار ہو جاتی تو آپنے کمال شفقت سے چاہا کہ ان پر شیطان کسی طرح قابو نہ پاوے اور اسی پر یہ مبنی ہے
مسئلہ فقہیہ کہ جو شخص مسجد میں ہو اور اذان دیگئی اور لوگون میں معروف نہیں ہی کہ یہ فلان شخص کسی دوسری مسجد کا امام ہی یا مانند اسکے تو اسکو
نماز پڑھنے سے پہلے نکلنا نہیں چاہیئے تاکہ اسکی نسبت تہمت نہو کیونکہ تہمت کے موقع سے پرہیز واجب ہی اور اسی پر مبنی ہی یہ مسئلہ واسکے نظائر
کہ مومن و عالم کو روا نہیں ہی کہ شراب خانہ میں جاوے اگرچہ اسکی نیت اسکی قبیح علیحدہ دیکھنے کی ہو اور عالم کو ایسی مجلس میں شریک نہیں ہو سکتا
ان ممنوعات ہون اور اسی جہت سے آجکل نکاح کی ہوتین یا ایسی صورتین ممنوعہ فعل ہو رو کرنا جائز بلکہ بعض صورتون میں واجب
دوسری بات اس مقام پر یہ ہی کہ حضرت یوسف علیہ السلام بطریق ظلم کے قید تھے ولیکن نکلنے سے انکار کیا تو مسئلہ معلوم ہوا کہ مظلوم اگر انفصال
نقض مقدمہ تک مشکل کیساتھ طاعت پر صبر کرے اور تحقیق کا اصرار کرے تو جائز ہے۔ تیسری بات تو ارجع الی ربک سے معلوم
ہوا کہ آقا و سردار کو رب کہنا بطریق مجاز جائز ہے یعنی ظاہری صورت میں جسکے ذریعہ سے پرورش ہوتی ہو اسکے ساتھ رب وغیرہ
استعمال جائز ہی جبکہ یہ نیت ہو کہ درحقیقت یہی دینے والا اور پرورش کرنے والا ہو اور جو لوگ نہایت تعظیم سے کسی کو موثر سمجھتے ہیں انکے حق
میں حرام کیا بلکہ قریب کفر ہی اور اسیواسطے متقی علماء نے زمانہ میں لوگون کو اس لفظ کی اجازت نہیں دی کیونکہ عوام کے دلون میں تعظیم بھری ہوئی ہے
چوتھی بات یہ ہی کہ آپنے ایلچی کو کہا کہ بادشاہ سے دریافت کر کہ ان عورتون کی کیا شان ہی حالانکہ ظاہر یہ تھا کہ یون کہتے کہ عورتون
مقدمہ کی تحقیقات کرے تو سوال میں لایا کہ قولہ فاسألہ اس سے دریافت کر اور سوال کرنے کو محتمل ہی کہ کچھ پوچھنا یا مانگنا اور وہم طلب
اور جو کہ الفاظ بال النسوۃ اچھے موقع پر واقع ہوا کیونکہ یہ لفظ کسی چیز کی ماہیت و حقیقت دریافت کرنے میں مستعمل ہی پس جب
چیز یا انکی اصلیت کہ انکی حقیقت کا سوال کیا تو ضرور اس خیال سے کہ جاہل نہ کہلاوے تحقیقات کرنے پر آمادہ ہوگا بخلاف اس کے اگر
یہ کہتے کہ اس سے کہ تحقیقات کرے تو شاید گمان یہ تھا کہ وہ بالکل پروا نہ کرتا بلکہ ناگوار ہوتا کیونکہ اسکے دماغ میں بادشاہی تمکنت
پانچوین بات یہ ہی کہ آنحضرت علیہ السلام نے صرف ان عورتون سے تعرض کیا جنھون نے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے اور زلیخا سے تعرض نہ کیا
یہ کمال کرم و رعایت حقوق ہی اور اس ضمن میں براءت حاصل ہونا بہترین طریقہ ہی واضح ہو کہ جن عورتون نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے انھون نے
حضرت یوسف کو مع طرز معاشرت زلیخا کے معائنہ و مشاہدہ کیا تھا اور غالبا یہی ان عورتون کی طرف سے اس مقدمہ سے ظاہر تھا کہ یا جرم نہایت بین
تھا اسلئے گئے تھے اسواسطے انھین عورتون کو تحقیقات کیلئے متعین کردیا۔ اِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ میرا پروردگار ان عورتون کے
فریب کا عالم ہی کہ اشارہ ہی کہ ان عورتون کا مکر بڑا خطرناک تھا اور ان عورتون نے کہ بہت زور دیا تھا کہ اپنی سیدہ یعنی زلیخا کا کہنا
ماننا چاہیئے ورنہ تو قید میں تکلیف اٹھاویگا۔ اور بعضون نے کہا کہ رب سے مراد بادشاہ ہی یعنی اسکو خود یہ قصہ معلوم ہی ولیکن یہ قول

مستنکر ہے بلکہ صحیح وہی ہے کہ اپنے مظلوم قید ہونے کی شکایت کے طور پر کہا کہ خدائے تعالیٰ خوب آگاہ ہے کہ ان عورتوں نے میرے ساتھ بڑے
بڑے مکر کئے اور اسطرح مجھے قید ہونا پڑا تاکہ آیندہ اگر قید سے رہا ہو کر بادشاہ کے قرب میں سکونت ہو تو اسکے خاندان کی عورتوں یا انھیں
پہلی عورتوں سے نجات رہے اور بار دگر ایسی فتنہ میں پریشانی نہ ہو الغرض ایلچی واپس آیا اور اُس نے بادشاہ سے وہ سوال بیان کیا تب
بادشاہ نے عورتوں کو جمع کر کے یہ مقدمہ دریافت کیا۔ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ کہا کہ اے عورتو تمہاری کیا شان تھی یعنی یہ بڑا خطرناک اتفہ کس طرح
یوسف کی طرف سے انجام پذیر ہوا تھا۔ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ۔ جبکہ تم نے یوسف کو اسکی ذات سے اپنی طرف لبھایا یعنی تھا
یہاں سے ظاہر ہے کہ بادشاہ کو اصل مرکا قطعی یقین تھا کہ خواہش کرنے والیاں یہی عورتیں خود تھیں اور یوسفؑ نے کچھ بھی نہیں چاہا تھا
اسیواسطے اُس نے یہ سوال ہی نہ کیا کہ تم نے یوسفؑ سے خواہش کی تھی یا یوسفؑ نے تم سے کچھ چاہا تھا بلکہ یہی کہا کہ تم نے چاہا تھا
ولیکن دریافت یہ کیا کہ شاید ان عورتوں کی خواہش کرنے اور اصرار کرنے و دھمکانے و ڈرانے اور ہر طرح کے مکر و فریب کرنے پر کوئی
بات آنحضرت علیہ السلام کی طرف سے سرزد ہوئی ہو تو بتلاؤ یہ کہ انجام کیونکر ہوا چنانچہ مترجم کی اس تقریر پر یہ دلیل ہے جو اب ہر چہار
عورتوں نے دیا کہ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ کہتی ہیں یا اللہ پاکی ہے مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ہم نے اسمیں کوئی بدی نہیں دریافت کی یعنی بجز انکار بلکہ دریافت کرنے و تجسّس
کرنے پر بھی ہم کو کوئی برائی انہوں نہ معلوم ہوئی قولہ من سوء نکرہ تحت نفی۔ اور حرف من سے ہر فرد و ہر صغیرہ و کبیرہ برائی کی نفی ہو گئی یعنی کسی قسم کی بدی خواہ چھوٹی ہو یا
بڑی ہو کسی طرح سے ہم کو انمیں دریافت نہیں ہوئی چونکہ زلیخا کو دریافت ہو گیا کہ آنحضرت علیہ السلام نے بیسر انکار و اس درمیان سے فقط میری آبرو کا لحاظ
کر کے سکوت کیا اور تعلیم بشریت سے اس کی کہ عوض نیکی کرنی چاہی قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ عزیز کی جورو یعنی زلیخا بولی کہ۔ اَلْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ
اب سچائی خوب صاف کھل گئی۔ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ ۔ میں نے ہی یوسف کو اسکی ذات سے لبھایا تھا۔ اُس کی طرف سے
کوئی برائی نہیں ہے یہ عورتیں سچ کہتی ہیں کہ انکو اسمیں کوئی بدی معلوم نہیں ہوئی اور اب میں بھی کہتی ہوں کہ۔ وَاِنَّهٗ
لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۔ اور وہ بے شبہہ سچے آدمیوں میں سے ہے یعنی بہت سچا ہے کیونکہ جو لوگ سچے معلوم و متعین ہیں ان میں سے
ہونا اظہار اس امر کا ہے کہ یقینی سچا ہے۔ سراج وغیرہ میں لایا کہ یہاں سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے
ہم و قصد وغیرہ کچھ بھی واقع نہیں ہوا جیسا کہ بعض اہل ہوی و ہوس فرقہ حشویہ میں سے ایک پیغمبر مخلص علیہ السلام کی شان میں گمان کرتے
ہیں مترجم کہتا ہے کہ شیخ ابن کثیرؒ نے نقل کیا کہ ابن جریرؒ نے اپنے اسناد کے ساتھ عکرمہ کے طریق سے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ جب
یوسفؑ نے کہا کہ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّىْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ الآیۃ تو جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اسوقت کہ جب آپ نے کچھ قصد کیا تھا تو یوسف علیہ السلام
نے کہا کہ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِىْ اِنَّ النَّفْسَ الآیۃ ۔ مترجم کہتا ہے کہ اسناد اس روایت کی حسن ہے ولیکن باوجود اس روایت کے مترجم کا زعم ہے کہ
کوئی برائی حضرت یوسف پر نہیں جیسا کہ صریح قولہ ما علمنا علیہ من سوء سے ظاہر ہے اور روایت ابن عباسؓ میں ہم سے مقصود
دغدغہ خاطر و خطرات ہیں جو بلا اختیار محل امتحان میں خطور کرتے ہیں اور آدمی کا مجاہدہ ان کو دور کرتا رہتا ہے اور یہ معنی نہیں ہیں کہ یہ ارادہ کیا کہ
اس عورت کیساتھ کوئی فعل ممنوع کیا جائے جیسا کہ عوام نے زعم کیا ہے حتی کہ قصہ خوانوں نے اپنے اپنے قصہ میں عجیب عجیب بہت سا
بیہودہ گوئی کی کہ عورت کا ازار بند کھولا اور اپنا ازار بند کھولا اور کرسی سے اور بڑھکر کہا کہ کسی مقام پر تخلیہ کیا اور سامان تیار کیا اور کرسی
اور تجاوز کیا کہ دونوں عورت کے پاؤں کے درمیان بیٹھے نعوذ باللہ من تلک الخرافات۔ اور اگر روایت مذکورہ کے یہی معنی فرض
کر لئے جاویں تب بھی روایات متروک کی جاویں گی۔ اگر کوئی کہے کہ فعل سے پہلے قصد عفو ہے اور جمہور کے زعم سے روایات ترک نہیں

ہوسکتی ہین خصوص جبکہ صحابی کی روایت تفسیر مین بمنزلہ مرفوع کے ہی تو جواب یہ پایا جاوے کہ حدیث صحیح کے موافق نیکی کے قصد پر ایک ثواب ہے تو مقابلہ مین بدی کا قصد بھی ایک گناہ کا ہی اگرچہ عام رحمت الٰہیہ نے اسکو عفو کر دیا ہے پس معصوم پیغمبر سے اسکا ارتکاب ممنوع ہی خصوص جبکہ عوام پر خواص کا قیاس محض جہالت ہی اور یہ امر محقق مدلل ہی پھر وہ زعم نہین ہی اور یہ جو کہا کہ تفسیر صحابی حکم مرفوع رکھتی ہے تو اسکے معنی یہ ہین کہ جو احکام توقیفی ہون یعنی قیاس کو دخل نہو اور سابق قصہ پر محمول نہو وہان مرفوع کا حکم اسلیے ہی کہ ضرور سنکر روایت کیا گیا اور یہان تو یہ قصہ صریح مرفوع مین کہین مذکور نہین ہی اور اکثر باتین بنو اسرائیل و یہود سے لی گئی ہین پس یہان سے تو متعین ہی کہ یہ روایات اہل کتاب ہے جنکی نسبت حضرت عبداللہ بن سلام نے شہادت دی کہ یہود ی ایک بہتان باندھنے والی قوم ہی جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث مین مصرح ہی لہذا اس روایت پر اعتماد نہین ہوسکتا ہی کیونکہ قرآن پاک نہین ہی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپکی صفت بیان فرمائی ہی تو جس طرح اسمین مذکور ہی وہی صحیح ہی اور جو اہل کتاب نے تغیر و تبدل کرکے بنایا وہ تحریف باطل ہی حتی کہ سلیمان علیہ السلام کو جادوگر کہتے چلے آتے تھے حالانکہ وہ مثل داؤد علیہ السلام کے پیغمبر تھے جسکو قرآن مجید نے صاف ظاہر کر دیا۔ مترجم کو جو امر ظاہر ہوتا ہے وہ یہی ہی کہ ہم سے مراد خطرہ ہی جو ہمیشہ دفع کرتے جاتے تھے کیونکہ اس صورت مین ثواب جمیل و جزیل ظاہر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ القصہ جب ایلچی کی زبانی بادشاہ نے عورتون کا حال دریافت کرنا سنا اور ان عورتون سے تفتیش کیا بلکہ کمر اپنی دانست کے موافق تحقیق و اقرار بجانب لے لیا تو ایلچی واپس گیا گویا یہ پیغام دیا کہ عورتون کا یہ حال ہی اور تم نے اسکو کیون دریافت کیا اور علیٰ ہذا اسپر کیون موقوف کہا تو حضرت یوسف نے جواب دیا ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ۔ یہ امر اسواسطے مین نے پوچھا کہ وہ شخص جسنے مجھے بطور فرزند پرورش کیا تھا اور وہان بادشاہ کے پاس وزارت پر مامور ہی اور مین جاتا تو ضرور اس سے میرا سامنا ہوتا اور اُسی نے مجھکو یہان قید کیا تھا وہ میرے پیٹھ پیچھے یقیناً جان لیوے کہ مین نے ہرگز اسکی خیانت نہین کی تھی جبکہ مجھ پر الزام عورتون نے لگایا۔ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ اور اللہ تعالیٰ راہ نہین دیتا خیانت کرنیوالون کے مکر کو۔ یعنی جو کوئی کسی کے کام مین یا کسی امانت مین خیانت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکے مکر کو پورا و ٹھیک رواں نہین ہونے دیتا ہی۔ اگر کہا جاوے کہ ذٰلک لیعلم الخ۔ اس صورت مین حضرت یوسف کا مقولہ ہی اور اوپر کی آیت زلیخا کا مقولہ ہی تو اسمین ربط ساقط ہوگا تو جواب یہ پایا جائے کہ نہین بلکہ قرینہ جب صاف ہوتا ہی تو عبارات حذف ہوتے ہین جیسے قولہ انا انبئکم بتاویلہ فارسلون یوسف ایہا الصدیق الآیۃ۔ مین ہی چنانچہ تقدیر کلام اسطرح ہی کہ فارسلون فاجابوہ الی ذٰلک فارسلوہ فجاء الی یوسف فکلمہ یا یوسف ایہا الصدیق یعنی جب ساقی نے کہا کہ مجھے بھیجو تو اُنھون نے کہنا مان لیا اور اسکو یوسف کے پاس بھیجا وہ یہان آیا اور یوسف سے مخاطب ہوکر عرض کرنے لگا کہ یوسف اے میرے بڑے راست گو سے الی آخرہ اسی طرح یہان ہی کہ بادشاہ نے اُن کو بلوایا اور آپنے اسکا جواب نہ دیا بلکہ ایلچی سے کہا کہ بادشاہ سے ان عورتون کا حال دریافت کرلا۔ پس ضرور ہی کہ دریافت کی حکمت پوچھی جاوے کہ تم نے کیون دریافت کیا کیونکہ یہ تو بادشاہ کو معلوم تھا کہ عورتون ہی نے یوسف کو فریب سے اپنی طرف بلایا تھا تو اس عجیب واقعہ کا انجام یوسف کی طرف سے کیونکر ہوا یعنی آپکی طرف سے بھی کوئی خواہش کسی طرح ظاہر ہوئی یا نہین تو اُنھون نے صاف کہدیا کہ ہرگز نہین ہرگز نہین حاشا للہ اسکی طرف سے تو ہمارا دیکھا گیا بلکہ ہم کو کچھ معلوم بھی نہین ہوا ہی اور زلیخا نے کہدیا کہ اب تو سچی بات سب پر کھل گئی جب یہ حال تھا تو ایلچی مکرر گیا اور اُس نے پوچھا ہوگا کہ یہ کیون دریافت کیا گیا اور مترجم نے اوپر اشارہ کیا کہ یہان ضرور اسی امر کا خطرہ ہوگا کہ اول مین تو وزیر کی نزدیکی سے اسکی جورو اور دیگر عورتون سے

پیشقدمی اور اب بادشاہ بلاتا ہو تو وہان بھی ایسے مخاطرہ مین قدم رکھنا پڑیگا علاوہ اسکے عزیز مصر وہان موجود ہو جسنے مجھے تہمت کیا تھا پس خیانت کا الزام اسکی خاطر مین مثل اور لوگون کے جو مصلحت قید مین شریک تھے موجود ہوگا پس اس تحقیقات کرانے کا فائدہ اور اپنی غرض بیان کر دی فافہم واللہ اعلم یہ تفسیر جو مذکور ہوئی ایک جماعت مفسرین کا قول ہو اور عکرمہ نے ابن عباس رض سے یہی روایت کیا جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اور شیخ ابن کثیر رح نے کہا کہ شیخ ابن جریر و ابن ابی حاتم نے فقط اسی کو نقل کیا ہو کوئی اور معنی نہین نقل کئے اور شیخ ابن کثیر رح کا ظاہر کلام مشعر ہے کہ زیادہ مشہور و بہت مناسب نہایت لائق یہ معنی ہین کہ قولہ ذلک لیعلم الخ زلیخا کا کلام ہو وہ کہتی ہو کہ چونکہ اسوقت مین حق بات عام طور پر کھل گئی کما قالت الآن حصحص الحق - تو مین اقرار کرتی ہون کہ بیشک مین نے ہی اسکو فریب لبھایا تھا اور مین یہ بھی کہتی ہون کہ انہ لمن الصادقین - وہ سچا ہے کہ اسنے ہرگز کچھ قصد نہین کیا بلکہ مین نے یہ قصد کیا ولیکن ابتدائے وقت مین حضرت یوسف علیہ السلام کے بارہ مین ایسی پرہیزگاری و تقوی کا خیال سب لوگون کے دلون مین نہ تھا پس اگر زلیخا اسوقت حق بات کہتی تو ضرور لوگ اتہام کرتے کہ جب یہ خود خواہش کرتی تھی تو چھوکرا ضرور ملوث ہوا ہوگا - پھر کس کس سے عذر کیا جاتا اور اب حق بات صاف کھل گئی تو مین نے اقرار کر دیا اور موافق بیان یوسف ع کے اور مطابق ظاہر حال و اعتقاد کے جو اسکی جانب کمال تقوی و طہارت کا عام طور پر سب کے دلون مین ہو مین بھی تصدیق کرتی ہون اور یہ اسواسطے کہتی ہون کہ عزیز کو یہ معلوم ہو جاوے کہ مین نے در پردہ اسکی خیانت نہین کی یعنی کوئی امر واقع نہین ہوا جیسا کہ یوسف ع کی طہارت و تصدیق براءت سے ظاہر ہو اور جو شخص خائن ہوتا ہو اسکے مکر کو سرسبزی نہین ہوتی ہو اور جو شخص اللہ تعالی کی امانت اور بندون کی امانت ادا کرتا ہو وہ دنیا و آخرت مین فلاح پاتا ہے۔

تم الجزء الثاني عشر ويتلوه الثالث عشر من قوله وما أبرئ نفسي

والحمد لله رب العالمين ـ

تنبیہ الغافلین ۔ مسائل دینیہ ۔ ۱۰/
حیرت الفقہ ۔ مسائل مشکلۂ فقہ از مولوی
ابراہیم حسین بنگلوری ۔ ۱/
جواب السائلین ۔ بطور استفتا ۔ ۲/
کنز الدقائق ۔ اردو ترجمہ از مولوی
محمد سلطان خان ۔ ۴/
چہل مسائل فقہ ۔ از مولوی ابراہیم حسین
بنگلوری ۔
رسالہ تجہیز و تکفین ۔ از محمد عمر ۔ ۱/

فقہ فارسی

ہدایہ پیشانی پر اصل عربی اور تحت مین ترجمہ
فارسی مع شرح از علمائے کلکتہ جو مدت سے
متداول ہے ۔ دو مجلد کامل ۔ عـ/
شرح سفر السعادت ۔ از مولانا شاہ
عبد الحق محدث دہلوی معروف ۔ ۴/
حج اکبر ۔ مسمی بہ غایۃ الشعور از ملا محمد شاہ ۔ ۸/
تذکرۃ الجمعہ ۔ احکام جمعہ از مولوی عبد السلام ۔ ۸/
تبیان ۔ در حکم تمباکو وحقہ از ملا معین الدین ۱/
بدائع منظوم ۔ مسائل فقہ نظم فارسی از
ملا ناظم علیؒ ۔ ۲/
نام حق ۔ مشہور درسی از شیخ شرف الدین
بخاری ۔ ۱/
مائۃ مسائل ۔ سو مسائل از مولانا احمد اللہ
رحمہ اللہ ۔ ۶/
شرح وقایہ فارسی ۔ مع حاشیہ ملتقی الابحر
از شاہ عبد الحق محدث دہلوی ۔ عـ/
مسلک المتقین ۔ مرغوب علماے ولایت از
مولوی آلہ یار خان ۔ ۸/
فتاوی برہنہ ۔ جامع ابواب فقہ از مفتی
نصیر الدین ۔ ۴/
قدوری ۔ مترجمہ مولانا ابو القاسم ۔ ۶/
شرح فارسی مختصر وقایہ ۔ از عبد الرحمن
جامی ۔ ۱۵/
کنز فارسی ۔ از مفتی نصیر الدین کرانی محشی
مع فرہنگ ۔ ۱۳/
مالابد منہ ۔ از قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ مع
وصیت نامہ ۔ ۵/
شرح مختصر وقایہ گورسیری ۔ از مولانا
جلال الدین سمرقندی ۔ ۴/
رسالہ تنبیہ الانسان ۔ در حلت وحرمت
جانوران ۔ ۱/
رسالہ قاضی قطب ۔ ذکر ایمان و ارکان ۔ /

فقہ عربی

برجندی شرح مختصر وقایہ ۔ از مولانا عبد العلی
برجندی معتبر شرح ۔ ۳/
فتح القدیر ۔ حاوی کمتن بقلم جلی ہدایہ اور بقلم
خفی فتح القدیر از امام کمال الدین بن الہمام
نہایت مستند با عظمت شرح مشہور و معروف
اور آخر مین تکملہ زین الدین آفندی کا مل چاپ مجلد ضخامت کنندہ
ضخیم جدید الطبع ۔ عـ/
ہدایہ ۔ محشی بحواشی جدیدہ جناب مولانا محمد حسن
سنبھلی مرحوم مولانا نے جن فوائد کا اضافہ
فرمایا ہے وہ قابل دید ہین ہر چہار جلد کامل
دو مجلدات ہین بشرح ذیل
(۱) جلدین اولین عبادات ۔ ۸/
(۲) جلدین آخرین معاملات ۔ ۵/
ہدایہ مع شرح الکفایہ ۔ از سید جلال الدین
کرمانی بہت معروف و مستند متداول چار جلد
ہین اس شرح ہدایہ پر حاشیے بہت مستند لکھے
گئے ہین بہ تفصیل ذیل ۔
ہدایہ جلد اول و ثانی تا آخر کتاب النکاح ۔ ۸/
ایضاً جلد سوم و چہارم تا آخر کتاب ۔ ۸/
فتاوی قاضیخان مع سراجیہ از امام قاضی
حسن بن منصور قاضی خان مستند معتمد معروف
متداول دو جلد کامل ۔ ۸/
شرح وقایہ ۔ از امام صدر الشریعہ جلی قلم
مع کامل حاشیہ ذخیرۃ العقبی یوسف ابن جنید چلپی
داخل درس تقطیع کلان خوشخط و صحیح ۔ ۴/
شرح وقایہ خرد مع دائرہ ہندیہ متوسط قلم ۱۰/
الاشباہ والنظائر مع شرح حموی معروف
مستند متداول ۔ ۵/
ملا مسٹھ ۔ از بیوع تا وصایا محشی جدید کابل اور
اطراف کابل میں داخل درس ہے ۔ ۴/
مستخلص الحقائق ۔ شرح کنز الدقائق
مشہور متداول ۔ ۴/
عینی شرح کنز الدقائق ۔ محشی ہر چہار جلد
مستند معروف متداول دو مجلد میں ۔
(۱) جلدین اولین عبادات میں ۔ ۸/
مختصر وقایہ محشی ۔ از امام صدر الشریعہ
درسی متداول ۔ ۱۱/
عمدۃ البضاعۃ ۔ فی مسائل الرضاعۃ از

مولوی تراب علی مرحوم ۔ ۱ر

کنز الدقائق عربی جدید حواشی کے ساتھ قیمت ۱ر

اخلاق و تصوف اُردو

جامع الاخلاق ۔ ترجمۂ اخلاق جلالی ۔ ۷ر

باب دانش ۔ مولفہ مولوی محمد کریم بخش ۔ ۰۲ر

اوقات عزیزی ۔ از سید غلام حیدر خان ۴ر

ترجمۂ عوارف المعارف ۔ کامل دو جلد مین مترجمۂ مولانا ابوالحسن فرید آبادی ۔ ۱ر

تزئینۂ دانش ۔ ہوشمندی کی تعلیم از مولوی محمد کریم بخش ۔ ۰۳ر

بحر الحقیقت ۔ اصلاح نفس مین ۔ ۰۲ر

انجیات ۔ اخلاق و موعظت مین مصنفۂ منشی کامتا پرشاد ۔ ۰۳ر

کیمیائے حکمت ۔ حصہ اول بیان شریف علم و ادب ۔ ۰۲ر

پیراہن یوسفی ۔ اُردو ترجمہ مثنوی مولانا روم کا نظم شعر بہ شعر اور حاشیہ پر اُردو مین حاصل مطلب مع فوائد تصوف ۔ کامل دو جلد مین بتفصیل ذیل

(جلد اول) ترجمۂ دفتر ۱ و ۲ و ۳ ۔ زیر طبع

(جلد دوم) ترجمۂ دفتر ۴ و ۵ و ۶ ۔ زیر طبع

شجرۂ معرفت محشی ۔ منتخبات مثنوی مولانا روم ۔ مترجمۂ سید غلام حیدر صاحب ۔ ۱ر

چشمۂ فیض ۔ نظم ترجمۂ اُردو پندنامۂ عطار کلام عارف کامل حضرت شیخ فریدالدین قدس سرہٗ از مولوی عبدالغفور خان بہادر ۔ ۲ر

مذاق العارفین ۔ ترجمۂ احیاء علوم الدین عربی ہر چہار جلد کامل ۵ر

تہذیب احسانی ۔ مولفہ حکیم احسان علی ۔ ۳ر

کتب اخلاق فارسی (اہل سنت)

گلستان ۔ جلی قلم کاغذ سفید گندہ محررۂ منشی شمس الدین صاحب اعجاز رقم مرحوم ۱ر

گلستان مع فرہنگ ۔ متوسط قلم آخر مین مشکل معانی کی فرہنگ کاغذ حنائی و سفید ۱۲ر

گلستان باتصویر ۔ کاغذ حنائی و سفید رسمی ۹ر

گلستان مع فرہنگ ۔ متوسط قلم رسمی محررۂ منشی شمس الدین صاحب مرحوم ۔ ۸ر

گلستان محشی اُردو ۔ اسپر طلبا کی آسانی کے لئے اُردو کے حواشی دیے گئے ہین ۔ ۱۴ر

شرح گلستان ۔ از شیخ ولی محمد صاحب اکبر آبادی شارح مثنوی مولانا روم اس مین تصوف کے نکات کو خوب حل کیا ہے ۔ ۱۳ر

گلستان مترجم ۔ فارسی با ترجمہ اُردو ۔ ۱۲ر

گلستان خرد ۔ فارسی ۔ ۰۵ر

تضمین گلستان سعدی ۔ منشی ہرگوپال صاحب تفتہ سکندر آبادی نے اس صفائی سے گلستان کے اشعار کو تضمین کیا ہے کہ سعدی اور تفتہ کے کلام مین فرق کرنا بھی دشوار ہے ۔ ۶ر

بہارستان جامی ۔ اخلاق و نصائح مین قابل قدر کتاب ہے از مولانا جامی ۔ ۵ر

خارستان ۔ حکایات پند و نصائح بطرز گلستان سعدی از ملا مجدالدین ۔ ۸ر

عقد گل و عقد منظوم ۔ یعنی انتخاب گلستان و بوستان ۔ ۹ر

بوستان جلی قلم ۔ محررۂ منشی شمس الدین صاحب اعجاز رقم مرحوم کاغذ سفید حنائی ۔ ۱ر

بوستان محشی کلان ۔ اس میں ضروری حواشی درج ہین ۔ ۱۳ر

بوستان محشی متوسط قلم ۔ چھاپہ مطبع علوی نہایت ہی صحیح اور صاف چھپی ہے ۔ ۸ر

بوستان محشی خرد ۔ ۰۵ر

بوستان مترجم منظوم ۔ معمولی ترجمہ نہیں ہے بلکہ کمال یہ ہے کہ بوستان کی بحر مین ہر شعر کا شعر مین ترجمہ کیا ہے از منشی گوبند پرشاد فضا ۔ ۱۳ر

بہار بوستان ۔ بوستان کی جامع شرح از منشی ٹیکچند بہار صاحب بہار عجم بمثل شرح ہے ۔ ۸ر

اخلاق جلالی محشی ۔ منشی فاضل کے کورس مین ہے اور عموماً طلبا کے درس مین داخل ہے ۔ ۱ر

اخلاق ناصری ۔ منتہیان فارسی کے درس مین داخل ہے اور اخلاق مین بڑے پایہ کی کتاب ہے از علامہ نصیرالدین طوسی کاغذ سفید گندہ ۔ ۱ر

اخلاق محسنی ۔ داخل درس از ملا حسین واعظ کاشفی ۔ ۸ر

مثنوی سلسبیل ۔ اخلاق و موعظت مین ایک دُر بے بہا ہے از حکیم منور حسین صاحب امروہوی ۔ ۲ر

مجموعۂ صد پند سودمند ۔ حضرت لقمان کے نسخہ قابل قدر نصائح ۔ ۲ر ۲ پائی ۔

المشتہر منیجر صیغہ بکڈپو نولکشور پریس لکھنؤ